سلسلة احياء التراث العلمي
للإمام
النواب محمد صديق حسن خان القنوجي رحمه الله
مجموعہ رسائل عقیدہ
www.KitaboSunnat.com
نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
(۱۸۳۲ء-۱۸۹۰ء)
تسہیل و تخریج
حافظ عبداللہ سلیم ، حافظ شاہد محمود
دار ابی الطیب
للنشر و التوزیع

سلسلة إحياء التراث العلمي
للإمام
النواب محمد صديق حسن خان القنوجي رحمه الله
مجموعہ رسائلِ عقیدہ
(جلد اول)
نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)
تسہیل و تخریج
حافظ عبداللہ سلیم
حافظ شاہد محمود
دار أبي الطيب
للنشر والتوزيع

تسہیل و تخریج

حافظ عبداللہ سلیم   حافظ شاہد محمود

کمپوزنگ .... نقیب الرحمٰن

سیٹنگ .... ابوسفیان عزیزی
0321-6487621

طبع اول .... جولائی 2013ء

قیمت ....

گل روڈ حمید کالونی گلی نمبر 5 گوجرانوالہ فون 055-3823990 / 0321-6466422

Contact us: hasanshahid85@hotmail.com

❁ محدث العصر علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن المجددين على رأس الثالثة عشر... العلامة الأجل، المحدث الفاضل الأكمل، جامع العلوم الغزيرة، ذو التصانيف الكثيرة النواب صديق حسن خان البوفالي القنوجي، تغمده الله بغفرانه وأدخله بحبوحة جنانه“ (عون المعبود شرح سنن أبي داود: ١١/ ٢٦٦)

❁ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اپنے دور میں نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ کا مقام منفرد ہے، ان کے قلم سے زیادہ تر ایجابی انداز کی چیزیں نکلیں۔ اگر کبھی سلبی انداز کی کتاب نوکِ قلم تک آئی تو اس میں بھی اس قدر سنجیدگی غالب تھی کہ اس کی سلبی حیثیت نمایاں نہ ہوسکی۔ تفسیر فتح البیان، عون الباری، السراج الوہاج، فتح العلام، مسک الختام، الروضۃ الندیۃ، ابجد العلوم، اتحاف النبلاء وغیرہ ایسی چیزیں ہیں، جن کے بارِ احسان سے امت سبک دوش نہیں ہوسکے گی ...نواب صدیق حسن خاں صاحب مغفور نے تو علم کے دریا بہا دیے ... نواب صدیق حسن خاں صاحب کی تصانیف اور سخاوت سے توحید و سنت کی اشاعت میں بے حد مدد ملی اور یہ اثر بھوپال، بمبئی اور پشاور تک پہنچا۔“

(نگارشات شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ، ص: ۳۵۳، ۵۸۰)

مولف رحمہ اللہ کا عکسِ تحریر

مولف رحمہ اللہ کا عکسِ تحریر

فہرست

① تعلیم الایمان

2 اللواء المعقود لتوحید الرب المعبود

③ إخلاد الفؤاد إلى توحيد رب العباد

پہلی فصل

دوسری فصل

④ النصح السدید لوجوب التوحید

بحث اول

بحث دوم

بحث سوم

بحث چہارم

⑤ إخلاص التوحيد للحميد المجيد

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

پانچویں فصل

چھٹی فصل

⑥ ملاك السعادة في إفراد الله تعالىٰ بالعبادة

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

پانچویں فصل

چھٹی فصل

ساتویں فصل

آٹھویں فصل

(7) فتح الباب لعقائد أولي الألباب

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ تحقیق

دینِ اسلام میں عقیدہ توحید بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اساسی حیثیت کے حامل اسی نظریے کی اشاعت اور حفاظت کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیا و رسل مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل کیں۔ یہ عقیدہ توحید کی عظمت ہی کی دلیل ہے کہ اس کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں انبیائے کرام اور سلفِ امت نے بڑی کٹھن تکالیف برداشت کیں اور اس راستے میں کسی قسم کی مداہنت و مصالحت کیے بغیر اس فریضے کی بجا آوری میں سرتوڑ کوششیں کیں۔

عقیدہ توحید کی اسی قدر و منزلت کے پیشِ نظر ہر دور میں علمائے امت نے اس کی شرح و توضیح کو اپنی تصانیف میں سرِفہرست رکھا اور اس موضوع پر مستقل کتب تالیف کیں۔

برصغیر میں علومِ اسلامیہ اور عقیدہ سلف کی نصرت و اشاعت کے سلسلے میں والا جاہ نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ (۱۲۴۸۔ ۱۳۰۷ھ) کی مساعیِ جمیلہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے خود بھی حسبِ ضرورت متعدد کتب رقم فرمائیں، جن کی تعداد دو صد سے متجاوز ہے، اور دوسرے علما کو بھی تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ کیا، ان کے لیے خصوصی وظائف کا بندوبست کیا اور اسلامی علوم و فنون کے اصل مصادر و مآخذ کی از سرِنو طباعت و اشاعت کا وسیع اہتمام کیا، جو اپنے وقت میں علمائے کرام اور طلبائے دین کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے علومِ اسلامیہ کے تقریباً تمام گوشوں سے متعلق مستقل تالیفات رقم کی ہیں اور شاید ہی کوئی ایسا دینی وعلمی موضوع ہو، جس پر نواب صاحب رحمہ اللہ نے کوئی مستقل رسالہ یا کتاب نہ لکھی ہو۔[1] ان تصانیف کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک ان کی یقینی تعداد

[1] نواب صاحب رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ ''جملہ علوم جن میں (میری) یہ کتب تالیف ہوئی ہیں، ۳۳ عدد ہیں۔'' (نصب الذریعة إلی تعدید علوم الشریعة، ص: ۱۳۹)

اور موضوعات کی تعیین کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکا، جس کی بڑی وجہ ان مولفات کی عدم دستیابی اور فقدان ہے، کیوں کہ مولف رحمہ اللہ کی زندگی میں تو یہ کتب اشاعت پذیر ہوئیں، لیکن بعد میں دوبارہ ان کی از سرِ نو اشاعت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہوسکا اور یہ علمی جواہر پارے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

عصرِ حاضر میں علومِ سلف کی تجدید و اشاعت کا جو مبارک سلسلہ شروع ہوا ہے، اس کی بدولت بڑے ہی قیمتی اور نایاب علمی خزانے منصۂ شہود پر طلوع ہوئے ہیں اور روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

برصغیر کے علماے حدیث نے مختلف علوم وفنون میں گراں قدر علمی تراث چھوڑی ہے، جس کی طرف کچھ عرصے سے محققین کی توجہ مبذول ہوئی ہے اور کئی کتب تحقیقی مراحل سے گزر کر از سرِ نو اشاعت پذیر ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت نے بھی علما و محققین کی بھرپور سرپرستی کی ہے، جس کی بنا پر اب تک متعدد کتب شائع ہوچکی ہیں اور برصغیر کے مختلف مدارس و جامعات کے اندر اور باہر کئی محققین اس علمی تراث کے احیا وتجدید میں مشغول ہیں، جو آنے والے دنوں میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر یقیناً علمی دفینوں کی اشاعت اور شائقینِ علم کے لیے اپنی تشنگی دور کرنے کا سبب ہوگا۔

زیرِ نظر سلسلہ اشاعت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کے تحت جدید تحقیقی معیار کے مطابق مجدد العصر نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی علمی تراث کا احیا کرنا پیش نظر ہے۔

گذشتہ سال محترم المقام مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ نے نواب صاحب رحمہ اللہ سے قلبی لگاؤ اور اپنی علمی لگن کے پیشِ نظر ان کے چند رسائل کی تحقیق اور ایڈیٹنگ کروانے کے بعد اشاعت کا پروگرام بنایا تو ان کی خدمت میں عرض کی کہ اس کے بجائے اگر نواب صاحب رحمہ اللہ کی اردو، عربی اور فارسی میں لکھی ہوئی تمام مولفات کو تحقیق و ترجمہ کے بعد مناسب ترتیب سے مجموعات کی شکل میں شائع کیا جائے تو یقیناً یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت اور نواب صاحب رحمہ اللہ کی مولفات کی حفاظت و اشاعت کا بڑا ذریعہ ہوگا، جو بلا شبہہ اصحابِ علم و فضل اور شائقینِ علم کے لیے بے حد مفید ہوگا، چنانچہ محترم محمدی صاحب حفظہ اللہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور اس مشروع کو لجنۃ القارہ الہندیہ کے مدیر جناب فضیلۃ الشیخ فلاح خالد المطیری حفظہ اللہ کے سامنے رکھا، جنھوں نے علم پروری کے جذبے سے اس پر موافقت کی اور اس سلسلے میں مکمل سرپرستی کا یقین دلایا۔

موصوف محترم شیخ ابو خالد فلاح المطیری ﷾ سے متعلق یہ امر بالخصوص قابل ذکر ہے کہ انھیں نواب صاحب ﷫ کی شخصیت اوران کے علوم و آثار سے بڑی گہری لگن بلکہ عقیدت ہے۔[1]

چنانچہ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے ذیلی شعبے لجنۃ القارۃ الھندیہ کے زیر اہتمام نواب صاحب ﷫ کی علمی تراث کے احیا کی خاطر یہ علمی مشروع شروع کیا گیا ہے، جس سے نواب صاحب ﷫ کی مولفات کو حسبِ ضرورت تحقیق و ترجمہ اور تسہیل کے ساتھ مناسب ترتیب سے مجموعات کی شکل میں شائع کرنا مقصود ہے۔

اس مقصد کے پیشِ نظر محترم مولانا عارف جاوید محمدی ﷾ نے پاک و ہند کے مختلف مدارس و جامعات اور مکتبات سے نواب صاحب ﷫ کی تصانیف کو جمع کیا، جس کے دوران میں نواب صاحب ﷫ کی مولفات کے بعض قلمی نسخے بھی دستیاب ہوئے ہیں، جو جلد ہی ایڈیٹنگ کے بعد شائقینِ علم کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

اس سلسلے میں سب سے پہلے قارئین کی خدمت میں نواب صاحب ﷫ کی عقیدہ توحید سے متعلق پندرہ کتب کو تحقیق و تسہیل کے بعد پیش کیا جا رہا ہے اور بقیہ کتب بھی موضوعاتی ترتیب کے ساتھ آنے والے دنوں میں شائع کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز

مجموعہ رسائلِ عقیدہ:

اس اولین مجموعے میں شامل کتب و رسائل کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

① تعليم الإيمان:

اس مختصر رسالے میں مولف ﷫ کے الفاظ میں ''ایمانِ کامل کا بیان ہے، جو دخولِ جنت کا وسیلہ جمیلہ ہے۔''

---

[1] اسی عقیدت کے زیر اثر محترم شیخ ابو خالد ﷾ نے ایک بار پاکستان اور دو دفعہ ہندوستان کا سفر کیا ہے۔ موصوف نے پاکستان کا سفر دار الدعوۃ السّلفیہ لاہور میں نواب صاحب ﷫ کی مولفات کا مشاہدہ کرنے کے لیے کیا تھا، چنانچہ وہ شدید گرمی اور حبس کے عالم میں ساری رات نواب صاحب ﷫ کی مولفات کو ملاحظہ کرتے رہے۔ اسی طرح ہندوستان کا سفر نواب صاحب کی جائے سکونت، محلات اور دیگر اماکن کی سیاحت کے لیے کیا، جس سے ایک طرف قلبی لطف و سرور ملا تو ساتھ ہی اس رحلے سے بیش بہا علمی فوائد بھی سمیٹے۔

اس رسالے میں نواب صاحب رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حدیثِ جبریل کی مختصر توضیح اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، پھر ایمان کا مختصر تعارف، اس کے ارکان، درجات، کلمہ توحید کے فضائل اور بعض دیگر مسائلِ عقیدہ کو اختصار کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

یہ رسالہ مولف رحمہ اللہ نے بروز بدھ نو جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ کو تالیف کیا تھا۔ اس کی تالیف دو دنوں میں مکمل ہوئی اور مولف رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں یہ کتابچہ چونتیس (۳۴) صفحات میں شائع ہوا۔[1]

② اللواء المعقود لتوحيد الرب المعبود:

اس رسالے میں توحید کے آٹھ درجات کا بیان ہے۔ یہ کتابچہ دراصل علامہ محمد بن احمد حفظی (۱۲۲۲ھ) کے عربی رسالے "درجات الصاعدين إلى مقامات الموحدين" کا ترجمہ وتہذیب ہے، جس میں حسبِ ضرورت مولف رحمہ اللہ نے بعض اضافات بھی کیے ہیں۔

نواب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس رسالے میں اختصار کے ساتھ توحید کے مراتب کا بیان کرنا مقصود ہے، جو شخص توحید کے ان مراتب کو معلوم کر لے گا اور دل سے ان کی تصدیق کرے گا، وہ اسفل سافلین سے نکل کر اعلیٰ علیین میں پہنچ جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ"

نیز فرماتے ہیں:

"یہاں "درجات الصاعدين إلى مقامات الموحدين" کا خلاصہ کچھ ضروری اضافوں کے ساتھ مکمل ہوا۔ اس رسالے کا ترجمہ اگرچہ لاہور میں طبع ہو چکا ہے، لیکن اصل وترجمہ دونوں غلطیوں سے خالی نہیں ہیں، لہٰذا اس جگہ صرف خلاصے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جو شخص اس کتاب کے مضامین کو بہ نظرِ غور سمجھ لے گا، اس پر ظاہراً اور باطناً شرکیہ اقوال، افعال، اعمال اور احوال کا سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا، اس لیے کہ شرک کی

---

[1] مولف رحمہ اللہ نے دیگر ارکانِ اسلام سے متعلق بھی مختصر رسائل: ① تعليم الصلاة، ② تعليم الزكاة، ③ تعليم الصيام، ④ تعليم الحج تالیف کیے تھے اور اسی طرح "تعليم الذكر والدعاء" کے نام سے بھی ایک رسالہ آپ کی مولفات میں ملتا ہے۔ یہ تمام رسائل بفضلہٖ تعالیٰ آنے والے مجموعات میں اشاعت پذیر ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

اقسام باوجود کثرت کے مذکورہ بالا آٹھ مقامات کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتیں۔"

اس رسالے کا ترجمہ و اضافہ دو روز میں بروز ہفتہ شعبان کی آخری تاریخ ۱۳۰۵ھ کو مکمل ہوا اور مولف رحمہ اللہ کی زندگی میں چالیس صفحات میں اشاعت پذیر ہوا۔

③ إخلاد الفؤاد إلى توحيد رب العباد:

اس رسالے میں مولف رحمہ اللہ نے شرک کے انتشار اور اس کے اسباب پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور ساتھ ہی بلادِ عرب و عجم کے مختلف مقامات پر ہونے والی منکرات و بدعات، شرکیہ اعمال اور قبور و مشاہد پر سرزد ہونے والی غیر شرعی رسوم و رواج کی تفصیل ذکر کی ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا محاکمہ کیا ہے۔

یہ رسالہ دراصل علامہ حسین بن غنام احسائی (۱۲۲۵ھ) کی کتاب "تاریخ نجد" بہ نام "روضة الأفكار و الأفهام لمرتاد حال الإمام و تعداد غزوات ذوي الإسلام" کی پہلی تین فصلوں کا ترجمہ واختصار ہے، جس میں مولف رحمہ اللہ نے حسبِ ضرورت بعض فوائد کا اضافہ بھی کیا ہے۔

یہ رسالہ مولف رحمہ اللہ نے ۱۸/ شوال ۱۳۰۵ھ کو دو روز میں تحریر کیا تھا اور آپ کی زندگی ہی میں بیالیس صفحات میں شائع ہوا تھا۔

یہ کتابچہ ہندوستان میں "توحید کی فطری دعوت" کے عنوان سے مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی حفظہ اللہ (استاد جامعہ عالیہ عربیہ، مؤناتھ بھنجن) کی تخریج و تعلیق کے ساتھ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے تعاون سے ستمبر ۲۰۰۷ء کو بھی طبع ہوا ہے۔

زیرِ نظر طباعت میں مزید تسہیل و تصحیح کے بعد مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی حفظہ اللہ کی تخریج کو بعض اضافوں اور تکمیل کے ساتھ برقرار رکھا گیا ہے اور ان کے رقم کردہ حواشی کو بھی ضروری تصحیح کے بعد درج کیا گیا ہے۔

④ النصح السديد لوجوب التوحيد:

اس رسالے میں توحید کے بعض مراتب اور شرک کے بعض مدارک کا بیان ہے۔ یہ دراصل امام شوکانی رحمہ اللہ کے رسالے "العذب النمير في جواب مسائل عالم بلادِ عسير" کا ترجمہ ہے۔ اس رسالے میں مولف رحمہ اللہ نے پہلی فصل میں دعا عبادت ہے، دوسری فصل میں اثباتِ توحید

اور ردِ شرک اور تیسری فصل میں گذشتہ امتوں کے شرکیہ اقوال، افعال اور ان کے اسباب پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

اسی ضمن میں مولف رحمہ اللہ نے صرف سورت فاتحہ سے تیس دلائلِ توحید بھی بیان کیے ہیں، جو ان کی دقتِ نظر اور وسعتِ علم کا بین ثبوت ہے۔ اس کے بعد کتاب میں چوتھی فصل کا اضافہ مترجم رسالہ کا تحریر کردہ ہے، جس میں انھوں نے گمراہ فرقوں اور ان کی گمراہی کے اسباب پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور آخر میں مولف رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی علمی مماثلت و مشابہت کا خوبصورت پیرائے میں تذکرہ کیا ہے۔

مترجم رسالہ محترم نواب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "آج ۱۵ شوال ۱۳۰۵ھ کو بروز منگل یہ ترجمہ دو دن میں مکمل ہوا۔" اس رسالے کا اولین اڈیشن مترجم کی زندگی ہی میں اڑتیس صفحات میں شائع ہوا تھا۔

⑤ إخلاص التوحيد للحميد المجيد:

اس رسالے میں توحید کے بعض مقاصد اور شرک کے بعض مدارج لکھے گئے ہیں، تاکہ ایک خدا پرست مومن ان دونوں چیزوں کا فرق سمجھ کر اعتقاداً و عملاً انواعِ شرک سے بچے اور توحیدِ باری تعالیٰ سے آراستہ ہو کر اپنے آپ کو رحمت اور مغفرتِ الٰہی کا مستحق بنائے۔

یہ کتاب ایک مقدمے، چھے فصلوں اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ مولف رحمہ اللہ نے مقدمہ کتاب میں بعض عقدی امور میں اختلاف و التباس کا سبب بننے والے چار الفاظ: ① استغاثہ ② استعانت ③ تشفع ④ توسل کی شرح و تفصیل بیان کی ہے، پھر توسل کی حقیقت و مشروعیت پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے بعد بعض شرکیہ اعمال کی تردید کی ہے۔

فصل اول میں شرک فی العبادۃ اور اس کی مختلف شکلیں، فصل ثانی میں عمل کے بغیر کلمہ توحید کی عدمِ افادیت، فصل ثالث میں موجودہ مشرکین کا ایک باطل شبہہ اور اس کا رد، فصل رابع میں قبر پرستوں کے کفر عملی اور کفر اعتقادی سے متعلق بعض اہلِ علم کی ٹھوکر، فصل خامس میں صاحبِ قبر کے توسل سے دعا کرنا اور فصل سادس میں مومنین اور مشرکین کی زیارتِ قبور میں فرق پر روشنی ڈالی ہے اور خاتمہ کتاب میں مشرک کا دنیوی و اخروی انجام اور مسئلہ شفاعت بیان کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے تین مصادر ہیں:

① مقدمہ کتاب اور پہلی پانچ فصلیں امام شوکانی رحمہ اللہ کے رسالے "الدر النضيد في إخلاص التوحيد" کے ترجمے پر مشتمل ہیں۔

② چھٹی فصل امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان" سے ماخوذ ہے۔

③ خاتمہ کتاب علامہ سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ کی کتاب "كشف غياهب الظلام عن أوهام جلاء الأفهام" سے اخذ کردہ ہے۔

اس دوران میں مولف رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر علمی فوائد اور اضافہ جات بھی شامل کتاب کیے ہیں، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

"اس رسالے میں کسی جگہ ان کے رسالے "الدر النضيد" پر کچھ زیادتی اور اضافہ بھی ہوگیا ہے۔"

اس رسالے کی مدتِ تالیف سے متعلق فرماتے ہیں:

"نو شوال بروز بدھ یہ رسالہ شروع کیا تھا اور آج تیرہ شوال ۱۳۰۵ھ بروز اتوار پانچ دن میں بحمدہ تعالیٰ وعونہ ختم ہوا۔"

یہ رسالہ مولف رحمہ اللہ کی زندگی میں بانوے صفحات میں شائع ہوا تھا۔[1]

⑥ ملاك السعادة في إفراد الله تعالىٰ بالعبادة:

یہ مختصر رسالہ مولف رحمہ اللہ کے الفاظ میں "اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے اور الحاد کی گندگیوں سے عقیدے کی تطہیر کے لیے تصنیف کیا گیا ہے۔" یہ کتابچہ دراصل امام محمد بن اسماعیل امیر صنعانی رحمہ اللہ کے رسالے "تطهير الاعتقاد من أدران الإلحاد" کا ترجمہ ہے، جو ایک مقدمے اور آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

مقدمہ کتاب میں عقیدے کے پانچ اصول اور توحید کی اقسام کا تذکرہ ہے۔ پہلی فصل میں عبادت کی اقسام، دوسری فصل میں شرک فی العبادۃ کی صورتیں، تیسری فصل میں وسیلے کا شرک، چوتھی فصل میں مخلوق سے استغاثہ، پانچویں فصل میں عبادتِ غیر اللہ کی مختلف صورتیں، چھٹی فصل میں کیا قبر پرستی کا عام ہونا، اس کے حق ہونے کی دلیل ہے؟ ساتویں فصل میں گنبد خضرا کی شرعی حیثیت اور

[1] اس رسالے "الدر النضيد في إخلاص التوحيد" کا ایک ترجمہ مولانا عبد الرشید حنیف جھنگوی نے بھی تحریر کیا تھا۔ (جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، ص: ۱۰۵)

آٹھویں فصل میں مجاذیب کے خارق عادات امور کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

یہ ترجمہ بروز سوموار سات شوال ۱۳۰۵ھ کو ایک دن میں مکمل ہوا اور اڑتیس صفحات میں شائع ہوا۔

⑦ فتح الباب لعقائد أولي الألباب:

نواب صاحب رحمہ اللہ اس کتاب کی ترتیب و اسلوب سے متعلق فرماتے ہیں:

"زیرِ نظر رسالے میں معتمد علیہ کتابوں کے طرز پر عقائدِ اسلام کو بیان کیا جائے گا۔ اس میں ہر مسئلہ قرآن و حدیث کی دلیل سے مدلل ہوگا۔ کوشش یہ ہوگی کہ دسیوں دلائل میں سے چند دلیلوں کا انتخاب کیا جائے، کیوں کہ مختصر کتاب کی تالیف کا ارادہ ہے۔ جس عقیدے میں اتفاقاً کہیں اہلِ علم کا اختلاف ہوا ہے، وہاں راجح قول یعنی ظاہرِ کتاب و سنت کے موافق کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں سلف صالحین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے عقائد کو پیش کیا گیا ہے، کیوں کہ انھیں کا سمجھا ہوا متفقہ عقیدہ صحیح عقیدہ ہے اور انھیں کے عقائد پر چل کر ہدایت مل سکتی ہے۔"

مولف رحمہ اللہ نے اس کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں رب العالمین کی معرفت، دوسرے باب میں اسماے الٰہیہ اور رویتِ ربانی، تیسرے میں خلقِ افعال، چوتھے میں نبوت، ملائکہ، کتب سماویہ، یومِ آخرت اور اِرسالِ رسل کی حکمت، پانچویں میں ایمانیات، چھٹے میں متفرق عقائد، ساتویں میں امامت و خلافت اور آٹھویں باب میں عقیدہ و عمل میں سیرتِ سلف کا تذکرہ کیا ہے اور آخر میں خاتمہ کتاب میں تقوے کی اہمیت و تمسک پر زور دیا ہے۔

یہ کتاب ایک ہفتے کی قلیل مدت میں ۱۸ر جمادی الآخرہ ۱۳۰۲ھ کو ختم ہوئی اور مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۲ھ کو ایک سو بتیس (۱۳۲) صفحات میں اشاعت پذیر ہوئی۔

بعد ازاں یہ کتاب "عقيدة المؤمن" کے نام سے مولانا عبد المعید عبد الجلیل سلفی حفظہ اللہ کی تلخیص و ترتیب کے ساتھ جامعہ سلفیہ بنارس (انڈیا) سے اکتوبر ۱۹۸۶ء کو شائع ہوئی۔ ہم نے زیرِ نظر اشاعت میں اسی "عقيدة المؤمن" کو شامل کیا ہے، لیکن اصل کتاب کی اولین طباعت کو مدنظر رکھ کر کتاب کی تصحیح، اضافات، مزید تسہیل اور تحقیق و تخریج کے ذریعے اس طبع کو مزید بہتر بنانے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔

⑧ الانفكاك عن مراسم الإشراك:

یہ رسالہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی کتاب "تقوية الإيمان" کا اختصار ہے، جو ایک مقدمے، پانچ فصلوں اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ اس میں مولف رحمہ اللہ نے شرک کی حقیقت و اقسام اور اس کا انجام بیان کیا ہے، پھر شرک کی چار قسموں: ① شرك في العلم، ② شرك في التصرف، ③ شرك في العبادة اور ④ شرك في العادة پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ اس کے بعد خاتمہ کتاب ہے، جو نواب صاحب رحمہ اللہ کا تحریر کردہ ہے، جس میں انھوں نے نجاتِ اخروی کے حصول کا طریقہ بیان کیا ہے۔

⑨ دعوة الداعِ إلى إيثار الاتباع على الابتداع:

اس کتاب میں اتباعِ سنت اور بدعت کی مذمت کا بیان ہے۔ یہ کتاب شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی کتاب "رد الإشراك" کے دوسرے باب کے اردو ترجمے "تذكير الإخوان" کی تلخیص ہے۔

دراصل شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے توحید و شرک اور سنت و بدعت سے متعلق ایک کتاب "رد الإشراك" عربی میں تالیف کی[1] جو دو ابواب پر مشتمل تھی۔ پہلے باب میں توحید کی اہمیت اور شرک کی مذمت ذکر کی گئی تھی اور دوسرے باب میں اتباعِ سنت اور اجتنابِ بدعت کے موضوع پر تفصیل بیان کی گئی تھی۔ خطہ برصغیر کے عوام میں چونکہ اردو زبان متداول تھی، اس لیے کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر شاہ شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "رد الإشراك" کے باب اول کا ترجمہ "تقوية الإيمان" کے نام سے کیا، جو بے حد مقبول ہوا اور لاکھوں لوگوں کی رشد و ہدایت کا باعث بنا۔

شاہ شہید رحمہ اللہ "رد الإشراك" کے دوسرے باب کا ترجمہ بھی کرنا چاہتے تھے، لیکن اس خواہش کی تکمیل سے قبل ہی آپ شہادت پا گئے، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی کے ایک شاگرد مولانا محمد سلطان خاں صاحب نے باب دوم کا ۱۲۵۰ھ میں ترجمہ کیا، جو "تذكير الإخوان بقية تقوية الإيمان" کے نام سے ۱۲۹۳ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا۔

زیرِ نظر کتاب "دعوة الداع إلى إيثار الاتباع على الابتداع" اسی "تذكير الإخوان"

---

[1] نواب صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کی احادیث کی تخریج و تحقیق پر مشتمل ایک کتاب "الإدراك بتخريج أحاديث رد الإشراك" بھی عربی میں تالیف کی ہے۔

کی تلخیص وتہذیب ہے، جو نواب صاحب رحمہ اللہ نے شوال ۱۳۰۵ھ کو تحریر کی اور ایک سو پینتیس (۱۳۵) صفحات میں شائع ہوئی۔

یہ کتاب ایک مقدمے، سات ابواب اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ اس کتاب پر تفصیلی تبصرہ وتعارف ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ کے مقدمے اور مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی حفظہ اللہ کے پیش لفظ میں موجود ہے، جو کتاب کے آغاز میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

ہندوستان میں جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے تعاون سے اس کتاب کا جدید اڈیشن مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی حفظہ اللہ کی تسہیل وتخریج اور ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ کی تقدیم کے ساتھ مارچ ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا تھا، جو ہمارے پیشِ نظر ہے اور ہم نے اسی طباعت کو مزید تصحیح، تسہیل، تخریج اور مراجعت کے بعد اس مجموعے میں شامل کیا ہے۔

⑩ سائق العباد إلى صحة الاعتقاد:

اس رسالے میں اسمائے حسنیٰ، صفاتِ باری تعالیٰ اور عقیدے کے دیگر بنیادی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ رسالہ دراصل ایک عربی رسالے ''القائد إلى العقائد'' کا اردو ترجمہ ہے، جو سید عبدالباری سہوانی رحمہ اللہ (۱۲۶۷ھ۔۱۳۰۳ھ) نے رقم کیا ہے۔

اصل عربی رسالے ''القائد إلى العقائد'' سے متعلق مقدمہ کتاب میں مرقوم ہے کہ یہ رسالہ سید ابو النصر علی حسن خان بن نواب صدیق حسن خان کی تحریر ہے، جبکہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب ''المعتقد المنتقد'' کے آغاز (ص:۳) میں یہ صراحت کی ہے کہ یہ رسالہ ''القائد إلى العقائد'' ان رسائلِ عقائد میں سے ہے، جو خاص میری تالیف ہیں۔[1]

یہ رسالہ مولف رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں ۱۳۰۴ھ کو مطبع سعید المطابع بنارس سے چھیالیس صفحات میں شائع ہوا تھا۔

---

[1] نواب صاحب رحمہ اللہ اپنی تحریر کردہ بعض کتب کو بسا اوقات اپنی اولاد اور احباب کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ وہ خود اپنی تالیف کردہ کتب سے متعلق فرماتے ہیں: ''بعض کتب جن کو اپنی طرف منسوب نہیں رکھا یا دوسرے کی طرف منسوب کر دیا ہے، وہ بھی اسی قدر (اٹھارہ بیس) عدد میں ہوں گی۔''

(نصب الذريعة إلى تعديد علوم الشريعة، ص: ۱۳۹)

⑪ دعاية الإيمان إلى توحيد الرحمان:

نواب صاحب رحمہ اللہ کی یہ کتاب توحید و شرک کی انواع و اقسام اور ان سے متعلقہ تفصیلی دلائل پر مشتمل ہے۔ ''نواب علیہ الرحمہ نے مقدمہ میں توحید کے اثبات، شریک کی تردید، وجودِ باری تعالیٰ کے دلائل اور بعض دوسرے متعلقہ امور کا مختصر ذکر کیا ہے، پھر پہلے باب میں توحید کی تینوں اقسام اور شرک و نفاق پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، دوسرا باب موحدین و مشرکین کے انجام سے متعلق ہے، تیسرے باب میں دونوں فریق کے درجات و درکات کا بیان ہے، مضمون کی توضیح کے لیے حکایات بھی درج ہیں، تقلید کی تعریف، اشراک کی اقسام اور علم غیب وغیرہ بھی اسی باب میں مذکور ہیں، چوتھے باب میں شرک کے بعض احوال، عبادت کی قسموں، اس کی حکمت اور فوائد کا بیان ہے، پانچویں باب میں شرک پر دو آیتوں کی تفسیر اور بعض حکایات ہیں، چھٹے باب میں شرک کی بعض دیگر اصناف کا بیان ہے، اسی باب میں استغاثہ، توسل، نذر لغیر اللہ، ذبح لغیر اللہ وغیرہ اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ساتویں باب کا تعلق شفاعت کی اقسام، جادو کی حرمت، علم نجوم کی حرمت، پھر محبتِ الٰہی اور اس کے اسباب سے ہے، اس کے بعد خاتمہ اور اس کا ذیل ہے۔''[1]

مولف رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تالیف ۲۷ محرم ۱۳۰۴ھ کو شروع کی اور اس کا اختتام ماہِ صفر کی چار تاریخ کو ہوا۔

اس کتاب کی اولین طباعت مولف رحمہ اللہ کی زندگی میں ۱۳۰۴ھ کو مطبع شاہ جہانی بھوپال میں ایک سو بہتر (۱۷۲) صفحات میں ہوئی۔ بعد ازاں یہ کتاب جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے تعاون سے مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ کی تخریج و تسہیل کے ساتھ ستمبر ۲۰۰۵ء کو جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہوئی اور اب اس طبع کو مزید تسہیل، تخریج اور تصحیح کے ساتھ اس مجموعے میں شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔

⑫ التفكيك عن أنحاء التشريك:

اس رسالے میں شرک کی دو قسموں: شرک اکبر و شرک اصغر اور مسئلہ شفاعت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، اسی ضمن میں بعض دیگر مسائل قبر پرستی اور زیارتِ قبور وغیرہ پر بھی اختصار کے ساتھ کلام کیا گیا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے یہ رسالہ بروز بدھ ۱۶ شوال ۱۳۰۵ھ کو ایک دن میں تالیف کیا اور مولف رحمہ اللہ کی زندگی میں یہ رسالہ تیس صفحات میں شائع ہوا تھا۔

[1] ''دعاية الإيمان إلى توحيد الرحمن'' عرض ناشر از ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ (ص: ۱۳)

⑬ عقيدة السني:

اس رسالے میں اسما و صفاتِ باری تعالیٰ اور بیشتر مسائلِ عقیدہ کو نہایت اختصار کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور ساتھ ہی مختصراً دلائل کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے اس رسالے میں اتفاقی اور راجح عقائد ہی کا تذکرہ کیا ہے، جس کی بنا پر یہ کتابچہ ہر شخص کے لیے بڑی افادیت کا حامل ہے اور ہر مسلمان اس سے بہ آسانی استفادہ کر سکتا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے یہ رسالہ بروز منگل ۲۶ شعبان ۱۳۰۵ھ کو دو دن میں تصنیف کیا تھا اور آپ کی زندگی ہی میں یہ رسالہ انتالیس صفحات میں طبع ہوا۔

⑭ الاحتواء على مسألة الاستوا:

یہ رسالہ، جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، ذاتِ باری تعالیٰ کے استوا علی العرش سے متعلق دلائل پر مشتمل ہے۔ مولف رحمہ اللہ نے اسے بارہ فصلوں میں ترتیب دیا ہے۔ آٹھ فصلوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے استوا علی العرش اور جہتِ علو و فوق کو قرآن و حدیث کے دلائل اور ائمہ محدثین اور علماے امت کے آثار و اقوال سے ثابت کیا ہے۔ پھر نویں فصل میں نصوصِ کتاب و سنت کو ظاہر پر محمول کرنے اور ان کے مؤول نہ ہونے پر کلام کیا ہے۔ دسویں فصل میں صفاتِ الٰہیہ کو ظاہر پر محمول کرنے کے سبب جہمیہ اور معتزلہ کے اہلِ سنت کو مشبہہ اور مجسمہ کہنے کی حقیقت بیان کی ہے اور گیارھویں فصل میں ثابت کیا ہے کہ صفتِ استوا وغیرہ کی نفی جہمیہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے، پھر بارھویں فصل میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح" سے چھیاسی عقائدِ اہل حدیث کو بیان کیا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے یہ رسالہ ۱۲۸۳ھ میں تالیف کیا تھا، جیسا کہ اس کے شروع میں یہ صراحت موجود ہے۔

یہ رسالہ پہلی مرتبہ اوائل ربیع الآخر ۱۲۸۵ھ کو مطبع گلشن اودھ لکھنؤ میں طبع ہوا، پھر دوسری بار مولف رحمہ اللہ کی نظر ثانی کے بعد شوال ۱۳۰۲ھ کو مطبع صدیقی بنارس میں مولانا محمد سعید بنارسی رحمہ اللہ کی تصحیح و اہتمام کے ساتھ اکیاون صفحات میں شائع ہوا تھا۔

یہ رسالہ ۱۳۰۳ھ کو مطبع محمدی لاہور سے بھی بتیس صفحات میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔

⑮ المعتقد المنتقد:

مولف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں امت مسلمہ کے اہم فرقوں کے عقائد کو ان کے معتبر علما اور مصادر

سے نقل کیا ہے اور جہاں جہاں ان کی آرا عقائدِ سلف کے مخالف ہیں، اس کی نشاندہی کی ہے اور کتاب و سنت کے دلائل سے اس کی تردید کی ہے۔ اس کے دوران میں اہلِ سنت اور ائمہ محدثین کے نزدیک راجح عقائد کا بھی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمے، انیس فصلوں اور خاتمے پر مشتمل ہے۔

مقدمہ کتاب میں علمِ سلف کی علمِ خلف پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ مبحث امام ابن رجب رحمہ اللہ کی کتاب "فضل علم السلف علی الخلف" سے ماخوذ ہے۔ پھر کتاب کی انیس فصلوں میں مختلف فرقوں کے عقائد کو ان کے معتبر علما اور مستند مصادر سے نقل کیا گیا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے تمام فرقوں کے عقائد ذکر کرنے کے بعد ایک مستقل فصل میں ہر فرقے کے عقیدے میں پائی جانے والی غلطیوں کو درج کیا تھا اور ان پر تعاقب کیا تھا۔ ہم نے زیرِ نظر اشاعت میں مولف رحمہ اللہ کے اس نقد و تبصرے کو ہر فصل میں اس کے متعلق مقام میں حواشی میں درج کر دیا ہے، تاکہ اس سے استفادہ کرنے میں سہولت پیدا ہو جائے اور مولف رحمہ اللہ کا مقصود و مدعا بہ آسانی ذہن نشین ہو جائے۔

کتاب کی آخری فصل میں سلفِ امت اور ائمہ محدثین کے نزدیک راجح عقائد کا تذکرہ کیا گیا ہے، تاکہ تمام فرقوں کے عقائد جاننے کے بعد صحیح عقائد کی معرفت ذہن نشین ہو سکے اور ہر مسلمان ان کے مطابق اپنے عقیدے کو ڈھال لے۔

خاتمہ کتاب میں کلماتِ کفر و شرک اور ریاکاری کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے، جو امام شعرانی کی کتاب "المنن الکبریٰ"، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب "مالا بد منہ" اور علامہ ابن حجر مکی کی کتاب "الزواجر عن اقتراف الکبائر" سے ماخوذ ہے۔

یہ کتاب مولف رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں ۱۳۰۵ھ کو مطبع انصاری دہلی سے دو سو اڑتالیس صفحات میں شائع ہوئی تھی۔[1]

اسلوبِ تحقیق و تسہیل:

① مذکورہ بالا کتب میں مندرجہ تمام سورتوں کے نام اور آیات کی ترقیم کا اہتمام کیا گیا ہے، کیوں کہ

[1] مولف رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں اس کتاب کا اختصار "خلاصۃ المعتقد" کے نام سے ہوا تھا، جو مطبع سعید المطابع بنارس سے مولانا محمد سعید بنارسی رحمہ اللہ کی تصحیح کے ساتھ ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوا تھا۔ نیز اس نام "المعتقد المنتقد" سے ایک کتاب مولوی فضل الرسول قادری بدایونی (۱۲۱۳۔۱۲۸۹ھ) نے تحریر ←

مولف رحمہ اللہ نے آیات کو سورتوں اور آیات نمبر کے بغیر ہی ذکر کیا تھا۔

2. تمام احادیث و آثار کی مقدور بھر تحقیق و تخریج کی گئی ہے۔ جس حدیث کے ضعف کی علت و سبب پر اطلاع ہوئی، اسے اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، کیوں کہ عصر حاضر میں قلتِ علم اور انتشارِ جہل کے سبب اگر کسی ضعیف یا موضوع روایت کا ذکر سببِ وضع یا علتِ ضعف کو بیان کیے بغیر کیا جائے، تو اس کے نتیجے میں کئی طرح کے مفاسد اور نقصانات کے جنم لینے کا اندیشہ ہوتا ہے۔[1]

3. کتب مذکورہ بالا کی زبان اور اندازِ بیان کو حتی المقدور سہل اور آسان بنانے کی سعی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے بنیادی طور پر یہ کوشش کی ہے کہ مولف رحمہ اللہ کے کلام کے مفہوم و معنی میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا جائے اور الفاظ کی صرف اسی قدر تسہیل و تیسیر کی جائے کہ قارئین کرام مولف رحمہ اللہ کے مقصود و مدعا کو بہ آسانی سمجھ جائیں۔ تاہم ناظرین کرام مطالعہ کتب کے دوران میں قدیم زبان کی حلاوت و طراوت کو ضرور محسوس کریں گے، کیوں کہ ہم نے ہر ہر لفظ کو بدلنے اور اس کا ترجمہ کرنے کے بجائے مشکل و نامانوس الفاظ کی تسہیل اور اسلوبِ بیان کو آسان بنانے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔

4. ان کتب میں مذکور تمام آیات، احادیث و آثار اور عربی و فارسی عبارات و اشعار کا ترجمہ کیا گیا ہے اور انھیں بریکٹوں [ ] کے درمیان درج کیا گیا ہے۔

5. ان کتب میں منقول تمام عبارات کا حتی الامکان اصل مصادر و مراجع کو مدنظر رکھتے ہوئے مقارنہ کیا گیا ہے، جس کی بدولت کئی طباعتی اغلاط کی تصحیح ہوگئی ہے۔

← کی اور احمد رضا خان بریلوی (۱۲۷۲ھ۔ ۱۹۴۰ء) نے اس کی شرح "المستند المعتمد" کے نام سے لکھی۔ یہ متن اور اس کی شرح دونوں ہی ائمہ سلف کے برخلاف متکلمین کی روش پر غیر اسلامی عقائد و افکار کو ملمع سازی کے ذریعے عقیدہ توحید کے نام پر پیش کرتے ہیں۔

[1] افسوس کہ عصرِ حاضر میں بعض لوگ سلفِ امت اور ائمہ محدثین کی اتباع پر مبنی اس طرزِ عمل کو بڑا ناروا اور غیر محمود سمجھتے ہیں، بلکہ حفاظتِ حدیث کی اساس پر قائم اس علم پر مختلف طریقوں سے اظہارِ نفرین کرتے رہتے ہیں اور طرفہ تماشا یہ کہ بسا اوقات اس طنز و تشنیع میں پیش پیش وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اس فن کے اصول و قواعد سے ناواقف اور اس علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور ان کا دامن اس مبارک علم کی خدمت سے عموماً خالی ہوتا ہے۔ فیا للعجب وضیعة الأدب!!

⑥ تمام کتب میں مناسب عناوین اور ذیلی سرخیوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

⑦ بعض مقامات پر حسبِ ضرورت تعلیقات و حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

⑧ مذکورہ بالا کتب میں بعض مباحث کا تکرار پایا جاتا ہے، کیوں کہ مولف رحمہ اللہ نے یہ کتب مختلف اوقات میں لکھیں اور ان کی اشاعت بھی الگ الگ عمل میں آئی تھی۔ ہم نے اس تکرار کو علی حالہ باقی رکھا ہے اور اس میں کسی قسم کا حذف و اختصار نہیں کیا۔

⑨ ہم نے عبارات کے دوران میں علاماتِ ترقیم اور الفاظ کی کتابت میں حتی الوسع قواعدِ املا کی رعایت رکھی ہے، اس لیے (طباعتی غلطی کے سوا) کسی لفظی غلطی کی نشان دہی سے قبل کتبِ لغت کی طرف مراجعت کر لی جائے۔

⑩ جہاں جہاں مولف رحمہ اللہ نے حواشی لکھے تھے، ہم نے انھیں برقرار رکھا ہے اور آخر میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

اظہارِ تشکر:

سب سے پہلے ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں، جس کے فضل و احسان کی بنا پر ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد اس علمی خزینے کی خدمت و اشاعت کی توفیق میسر آئی، پھر ہم ان تمام احباب و اخوان کے ممنون ہیں، جنھوں نے اس مرحلے میں کسی بھی قدم پر ہماری معاونت اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ خصوصاً فضیلۃ الشیخ فلاح خالد المطیری حفظہ اللہ (مدیر لجنۃ القارۃ الہندیہ) اور محترم المقام مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ ہمارے خصوصی شکریے کے سزاوار ہیں، جن کے تعاون اور سرپرستی کی وجہ سے اس علمی تراث کا احیا عمل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اور دیگر تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس عمل کو قبولیت سے سرفراز فرما کر ہمارے لیے توشہ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام

محمد عبداللہ سلیم

حافظ شاہد محمود

۲۴/ ۶/ ۱۴۳۴ھ = ۵/ ۵/ ۲۰۱۳ء

hasanshahid85@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نواب سید محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ

(۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ)

ریاستِ بھوپال کا پسِ منظر:

ریاستِ بھوپال کا بانی سردار دوست محمد خاں تھا، جو ۱۶۹۶ء میں افغانستان سے ہندوستان آیا۔ ابتدا میں وہ اورنگ زیب عالم گیر کی فوج میں ملازم ہوا، لیکن اورنگ زیب کی وفات کے بعد فوج سے علاحدگی اختیار کر کے ۱۷۰۸ء میں مالوہ آیا اور ایک جاگیر اِجارے پر حاصل کی۔ پھر اپنی بہادری اور فراست سے اس کے آس پاس کے علاقے پر قابض ہوگیا۔ اس نے ایک جنگ میں دشمن کے خلاف رانی کملاپتی کی مدد کی تھی، جس کے صلے میں رانی نے اسے بھوجپال (بھوپال) کا علاقہ عطا کیا۔ اس طرح ۱۷۲۲ء میں وسطِ ہند میں ایک مسلم ریاست کا قیام عمل میں آیا اور اس کے بعد اسے نواب دوست محمد خاں کہا جانے لگا۔

دوست محمد خاں اہلِ علم کا قدر دان تھا۔ وہ خود بھی انشا پرداز اور فارسی ادب میں دست گاہ رکھتا تھا اور بہت سے اصحابِ علم اس نے اپنے دربار میں جمع کر لیے تھے، جن میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی۔ افغانستان سے بھی اس نے اپنے اعزہ و اقارب اور علما و فضلا کو بلا لیا تھا، جنھیں بھوپال میں آباد کیا، انھیں جاگیریں دیں اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔

۱۷۲۶ء میں دوست محمد کا انتقال ہوگیا تو ریاستِ بھوپال کی عنانِ حکومت اس کے بیٹے نواب یار محمد خاں نے سنبھالی۔ یار محمد خاں اس سے قبل چار سال حیدر آباد (دکن) رہا تھا، جہاں اس نے بہتر طریقے سے علمی اور انتظامی تربیت حاصل کی تھی اور حیدر آباد سے متعدد اہلِ علم کو اپنے ساتھ بھوپال لے گیا تھا۔ اس کا دورِ حکمرانی قابلِ تعریف تھا۔ اس نے ۱۷۴۲ء میں وفات پائی۔

اب بھوپال کا تیسرا حکمران یار محمد خاں کے بیٹے نواب فیض محمد خاں کو بنایا گیا۔ تخت نشینی کے

وقت اس کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ ریاست میں ایسی خانہ جنگی شروع ہوئی کہ ریاست کا بچنا مشکل ہوگیا۔ فیض محمد خاں کی سوتیلی ماں ماجی ممولا بڑی عقل مند اور مردم شناس عورت تھی۔ ایک برہمن زادہ اس کا پروردہ تھا، جو مسلمان ہوگیا تھا۔ ریاست کا قلم دانِ وزارت اس کے سپرد کیا گیا اور اسے ''دیوان چھوٹے خاں'' کہا جانے لگا۔ اس نے بڑے تدبر کے ساتھ حکومت کے نظم ونسق کو چلایا اور ریاست افراتفری سے محفوظ ہوگئی۔ ۱۷۷۷ء میں فیض محمد خاں انتقال کر گیا۔ وہ بذاتِ خود بہتر کردار کا حامل تھا، لیکن وہ ایسی پریشانیوں میں گھرا کہ کوئی قابلِ ذکر کام نہ کر سکا۔

فیض محمد خاں کی وفات کے بعد اس کے بیٹے نواب حیات محمد خاں کو تختِ حکومت پر بٹھایا گیا۔ اس کے وزیر دیوان چھوٹے خاں نے بڑی خوش اسلوبی سے حکومت کے نظام کو آگے بڑھایا۔ مختلف مقامات میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ مدارس قائم کیے اور علما کو ان کے مقام و مرتبے کے مطابق اعزازات سے نوازا۔

سید ذوالفقار احمد نقوی اپنی کتاب ''تذکرۂ قضاۃِ بھوپال'' میں لکھتے ہیں:

''چھوٹے خاں نے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں بایں مضمون عریضہ لکھا کہ آپ بھوپال تشریف لائیں۔ بارہ ہزار کی جاگیر حاضر ہے۔ چند معتبر ادیبوں کو یہ خط اور پانچ صد روپیہ دے کر دہلی بھیجا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بڑھاپے میں دہلی چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''[1]

شاہ صاحب خود تو بھوپال نہیں گئے، البتہ بعض علما کو اپنی سفارش کے ساتھ بھوپال بھیج دیا، جنھوں نے دینی و دنیوی علوم کی نشر و اشاعت میں بڑی جاں فشانی سے کام لیا۔ اس کے نتیجے میں شمالی ہندوستان کی تہذیب و تمدن میں بڑا نکھار پیدا ہوا اور بھوپال، دہلی کا ایک حصہ معلوم ہونے لگا۔[2]

۱۷۹۲ء میں ماجی ممولا اور ۱۷۹۴ء میں دیوان چھوٹے خاں وفات پاگئے تو ریاست بھوپال میں پھر خانہ جنگیوں اور سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ نواب حیات محمد خاں کم زور حکمران تھا، جو حالات کا مقابلہ نہ کر سکا اور حکومت سے علاحدہ ہو کر خانہ نشینی اختیار کر لی۔ چناں چہ ۱۷۹۵ء میں ایک جلا وطن شہزادے وزیر محمد خاں نے ریاست کو بچانے کے لیے بھوپال کا عزم کیا۔ وزیر محمد خاں ریاست کے

---

[1] نواب صدیق حسن خاں، از ڈاکٹر رضیہ حامد (ص: ۱۲۷)

[2] ایضاً

بانی سردار دوست محمد خاں کا پڑپوتا تھا، جسے کسی وجہ سے ریاست بدر کر دیا گیا تھا۔ اس نے ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ تھوڑے عرصے میں نہ صرف تمام اندرونی اور بیرونی سازشوں کا خاتمہ کر دیا، بلکہ ریاست میں نئی فتوحات کا آغاز ہوگیا اور اس کی حدود بڑھنے لگیں۔

نواب حیات محمد خاں کا بیٹا غوث محمد خاں ولی عہد تھا۔ اس نے وزیر محمد خاں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، لیکن وزیر محمد خاں نے تدبر اور صبر سے کام لیا اور ریاست کی ترقی میں مصروف رہا۔ اس کے عہد میں ریاست نے واقعی ارتقا کی بہت سی منزلیں طے کیں۔ وزیر محمد خاں دراصل والیِ ریاست نہ تھا، لیکن ریاست کی طرف سے اسے وزیر الدولہ کا خطاب ملا تھا اور اس نے اپنی کوششوں سے ریاست کو اِدھر اُدھر کی سازشوں کا شکار ہونے سے بچایا تھا۔

حیات محمد خاں جو گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا، ۱۸۰۸ء میں وفات پا گیا اور اس کے بیٹے غوث محمد خاں نے وزیر محمد خاں کو معزول کر کے ریاست کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ وزیر محمد خاں کے اختیارات کلی طور سے ختم کرنا چاہتا تھا، اس کے لیے اس نے مرہٹوں کی مدد حاصل کی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر وزیر محمد خاں گنور کے قلعے میں چھپ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد مرہٹہ فوج واپس چلی گئی تو وزیر محمد خاں پھر بھوپال آ گیا اور مرہٹوں کی جو تھوڑی بہت فوج بھوپال کی حدود میں موجود تھی، اسے بھگا دیا اور غوث محمد خاں کو گرفتار کر لیا۔ مرہٹے غوث محمد خاں کی حمایت میں دوبارہ میدان میں آئے تو وزیر محمد خاں نے مقابلہ کر کے انھیں شکست دی اور ریاست پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۱۵ء میں نواب وزیر محمد خاں کا انتقال ہوگیا۔

اب بھوپال کے عوام کی مرضی اور حمایت سے وزیر محمد خاں کے بیٹے نظر محمد خاں کو بھوپال کا نواب بنایا گیا۔ نظر محمد خاں اپنے باپ کی رفاقت و تربیت میں ریاستی حالات کے مختلف مراحل سے گزر چکا تھا اور بڑا زیرک اور مدبر شخص تھا۔ اس نے اپنے اور اپنے باپ کے حریف نواب غوث محمد خاں کی بیٹی گوہر بیگم قدسیہ سے شادی کر لی، جس کی وجہ سے تمام باہمی جھگڑے ختم ہوگئے۔ اس کے بعد ۱۸۱۸ء میں نواب نظر محمد خاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمایندے یعنی گورنر جنرل سے دوستانہ طرز کا معاہدہ کر لیا، جس کی رو سے ریاست بھوپال کی حفاظت کی ذمہ داری کمپنی نے لے لی اور امن و امان کی فضا پیدا ہوگئی۔

یہ سات نواب ریاست بھوپال کے ابتدائی دور کے حکمران تھے: ① دوست محمد خاں، ② یار محمد خاں، ③ فیض محمد خاں، ④ حیات محمد خاں، ⑤ غوث محمد خاں، ⑥ وزیر محمد خاں اور ⑦ نظر محمد خاں۔ ان ساتوں حکمرانوں کے عہد میں بھوپال کو مجمع العلما کی حیثیت حاصل رہی اور علم و ادب نے فروغ پایا۔

نواب قدسیہ بیگم کی حکومت:

نواب نظر محمد خاں نے ساڑھے تین سال حکومت کی۔ لوگ اس کے طریقِ حکومت سے بہت خوش تھے۔ لیکن اچانک طپنچہ (پستول) چلنے سے ۱۱/ نومبر ۱۸۱۹ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ اس نے صرف ۲۸ سال عمر پائی۔ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا، صرف ایک بیٹی تھی، جس کا نام سکندر بیگم تھا۔ باپ کی وفات کے وقت اس کی عمر ایک سال تین مہینے تھی، اسے اپنے باپ کا جانشین مقرر کیا گیا، لیکن چوں کہ وہ حکومتی کاروبار نہیں چلا سکتی تھی، اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجازت سے نواب نظر محمد خاں کی بیوہ قدسیہ بیگم ریاست کی مختار مقرر ہوئیں اور تمام امورِ حکومت انھوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ان کے عہدِ حکومت میں رعایا کو بڑی سہولتیں حاصل ہوئیں۔ بہت سے اہلِ علم اور اصحابِ فضیلت کو مختلف مقامات سے بلا کر بھوپال میں آباد کیا گیا اور جگہ جگہ مدارس قائم کیے گئے اور تعلیم عام ہوئی۔

نواب قدسیہ بیگم کا زمانہ ریاستِ بھوپال کے لیے رحمتِ خداوندی کا زمانہ تھا۔ یہ ایک محبِ وطن اور دین دار حکمران تھیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں انھوں نے رباطیں تعمیر کرائیں۔[1] یعنی حاجیوں اور مسافروں کی رہائش کے لیے مسافر خانے بنوائے۔

نواب سکندر بیگم کی حکومت:

۱۸/ اپریل ۱۸۳۵ء (۱۸/ ذو الحجہ ۱۲۵۰ھ) کو نواب جہاں گیر محمد خاں سے سکندر بیگم کی شادی ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی از روے وصیت جہاں گیر محمد خاں کو ریاستِ بھوپال کا نواب مقرر کیا گیا۔ لیکن ۹/ دسمبر ۱۸۴۴ء (۲۸/ ذوالقعدہ ۱۲۶۰ھ) کو عین عالمِ شباب میں جہاں گیر محمد کا انتقال ہوگیا۔ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی، جس کا نام شاہ جہاں بیگم تھا اور اس کی عمر اس وقت سات سال تھی اور وہ حکومت کا نظام چلانے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے اس کی والدہ سکندر بیگم کو ریاست کی مختار مقرر کیا گیا، لیکن سکندر بیگم نے صرف مختاری پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ریاست کی مستقل

---

[1] نواب صدیق حسن خاں از ڈاکٹر رضیہ حامد (ص: ۱۴۲)

فرماں روائی کے لیے کوشش کی اور اس کوشش میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔ انھوں نے ریاست پر اپنا دعواے فرماں روائی پُرزور اور مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کیا، جسے انگریزی حکومت صحیح ماننے پر مجبور ہوگئی اور وہ نواب سکندر بیگم کہلائیں۔

اصلاحات اور سلسلۂ تعلیم:

نواب سکندر بیگم بڑی منتظم اور سمجھ دار حکمران تھیں۔ انھوں نے ریاست میں بہت سی اصلاحات جاری کیں۔ ڈاک رسانی کا بہترین نظام قائم کیا، مختلف حکومتی دفاتر جدید طریقے سے قائم کیے، ریاست کے بلاد وقصبات کے نقشے بنائے، دفتری احکام میں مختصر نویسی کا حکم دیا، طویل اور مسجع و مقفع عبارتوں سے بچنے کی تاکید کی۔ رعایا کی سہولت کے لیے بعض نئے محکمے قائم کیے، ایک محکمہ احتساب قائم کیا۔ وہ علم و علما کی بہت قدر دان تھیں۔ بہت سے علما و شعرا ان کی دعوت پر بھوپال آئے اور انھوں نے اس شہر اور ریاست میں مستقل طور سے سکونت اختیار کی۔

نواب سکندر بیگم کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا اور تصنیف و تالیف سے انھیں بڑی دلچسپی تھی۔ ریاست میں تعلیم عام کرنے کے لیے انھوں نے ہر گاؤں اور قصبے میں مدارس جاری کیے۔ ان مدارس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی تمام زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ انھوں نے ۱۸۵۱ء میں بھوپال میں مطبع سکندری کے نام سے ایک پریس قائم کیا۔

ان کے داماد اور ان کی بیٹی نواب شاہ جہاں بیگم کے شوہر باقی محمد خاں نے (جنھیں نواب امراؤ دولہ کہا جاتا تھا) اپنے مصارف سے ایک بہت بڑا مدرسہ جاری کیا اور کتب خانہ قائم کیا، جو بعد میں ضائع ہوگیا۔

نواب سکندر بیگم مذہبی اعتبار سے بہت مضبوط عقائد کی مالک تھیں اور احکامِ اسلام پر پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ اسلام کے اصولی اور فروعی مسائل پر انھیں عبور حاصل تھا۔ مسلمانوں کے عام معاملات میں بے حد دلچسپی رکھتی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دہلی کی جامع مسجد انگریزوں نے نمازیوں کے لیے بند کر دی تھی۔ یہ مسجد پانچ سال بند رہی۔ نواب سکندر بیگم دہلی گئیں تو ان کی کوشش سے مسجد واگزار کی گئی اور لوگ اس میں نماز پڑھنے لگے۔

حضرت نواب محمد صدیق حسن خاں ۱۸۵۶ء میں نواب سکندر بیگم کے عہد ہی میں بھوپال آئے

اور دربارِ سکندری سے منسلک ہوئے۔ ان کی آمد پر ایک ''دفتر تاریخ'' قائم کیا گیا، جس کے وہ منتظم اعلیٰ ہوئے۔ نواب سکندر بیگم کی بیٹی نواب شاہ جہاں بیگم کا شوہر فوت ہوگیا تھا، پھر نواب صاحب کا اس سے عقد ثانی ہوا۔

نواب صاحب کے بارے میں ضروری باتیں:

ریاست بھوپال کی اس مختصر تاریخ کے تذکرے کے بعد اب آیئے نواب سید محمد صدیق حسن خان کی طرف...!

نواب صاحب دنیائے اسلام کے کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ ان کی چھوٹی بڑی تصانیف کی کل تعداد ۲۳۰ کے لگ بھگ ہے۔ ان میں سے سات قرآنِ مجید کے متعلق، تینتیس حدیث شریف کے بارے میں، تیس عقائد کے سلسلے میں، بائیس عام فقہی مسائل کے موضوع پر، گیارہ ردتقلید کے متعلق، بائیس تاریخ و سیر کے متعلق، تیرہ مناقب وفضائل کے سلسلے میں، بائیس علوم وادب کے بارے میں، اڑتیں اخلاقیات کے موضوع پر، چھ سیاست کے موضوع پر، ایک شیعیت کے سلسلے میں اور سترہ کتابیں تصوف کے موضوع پر ہیں۔ ان کے علاوہ بعض چھوٹے چھوٹے رسائل بھی مختلف عنوانات سے متعلق تصنیف فرمائے۔

نواب صاحب کا سلسلہ نسب تینتیس واسطوں سے نبی اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ نواب صاحب کے والد مکرم کا اسم گرامی سید اولاد حسن تھا، جو ۱۲۱۰ھ (۹۶۔۱۷۹۵ء) میں ہندوستان کے شہر قنوج میں پیدا ہوئے۔ قنوج اور لکھنؤ کے بعض معروف اساتذہ سے حصولِ علم کے بعد سید اولاد حسن ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ء) میں دہلی گئے۔ وہاں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ سے استفادہ کیا اور شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ امیر المجاہدین سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ ۱۷ر جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ (۱۷ر جنوری ۱۸۲۶ء) کو مجاہدین کا جو پہلا قافلہ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں جہاد کے لیے آزاد قبائل کی طرف روانہ ہوا تھا، سید اولاد حسن رحمہ اللہ اس میں شامل تھے۔ انھوں نے کتاب وسنت کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں سترہ کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں قنوج میں فوت ہوئے۔ صرف ۴۳ سال عمر پائی۔

سید اولاد حسن کی نرینہ اولاد دو بیٹے تھے۔ بڑے سید احمد حسن عرشی اور چھوٹے سید محمد صدیق حسن،

باپ کی وفات کے وقت احمد حسن سات برس کے اور صدیق حسن پانچ برس کے تھے۔

نواب محمد صدیق حسن کے ننھیال کا تعلق بانس بریلی سے تھا۔ ان کے نانا مفتی محمد عوض عثمانی اپنے علاقے اور عہد کے ممتاز عالم تھے۔ دنیوی اعتبار سے بھی اونچی حیثیت کے مالک تھے۔ نواب صاحب کی ولادت انھی کے گھر بانس بریلی میں ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ (۱۴/ اکتوبر ۱۸۳۲ء) کو ہوئی۔

سید اولاد حسن کی وفات کے بعد یہ کم سن بچے انتہائی غربت کی زد میں آ گئے تھے۔ گھر میں اپنے اسلاف کی صرف کتابیں رہ گئی تھیں، جنھیں وہ دیکھتے رہتے تھے اور وہ کتابیں ان کے دل میں تحصیل علم کا جذبہ پیدا کرتی تھیں۔

طلبِ علم کی راہ پر:

نواب محمد صدیق حسن کچھ بڑے ہوئے تو اپنے محلے کے مدرسے میں حصولِ علم کا آغاز کیا۔ بڑے بھائی سید احمد حسن عرشی سے بھی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر ان کے والد (سید اولاد حسن) کے ایک عقیدت مند سید احمد علی رحمہ اللہ انھیں اپنے وطن فرخ آباد لے گئے۔ وہاں کے بعض اساتذہ سے مختلف علوم کی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ایک ارادت کیش ان کو کان پور لے گئے، وہاں کے چند اساتذہ سے استفادہ کیا۔

۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء) میں سید محمد صدیق حسن عازم دہلی ہوئے، جسے اس زمانے میں علم کے گہوارے اور علما کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں مفتی صدر الدین آزردہ کی خدمت میں حاضری دی اور ایک سال آٹھ مہینے ان سے تحصیلِ علم میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں ان سے تفسیر و حدیث کی بعض کتابوں کے علاوہ منطق و فلسفہ، صرف و نحو، معانی و بیان، فقہ و کلام اور عربی ادبیات کی متعدد کتابوں کی تکمیل کی اور سند لی۔

مفتی صدر الدین آزردہ رحمہ اللہ کے علاوہ جن حضراتِ عالی مقام سے علومِ تفسیر و حدیث کا اجازہ حاصل ہوا، ان میں سے بعض رفیع الدرجات علما کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

① شیخ زین العابدین بن محسن بن محمد انصاری رحمہ اللہ۔

② قاضی محمد بن علی شوکانی یمنی کے شاگردِ رشید شیخ عبدالحق محدث نیوتنی بنارسی رحمہ اللہ۔

③ شیخ حسین عرب یمنی رحمہ اللہ۔

④ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نواسے اور حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کے بھائی مولانا شاہ محمد یعقوب مہاجر مکی رحمہ اللہ، ان سے بذریعہ خط اجازۂ حدیث حاصل کیا۔

نواب صاحب رحمہ اللہ نہایت ذہین تھے اور حصولِ علم کا بے حد شوق رکھتے تھے۔ قوتِ اخذ بہت تیز تھی اور حافظہ مضبوط تھا۔ اکیس برس کی عمر میں تمام مروجہ علوم پڑھ لیے تھے اور فارغ التحصیل ہوگئے تھے۔

بھوپال میں ملازمت اور اس کا اختتام:

حصولِ علم سے فراغت کے بعد نواب صاحب رحمہ اللہ اپنے وطن قنوج چلے گئے تھے، لیکن گھر کی مالی حالت نہایت اذیت رساں تھی۔ اس لیے تھوڑا عرصہ وہاں رہے۔ پھر تلاشِ ملازمت کے لیے بھوپال آ گئے۔ اس وقت ریاستِ بھوپال کے مدار المہام مولانا جمال الدین صدیقی دہلوی رحمہ اللہ تھے (جو بعد میں نواب صاحب کے سسر ہوئے) بھوپال کی سرکار میں نواب صاحب نے ملازمت کی درخواست دی اور صفر ۱۲۷۲ھ (اکتوبر ۱۸۵۵ء) میں ان کو تیس روپے ماہانہ کی ملازمت مل گئی۔ کچھ مدت بعد حسنِ کارکردگی کی بنا پر عہدۂ میر دبیر پر فائز کیے گئے اور خلعت عطا ہوا، لیکن بعض وجوہ کی بنا پر ۱۶/ محرم ۱۲۷۳ھ (۱۶/ ستمبر ۱۸۵۶ء) کو ایک سال بعد ملازمت ختم ہوگئی اور واپس گھر چلے گئے۔

اس زمانے میں ریاستِ بھوپال کی حکمران نواب سکندر بیگم تھیں۔ انھوں نے سید محمد صدیق حسن رحمہ اللہ کو قنوج سے دوبارہ طلب کیا۔ گھر سے چل پڑے، لیکن راستے میں ایسی رکاوٹیں پیش آئیں کہ بروقت بھوپال نہ پہنچ سکے اور بعض حاسدوں کے کہنے سے ملازمت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۹/ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ (۱۸/ نومبر ۱۸۵۸ء) کو بھوپال سے نکلے اور ٹونک آ گئے۔ ریاستِ ٹونک کا حکمران اس وقت نواب محمد وزیر خاں تھا۔ اس نے پچاس روپے ماہانہ تنخواہ پر انھیں ملازم رکھا اور ٹونک میں سکونت اختیار کرنے پر اصرار کیا، لیکن سید محمد صدیق حسن رحمہ اللہ کا دل اس ماحول سے مانوس نہ ہوا اور تھوڑے عرصے بعد چار ماہ کی رخصت کے لیے درخواست دی۔ اتفاق ملاحظہ ہو کہ اسی اثنا میں ریاست بھوپال کی والیہ نواب سکندر بیگم کی طرف سے پھر فرمانِ طلبی صادر ہوا۔

دورِ عروج:

یکم صفر ۱۲۷۶ھ (۲۷/ اگست ۱۸۵۹ء) کو نواب محمد صدیق حسن رحمہ اللہ بھوپال پہنچے۔ بھوپال میں ان کا یہ تیسرا ورود تھا، جسے آخری اور فاتحانہ ورود کہنا چاہیے۔ ۷۵ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی اور

ریاستِ بھوپال کی تاریخ نگاری کا فریضہ ان کے سپرد کیا گیا۔ اب روز بہ روز ترقی کے دروازے ان کے لیے کھلنے لگے اور عروج نے دل کھول کر ان کا استقبال کیا۔ ۲۵؍ شعبان ۱۲۷۷ھ (۱۸؍ مارچ ۱۸۶۱ء) کو ریاست کے مدار المہام مولانا جمال الدین صدیقی دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی بڑی بیٹی ان کے عقد میں دے دی۔ نکاح مولانا عبدالقیوم بن مولانا عبدالحی بڈھانوی رحمہ اللہ نے پڑھایا۔ نواب صاحب نے اب اپنی والدہ مکرمہ اور بہنوں کو بھی قنوج سے بھوپال بلا لیا تھا اور اس خاندان نے مستقل طور پر بھوپال میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نواب شاہ جہاں سے شادی:

والیہ بھوپال نواب سکندر بیگم کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی نواب شاہ جہاں بیگم نے ریاست کی زمامِ حکومت ہاتھ میں لی۔ ان کا شوہر وفات پا گیا تھا۔ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ نواب محمد صدیق حسن کی قابلیت، دیانت اور شرافت سے نہایت متاثر ہوئیں۔ اس تاثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے نواب صاحب کو امورِ سلطنت میں شریک کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں نواب صاحب سے نکاح کر لیا۔ پھر ۲۱؍ ربیع الثانی ۱۲۸۸ھ (۱۰؍ جولائی ۱۸۷۲ء) کو انھیں ''معتمد المہام'' کا عہدہ ملا اور ۱۰؍ شعبان ۱۲۸۸ھ (۱۳؍ اکتوبر ۱۸۷۲ء) کو ''نواب والا جاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں'' کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے اعزازات کے مستحق قرار پائے۔

علم اور اہلِ علم کی قدر دانی:

اب نواب صاحب رحمہ اللہ نے ریاست کے طول و عرض میں مدرسے قائم کیے، یتیم خانے بنوائے، مسجدیں تعمیر کرائیں، لائبریریوں کے قیام کا سلسلہ شروع کیا، سرکاری طور پر ریاست کے مختلف مقامات میں جاروب کشوں کا تقرر کیا گیا، مسجدوں میں باقاعدہ موذن، امام اور خطیب مقرر کیے گئے اور سرکاری خزانے سے ان کو ماہانہ تنخواہیں ملنے لگیں۔ دیگر علومِ متداولہ کے علاوہ طلبا کے لیے خوش خطی، انشا پردازی، قانون دانی اور حساب و ریاضی کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ علما و طلبا کے لیے تصنیف و تالیف اور مختلف علمی موضوعات پر تحقیق کے شعبے قائم کیے گئے۔ مدرسین کے لیے ان کی ضرورت اور قابلیت کے مطابق معقول مشاہرات کا اہتمام کیا گیا، طلبا کو ماہانہ وظائف دینے کا فیصلہ ہوا۔ ہندی زبان کی تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا۔ باشندگانِ ریاست کے لیے اخلاقی تربیت کا بالخصوص بندوبست کیا

گیا اور اصلاحی کمیٹیاں بنائی گئیں۔ چوری، ڈاکا، راہ زنی اور ہر قسم کی برائی کے سدباب کے لیے بھرپور کوششیں کی گئیں۔ ریاست کو دار الامن بنانے کی سعی کی گئی۔ ہندو مسلم اتحاد کو ضروری قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اعمالِ خیر میں نواب صاحب رحمہ اللہ کو کامیابی عطا فرمائی۔

علما و طلبا میں حفظِ حدیث کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کی غرض سے یہ بہت بڑا اقدام کیا گیا کہ جو شخص صحیح بخاری حفظ کرے گا، اسے ایک ہزار روپے انعام دیا جائے گا اور جو صاحب بلوغ المرام یاد کریں گے، ان کی خدمت میں ایک سو روپیہ بہ صورتِ انعام پیش کیا جائے گا۔ چناں چہ بعض حضرات نے یہ انعامات حاصل کیے۔ ایک طالب علم عبد التواب غزنوی علی گڑھی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے حفظ کا سلسلہ شروع کیا تو نواب صاحب رحمہ اللہ نے ان کا تیس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ بعد میں مولانا عبد التواب غزنوی علی گڑھی رحمہ اللہ نے جلیل القدر عالم کی حیثیت سے شہرت پائی۔ ان سطور کے راقم کو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ اس بے حد سستے زمانے میں ہزار روپے بہت بڑی رقم تھی۔ آج کل کے لاکھ روپے سے بھی شاید زیادہ ہوگی۔

نواب صاحب نے مختلف اسلامی ممالک سے کثیر رقم خرچ کر کے تفسیر ابن کثیر، صحیح بخاری کی شرح فتح الباری، امام شوکانی کی تصنیف نیل الاوطار کے قلمی نسخے حاصل کیے اور پھر ان ضخیم کتابوں کو اپنے خرچ سے طبع کرایا اور اہلِ علم اور مختلف مدارس میں انھیں مفت تقسیم کیا۔ اس سے قبل یہ کتابیں برصغیر میں دست یاب نہ تھیں۔ نواب صاحب رحمہ اللہ کی کوشش اور زرِ کثیر کے صرف سے یہ عظیم الشان کتابیں اس خطۂ ارض میں پہنچیں اور عام ہوئیں۔

تصانیف:

خود نواب صاحب رحمہ اللہ نے نہایت اہم کتابیں تصنیف کیں۔ انھوں نے عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں لکھا اور بہت لکھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، ان کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ۲۳۰ کے قریب ہے، جن میں ایک سو سے زیادہ کتابیں بڑی ضخیم ہیں اور کئی کئی جلدوں پر محیط ہیں۔

نواب صاحب نے قرآنِ مجید سے متعلق جو کتابیں تصنیف کیں، ان کا تذکرہ ہماری کتاب ''برصغیر کے اہلِ حدیث خدامِ قرآن'' میں ہو چکا ہے۔ یہاں ان کی ان تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے، جن کا تعلق حدیث شریف سے ہے۔ لیکن اس موقع پر یہ عرض کرنا شاید مناسب ہوگا کہ چند ایک کے

سوا نواب صاحب کی تمام تصانیف کے نام عربی تراکیب پر مشتمل ہیں اور ان کی سب تصانیف میرا خیال ہے کسی کے پاس بھی نہیں ہوں گی اور نہ غالباً اس دور کے کسی شخص نے ان کی سب تصانیف دیکھی ہوں گی۔ ہر شخص اپنے مطلب اور ذوق کی کتابوں سے تعلق رکھتا ہے، نواب صاحب کی کتابیں بھی اپنے اپنے ذوق کے مطابق اہلِ علم نے حاصل کی ہوں گی۔ ان کی کسی کتاب کو دیکھے بغیر صرف نام سے کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ عربی زبان میں ہے یا فارسی زبان میں یا اردو زبان میں۔ بعض حضرات نے ان کی اردو اور فارسی کتابوں کو فقط نام کی وجہ سے عربی کتابوں میں شامل کر دیا ہے۔ میں نے ان کی تمام تصانیف دیکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ ان کی تصانیف حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ الدعوۃ السلفیہ کی لائبریری میں موجود ہیں، لیکن سب تصانیف اس میں بھی نہیں ہیں۔ البتہ (جہاں تک میرا خیال ہے) دیگر کتب خانوں سے بہر حال زیادہ ہیں۔ اس ضمن میں جو کچھ معلوم ہوسکا، وہ درجِ ذیل ہے۔

ان کی تصانیف کی موضوعاتی ترتیب کو قائم رکھنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے متعلق بھی ان کی تصانیف کا ذکر کر دیا جائے۔ یہ سات کتابیں ہیں، جو دس ہزار صفحات پر محیط ہیں۔ یہاں ان کے صرف نام لکھے جائیں گے۔ ان کی تفصیل ہماری کتاب ''برصغیر کے اہلِ حدیث خدامِ قرآن'' میں ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ فتح البيان في مقاصد القرآن: عربی زبان میں۔ دس جلدیں۔ چار ہزار سے زائد صفحات۔

۲۔ ترجمان القرآن بلطائف البيان: اردو زبان میں۔ پندرہ جلدوں پر مشتمل۔ کم و بیش پانچ ہزار صفحات۔

۳۔ تذكير الكل بتفسير الفاتحة وأربع قل: سورۃ الفاتحہ، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی تفسیر اردو زبان میں۔ صفحات ستر۔

۴۔ نيل المرام من تفسير آيات الأحكام: قرآن کی ۲۳۶ آیاتِ احکام کی تفسیر عربی زبان میں۔ چار سو صفحات۔

۵۔ إكسير في أصول التفسير: بہ زبان فارسی۔ دو حصوں پر مشتمل۔ صفحات ایک سو تیس۔

۶۔ إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ دو حصوں میں۔ صفحات ایک سو چوبیس۔

۷۔ فصل الخطاب في فضل الكتاب،اردو زبان میں۔صفحات بتیس۔

یہ تمام تفسیریں بڑے سائز کی ہیں۔تفسیر ''ترجمان القرآن'' مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع کی جارہی ہے۔ یہ نواب صاحب رحمہ اللہ کی سب سے ضخیم کتاب ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیے پہلے حدیث سے متعلق حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ کی عربی کتابیں:

۱۔ عون الباري لحل أدلة البخاري.

۲۔ السراج الوهاج في كشف مطالب مسلم بن الحجاج.

۳۔ فتح العلام شرح بلوغ المرام.

٤۔ الحطة في ذكر الصحاح الستة.

۵۔ الروض البسام من ترجمة بلوغ المرام و مؤلفه الإمام.

٦۔ نزل الأبرار بالعلم المأثور في الأدعية والأذكار.

۷۔ الرحمة المهداة إلى من يريد زيادة العلم على أحاديث المشكاة.

۸۔ العبرة بما جاء في الغزو والشهادة والهجرة.

۹۔ حسن الأسوة بما ثبت عن الله ورسوله في النسوة.

۱۰۔ الإدراك بتخريج أحاديث رد الإشراك.

۱۱۔ الإذاعة لما كان وما يكون بين يدي الساعة.

۱۲۔ الحرز المكنون من لفظ المعصوم المكنون.

۱۳۔ إكليل الكرامة في تبيان مقاصد الإمامة.

۱٤۔ بلوغ السول من أقضية الرسول.

اب ملاحظہ کریں حضرت نواب صاحب کی فارسی کتبِ حدیث:

۱۔ سلسلة العسجد في مشائخ السند.

۲۔ مسك الختام شرح بلوغ المرام.

۳۔ منهج الوصول إلى اصطلاح أحاديث الرسول.

٤۔ موائد العوائد من عيون الأخبار والفوائد.

مندرجہ ذیل سطور میں حدیثِ رسول ﷺ کے متعلق نواب صاحب کی اردو کتابوں کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۔ اتباع الحسنة في جملة أيام السنة.

۲۔ بغية القاري في ثلاثيات البخاري.

۳۔ تقوية الإيقان شرح حديث حلاوة الإيمان.

٤۔ تميمة الصبي في ترجمة أحاديث النبي.

٥۔ توفيق الباري لترجمة الأدب المفرد للبخاري.

٦۔ جامع السعادات ترجمة المنبهات (لابن حجر).

۷۔ ضوء الشمس من حديث بني الإسلام على خمس.

۸۔ غنية القاري في ترجمة ثلاثيات البخاري.

۹۔ كشف اللثام عن غربة الإسلام.

۱۰۔ محاسن الأعمال.

۱۱۔ محو الحوبة بالاستغفار والتوبة.

۱۲۔ الداء والدواء.

۱۳۔ هادي القلب السليم إلى درجات جنات النعيم.

١٤۔ غراس الجنة.

کتبِ حدیث بہ سلسلہ لغت:

۱۔ خير القرين ترجمة الأربعين.

۲۔ عين اليقين ترجمة الأربعين للغزالي.

۳۔ النهج المقبول من شرائع الرسول.

٤۔ نيل الأماني.

نواب صاحب نے فقہی مسائل پر بھی کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں بھی اگرچہ تینوں زبانوں میں ہیں، لیکن اردو میں زیادہ ہیں، جن کی تعداد تیرہ ہے، فارسی میں سات اور عربی زبان میں تین کتابیں

ہیں۔ ان کتابوں کے نام "تعليم الصلاة، تعليم الصوم، تعليم الزكاة، تعليم الحج، تعليم الذكر والدعاء، فضائل الحج والعمرة، روز مرۂ اسلام، حل الأسئلة المشكلة، سبيل الرشاد لما يحتاج إليه العباد" وغیرہ ہیں۔ یہ کل بائیس کتابیں ہیں اور ان میں جو مسائل درج کیے گئے ہیں، وہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتابیں بھی قرآن اور حدیث کے موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں۔

اسی طرح نواب صاحب رحمہ اللہ کی عقائد سے متعلق تیس کتابوں کا ماخذ بھی قرآن و حدیث ہے۔ ان میں بھی عربی، فارسی اور اردو کی تصانیف شامل ہیں۔ اردو کی اٹھارہ، عربی کی نو اور فارسی کی تین، ان کتابوں کے مشمولات بھی قرآن اور حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔

نواب صاحب رحمہ اللہ نے تاریخ و سیر کے موضوع پر بائیس کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان تصانیف میں بھی عربی، فارسی، اردو، کتابیں شامل ہیں۔ عربی کتابوں میں "أبجد العلوم" کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جو بڑے سائز کے تقریباً ایک ہزار صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کتاب کو مختلف تاریخی معلومات کے اعتبار سے ہم دائرۃ المعارف سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ عربی کی "التاج المكلل" اور "رياض الجنة في تراجم أهل السنة" خزینہ علم کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پھر فارسی کی "اتحاف النبلا" حروف تہجی کی ترتیب سے رجال و کتب سے متعلق معلومات کا ایک وسیع ذخیرہ اپنے دامن صفحات میں سمیٹے ہوئے ہے۔ "تقصار جيود الأحرار من تذكار جيود الأبرار" بھی بہت سے عظیم لوگوں کے حالات کا معلومات افزا مجموعہ ہے۔ فارسی ہی میں "سلسلة العسجد في ذكر مشائخ السند" اپنی نوعیت کی بہترین کتاب ہے۔

تاریخ و سیر کے سلسلے کی فارسی کتابوں میں تذکرۂ شمع انجمن، تذکرۂ صبح گلشن اور نگارستانِ سخن اپنی نوعیت کی پُر بہار کتابیں ہیں۔ یہ کتابیں جہاں تاریخ و واقعات کے ایک خاص عہد کی صراحت کرتی ہیں، وہاں زبان وطرزِ ادا کی صفائی کا بھی نہایت عمدہ نمونہ ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ مصنف کا ذہن کس قدر وسیع ہے اور ان کا قلم علم وادراک کی کن کن وادیوں کو طے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اردو میں نواب صاحب کی خود اپنی سرگزشت حیات "إبقاء المنن بإلقاء المحن" ترتیب و اسلوب اور زبان و بیان کے لحاظ سے بہ درجہ غایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں نواب

صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے واقعات خوب صورت انداز میں قلم بند کر دیے ہیں۔

اردو ہی میں نواب صاحب کا سفر نامہ حج "رحلة الصديق إلى بيت العتيق" لائقِ مطالعہ ہے اور مختلف مراحلِ حج کا دل نواز مرقع ہے۔

بوقلموں علوم پر ان کی گرفت کا یہ عالم ہے کہ خالص درسی کتابوں پر بھی انھوں نے حواشی لکھے یا ان کی شرح قلم بند کی، مثلاً "تصریف الریاح" کے نام سے "مراح الأرواح" کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ کافیہ کی شرح "صافیہ" کے نام سے فارسی میں لکھی۔ منطق کی کتاب شرح تہذیب کی شرح عربی میں "تہذیب" کے نام سے لکھی۔ میزان کی شرح "قسطاس الأذعان" لکھی۔

عربی ادبیات میں انشاے عربی، البلغة إلى أصول اللغة، تكميل العيون بتعارف العلوم والفنون، العلم الخفاف من علم الاشتقاق، ربيع الأدب، السحاب المركوم في بيان أنواع الفنون والعلوم" ان کی معروف تصانیف ہیں۔

اردو اور فارسی غزلیات کا مجموعہ "دیوان گل رعنا" ان کے ذوقِ شعری کا بین ثبوت ہے۔ اسی قسم کا ایک اور مجموعہ "نفح الطيب من المنزل والحبيب" بھی ان سے یادگار ہے۔

اخلاقیات کے موضوع پر بھی ان کا قلم عربی، فارسی، اور اردو میں رواں دواں ہے۔ اس ضمن میں ان کی تصانیف میں إيقاظ النيام لصلة الأرحام، إسعاد العباد بحقوق الوالدين والأولاد، إدامة السكر بإقامة الصبر والشكر، محاسن الأعمال، مكارم الأخلاق شامل ہیں۔

فضائل و مناقب کے باب میں بھی نواب صاحب نے خوب دادِ تحقیق دی۔ اس سلسلے میں عربی، فارسی، اردو میں ان کی تیرہ کتابوں کی نشان دہی ہوتی ہے، جن میں عربی زبان میں الشمامة العنبرية في مولد خير البرية، كلمة العنبرية في مدح خير البرية، فارسی میں "جلب المنفعة في الذب عن الأئمة الأربعة" اور اردو میں "السيف المسلول على من سب الرسول، تكريم المؤمنين بتقديم الخلفاء الراشدين، فصل الخطاب في فضل الكتاب" شامل ہیں۔

سیاسیات کے متعلق اردو میں "حسن المساعي إلى إصلاح الرعية والراعي، فلاح

البرايا في إصلاح الراعي والرعايا عربی میں "العبرة بما جاء في الغزو والشهادة والهجرة، إكليل الكرامة في تبيان مقاصد الإمامة" اور فارسی میں "برگ سبز" یعنی دربیان بیعت شامل ہیں۔ سیاسیات کے موضوع کی یہ کتابیں قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھی گئی ہیں، اس لیے ہم نے ان میں سے بعض کتابوں کو نواب صاحب رحمہ اللہ کی حدیث سے متعلق کتابوں کی فہرست میں بھی شامل کیا ہے۔

ردِ تقلید میں نواب صاحب رحمہ اللہ نے عربی، فارسی، اردو میں گیارہ کتابیں تصنیف کیں۔ اس موضوع سے متعلق ان کی عربی زبان میں تین کتابیں ہیں، ایک "الإقليد لأدلة الاجتهاد و التقليد" دوسری "الطريق المثلى في إرشاد إلى ترك التقليد و اتباع ما هو الهوىٰ، الجنة في الأسوة الحسنة" اردو میں ایک کتاب "بذل المنفعة لإيضاح الأركان الأربعة" ہے۔ اس موضوع پر فارسی زبان میں ان کی تین تصانیف ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر موضوع ان کے اشہبِ فکر کی زد میں ہے اور ہر علمی میدان میں وہ اپنے اقران و معاصرین سے آگے نظر آتے ہیں۔ پھر جس موضوع کو زیر بحث لاتے ہیں، اس کے تمام پہلوؤں کی خوب صورتی سے وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں۔ کسی مقام پر کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ ان کے علم کا بہاؤ ان کے سمند خامہ کو تیز رکھتا ہے۔

نواب صاحب رحمہ اللہ شاعر بھی تھے۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں انھوں نے شعر کہے۔ بہت سے شعرا کے اشعار انھیں زبانی یاد تھے۔ چناں چہ اپنی بعض تصانیف میں مناسب مواقع پر وہ ایسے خوب صورت شعر درج کرتے ہیں کہ جن سے کلام میں ایک نئی روح ابھر آتی ہے۔ "إبقاء المنن" میں وہ کثرت سے شعر لاتے ہیں اور ہر شعر نگینے کی طرح ان کے طرزِ بیان میں موزوں ہوتا چلا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اسی موقعے کے لیے یہ شعر کہا تھا۔

نواب صاحب رحمہ اللہ بے حد فراخ حوصلہ عالم دین تھے اور اختلافِ مسلک کے باوصف اصحابِ علم سے وسیع تعلقات رکھتے تھے اور ان سے میل جول کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمہ اللہ سے تمام عمر نواب صاحب رحمہ اللہ کی قلمی بحثیں رہیں، لیکن جب انھیں مولانا کے انتقال کی خبر ملی تو اسی وقت تمام دفاتر بند کرنے کا حکم جاری کر دیا اور تعزیت کے لیے خود فرنگی محل تشریف لے گئے۔

الزامات اور سلب اختیارات:

نواب صاحب رحمہ اللہ کے بے شمار حاسد بھی تھے، جن کے لیے ان کی علمی سرگرمیاں بھی ناقابلِ برداشت تھیں اور ان کا دنیوی جاہ و مرتبہ بھی ایسے لوگوں کے لیے شدید ذہنی اذیت کا باعث تھا۔ انھوں نے انگریزی حکومت سے ان کے متعلق اس قسم کی شکایات کا سلسلہ بہت وسیع کر دیا تھا کہ ان کے والد (سید اولاد حسن) کا تعلق سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمہما اللہ کی جماعتِ مجاہدین سے تھا، جو انگریزی حکومت کے خلاف برسرِ پیکار تھی اور اب بھی سرحد پار کے قبائلی علاقوں میں وہ لوگ انگریزوں سے جہاد میں مصروف ہیں۔ نواب محمد صدیق حسن خاں بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ وہ جماعتِ مجاہدین کے حامی اور انگریزی حکومت کے مخالف ہیں۔ انبالہ وغیرہ کے وہابی مقدمات کے قیدیوں (مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی، مولانا محمد جعفر تھانیسری رحمہم اللہ اور ان کے رفقاے کرام) کا معاملہ بھی جنھیں کالے پانی بھیج دیا گیا تھا، انگریزی حکومت کے سامنے تھا، اس لیے انگریزی حکومت ان شکایات سے متاثر ہوئی اور نواب صاحب رحمہ اللہ کو منصبِ نوابی سے علاحدہ کر دیا گیا۔

نواب صاحب رحمہ اللہ کے خلاف حسبِ ذیل الزامات عاید کیے گئے:

۱۔ ترغیبِ جہاد اور انگریزی حکومت کی مخالفت۔

۲۔ وہابیت کی تبلیغ، یعنی لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسانا۔

۳۔ والیہ بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم کو پردہ نشین کر کے ریاست کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینا۔

۴۔ جاگیروں کی ضبطی۔

۵۔ ریاست کے بندوبست میں سختی کرنا۔

اسی قسم کے چند اور الزامات لگائے گئے تھے۔

نواب صاحب رحمہ اللہ کو ۱۰/ شعبان ۱۲۸۹ھ (۱۳/ اکتوبر ۱۸۷۲ء) کو نوابی کا خطاب اور دیگر اختیارات دیے گئے تھے۔ پھر تیرہ سال بعد ۱۴/ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ (۲۶/ ستمبر ۱۸۸۵ء) کو تمام اختیارات سلب کر لیے گئے۔ نوابی کا خطاب بھی واپس لے لیا گیا۔ اس کے بعد صرف اتنا ہوا کہ نواب صاحب رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ نواب شاہ جہاں بیگم کی کوششوں سے ابتداے ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ (اگست ۱۸۹۰ء) کو نوابی

کا خطاب حکومتِ برطانیہ نے بحال کر دیا تھا۔[1]

حلیہ:

یہاں نواب صاحب کے حلیے، لباس اور اخلاق و عادات کے متعلق چند امور کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ان کا حلیہ یہ تھا: مناسب قد و قامت، سرخ و سفید رنگ، بھرا ہوا خوب صورت چہرہ، کشادہ پیشانی، روشن آنکھیں، چوڑے شانے، جاذبِ نظر ناک نقشہ، بارعب شخصیت کے مالک۔ مردانہ وجاہت کے دل کش پیکر۔ رنگ اس قدر گورا چٹا کہ پہلی نظر میں دیکھنے والے کو انگریز معلوم ہوتے تھے۔ چناں چہ ۱۸۵۷ء کے شدید ہنگامے کے زمانے میں جب وہ سخت مالی پریشانی میں مبتلا تھے، ایک صاحب کے گھر بلگرام میں مقیم تھے اور ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے خلاف بغاوت میں اتنا آگے نکل گئے تھے کہ انھیں دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ ایک دن نواب صاحب رحمہ اللہ دریائے گنگا کے کنارے غسل کر رہے تھے کہ ادھر سے چند ہندوستانیوں کا گزر ہوا۔ انھوں نے انگریز سمجھ کر بندوق کی نالی ان کی طرف کر دی۔ اچانک ایک کسان نے دیکھ لیا۔ وہ اونچی آواز میں پکارا: دیکھنا گولی نہ چلانا۔ یہ بڑے حضرت صاحب کے صاحب زادے ہیں، میں انھیں برسوں سے جانتا ہوں۔ یہ سن کر وہ لوگ آگے بڑھ گئے اور نواب صاحب رحمہ اللہ کی جان بچ گئی۔ یوں سمجھیے کہ زندگی دوبارہ ملی۔ اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نعت کے طور پر ”القصيدة العنبرية في مدح خير البرية“ کے عنوان سے عربی میں ایک طویل قصیدہ قلم بند فرمایا اور اس قصیدے نے ان کی عربی تصانیف میں نمایاں جگہ پائی۔

لباس اور عادات و اطوار:

اب نواب صاحب کے لباس اور عادات و اطوار کے بارے میں ان کے بڑے صاحب زادے نواب علی حسن خاں رحمہ اللہ کی زبانی سنیے، جن کی وضاحت انھوں نے اپنی تصنیف ”مآثر صدیقی“ کے حصہ چہارم میں کی ہے:

لباس سادہ اور سفید بہت پسند تھا۔ کبھی رواج کے مطابق مختلف الوان اور نیم رنگ لباس بھی

---

[1] نواب صاحب نے اپنے حالات اپنی متعدد کتابوں میں تحریر کیے ہیں۔ ابقاء المنن تو پوری کتاب انھی کے حالات پر مشتمل ہے اور یہ ان کی اپنی تصنیف ہے۔

پہن لیا کرتے تھے۔ البتہ اس کا خیال رہتا تھا کہ لباس خوش وضع اور خوش قطع ہو اور عطر سے معطر ہو۔ عیدین کو عربی لباس زیب تن فرماتے تھے۔

خود فرماتے ہیں: ''عربیت نسب اور عربیت زبان دونوں چیزیں ہمارے لیے باعثِ فخر ہیں۔''

کرتہ گھنڈی دار نیچی چولی کا، دہلی کی وضع کا انگرکھا۔ دہلی کی وضع ہی کی گول ٹوپی اور قدرے تنگ پائنچے کا پاجامہ زیب تن فرماتے تھے۔ جوتا زیادہ تر امرتسر کا پنجابی ساخت کا استعمال کرتے تھے۔

ذہن کے صاف اور دل کے غنی تھے۔ شیریں بیان، شریف الطبع اور حسنِ اخلاق کا عمدہ ترین نمونہ تھے۔ حیا اور تواضع میں ان کے دور میں کوئی شخص ان کا ثانی نہ تھا۔ حلم اور بردباری غصے پر غالب تھی۔ بے حد منصف مزاج تھے۔ اپنے مخالفین سے نہایت نرمی سے پیش آتے تھے۔ اہلِ علم کی بہت ہی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

خود ''إبقاء المنن'' میں فرماتے ہیں:

> ''چوں کہ اللہ تعالیٰ نے حسنِ عمل اور سوے عمل کو میزانِ سعادت و شقاوت قرار دیا ہے، اس لیے میرا دل یہی چاہا کرتا ہے کہ مجھ سے وہ فعل ظہور میں آئے، جو میرے معبودِ حقیقی وحدہ لاشریک کو پسندیدہ ہو۔''

''إبقاء المنن'' میں مزید فرماتے ہیں:

> ''صحبتِ اہلِ جہاں سے تہہ دل سے بے زار رہتا ہوں اور اہلِ علم کی صحبت کو دوست رکھتا ہوں۔ ایسے لوگوں کی صحبت ہو، جو مذاکرۂ علمی یا ذکرِ الٰہی کریں۔''

اپنے احباب کے ساتھ بہت ہی خلوص و محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ احسان کے بدلے میں دوگنا چوگنا احسان کرنے کی سعی فرماتے۔

اکثر نمازِ جمعہ خود پڑھایا کرتے۔ رمضان المبارک میں تراویح ہمیشہ آٹھ رکعت پڑھتے اور نمازِ تہجد بارہ رکعت۔ نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ قرآن اور مختلف ادعیہ کی پابندی کرتے۔ تقویٰ و تورّع کے اوصاف ان کے مزاج میں راسخ ہو چکے تھے۔

شرم و حیا کا اتنا غلبہ تھا کہ کسی بڑے یا چھوٹے مرتبے کے آدمی سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرتے تھے۔ دوسرے سے گفتگو کرتے وقت نگاہ ہمیشہ نیچی رکھتے۔

صلہ رحمی کا بہت خیال رکھتے۔ بعض لوگ بہ طور قرض روپیہ لیتے اور پھر واپس نہیں کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو وہ قرض معاف کر دیتے تھے۔ اپنے رشتے داروں سے بے حد محبت کا سلوک کرتے۔

روزانہ کے معمولات:

نواب صاحب رحمہ اللہ کے روزانہ کے معمولات یہ تھے کہ نمازِ فجر سے پہلے جاگتے اور تہجد پڑھتے۔ نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ قرآن اور وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ اس سے فارغ ہو کر ایک گھنٹا وقائع نویسوں کی باتیں سنتے اور ریاست کے متعلق ضروری ہدایات دیتے۔ پھر تصنیف و تالیف میں مصروف ہو جاتے۔ دوپہر کے وقت کھانا تناول فرماتے اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کرتے۔ پھر نمازِ ظہر پڑھ کر ریاستی معاملات میں مشغول ہو جاتے۔ اس اثنا میں نمازِ عصر کا وقت ہو جاتا تو نماز پڑھ کر سیر و تفریح کے لیے تشریف لے جاتے۔ مغرب کی نماز کے بعد ضروری خبریں سنتے۔ پھر بچوں کو اور دوسرے شائقین کو تقریباً ایک گھنٹا قرآن و حدیث کا درس دیتے۔ بعض دفعہ علماے کرام بھی درس میں شرکت کرتے۔ درس کے بعد بسا اوقات شعر و شاعری کا دور بھی چلتا۔ نمازِ عشا کے بعد کھانا کھا کر سو جاتے۔

نواب صاحب رحمہ اللہ دورِ طالب علمی میں دہلی میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے گھر پر رہے تھے۔ اس پر وہ ان کے نہایت شکر گزار تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے نواب مصطفیٰ شیفتہ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا تو نواب صاحب رحمہ اللہ کو بے حد ذہنی اذیت پہنچی اور بھاگ دوڑ کر کے انھیں قید سے رہائی دلائی۔

مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمہ اللہ سے نواب صاحب رحمہ اللہ کی علمی بحثیں جاری رہتی تھیں۔ مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ کی وفات کا پتا چلا تو نواب صاحب رحمہ اللہ نے نہایت حزن و ملال کا اظہار فرمایا اور ان کی تعزیت کے لیے لکھنؤ کے فرنگی محل پہنچے، جہاں مولانا ممدوح سکونت پذیر تھے۔ فرمایا: آج آفتابِ علم غروب ہو گیا۔ ہمارا اور ان کا اختلاف فقط تحقیقاتِ مسائل تک محدود تھا۔ مولانا کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔[1]

حیاتِ طیبہ کے آخری ایام اور وفات:

اب نواب صاحب کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام اور سانحہ موت کا تذکرہ اس کے شاگرد رشید

[1] ملاحظہ ہو: کتاب ''نواب صدیق حسن خاں'' از ڈاکٹر رضیہ حامد (ص: ۱۳۱، ۱۳۲)

سید ذوالفقار احمد نقوی بھوپالی رحمہ اللہ کی زبانی سنیے۔ سید ذوالفقار احمد نقوی رحمہ اللہ بھوپال کے ممتاز عالم اور وہاں کے مجلسِ علما کے رکن اعظم تھے۔ ان کا تذکرہ میں اپنی کتاب ''برصغیر کے اہلِ حدیث خدامِ قرآن'' میں کر چکا ہوں۔ علمائے برصغیر کے حالات کے سلسلے میں ان کی ایک کتاب کا نام ''قضاء الأرب من ذكر علماء النحو والأدب'' ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور کتبِ حوالہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے نواب صاحب رحمہ اللہ کے آخری ایام اور وفات سے متعلق اس کتاب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ نواب صاحب رحمہ اللہ نے ۱۷ر فروری ۱۸۹۰ء کو وفات پائی اور سید ذوالفقار احمد نقوی رحمہ اللہ ان کی وفات سے ۳۱ سال سات مہینے تین دن بعد ۲۴ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو فوت ہوئے۔ اب سید ذوالفقار احمد نقوی رحمہ اللہ کی تحریر ملاحظہ ہو:

''شیخنا المرحوم کی آخری تالیف کتاب ''مقالات الاحسان'' ہے۔ یہ کتاب ترجمہ ہے فتوح الغیب کا، جو سیدنا و مولانا حضرت سید عبد القادر گیلانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ جب اس کا طبع ہونا شروع ہوا تو میں نے اور انھوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ جب صحت نامہ کا وقت آیا تو وہ بیمار تھے۔ میں نے اور ایک اور شخص نے اس کا مقابلہ ان کے روبرو کیا۔ مرضِ استسقا ہوگیا تھا۔ نہایت ایذا ہوئی، مگر بڑے مستقل مزاج تھے۔ وفات کے وقت تک استقلال رہا۔ ہراس اور بے صبری کا کلمہ ہرگز زبان سے نہیں نکلا۔ ایامِ بیماری میں شب کو میں ان کے پاس رہتا تھا۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی اور نہ لیٹا جاتا تھا۔ پلنگ پر قبلہ رخ بیٹھے رہتے۔ سامنے تکیے رکھ لیتے تھے، ان پر سر رکھ لیا، کبھی اٹھا لیا۔ اسی طرح ساری رات بسر ہوتی تھی۔ اکثر یا ارحم الراحمین کہتے تھے۔ بیماری کی اتنی شدت کہ لکھنے کی طاقت نہیں، مگر علم کا شوق وہی۔ مجھ سے کہا: بھائی تم آخر اور جگہ بیٹھ کر لکھتے ہو، ہمارے سامنے ہی لکھا کرو۔ میں اس وقت ''مرأة النسوان'' لکھتا تھا۔ پس میں نے ان کے روبرو لکھنا شروع کیا۔ ظہر سے عصر تک ان کے کمرے میں لکھتا، پھر گھر جاتا، عشا کے بعد پھر آجاتا تھا۔ اس اثنا میں باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ کئی دنوں سے اسی طرح ہوتا تھا۔ کبھی فرماتے: بھائی آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو مثل دوا کے کہ جب بیمار ہوں تو ان کی حاجت ہو اور ایک مثل غذا کے کہ کسی حالت میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ تیری مثال یہی ہے۔

غرض کہ چہار شنبہ بست ونہم ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ کو ناگاہ جی آیا کہ آج ۳ بجے سے ان کے پاس جاؤں، چناں چہ جلدی سے کھانا کھا کر ان کے پاس حاضر ہوا تو تکیے پر سر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا تو سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اچھا ہوا سویرے آ گئے۔ پھر باتیں کرتے رہے۔ بے قراری زیادہ تھی۔ دوا علاج ہوتا رہا، مگر کچھ نفع نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے رات کے بارہ بج گئے۔ اس وقت یا اس سے قبل کہا: بھائی آگرہ سے ہماری کتاب نہیں آئی؟ میں نے کہا: وہ چھپ گئی۔ اس کا صحت نامہ بھی تیار ہو کر آ گیا۔ فرمایا: اچھا ہوا۔ مہینا پورا ہوا اور ہماری تالیف بھی پوری ہوئی۔ پھر کوئی دوا لایا تو پی لی۔ ذرا دیر بعد میں نے کہا: کچھ آپ کو تسکین ہے؟ فرمایا: کسی قدر! پھر کہا: اب دوا نہیں پییں گے۔ اتنے میں ایک بج گیا۔ ذرا دیر بعد بے قراری ہوئی تو بسرعت ٹوپی سر سے اتار کر ڈال دی اور ذرا پاؤں پھیلائے اور چہرے پر پسینہ آیا۔ بہ کشادہ پیشانی بہ کمال درستیِ ہوش وحواس جان بحق تسلیم کی۔ اس وقت ایک بج کر ۳۵ منٹ ہو گئے تھے۔ إنا للہ و إنا إلیه راجعون. رحمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد نمازِ صبح غسل دیا گیا۔ نمازِ جنازہ میں ایک خلقِ کثیر تھی۔ کئی بار نماز ہوئی۔ بروز پنج شنبہ کیم رجب ۱۳۰۷ھ (۱۸/ فروری ۱۸۹۰ء) کو قبل دوپہر اپنے خاص قبرستان میں مدفون ہوئے۔‘‘

نواب صاحب رحمہ اللہ نے عیسوی حساب سے ۵۷ برس چار مہینے چار دن اور ہجری حساب سے ۵۹ برس ایک مہینا نو دن عمر پائی۔

کتب خانہ اور اولاد:

نواب صاحب کا بہت بڑا کتب خانہ تھا، جو ان کی وفات کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

نواب صاحب کی اولاد دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بیٹوں میں سے ایک کا نام سید نور الحسن خاں کلیم تھا اور چھوٹے کا سید علی حسن خاں طاہر۔ ذیل کی سطور میں دونوں کا مختصر الفاظ میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سید نور الحسن خاں کلیم بدھ کے روز ۲۱/ رجب ۱۲۷۸ھ (۲۳/ مارچ ۱۸۶۲ء) کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش خدا ترسی، علم دوستی اور صلاح وتقویٰ کے اس ماحول میں ہوئی، جس

میں قرآن و حدیث کی صدائیں گونجتی تھیں۔ سید نور الحسن خاں کلیم نے جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی وہ علم و عمل کے اعتبار سے اپنے دور کے عظیم لوگ تھے اور وہ تھے: قاضی ایوب بن قمر الدین پھلتی، قاضی انور علی لکھنوی، مولوی الٰہی بخش فیض آبادی، مولانا بشیر الدین عثمانی قنوجی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، قاضی محمد بن عبد العزیز جعفری، شیخ حسین بن محسن انصاری اور خود ان کے والد عالی قدر نواب محمد صدیق حسن خاں۔

سید نور الحسن خاں فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے اور کلیم تخلص کرتے تھے۔ آخر عمر میں تصوف سے زیادہ شغف ہوگیا تھا اور امورِ خیر کی انجام دہی میں مشغول رہتے تھے۔ مصنف بھی تھے اور جو کتابیں تصنیف کیں، ان کا تعلق صالحینِ امت کے واقعات اور حسنات کی ترغیب سے ہے۔ اردو اور فارسی کے شعرا کے تذکرے بھی لکھے۔ مثلاً تذکرۂ طور کلیم، تذکرۂ شعراء الفرس، تذکرۂ شعرائے ہند، تذکرۂ نگارستانِ سخن۔ یہ تذکرے فارسی زبان میں ہیں۔ ایک ضخیم کتاب کا نام ''مجموعہ رسائل'' ہے۔ اس میں تصوف کے بعض موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

آخر عمر میں بالکل خانہ نشین ہوگئے تھے اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اپنے والد محترم نواب سید محمد صدیق حسن خاں کی کتابوں کا بہت بڑا خزانہ ان کے سامنے تھا، اس سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ نواب شاہ جہاں بیگم کے انتقال کے بعد بھوپال سے لکھنؤ چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۱۳۳۰ھ (۹۶۔۱۸۹۵ء) میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔[1]

نواب صاحب کے دوسرے بیٹے نواب سید علی حسن خاں تھے، جو ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ علومِ متداولہ کی تحصیل متعدد مشہور اساتذہ سے کی۔ فارسی کے شاعر تھے اور طاہر تخلص تھا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ تصانیف یہ ہیں: ① مآثر صدیقی موسوم بہ ''سیرت والا جاہی''۔ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے والد گرامی سید نواب محمد صدیق حسن خاں کے حالات خاصی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ② شریعۃ الاسلام، ③ فطرۃ الاسلام، ④ سیرۃ الاسلام، ⑤ المدینۃ فی الاسلام، ⑥ اسلام اور اس کا طریقِ عبادت، ⑦ انتظام خانہ داری،

[1] یہ حالات ڈاکٹر رضیہ حامد کی تصنیف ''نواب صدیق حسن خاں۔ حیات، علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی خدمات'' (ص: ۲۲۰، ۲۲۱) سے لیے گئے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۸۳ء میں دہلی سے طبع ہوئی تھی۔

⑧ نالۂ دل، ⑨ خرمن گل، ⑩ تعلیم وتربیت، ⑪ البیان۔

۱۹؍ نومبر ۱۹۳۶ء (۳؍ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ) کو اپنی کوٹھی بھوپال ہاؤس لال باغ لکھنؤ میں ۷۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

سید احمد حسن عرشی:

اب نواب صاحب کے بھائی سید احمد حسن عرشی رحمہ اللہ کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں، جو نواب صاحب رحمہ اللہ سے عمر میں دو سال بڑے تھے۔ ۱۹؍ رمضان ۱۲۴۶ھ (۳؍ مارچ ۱۸۳۱ء) کو قنوج میں پیدا ہوئے۔ آغازِ تعلیم گھر ہی میں ہوا۔ پھر تکمیلِ علوم کان پور، فرخ آباد، بریلی اور علی گڑھ میں ہوئی۔ علی گڑھ میں حضرت شاہ عبد الجلیل رحمہ اللہ سے سلسلۂ تعلیم جاری رہا، جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزی حکومت سے جہاد کرتے ہوئے علی گڑھ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ کتبِ حدیث شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی رحمہ اللہ سے ان کے زمانۂ قیام مدینہ منورہ میں پڑھیں۔ اسی دور میں شیخ محمد عابد سندھی رحمہ اللہ (متوفی ماہِ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ) سے سند و اجازۂ حدیث حاصل ہوا۔ دہلی کے بعض علماے کرام سے بھی استفادہ کیا۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ فارسی اور اردو میں مرزا غالب سے مشورۂ سخن حاصل تھا۔ خود فرماتے ہیں:

مغلوب ہیں سب اہلِ جہاں میرے سخن سے
ہوں زلہ رُبا غالب اعجاز رقم کا

زیارتِ حرمین شریفین کے بے حد شائق تھے۔ تیسری مرتبہ بہ ارادۂ حج گھر سے روانہ ہوئے۔ بڑودہ میں مولوی غلام حسین بن مولانا رستم علی قنوجی کے مکان پر ٹھہرے۔ وہیں شدید بخار میں مبتلا ہو کر سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔ یہ حادثہ ۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ (۲۳؍ نومبر ۱۸۶۰ء) کو پیش آیا۔ صرف تیس سال عمر پائی۔[1] اللهم اغفر لهم وارحمهم وعافهم واعف عنهم.

ایک عجیب واقعہ:

نواب صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے بہت سے اہلِ علم بھوپال آئے اور بھوپال نے مجمع علما اور مرکز شعرا کی حیثیت اختیار کر لی۔ ان میں سے متعدد حضرات کا تذکرہ ڈاکٹر رضیہ حامد نے اپنی کتاب

[1] تراجم علماے حدیث ہند (ص: ۲۷۴ تا ۲۷۶) مطبوعہ کراچی۔

''صدیق حسن خاں'' میں کیا ہے۔ ان بزرگانِ ذی احترام میں سے ایک بزرگ مولوی قدرت اللہ قدرت رحمہ اللہ تھے، جو اپنے دور کے مشہور شاعر اور عالم دین تھے۔ ان کا خاندان ہمیشہ فضل و کمال اور شعر و ادب میں ممتاز رہا۔ ۱۹۷۳ء میں ہندوستان کے منصب نائبِ صدارت پر جسٹس ہدایت اللہ رحمہ اللہ فائز تھے، وہ مولوی قدرت اللہ قدرت کے حقیقی پوتے تھے۔ نواب صاحب سے مولوی قدرت اللہ قدرت کے گہرے مراسم تھے اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ کے مدرسے میں نواب صاحب رحمہ اللہ اور مولوی قدرت اللہ صاحب رحمہ اللہ ہم مکتب تھے اور دونوں کے حجرے بھی قریب قریب تھے۔ اب ایک عجیب واقعہ ملاحظہ فرمایئے جو ڈاکٹر رضیہ حامد نے تحریر فرمایا ہے۔ یہ واقعہ مولانا سید عبدالخالق نقوی پروفیسر عربی اسکول آف فارن لنگوئجز دہلی نے محترمہ مصنفہ کے والد مکرم سید فتح علی صاحب سے بیان کیا تھا۔

ایک دن مولوی قدرت اللہ صاحب فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے لگے تو دیکھا کہ صدیق حسن خاں سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے ان پر اپنا دوشالہ اڑھا دیا۔ گرمی حاصل ہوئی تو صدیق حسن خاں کو نیند لگ گئی۔ جب نیند کھلی تو درس شروع ہو چکا تھا۔ وہ درس میں پہنچے تو مولانا فضل الرحمٰن نے فرمایا: ''کہیے نواب صاحب! اب تشریف لا رہے ہیں۔''

یہ بات صدیق حسن خاں کی طبیعت پر گراں گزری اور وہ اپنے حجرے میں آ کر ہچکیوں سے رونے لگے۔ مولوی قدرت اللہ نے جا کر حال معلوم کیا تو انھوں نے مولانا کے الفاظ سنائے اور انھیں طنز قرار دیا۔ لیکن مولوی قدرت اللہ یہ جملہ سن کر محظوظ ہوئے اور بولے: ''ارے روتا کیوں ہے؟ دیکھنا حضرت کا کہنا سچ ثابت ہوگا اور تو ایک دن نواب بنے گا۔'' پھر مولوی صاحب نے ایک پرچہ ان کو لکھ کر دیا کہ جب صدیق خاں نواب ہوں گے تو قدرت اللہ کو ایک سو چودہ روپے کی نوکری دیں گے۔ صدیق حسن خاں نے اس پرچے پر دستخط کر دیے اور بات ختم ہوگئی۔

حصولِ تعلیم کے بعد تلاشِ معاش کے لیے صدیق حسن خاں بھوپال آئے اور مولوی قدرت اللہ میسور چلے گئے۔ جب شاہ جہاں بیگم سے صدیق حسن خاں کی شادی ہوگئی تو قدرت اللہ نے بھوپال کا رخ کیا اور نواب صدیق حسن خاں کے پاس تشریف لائے اور وہ پرچہ انھیں دکھایا۔ نواب صاحب بہت خوش ہوئے اور فوراً ان کو ایک سو چودہ روپے ماہانہ پر مہتمم کوٹھیات کے عہدے پر مقرر فرما دیا۔[1]

[1] نواب صدیق حسن خاں از ڈاکٹر رضیہ حامد (ص: ۱۷۵، ۱۷۶)

وفات پر اظہارِ حزن و ملال:

نواب صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر بہت سے اصحابِ قلم نے نظم و نثر میں اظہارِ حزن و ملال کیا۔ ان سب کا تذکرہ تو مشکل ہے، البتہ ایک عالم و شاعر منشی جمیل احمد سہسوانی کا مرثیہ لکھنے کو جی چاہتا ہے، لیکن مرثیہ پڑھنے سے پہلے چند الفاظ میں ان کا تعارف ہو جانا چاہیے، نیز ان کے دو چار اشعار بھی پڑھ لیے جائیں، جن سے ان کے رنگ غزل گوئی کا پتا چلے گا۔

منشی جمیل احمد سہسوانی ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں بھوپال آئے۔ یہیں تعلیم پائی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر بھوپال میں ملازمت اختیار کر لی اور کئی عہدوں پر مامور رہے۔ شعر و سخن کی صلاحیت رکھتے تھے اور غزل و قصیدہ دونوں میں امتیاز حاصل تھا۔ آخر عمر میں اپنے وطن سہسوان چلے گئے تھے۔ وہیں ۱۹۳۵ء میں وفات پائی۔ اب غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

کیا پوچھتے ہو داغ یہ دل میں کہاں کہاں کے ہیں
کچھ آپ کے دیے ہوئے کچھ آسماں کے ہیں
کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں
یاروں سے چھپ کے آپ کہاں جائیں گے جمیل
ہم بھی سمجھ گئے ہیں ارادے جہاں کے ہیں

منشی جمیل احمد سہسوانی نے نواب محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا تھا، جس کا انداز مولانا حالی کے اس مرثیے کا سا تھا، جو انھوں نے غالب کی موت پر لکھا تھا۔ حالی جیسی زبان، وہی جذبہ خلوص اور وہی سادگی و روانی۔ ملاحظہ فرمائیے:

اب کس کو ہم سخن اپنا سنائیں گے
کس کی زباں سے دادِ سخن پائیں گے
ڈھونڈیں گے گو زمانہ میں شاعر سخن شناس
ایسا نہ پائیں گے کوئی ایسا نہ پائیں گے
رکھتے تھے ہم نصیبوں سے امید بہتیری

اس کی خبر نہ تھی ہمیں یہ دن دکھائیں گے
بے قدریوں کا اپنی قلق ان کے غم کا رنج
کیا کیا ہم ان کے ہجر میں صدمے اٹھائیں گے
اوصاف ان کے یاد کریں گے تمام عمر
روئیں گے اور جلیسوں کو ان کے رلائیں گے
غم خواری کرنے والا تو دنیا سے اٹھ گیا
اب کس کو اپنے غم کی کہانی سنائیں گے
وقعت رہی اپنی نہ آبرو رہی
اے بے مزہ حیات فقط ایک تو رہی [1]

بابو رام سکسینہ نواب صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نواب صاحب موصوف عربی و فارسی کے بڑے عالم و فاضل اور اپنے زمانے کے مشہور مفسر اور محدث سمجھے جاتے تھے۔ مفتی صدر الدین آزردہ کے شاگرد تھے اور تقریباً ڈیڑھ سو ضخیم کتابوں کے مصنف تھے۔ شعرا اور اہلِ علم کے بڑے قدر دان تھے۔ اردو میں توفیق اور فارسی میں نواب تخلص کرتے تھے۔'' [2]

تاریخ ادب اردو کے مصنف شہیر بابو رام سکسینہ کو شاید نواب صاحب کی تمام تصانیف کا علم نہیں ہوسکا، ان کی عربی، فارسی اور اردو کی کل تصانیف کی تعداد دو سو تین کے قریب ہے، جن میں ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں بڑی ضخیم اور کئی کئی جلدوں پر محیط ہیں۔ ایک تفسیر قرآن پندرہ جلدوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، لیکن اس کے باوجود نواب صاحب اپنی تصانیف کا ذکر نہایت منکسرانہ انداز میں کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے الفاظ قابل مطالعہ ہیں:

''میری تالیفات کا غالب حصہ علمائے راسخین کے تراجم اور آثارِ سلف کے نقول پر مبنی ہے، جو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ یا نقل کیے گئے ہیں۔ جو کچھ میں نے اپنی

---

[1] نواب صدیق حسن خاں، از ڈاکٹر رضیہ حامد (ص: ۱۸۹ تا ۱۹۱)

[2] تاریخ ادبِ اردو (ص: ۴۱۴) عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور۔

تالیفات میں لکھا ہے، وہ درحقیقت علماے سابقین اور ائمہ امت کا علم ہے، نہ کہ میرا علم واجتہاد ہے۔'' [1]

اصل مقصد زندگی:

کتاب وسنت کی اشاعت اور بدعات ومحدثات کی بیخ کنی نواب محمد صدیق حسن خاں کی زندگی کا اصل مقصد تھا۔ چناں چہ "إبقاء المنن" (ص: ٥٤) میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرا اگر بس چلتا تو میں یہ نیت رکھتا ہوں کہ کسی کتاب کو جو مخالف کتاب اللہ ہوتی، روے زمین پر باقی رکھتا، نہ کسی بدعت کو جو متصادم سنت ہوتی، باقی چھوڑتا اور نہ کسی فن کو جہاراً اولیلاً ونہاراً عمل میں آنے دیتا اور اگر ایسا وقوع میں آتا تو حدودِ شرع سے اس کا تدارک کرتا۔''

چند واردین بھوپال علماے کرام:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نواب صاحب نے اپنے عہد کے بہت سے اہلِ علم کو بھوپال آنے کی دعوت دی اور وہ وہاں تشریف لائے اور متعدد اصحابِ فضل بھوپال کی علمی فضا کا شہرہ سن کر خود ہی وہاں تشریف لے گئے اور انھوں نے اس ریاست میں بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ ان حضرات کی طویل فہرست میں چند بزرگانِ ذی مکرمت کے اسماے گرامی یہ ہیں:

شیخ حسین محسن یمانی (متوفی ۱۳۲۷ھ) مولانا سید ذوالفقار احمد نقوی (۱۳۴۰ھ) شیخ محمد بن حسین انصاری یمانی (متوفی ۱۳۴۴ھ) مولانا محمد بشیر سہسوانی (متوفی ۱۳۲۳ھ) سید حسین شاہ واصف بخاری (متوفی ۱۲۸۵ھ) مولانا عبدالباری سہسوانی (متوفی ۱۳۰۳ھ) مولوی صابر حسین صبا سہسوانی (متوفی ۱۳۱۳ھ) مولانا یوسف علی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۹ھ) مولانا سلامت اللہ جیراج پوری (متوفی ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۵ر جون ۱۹۰۴ء)

ان حضرات میں سے صرف مولانا محمد بشیر سہسوانی نے جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ کو دہلی میں وفات پائی۔ باقی تمام حضرات بھوپال میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات واردِ بھوپال ہوئے اور پھر وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

[1] إبقاء المنن (ص: ٧٥)

بھوپال کی موجودہ حالت:

ڈاکٹر رضیہ حامد کی کتاب ''نواب صدیق حسن خاں'' سے پتا چلتا ہے کہ اب بھوپال کو اہلِ علم کے خوب صورت مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور وہاں متعدد لائبریریاں قائم ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لیے مدرسے جاری ہیں اور مسجدیں نمازیوں اور مصلحین و متعلمین سے بارونق ہیں۔

آخری گزارش:

نواب صاحب برصغیر کے بہت بڑے مفسر، بہت بڑے محدث، بہت بڑے مصنف، بہت بڑے محقق، بہت بڑے مورخ، بہت بڑے ہم دردِ خلائق اور بہت بڑے مبلغ اسلام تھے۔ ان کے متعلق بہت کچھ لکھنا چاہیے اور بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ اس مضمون میں ان کی خدماتِ گوناگوں کے بعض گوشوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کی روشنی میں سلسلۂ تحریر کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے اور ان شاء اللہ کوئی اہلِ علم آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے۔ میں اپنی گزارشات محترمہ ڈاکٹر رضیہ حامد کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔

''نواب صدیق حسن خاں کے علمی کارناموں کی داستان اس یقین کے ساتھ ختم کی جاتی ہے کہ ان کے کارناموں کی صداے بازگشت اس وقت تک سنی جاتی رہے گی، جب تک دنیا کے کسی گوشے میں بھی حدیث پاک اور سنتِ نبویہ کا پیغام باقی ہے۔''

نواب صاحب رحمہ اللہ اپنے وقت کے مانے ہوئے انشا پرداز، محدث اور زبردست صاحبِ قلم اور صاحبِ نظر تھے۔ ان کی حیات ایک فراخ حوصلہ عالم، جوہر شناس بزرگ، بیدار مغز انسان اور باکمال صاحبِ قلم کی حیات ہے۔ ان کی شخصیت ایک دانش مند مفکر اور محقق عالم کے ساتھ ساتھ ایک حقیقت شناس اور منتظم حاکم کی شخصیت ہے۔ نواب صاحب کی ذاتِ باصفات میں اصابتِ فکر، دور اندیشی، دور بینی اور معاملہ فہمی نیز دین میں پختگی بہ درجۂ اتم موجود تھی۔ علومِ دین کے فروغ میں ان کے کارہاے نمایاں علماے سلف کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے طرزِ فکر کو ہندوستان سے متجاوز کر کے دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچایا اور عرب فضلا سے بھرپور داد و تحسین حاصل کی۔[1]

---

[1] دبستانِ حدیث، از مولانا محمد اسحاق بھٹی (ص: ۲۵۹ تا ۲۸۵)

دو اتہامات اور ان کی حقیقت

نواب سید محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کو اپنے وقت میں علم و فضل اور دنیوی ریاست و امارت میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔ ایسی بلند مرتبت شخصیت کے محبین اور مخلصین کے ساتھ ساتھ ان کے حاسدین اور مخالفین کا پیدا ہونا بھی ایک ناگزیر امر ہے، چنانچہ ان مخالفین نے نواب صاحب کی شخصیت کو داغ دار کرنے کی خاطر کئی جھوٹ تراشے اور بہت سی تہمتوں کا سہارا لیا، لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر قسم کے شرور و فتن سے ان کی حفاظت فرمائی اور لوگوں کے قلوب و اذہان میں ان کے لیے محبوبیت ودیعت کی۔

نواب صاحب رحمہ اللہ کو اپنے دور میں جن اتہامات اور الزامات سے دوچار ہونا پڑا، ان میں سے دو اعتراضات ایسے ہیں، جنھیں آج بھی بعض لوگ اچھالتے اور اپنے حلقے میں ان کی ترویج و اشاعت کرتے ہیں، حالاں کہ دیگر الزامات کی طرح ان اتہامات کی حقیقت کو بھی علمائے کرام سالہا سال سے طشت ازبام کرتے آئے ہیں۔

ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ نواب صاحب رحمہ اللہ اہلِ حدیث نہیں اور ایک عام سے عالم دین تھے، جن کا علم و فضل میں کوئی خاص مقام نہیں۔

حیرت ہے کہ نواب صاحب رحمہ اللہ کے دور میں بعض حاسدین نے ان پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ وہابی ہیں، جبکہ آج ان کے مخالفین انھیں یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ اہل حدیث نہیں تھے!!

نواب صاحب رحمہ اللہ کی وہابیت اور اہل حدیث ہونے کے متعلق اگر ان کے معاصر اور بعد والے اہل حدیث علما کے اقوال نقل کیے جائیں کہ وہ کس طرح انھیں مجددِ دوراں، مجتہد العصر اور امام وغیرہ کے بلند مرتبت القاب سے یاد کرتے ہیں تو اس کے لیے کئی صفحات درکار ہوں گے، تاہم ذیل میں ہم اس سلسلے میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، وکیلِ سلفیت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی رائے گرامی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"وهذا إمامنا وشيخنا الأستاذ الإمام الملك السيد نواب صديق حسن خان البهوفالي ما أرفق وبله! تصانيفه الغالية الثمينة انتشرت شرقا وغربا واستفاد منه العامة والعلماء"[1]

"یہ ہمارے امام، شیخ، استاذ، امام، ملک، سید نواب صدیق حسن خان ہیں، جو بحر بے کنار تھے۔ ان کی بیش قیمت بلند پایہ تصانیف مشرق و مغرب میں پھیل گئیں اور عوام و علما نے اس سے استفادہ کیا۔"

نواب صاحب رحمہ اللہ کے متعلق اہل حدیث علما و شیوخ کی آرا و اقوال سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر نواب صاحب رحمہ اللہ کی مولفات ہی کو اس مقصد کے لیے دیکھ لیا جائے تو ہمیں بعض الناس کے عائد کردہ اس اتہام کی حقیقت بہ خوبی معلوم ہو جاتی ہیں۔[2]

اسی طرح نواب صاحب رحمہ اللہ پر ایک دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ وہ دوسرے علما کی کتابوں ہی کو اپنے نام سے شائع کرتے ہیں اور انھیں میں تقدیم و تاخیر کرنے کے بعد ان پر اپنا نام لکھ لیتے ہیں۔

یہ اتہام دراصل ایک عیسائی مشترق کانیلس ایڈورڈ کی اختراع ہے، جسے سن کر نواب صاحب رحمہ اللہ کے حاسدین نے اسے خوب ترقی دی اور کئی ایک حقیقت سے ناواقف یا عداوت و نفرت کے مارے ہوئے اس الزام کو آج بھی دہراتے رہتے ہیں، حالاں کہ اس بارے میں بھی اگر معاصر علما اور دیگر اصحابِ علم و فضل کی آرا اور نواب صاحب رحمہ اللہ کی مولفات کو دیکھا جائے تو اس اتہام کی قلعی خود بہ خود کھل جاتی ہے۔

علامہ عبدالحی الکتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وبالجملة فهو من كبار من لهم اليد الطولي في إحياء كثير من كتب الحديث وعلومه بالهند وغيره ـجزاه الله خيراًـ وقد عد صاحب عون المعبود على سنن أبي داود، المترجم له أحد المجددين علىٰ رأس المائة الرابعة عشر، وما لبعض المسيحيين في كتاب له اسمه "اكتفاء القنوع بما هو مطبوع" من أن المترجم كان عامياً، وتزوج بملكة بوهبال، فعند ما

---

① نگارشات مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ (ص: ۱۰۸۔ ۱۰۹)

② اس سلسلے میں ہندوستان کے معروف عالم دین فضیلۃ الشیخ مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ نے ایک مستقل کتاب "نواب صدیق حسن خاں اور اس کی وہابیت" کے عنوان سے لکھی ہے، جس کا مطالعہ یقیناً اس باب میں مفید ہوگا۔

اغتنیٰ بالمال، جمع إلیه العلماء، وأرسل یبتاع الکتب بخط الید، وکلف العلماء بوضع المؤلفات، ثم نسبها لنفسه، بل کان یختار الکتب القدیمة العدیمة الوجود، وینسبها لنفسه... فکلام أعدائه فیه وإلا فالتآلیف تآلیفه، ونفسه فیها متحدۃ[1]

''نواب صدیق حسن خان ان کبار علما میں سے ہیں، جن کا ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں علومِ حدیث اور ان کی کتابوں کے احیا و اشاعت میں بہت بڑا حصہ ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ صاحبِ عون المعبود علامہ شمس الحق ڈیانوی نے، جنھوں نے ان کے عربی میں مختصر حالات تحریر کیے ہیں، نواب صاحب کو اوائل چودھویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کیا ہے۔ بعض عیسائی مستشرقین نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ''اکتفاء القنوع بما هو مطبوع'' ہے۔ اس میں نواب صاحب کا ذکر بڑے گھٹیا انداز میں کیا گیا ہے اور ان کی بابت یہ افترا پردازی کی گئی ہے کہ والیہ بھوپال کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد انھوں نے علما کو پیسے دے کر کتابیں لکھوائیں اور اپنے نام سے چھپوا لیں، بلکہ کئی عدیم الوجود کتابیں حاصل کر کے انھیں اپنی طرف منسوب کر لیا، لیکن یہ سب باتیں ان کے دشمنوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تمام تالیفات ان کی اپنی ہی تالیف کردہ ہیں، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی تمام کتابوں کا اسلوب یکساں ہے۔''[2]

مذکورہ بالا دونوں اتہامات کی حقیقت عیاں کرنے کے لیے ذیل میں ہم دو اقتباسات درج کر رہے ہیں، جو انھیں الزامات کے جواب میں تحریر کیے گئے ہیں۔

پہلی تحریر شیخ الحدیث علامہ نذیر احمد املوی رحمانی رحمہ اللہ کی ہے، جس میں انھوں نے نواب صاحب رحمہ اللہ کا مسلک تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس پر بعض حضرات کے عائد کردہ شبہات کی حقیقت بیان کی ہے۔

دوسری تحریر نواب صاحب رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی (المتوفی ۱۹۲۱ء) کی

[1] فهرس الفهارس والأثبات (۲/ ۱۰۵۷)

[2] إبقاء المنن بإلقاء المحن (اضافات و ملحقات، ص: ۲۶۰)

رقم کردہ ہے، جس میں انھوں نے عیسائی مستشرق ایڈورڈ فندیک کے اختراع کردہ اتہام کی حقیقت بیان فرمائی ہے اور آپنے مشاہدات پر مبنی شہادتوں کے ذریعے اس الزام کا تار و پود بکھیر دیا ہے۔

① نواب صاحب کا مسلک:

آج اہلِ حدیث ہی نہیں، احناف میں بھی حضرت نواب صاحب قدس سرہ کا مسلکاً اہلِ حدیث ہونا اتنا مشہور و معروف ہے کہ شاید بہتوں کو اس پر تعجب ہوگا کہ اس عنوان پر گفتگو کرنے کی ہم نے ضرورت کیوں محسوس کی؟

قصہ یہ ہے کہ نواب صاحب کے صاحبزادے نواب علی حسن خاں مرحوم نے ''مآثر صدیقی'' (موسوم بہ ''سیرت والا جاہی'') میں نواب صاحب کے مسلک کی بابت بعض ایسی باتیں لکھ دی ہیں، جو اب تک تو قابلِ التفات نہیں سمجھی گئی تھیں، لیکن آج کل بعض لوگوں نے ان کو اُچھالا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ دلائل اور واقعات کی روشنی میں اس مسئلے کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے۔

سیرت والا جاہی کا بیان:

نواب صاحب کے مسلک کے متعلق مصنف ''سیرت والا جاہی'' کا ایک بیان تو یہ ہے، لکھتے ہیں:

''سنی خالص، محمدی فخ، موحد بحت، متبع کتاب و سنت، حنفی مذہب، نقشبندی مشرب تھے اور ہمیشہ طریقہ اسلاف پر مذہب حنفی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے، مگر عملاً و اعتقاداً اتباعِ سنت کو مقدم رکھتے تھے، چنانچہ خود لکھتے ہیں: باقتفائے نیا کاں بزرگ و دانشمندان سترگ در ظاہر انتساب بروش امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ معروف است، لیکن ہموارۂ گفتار و کردار را با تباع سنت آرائش دارد۔''[1]

ان کا دوسرا بیان یہ ہے، لکھتے ہیں:

''والا جاہ مرحوم نمازِ پنج گانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے، البتہ ان کو فاتحہ خلف الامام اور اول وقت کا خاص اہتمام مدنظر رہتا تھا۔''[2]

نواب صاحب کی تالیفات ان کے مضامین اور تحریروں کا جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، ان

---

① سیرت والا جاہی (۱/۴)

② کتاب مذکور (ص: ۶۳)

کی بنیاد پر اور اس زمانے میں جبکہ نواب صاحب کے رفقا اور مشاہدین ایک ایک کر کے سب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، ان چیزوں کے سوا کوئی دوسری چیز اس بحث کی بنیاد بن بھی نہیں سکتی، ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ "سیرت والا جاہی" کے یہ دونوں بیان غلط اور نا قابل اعتبار ہیں، حتی کہ فارسی کی وہ عبارت بھی ان کے مدعا کی مثبت نہیں ہے، جس کو انھوں نے اس موقع پر اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ ہم ان دونوں بیانوں پر علی الترتیب الگ الگ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

"سیرت والا جاہی" کے دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں:

مصنف "سیرت والا جاہی" نے دعویٰ یہ کیا ہے کہ نواب صاحب ہمیشہ مذہب حنفی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے۔ "منسوب کرنے" کے صاف معنی یہ ہیں کہ نواب صاحب اپنے متعلق خود کہا کرتے تھے یا لکھا کرتے تھے کہ میں حنفی ہوں اور ایسا وہ "ہمیشہ" کرتے تھے۔ بالفاظ دیگر، سیرت والا جاہی نے حنفی مذہب کی طرف انتساب کو خود نواب صاحب کا فعل بتایا ہے، لیکن اس کے ثبوت اور تائید میں فارسی کی جو عبارت انھوں نے نقل کی ہے، وہ ہرگز اس دعوے کے مطابق نہیں ہے۔ اس میں نواب صاحب نے مذہب حنفی کی طرف انتساب کو اپنا فعل نہیں قرار دیا ہے اور نہ یہ تسلیم کیا ہے کہ میں حنفی ہوں۔ ہاں یہ البتہ کہا ہے کہ مذہب امام ابو حنیفہ کی طرف انتساب "معروف" ہے، یعنی انتساب کی نسبت انھوں نے عرف کی طرف کی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگوں کا عمل ہے، خود ان کا اپنا عمل یہ نہیں ہے۔ اس لیے اس عبارت سے یہ دعویٰ تو ثابت نہیں ہوتا کہ نواب صاحب اپنے کو مذہب حنفی کی طرف منسوب کرتے تھے اور جب یہ ثابت نہ ہوا تو یہ بھی ثابت نہ ہوگا کہ وہ "حنفی مذہب" تھے۔

رہا عرف کا معاملہ تو اس کے اعتبار سے یہ عبارت دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے، ایک یہ کہ لوگ آپ کو حنفی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ہر چند یہ انتساب لوگوں میں معروف و مشہور ہے، لیکن میں نے اس شہرت کی پیروی نہیں کی۔ میں نے اتباع سنت کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ نواب صاحب نے اپنے ہی متعلق یہ بات کہی ہو کہ بہ ظاہر ان کا انتساب حنفی مذہب کی طرف معروف ہے، مگر پھر ساتھ ہی انھوں نے حرف استدراک "لیکن" سے اس توہم کو بھی دفع کیا ہے کہ اس ظاہری انتساب کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ میں امام ابو حنیفہ کا مقلد اور ان کے اقوال کا پابند ہوں۔ میں نے اپنے قول و عمل کو تقلید کے عیب سے بچا کر اتباع سنت کی زینت سے آراستہ کیا ہے۔

عبارت کا پورا متن اور اس کا صحیح مطلب:

اس عبارت کا ایک بڑا اہم لفظ مصنف ''سیرت والا جاہی'' نے نقل نہیں کیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پوری عبارت قارئین کے سامنے رکھی جائے، تاکہ نواب صاحب کا صحیح منشا ان کی سمجھ میں آ جائے۔ نواب صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''امروز کہ چہل وہشت مرحلہ از عمر گرامی طے شدہ با آنکہ استخواں درتن ناتواں کہنہ شد، و موئے سر بسفیدی چوں شعلۂ تاباں گردید، آثار گرمی درونی وسوز باطن ہمچناں افزائش دارد وبسا نکات دل افروز بر فراز ظہور می آرد، در آئین مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ وابو حنیفہ رحمہ اللہ وابن حنبل رحمہ اللہ گوناگوں دریافت اصولاً وفروعاً بہم آمد۔ وبقلد وزی بخت بیدار، وتکاپوی طالع سازگار، برپایۂ اجتہاد مجتہداں وقوف حاصل شد، ہر چند باقتفائے نیا کان بزرگ و دانشمندان سترگ در ظاہر انتساب بروش ابو حنیفہ رحمہ اللہ معروف است، لکن ہموارۂ گفتار و کردار را با تباع سنت آرائش دارد۔''[1]

''آج جب کہ میں اپنی عمر عزیز کی ۴۸ منزلیں طے کر چکا ہوں، بدن کی ہڈیاں بھی پرانی ہوگئی ہیں۔ سر کے بالوں میں سفیدی چمک رہی ہے۔ سوز باطن بھی ترقی پر ہے۔ امام مالک وامام شافعی وامام ابوحنیفہ وامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہر ایک کی فقہ وآئین کو اصولاً و فروعاً ہر طرح سے جان چکا ہوں اور خوش قسمتی سے مجتہدوں کے پایۂ اجتہاد سے بھی واقفیت حاصل کر چکا ہوں۔ ایسی حالت میں بزرگوں کی اتباع اور دانشمندوں کی پیروی میں ظاہری طور پر امام ابوحنیفہ کے طریقے کی طرف انتساب (چاہے) جتنا بھی مشہور ہو، لیکن (اس انتساب کے معنی یہ نہیں کہ میں ان کا مقلد ہوں) میں اپنے گفتار و کردار کو تقلید کے عیب سے بچا کر اتباع سنت کی زینت سے آراستہ کرتا ہوں۔''

پوری عبارت کے معنی اور مفہوم پر غور کیجیے! نواب صاحب نے سب سے پہلے اپنی عمر کی مدت بیان کی ہے، جس سے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر کی اس منزل میں پہنچ گئے ہیں، جو طبعی طور پر انسان کے فہم و دانش کے کمال کی منزل مانی جاتی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اللہ تعالیٰ

[1] المغنم البارد (ص: ۱۳)

کے اس انعام کا ذکر کیا ہے، جو علم دین کے متعلق ان کو عطا کیا گیا تھا۔ انھوں نے بتایا ہے کہ چاروں اماموں کے فقہی مسائل اور ان کے استخراج و استنباط کے اصول و قواعد، آئین اور ضابطے؛ سب پر ان کو عبور حاصل ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کون مجتہد کس درجے کا فقیہ ہے؟ کس کا اجتہاد کتاب و سنت کے موافق ہے اور کس کا اس کے خلاف؟

اپنے علم و فہم کے اس رسوخ اور کمال کا اظہار کر لینے کے بعد تب انھوں نے لکھا ہے: ''ہر چند باقتفائے نیا کان بزرگ و دانشمندان سترگ در ظاہر انتساب ...'' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم کے کمال کی منزل تک پہنچا دیا ہے اور فقہ و اصولِ فقہ کا علم بھی وافر عطا فرمایا ہے۔ ایسا علم جو چاروں اماموں کے اصول و فروع پر گونا گوں طریقے سے حاوی ہے۔ مجتہدوں کے پایۂ اجتہاد اور ان کے اقوال و آرا کے خطا و صواب کی معرفت کا ملکہ بھی حاصل ہو تو ایسی صورت میں کسی کا مقلد بن کر، ہر مسئلے میں اس کی رائے کو بلا دلیل مان لینا اور خود کو اس کا پابند بنا کر رکھنا، یہ میرا کام نہیں ہے۔ اس لیے ''ہر چند'' اپنے بزرگوں کی پیروی میں لوگوں کا انتساب ظاہر میں (رسمی طور پر) حنفی مذہب کی طرف معروف ہے، لیکن میرے نزدیک اس شہرت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں نے اتباعِ سنت کی راہ اختیار کی ہے۔ یا نواب صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ''ہر چند'' ظاہر میں میرا انتساب حنفی مذہب کی طرف معروف ہے، لیکن اس ظاہری انتساب کا مطلب مقلد ہونا نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو مجھ جیسے شخص کے لیے ایک عیب کی بات ہے۔ میں نے اپنے قول و عمل اور گفتار و کردار کو تحقیق و بصیرت کی روشنی میں سنت کی پیروی سے آراستہ کیا ہے۔

اہلِ علم سمجھ سکتے ہیں کہ نواب صاحب کی محولہ بالا عبارت میں لفظ ''ہر چند'' کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے، اس کے بعد وہ خود فیصلہ کریں کہ کیا ہماری یہ شکایت بے جا ہے کہ مصنف ''سیرت والا جاہی'' نے اس عبارت کا ایک بڑا اہم لفظ نقل نہیں کیا ہے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عبارت سے نواب صاحب کا ''حنفی'' (بہ معنی مقلد امام ابوحنیفہ) ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برخلاف اسی عبارت سے ان کا محقق (غیر مقلد) متبع سنت ہونا واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ''انتساب معروف'' سے اتباعِ سنت کا حق ادا ہوجاتا تھا تو پھر اس استدراک کے ذریعے کس توہم کو دفع کیا گیا ہے کہ ''لیکن ہموارہ گفتار و کردار را باتباع سنت

آرائش دارد''؟ نیز اگر وہ مقلد ہی تھے تو اس اہتمام کے ساتھ اپنے علمی کمال اور جامعیت کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

نواب صاحب کی بعض دوسری عبارتوں سے اس کی تائید:

''انتساب معروف'' کا تعلق نواب صاحب ہی کی ذات سے مان کر عبارت زیرِ بحث کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے، اس کی تائید نواب صاحب کی دوسری کتابوں سے بھی ہوتی ہے۔ منجملہ ان کے ایک کتاب ''إبقاء المنن بإلقاء المحن'' ہے، جو نواب صاحب کی وفات سے ڈھائی تین سال پہلے کی تالیف ہے۔[1] اسی کتاب کے حوالے سے چند عبارتیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں، نواب صاحب لکھتے ہیں:

- ''میں نے ابتدا طلبِ علم میں کتبِ فقہ حنفی کو بھی موافق رواج اس ملک کے پڑھا تھا۔ پھر شعور بڑھا تو مذاہب ائمہ ثلاثہ پر بھی عبور کیا اور فروع میں ادلۂ مذاہب اربعہ پر اطلاع حاصل ہوئی اور اچھی طرح ہوئی۔ ہر مذہب کی دلیل کو میزانِ تحقیق میں بہ قاعدہ علماے جامعین وزن کیا، جس مسئلے کو دلیلاً راجح پایا، اسی کا میں قائل ہوا۔

''بعد عبور کے مذاہب اربعہ پر میں نے اتباع دلیل کا اختیار کیا ہے، جو مذہب موافق دلیل قوی وصحیح کے ہوتا ہے، وہی میرا مختار ہے، خواہ مذہب حنفی ہو یا شافعی یا مالکی یا حنبلی، میں کسی مذہب کا ترک ورد براہِ تعصب کے نہیں کرتا ہوں نہ کسی مذہب کا اخذ براہِ ہواے نفس کے۔ مثلاً مسئلہ آب میں مذہب مالک اقوی المذاہب ہے اور مسئلہ صیغ تشہد میں مذہب امام ابو حنیفہ اصح الاقوال ہے اور مسئلہ صفات میں مذہب امام احمد رحمہ اللہ اقوی المذاہب ہے۔ وعلی ہذا القیاس میری کل تالیف میں اسی قاعدہ کی رعایت وحمایت ہے۔

''اس اعتبار سے اگر میں آپ کو حنفی کہوں یا شافعی کہوں یا مالکی یا حنبلی کہوں تو کچھ کذب لازم نہیں آتا ہے اور اگر سنی محض کہوں تو بالکل سچ ہے، اور اگر اس اعتبار سے کہ میں محبّ اور خادم ہوں ہر امام مجتہد کا، ان ائمہ اربعہ وغیرہم سے آپ کو طرف کسی امام کے

---

[1] نواب صاحب کی وفات ۱۳۰۷ھ میں ہوئی اور ''إبقاء المنن'' انھوں نے ذوالحجہ ۱۳۰۴ھ میں لکھی، جیسا کہ کتاب کے آخر میں مذکور ہے۔

مضاف کروں تو بھی یہ اضافت درست ہے۔[1] چناں چہ اکثر اضافات ائمۂ علم کی طرف سلفِ امت کے اسی قبیل سے تھے۔'' (ص:۱۳)

- ''مشکل تو یہ ہے کہ میں تو دلیل کو مذہب کہتا ہوں نہ تقلید کو، اور لوگ اعتراض مجھ پر ازروئے تقلید کرتے ہیں۔'' (ص:۲۶)
- ''ائمۂ سلف پر طعن مخالفتِ سنت کی کرنا انصاف کا خون بہانا ہے، ہاں جو مقلد ان کے بعد وضوحِ دلیلِ کتاب و سنت کے تقلیدِ رائے بحت پر جامد ہیں، ان کو خاطی سمجھتا ہوں۔'' (ص:۲۷)
- ''مجھے یہ بات معلوم ہے کہ اللہ و رسول کے سوا کسی کا اتباع کسی شخص پر امتِ اسلام میں سے واجب نہیں ہے اور اسی وجہ سے سارے سلف تقلیدِ رجال سے منع کرتے آئے ہیں۔'' (ص:۱۱۸)
- ''رجماً بالغیب مجھ پر یہ طوفان باندھا گیا کہ میں خدانخواستہ حق میں ائمہ اربعہ کے عموماً اور حق میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خصوصاً بے ادب نا مہذب ہوں[2] حالانکہ یہ نرا افترا ہے، اس کی تکذیب کے لیے میرا رسالہ ''جلب المنفعة'' تام بس کرتا ہے۔ اگر میں ایسا ہوتا تو اپنی کتبِ فقہ میں ہرگز کسی مسئلہ حنفی کی ترجیح نہ کرتا ... بے شبہ میں کسی کی رائے مجرد و اجتہاد کا مقلد نہیں ہوں، جب تک کہ اس کو موافق دلیل و سنت کے نہ کرلوں۔ خواہ وہ علم ظاہر سے علاقہ رکھتا ہو یا علم باطن سے ....'' (ص:۱۱۹)
- ''پھر مجھ سا شخص جو بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عالم اور امامِ امت کی تقلید کا وجوباً قائل نہیں ہے، وہ صاحبِ کتاب التوحید (شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ) کی تقلید کیوں کرنے لگا۔'' (ص:۱۲۰)

---

[1] دیکھیے مقلد ہونے کی حیثیت سے تو نواب صاحب کسی امام کی طرف اپنے کو منسوب کرنا درست نہیں سمجھتے، البتہ دوسرے اعتبارات سے اس کو صحیح سمجھتے ہیں، لیکن اس میں بھی حنفی مذہب کی خصوصیت نہیں ہے، چاروں اماموں اور چاروں مذہبوں کو وہ ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔

[2] سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر سیرت والا جاہی کا یہ بیان صحیح ہے کہ نواب حنفی مذہب تھے اور ہمیشہ مذہب حنفی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے تو پھر ان پر یہ طوفان کیسے باندھا گیا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے حق میں بے ادب نا مہذب ہیں؟!

- ''ایک محنت مجھ پر یہ آئی کہ اہلِ تقلید نے مجھ پر تہمت تقلید امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ کی لگائی۔[1] گویا میں اپنے دین میں ان کا مقلد ہوں۔ یہ تہمت نہایت طرفگی سے قابل تماشا ہے، اس لیے کہ جس طرح ائمہ اربعہ رحمہم اللہ مجتہدین وغیرہ سلف صالحین نے تقلید مذاہب سے منع کیا ہے، اسی طرح یا اس سے زیادہ رد تقلید میں شوکانی رحمہ اللہ نے میدان مباحثہ میں جولانی فرمائی ہے ... پھر میرا کسی اور کا اس نہی کے باوجود ان کا مقلد بننا کیا معنی رکھتا ہے؟ میں نے اپنی تالیف میں کئی جگہ ان کا خلاف کیا ہے، اس لیے کہ ان کی تقریر پر دلیل واضح کی موافقت ظاہر نہیں ہوئی۔'' (ص: ۱۱۸)
- ''بعض لوگوں کو یہ گمان ہے کہ میں اولیاء اللہ تعالیٰ کا معتقد نہیں ہوں[2] حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ ولایتِ خدا کا وجود کتاب و سنت دونوں سے ثابت ہے اور کرامات کے وقوع پر بھی قرآن و حدیث دلیل ہیں۔ پھر ان کا انکار یعنی چہ؟ ... ہاں اتنی بات ہے کہ میں اس علم میں بھی بہ کتاب و سنت ہوں، اس حال و قال کا قائل نہیں ہوں، جو نص کتاب و دلیل سنت کے برخلاف ہے اور نہ ان رسوم مشائخ کو جائز جانتا ہوں، جو کسی برہان پر مبنی نہیں ہیں، کیونکہ جس طرح تقلید فروع احکام میں بے اصل ہے، اسی طرح تقلید مکشوفات و رسوم میں بے سند ہے۔ صوفیۂ صافیہ میں کوئی شخص مقلد کسی مذہب خواص کا نہیں تھا، اسی جگہ سے کہا ہے: ''الصوفي لا مذهب له'' احیاء العلوم، فتوحات مکیہ وغیرہما کو دیکھو کہ کس قدر تحذیر اختیار تقلید سے اور کس قدر تحریض ایثار اتباع پر کی ہے۔'' (ص: ۱۲۵)

یہ اقتباسات پوری وضاحت کے ساتھ اس بیان کی تردید کر رہے ہیں کہ نواب صاحب حنفی مذہب تھے اور ہمیشہ مذہب حنفی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے۔ لہٰذا ''المغنم البارد'' کی عبارت سے مصنف ''سیرت والا جاہی'' نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ بھی غلط ہے اور اس عبارت کا صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے بتایا ہے۔

---

[1]، [2] اگر واقعی نواب صاحب حنفی المذہب تھے اور ہمیشہ حنفی مذہب کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے تو پھر ان دونوں الزاموں کی گنجائش کہاں سے نکل آئی کہ وہ شوکانی کے مقلد ہیں؟ یا یہ کہ وہ اولیاء اللہ کے معتقد نہیں ہیں؟ اس قسم کے الزام تو اہلِ حدیثوں کو لگائے جاتے ہیں نہ کہ کسی حنفی المذہب مقلد کو!!

اس سلسلے میں ایک اقتباس اور پڑھیے، جس میں نواب صاحب نے اہلِ حدیث مسلک کی صحیح صحیح ترجمانی کی ہے اور تقلید کی پُرزور مذمت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

* ''تقلید اس کو کہتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے شخص کی بات کو کسی شے کی حلت یا حرمت میں بلا دلیل ونص شارع کے قبول کر لے، سو یہ بات ظاہر ہے کہ سب مسلمان حضرت کی امت ہیں اور حلت وحرمت کسی شے کی بغیر حضرت کے بتائے معلوم نہیں ہو سکتی تو اس باب میں اتباع حضرت کا چاہیے، نہ کہ اور کسی شخص کا، ورنہ اس شخص کو پیغمبر ماننا پڑے گا اور اگر کسی مجتہد نے کسی شے پر بہ سبب نہ ملنے اور معلوم نہ ہونے کسی دلیل کے ایسا حکم اپنے اجتہاد اور رائے وقیاس سے لگا دیا ہے اور بعد اس کے کوئی اور دلیل کسی دوسرے شخص پر قرآن یا حدیث سے واضح ہوگئی تو وہ مجتہد معذور ہے، بلکہ اس کو ایک اجر جہد وسعی کا ملے گا، مگر یہ شخص جس کو آیت قرآن یا سنت صحیح پہنچ گئی، ہرگز معذور نہ ہوگا، بلکہ اگر وہ دیدہ ودانستہ خلاف نص کے کرے گا تو مخالفِ خدا یا رسول ٹھہرے گا، اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کچھ مشکل بات نہیں ہے اور ہم نے ساری کتبِ فقہ مذاہب اربعہ دیکھیں، کسی امام مجتہد سے یہ بات ماثور نہیں پائی کہ ہمارے اجتہاد کے آگے تم قرآن وحدیث کو چھوڑ دینا، بلکہ چاروں اماموں نے اپنی تقلید اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے، ان کے اقوال خود کتابوں میں ان کے مقلدین کی منقول ہیں۔

''اس صورت میں مقلد صحیح صادق ان کا وہی مسلمان ہے، جو اس قول حق میں ان کی پیروی کرتا ہے، نہ وہ مسلمان جو خلاف ان کی نہی کے عمل کرتا ہے، کیونکہ وہ تو ان کا مخالف ہوا نہ مقلد۔''

یہ نواب صاحب کی صرف ایک کتاب کے اقتباسات ہیں، اگر ان کی دوسری کتابوں سے اسی قسم کی عبارتیں ہم نقل کریں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ''سیرت والا جاہی'' کے بیان کی تردید کے لیے اتنے حوالے ہی کافی ہیں۔

''سیرت والا جاہی'' کے دوسرے بیان پر تنقید:

اسی طرح نواب صاحب مرحوم کی کتابوں کی روشنی میں ہم اس بیان کو بھی ناقابل اعتبار سمجھتے

ہیں کہ والا جاہ مرحوم نمازِ پنج گانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے۔ ''سیرت والا جاہی'' کے حصہ چہارم کے آخر میں خود اسی کے مصنف نے نواب صاحب کی مولفہ کتابوں کی ایک طویل اور مفصل فہرست پیش کی ہے۔ یہ فہرست انھوں نے کتابوں کے ناموں کے پہلے حرف کو ملحوظ رکھ کر حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کی ہے اور اللہ کی شان ہے کہ ''حرف الألف'' سے لے کر ''حرف الیاء المثناۃ'' تک ہر حرف کے ذیل میں نواب صاحب کی تالیفات موجود ہیں۔ چنانچہ ''حرف التاء'' کے ماتحت ''تعلیم الصلاۃ'' کو بھی انھوں نے نواب صاحب کی تالیفات میں شمار کیا ہے، جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ تقریباً بیس صفحوں کا یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس میں طہارت اور نماز کے کچھ مسائل بالاختصار مذکور ہیں۔[1]

مصنف ''سیرت والا جاہی'' کے مذکورہ بالا بیان کو پیش نظر رکھ کر جب ہم نے اس رسالے کا مطالعہ کیا تو ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس باب میں احناف اور اہلِ حدیث کے مابین جن جن مسائل میں اختلاف مشہور ہے، ان سب میں نواب صاحب نے اہلِ حدیث ہی کے مسلک کو اختیار کیا ہے، کسی ایک مسئلے میں بھی انھوں نے حنفی مذہب کی موافقت نہیں کی ہے۔

مثلاً ''نماز کی ترکیب'' کا عنوان قائم کر کے وہ لکھتے ہیں:

> ''نماز بے نیت کے نہیں ہوتی ہے۔ نماز کے سب رکن فرض ہیں، مگر بیچ کا تشہد و جلسۂ استراحت اور نماز کے ذکروں میں کوئی ذکر واجب نہیں ہے۔ مگر تکبیر تحریمہ اور پڑھنا فاتحہ کا ہر رکعت میں اگرچہ مقتدی ہو اور پچھلا تشہد اور سلام پھیرنا، یہ چار ذکر فرض ہیں۔ اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ سنت ہے، جیسے ہاتھ اٹھانا چار جگہ پر، وقت تکبیر کہنے کے اور وقت رکوع کرنے کے، اور سر اٹھانے کے رکوع سے، اور وقت کھڑے ہونے کے واسطے رکعت سوم کے، اور جیسے ہاتھ باندھنا وقت قیام کے، اور جیسے دعاے توجہ پڑھنا بعد تکبیر تحریمہ کے، سب سے زیادہ صحیح متفق علیہ یہ دعا ہے: ''اللھم باعد بیني وبین خطایاي...'' اور جیسے تعوذ کرنا... پھر بسم اللہ الرحمان الرحیم کہے، پھر فاتحہ پڑھے اور آمین جہر سے کہے۔ یہ آمین امام و مقتدی دونوں کو کہنا چاہیے، روایت جہر کی اصح و اقوی ہے

[1] اس رسالے کے آخری صفحہ پر درج ہے کہ ۱۴ر جمادی الاخری ۱۳۰۵ھ کو چند گھنٹوں میں یہ رسالہ لکھا گیا۔

روایت خفض سے، اور جیسے پڑھنا کسی سورت کا ہمراہ فاتحہ کے ...اور جیسے تشہد اوسط ...اور جیسے وہ ذکر جو ہر رکن میں آئے ہیں، مثل تکبیرات رکوع و سجود و قیام وقعود کے، پھر بعد تشہد اخیر کے جونسی دعا چاہے، ماثور یا غیر ماثور مانگے۔'' (ص: ۹۔۱۰)

اس کے بعد نواب صاحب نے ''فائدہ'' کے ذیل میں ان حدیثوں کا ترجمہ کیا ہے، جن میں تعدیلِ ارکان کی تعلیم اور تورک کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ذکر ہے، پھر فرماتے ہیں:

''اب چاہیے کہ کوئی نمازی کیفیتِ نماز میں اس ہیئت سے تجاوز نہ کرے، ورنہ اس کی نماز میں خلل ہوگا۔'' (ص: ۱۱)

ان تصریحات کی موجودگی میں کسی کا یہ بیان کس طرح قابل اعتبار سمجھا جائے کہ ''والا جاہ نماز پنج گانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے۔'' مسک الختام وغیرہ میں تو نواب صاحب نے ان مسائل کے بارے میں اہلِ حدیث کے موقف و مسلک کی تائید اس طرح کی ہے کہ اس کے خلاف حنفیہ کے شبہات و دلائل کے جوابات بھی دیے ہیں۔

نواب صاحب باقرار خود اہلِ حدیث مشہور تھے:

یہی وہ حقائق ہیں، جن کی بنا پر نواب صاحب اہلِ حدیث مشہور تھے، جیسا کہ انھوں نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ایک محنت مجھ پر یہ آئی کہ ہنگامۂ انقلاب سن کر اہلِ عزائم نے آ کر گھیرنا شروع کیا، عامۂ خلق کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ امرا و روسا معتقد اعمال کے ہوتے ہیں، حالانکہ میں اول امیر نہیں ہوں، دوسرے علم سے فقیر بھی نہیں ہوں کہ دام تزویر اہلِ شرک و بدعت میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں تو اپنے اعتقاد میں کسی شخص کا معتقد نہیں ہوں، خصوصاً ان فقراء و مشائخ کا جو اس زمانۂ جہل میں دکان داری کرتے پھرتے ہیں۔ مجھ کو ان کی حرکات بے برکات پر نہایت تعجب آتا ہے کہ باوجود اس جہل وخبث وشرک و بدعت کے یہ کسی موحد کو پھانسنے چلے۔ ان حمقا نے اتنا بھی نہ جانا کہ میں تو اہلِ حدیث مشہور ہوں اور تقویۃ الایمان و رسائلِ توحید کا پابند ہوں۔ میرے سامنے کسی رمال جفار منجم عزیمت خواں کی اتنی بھی قدر نہیں ہے، جتنی کہ دواب کی قدر نظرِ انسان میں ہوتی ہے، کیونکہ موحد

ہر بلا ورخا، مصیبت و عافیت میں اللہ ہی کو پکارتا ہے۔"[1]

نواب صاحب مرحوم کی عبارتوں کے یہ اقتباسات صاف اور صریح لفظوں میں ان باتوں کی تردید و تکذیب کر رہے ہیں کہ "وہ حنفی تھے اور ہمیشہ حنفی مذہب کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے اور حنفی مذہب کے طریقے پر نماز پڑھتے تھے۔"

قَدْ أَصْبَحَتْ أُمُّ الْخِيَارِ تَدَّعِي
عَلَيَّ ذَنْباً كُلَّهُ لَمْ أَصْنَعِ [2]

② نواب صاحب کی مولفات:

خاکسار ـ عفا اللہ عنہ ـ نے ایک کتاب دیکھی، جس کا نام "اکتفاء القنوع بما ھو مطبوع" ہے۔ یہ ادور دبن کرنیلیوس فندیک (ایڈورڈ کانیلس فندیک ـ ناقل) کی تالیف ہے۔ مطبع تالیف ہلال واقع مصر قاہرہ میں مطبوع ہوئی ہے۔ اُس میں کتبِ علوم اور ان کے مصنفین کا ذکر ہے۔ بغایت نفیس کتاب ہے۔ گویا ایک جامِ جہاں نما ہے۔ مصنف نے قابل داد کام کیا ہے۔ اُس میں شیخنا المرحوم (نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ ـ ناقل) کی کتب کا بھی ذکر ہے۔ صفحہ ۴۹۷ میں یوں لکھا ہے، اس کے بعد طویل اقتباس عربی زبان میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

> "ملکہ بھوپال سے تزوج کے باعث مال و دولت میں (نواب صدیق حسن رحمہ اللہ) غنی ہوگئے۔ اس کے بل بوتے پر بڑی بڑی کتابیں جمع کر کے کتب خانہ بنا لیا اور علما سے کتابیں تالیف کروا کے اپنے نام سے طبع کروالیں۔"[3]

وضاحت:

صاحب "اکتفاء القنوع" نے جو شیخنا المرحوم کا یہ ترجمہ لکھا ہے، سو اُس بنا پر ہے، جس کی اُن کو خبر پہنچی اور خبر صدق و کذب دونوں کی محتمل ہوتی ہے۔ چوں کہ یہ ایک تاریخی بحث ہے، اس لیے ضرور ہوا کہ جو بات واقعی ہے، اُس کو واضح و راست گزارش کروں۔ ان کی تحریر میں کئی امور ہیں۔

---

① إبقاء المنن (ص: ١٣٦)

② "اہل حدیث اور سیاست" از مولانا نذیر احمد املوی رحمانی (ص: ۱۶۴۔۱۷۶)

③ اكتفاء القنوع بما هو مطبوع (ص: ٤٩٧)

اوّل امر:

یہ ہے کہ اصل ان کی عوام الناس سے ہے۔ حالاں کہ یہ امر واقعی نہیں ہے، بلکہ اصل ان کی اخص الخواص میں سے ہے، اس لیے کہ شیخنا المرحوم کا نسب طاہر بواسطہ حضرت قطب العالم مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور آپ کا خاندان ساداتِ بخارا ہندوستان وغیرہ ممالک میں ایک معزز خاندان ہے۔ یہ تو نسب ہوا، اور باعتبار جاہِ دنیوی آپ کے جد امجد سید اولاد علی خاں الخاطب بہ انور جنگ ریاست حیدر آباد دکن میں بہ جاگیر بیش قرار و منصب معتبر ممتاز تھے۔ آپ کے والد مولانا سید اولاد حسن صاحب قنوجی رحمہ اللہ نے باوجود طلب والی حیدر آباد کے اپنے والد کا منصب و مال و متاع کثیر ترک کیا اور اپنے وطن میں جادۂ زہد و تقویٰ پر مستقیم رہے۔ اپنے شہر میں بہ کمال زہد و قناعت عمر بسر کی۔ سارا شہر آپ کا معتقد تھا۔ بہ اعتبار تقویٰ و تدین کے سب کے سردار تھے۔ اس کی پوری تفصیل اور بھوپال میں آنے کا حال اور روزگار و ترقی مناصب کی کیفیت خود شیخنا المرحوم نے اپنی بعض تصانیف میں خوب تحریر فرمائی ہے۔

دوسرا امر:

یہ ہے کہ جب غنا حاصل ہوئی تو علما کو جمع کیا اور ان کو بھیجا۔ پھر ہر طرف سے قلمی کتابیں خریدیں اور ایک بڑا کتب خانہ جمع کیا اور اپنے پاس رہنے والے علما کو تالیف کی تکلیف دی۔ پھر ان کی تصانیف لے کر اپنی طرف منسوب کر لیں۔ یہ امر بھی غیر واقع ہے، کیوں کہ ان کے غنا سے پہلے چند علماے معمر یہاں ایک مدت سے موجود تھے۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پر مقرر تھے، جن کو نہ تالیف و تصنیف کا شوق تھا اور نہ چنداں فارسی و عربی لکھنے کی عادت تھی۔ ہاں بفرطِ شوق نفائس کتب زرِ خطیر صرف کر کے یمن وغیرہ سے طلب کیں اور ان سے (علمی) نفع لیا اور اطراف و جوانب سے لوگوں نے کتابیں بھیجیں۔ زمانہ غنا میں دو چار اہلِ علم بہ تلاشِ روزگار یہاں آئے۔ حسبِ لیاقت ان کو جگہ ملی۔ ان میں سے بعض نے معاصرین کے اعتراضوں کے جواب بھی لکھے، لیکن شیخنا المرحوم نے ہرگز ان کو تکلیف نہیں دی کہ اپنی کتابیں ان سے تالیف کرا کے اپنی طرف منسوب کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو سرعتِ تحریر عطا فرمائی تھی، وہ شاید اس وقت میں کسی کی ہو، عربی و فارسی خوش محاورہ قلم برداشتہ بلا تکلف لکھتے تھے۔ ان کا مسودہ مثل مبیضہ ہوتا تھا۔ اللہ پاک نے ان کے وقت میں بہت برکت رکھی

تھی۔ ذرا سے وقت میں کام بہت ہو جاتا تھا۔ بالالتزام تالیف کا وقت صبح کی نماز کے بعد سے نو بجے تک تھا اور اگر دنیاوی کاروبار سے فرصت پائی تو اور اوقات میں بھی لکھتے تھے، ورنہ خیر!

تیسرا امر:

یہ ہے کہ ایسی قدیم کتابیں اختیار کرتے تھے، جن کے ایک نسخے کے سوا اور نسخے نہیں ہوتے تھے اور ان کا عنوان متغیر کرتے اور ان کے نام بدل کر اور نام رکھتے اور اول صفحہ پر اپنا نام مع القاب فخر کے لکھتے۔ یہ امر بھی خلاف واقع ہے۔ اس لیے کہ ان کی تالیفات کئی قسم کی ہیں، جن کی تفصیل یوں ہے:

① ایک قسم تو یہ ہے کہ کسی کتاب کی شرح لکھی، جیسے عون الباری شرح تجرید بخاری، سراج وہاج شرح تلخیص مسلم، انتقاد رجیح شرح اعتقاد صحیح اور بغیۃ الرائد شرح عقائد۔ یہ سب کتابیں شروحِ حدیث وغیرہ سے تلخیص کر کے لکھی ہیں، جس طرح کہ علمائے متقدمین و متاخرین کا طریقہ ہے۔ جس کتاب سے نقل کیا، اس کا نام لکھ دیا۔

② دوسری قسم یہ ہے کہ کسی متقدم کی کتاب کی تلخیص کی ہے، جیسے "حصول المأمول" إرشاد الفحول کی تلخیص ہے۔ "مثير ساكن الغرام إلى روضات دار السلام" حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "حادي الأرواح" کی تلخیص ہے۔ "فتح البيان" تفسیر فتح القدير امام شوکانی رحمہ اللہ کی تلخیص ہے، لیکن یہ محض تلخیص نہیں ہے، بلکہ اور کتبِ تفاسیر سے اس میں بہت اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا خود مستقل کتاب ہے۔ پس جس کتاب کی تلخیص کی، اس کتاب کا نام مع نامِ مصنف دیباچہ میں لکھ دیا ہے۔

③ تیسری قسم یہ ہے کہ کسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً عربی سے فارسی یا اردو میں، جیسے ترجمہ بلوغ المرام فارسی میں یا ترجمہ "درر بہیہ" اُردو میں، جس کا نام "فتح المغيث" ہے۔ یہ کتب بہت ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے، اس کا نام مع مصنف دیباچہ میں لکھ دیا ہے۔ اس قسم کی تالیف ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے میرے علم میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ غیر کی کتاب کو نام بدل کر اپنی طرف منسوب کر لیا ہو، ان کی کتابیں اقسامِ مذکورہ سے خالی نہیں ہیں۔

اب رہا بعض معاصرین کا انتقادِ سو، تو یہ کچھ نئی بات نہیں ہے، ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ کتب تاریخ و تراجم

علما میں اس کی تفصیل خوب لکھی ہے۔ معاصرت اصل منافرت ہوتی ہے۔ دیکھو حافظ ابن حجر و عینی و سیوطی و سخاوی و علامہ ابن تیمیہ ابو حیان وغیرہم جن میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ خطا و نسیان اور سہو و غلط لوازمِ بشری سے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ومن ذا الذي ترضیٰ سجایاه کلها
کفی المرء نبلاً أن تعد معائبه

صاحب "اکتفاء القنوع" کو تو جیسے خبر پہنچی، اس کے مطابق لکھا۔ بعض لوگ اور ہندوستان میں بھی اس قسم کا خیال رکھتے تھے۔ اس خیال کی بنا یا تو نادانی پر ہے یا حسد پر۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، اپنا دیکھا بھالا جانا بوجھا لکھا ہے۔ شیخنا المرحوم کو خاکسار سے ایک طبعی مناسبت ایسی تھی کہ شاید ویسی کسی سے ہو۔ جب مدرسہ سلیمانیہ کا اہتمام اُن کے سپرد ہوا اور میں بھی وہیں مدرس تھا تو اکثر ملاقات و یکجائی رہتی تھی۔ عجب لطف و محبت سے پیش آتے تھے۔ ہر وقت ہنس کر کشادہ پیشانی سے ملتے۔ بغایت حسنِ خلق کا برتاؤ رکھتے تھے۔ "مسك الختام شرح بلوغ المرام" کا مبیضہ مدرسے ہی میں کیا۔ یہ کتاب دو مجلد کلاں میں ہے۔ دوبار اپنے ہاتھ سے اس کو لکھا۔ جب میر منشی ہوئے، پھر نائب دوم، پھر نواب بنے تو مجھے بہ اجازت سرکار عالیہ۔ دام اقبالہا۔ اپنی خدمت میں بلا لیا۔ اس وقت سے لے کر ان کی وفات تک ان کی خدمت میں رہا۔ جس لطف سے پیش آتے تھے، وہی لطف ہمیشہ رہا۔ خفا ہونا کیسا! کسی فکر میں ہوں، جب ملیں تو مسکرا کر ملیں۔ ایسا خلق کسی کا دیکھا نہ سنا۔ شرح "درر بہیہ" مسمّٰی بہ "روضہ ندیہ" تالیف فرمائی۔ مسودہ خاص سے میں نے ایک نسخہ نقل کیا، تاکہ طبع کے لیے لکھنؤ جائے۔ بعد ازاں آٹھ ماہ میں "فتح القدیر" سے "فتح البیان" ملخص فرمائی۔ پھر مدارک و خازن سے اس پر اضافہ کیا۔ پھر منظور ہوا کہ جمل (شرح جلالین) وغیرہ سے کچھ اور زیادہ ہو، چوں کہ اصل مسودہ میں اس کی گنجایش نہ تھی، اس لیے مجھے حکم دیا کہ مسودہ سے مبیضہ کروں۔ دو تین سال میں خاکسار نے اس کا مبیضہ کیا، جس قدر اجزا تیار ہوتے خدمت شریف میں پیش کرتا تو آپ جمل سے اس پر اضافہ فرماتے تھے۔ جب چھپنا شروع ہوا تو اس کی کاپی کا مقابلہ میں اور وہ کرتے۔ وہ پڑھتے تھے اور میں سنتا تھا۔ اسی طرح ساری کتاب کا مقابلہ ہوا۔ پھر پے در پے کتب تالیف فرماتے رہے۔ سوائے چند کتب کے جو لکھنؤ یا قسطنطنیہ و مصر میں طبع ہوئیں، ساری تالیف کا مقابلہ میں نے اور انھوں

نے کیا۔ وہ پڑھتے اور میں سنتا۔ ان کی تالیفات عربی و فارسی و اردو میں نے ان کی زبان سے سنی ہیں اور پھر دوسروں سے اس کا مقابلہ کیا ہے اور تصحیح وغیرہ کی ہے۔ ان کے سارے مسودے میری نظر سے گزرے ہیں۔ اکثر تو تین بار اور بعض دو بار اور بعض ایک بار۔

منصف مزاج ایسے تھے کہ عبارت پڑھنے میں اگر کہیں سہو ہوگیا تو ان کو ٹوکا، پس اس کو مانا اور صحیح پڑھا۔ گو کتنے ہی آدمی بیٹھے ہوں، میں نے ان کی بعض کتب کے مسودات جلد بندھوا کر تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو ان کا گوشت پوست سب علم تھا۔ ان کی طبعی بات سوائے ذکر و فکر کے اور کچھ نہ تھی۔ مجھے براہِ محبت تالیف پر بہت آمادہ کرتے اور رغبت دلاتے تھے۔ چناں چہ انہی کے زور دینے سے کتاب ”المبتكر في بيان المؤنث والمذكر“ تالیف کرنا شروع کی۔ جب تمام ہوئی تو خدمت میں پیش کی۔ بہت خوش ہوئے اور پسند فرمائی۔ آپ کی برکت سے عالم میں مقبول ہوئی۔ چناں چہ صاحب ”اكتفاء القنوع“ نے بھی اُس کا ذکر کیا ہے اور یوں لکھا ہے:

”أبو الحسن ذوالفقار أحمد، له مبتكر في بيان ما يتعلق بالمؤنث والمذكر، طبع في بهوپال الهند ١٢٩٧هـ ولا يقتصر هٰذا المبتكر على المؤنث والمذكر، بل هو مصنف نفيس في اللغة مع كثير من الشواهد والآداب، منه يظهر للقارئ حسن مساعي أهل الهند في خدمة معرفة اللغة العربية“ انتهى

اس کتاب کو پچاس روپیہ ماہوار کے بدلے خوشنویس نے آٹھ ماہ میں لکھا۔ پانچ سو نسخے اس کے طبع ہوئے۔ شیخنا الرحوم کی کتب کے ساتھ مصر، روم، یمن اور مکہ معظّمہ وغیرہ کو اکثر نسخے گئے۔ باقی نسخے یہاں تقسیم ہوئے۔ اب اس کا نسخہ کم یاب ہے۔

پھر ”محاسن المحسنين في حكايات الصالحين في ترجمة روضة الرياحين“ لکھی۔ پھر ”شرب المدام السلسال على ذكر سلامان وابسال“ پھر ”طي الفراسخ إلى منازل البرازخ“ پھر ”تشنيف الأسماع بسلوان المطاع“ پھر ”الروض الممطور في ذكر علماء شرح الصدور“ پھر ”حدائق الزهور في رجال شرح الصدور“ بزبان عربی، یہ طبع نہیں ہوا۔ پھر ”القول الميسور في رجال شرح الصدور“ نام میں رسالہ مذکور کی تلخیص

کی۔ پھر :"مرأة النسون" ترجمہ "حسن الأسوة"۔ جب یہ کتب میں نے لکھیں تو بہت خوش ہوئے اور پھر فرمایا: الحمد للہ بھائی میری زبردستی اور تقاضے سے یہ کتابیں تالیف ہوگئیں۔ کتب کی طبع اپنے صلبی مال سے کرتے تھے، مالِ زکات سے نہیں، اس لیے سب نسخے مجھے عطا فرماتے تھے اور میری ملک کر دیتے تھے، میں جو چاہوں کروں۔

چناں چہ "مبتکر" کے سب نسخے ہدایا میں گئے۔ اس طرح "محاسن" کے سب ہزار نسخے، کئی سو نسخے طی وغیرہ کے مفت تقسیم ہوئے۔ کئی سو نسخے کا تبادلہ کتب علمی سے کیا گیا۔ "مرأة النسوان" چوں کہ سرکار عالیہ۔دام اقبالہا۔ کے حکم سے طبع ہوئی تھی، اس لیے اس کے سب نسخے ملک سرکاری ٹھہرے، ان کے حکم سے اس کی تقسیم ہوئی اور ہوتی ہے۔ غرض کہ سیدنا المرحوم کا مجھ پر خاص یہ اتنا عظیم الشان احسان ہے کہ مجھ سے اس کا ادنا شکر ادا ہونا بھی محال ہے، پورے شکر کا کیا ذکر ہے۔ اس کے سوا اور ان کے بہت احسان ہیں۔ ان کی خدمت میں دینی و دنیوی و علمی بہت سے فوائد حاصل ہوئے، مجھ عاجز سے سوائے دعا کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ اللہ پاک ان کو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے اور ان کی اولاد و احفاد کی عمر و دولت میں برکت دے اور اپنے مرضیات کی توفیق عنایت کرے۔ آمین[1]

[1] "قضاء الأرب من ذكر علماء النحو والأدب" للشيخ ذوالفقار أحمد البوفالي (ص: ٣٥٥)

نقوشِ حیات

ماہ	سنہ عیسوی	سنہ ہجری	ماہ	واقعات
۱۴/اکتوبر	۱۸۳۲ء	۱۲۴۸ھ	۱۹/جمادی الاول	پیدائش سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ بمقام بانس بریلی یو، پی۔
	۱۸۳۷ء	۱۲۵۳ھ		والد کا انتقال۔
	۱۸۵۲ء	۱۲۶۹ھ		ورود دہلی برائے تعلیم۔
	۱۸۵۳ء	۱۲۷۰ھ		تعلیم سے فراغت کے بعد وطن واپسی۔
	۱۸۶۴ء	۱۲۸۱ھ		کتبِ حدیث و قرآن کی سند مولوی محمد یعقوب صاحب سے حاصل کی۔
	۱۸۷۸ء	۱۲۹۵ھ		شیخ یحییٰ بن محمد بن احمد بن حسن الحازمی قاضی عدن سے سند حاصل ہوئی۔
	۱۸۷۸ء	۱۲۹۶ھ		علامہ سید نعمان خیر الدین آلوسی زادہ مفتیِ بغداد سے سند حاصل کی۔
	۱۸۵۵ء	۱۲۷۱ھ	۱۳/رجب	بھوپال روانگی (سفر بھوپال بار اول)۔
		۱۲۷۱ھ	شعبان	ورودِ بھوپال۔
		۱۲۷۱ھ	رمضان	بھوپال میں تیس روپیہ ماہوار پر ملازمت۔
	۱۸۵۵ء	۱۲۷۲ھ	۲۹/ربیع الاول	بھوپال میں پچاس روپیہ تنخواہ پر میر دبیری کی جگہ پر تقرر اور کچھ عرصہ بعد اس جگہ سے علاحدگی۔
	۱۸۵۶ء	۱۲۷۳ھ	۱۶/محرم	بھوپال سے سوے وطن واپسی۔

	۱۸۵۶ء	۱۲۷۳ھ	۵/ربیع الاول	کانپور پہنچے۔
	۱۸۵۶ء	۱۲۷۳ھ	۱۶/ربیع الاول	واپس قنوج پہنچے۔
	۱۸۵۷ء	۱۲۷۳ھ		جنگ آزادی کا ہنگامہ خیز دور قنوج اور بلگرام میں گزرا۔
	۱۸۵۷ء	۱۲۷۳ھ	رجب	رسالت مآب ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عربی زبان میں ”قصيدة العنبرية في مدح خير البرية“ تحریر فرمایا۔
	۱۸۵۸ء	۱۲۷۴ھ	۱۰/ذی قعدہ	وطن سے روانہ ہو کر مرزا پور پہنچے۔
۱۳/اگست	۱۸۵۸ء	۱۲۷۵ھ	۳/محرم	بھوپال کے لیے روانگی بار دوئم۔
	۱۸۵۸ء	۱۲۷۵ھ	۴/صفر	ورودِ بھوپال۔
	۱۸۵۸ء	۱۲۷۵ھ	۱۹/ربیع الاول	بھوپال میں ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے جے پور کی جانب روانگی۔
	۱۸۵۸ء	۱۲۷۵ھ	۱۱/ربیع الثانی	جے پور کے راستے میں ٹونک پہنچے۔
	۱۸۵۹ء	۱۲۷۵ھ	۲۰/ذی الحجہ	بھوپال کی طرف ٹونک سے کوچ۔
	۱۸۵۹ء	۱۲۷۶ھ	۱۰/محرم	ورودِ بھوپال۔
	۱۸۵۹ء	۱۲۷۶ھ	یکم صفر	ریاستِ بھوپال میں تاریخ نگاری کی خدمت پر بہ مشاہرہ ۷۵ روپیہ ماہوار مامور ہوئے۔
	۱۸۶۱ء	۱۲۷۷ھ	۲۵/شعبان	مدار المہام جمال الدین خاں کی صاحبزادی ذکیہ بیگم سے موتی مسجد میں نکاح۔
۲۲/جنوری	۱۸۶۲ء	۱۲۷۸ھ		پیدائش نور الحسن خاں (صاحبزادہ اول)۔
	۱۸۶۲ء	۱۲۷۹ھ	۵/ربیع الاول	تکمیل تعمیرِ جدید موتی مسجد بھوپال۔
۱۱/ستمبر	۱۸۶۳ء	۱۲۸۰ھ	۲۷/ربیع الاول	پیدائش صفیہ بیگم (صاحبزادی)۔

۱۶/اگست	۱۸۶۸ء	۱۲۸۳ھ	۴/ربیع الاول	پیدائش علی حسن خاں (صاحبزادہ خورد)۔
		۱۲۸۴ھ	۲۱/صفر	امراؤ دولہ نواب باقی محمد خاں کا انتقال۔
	۱۸۶۸ء	۱۲۸۵ھ	۱۳/رجب	نواب سکندر بیگم کی وفات۔
۱۶/نومبر	۱۸۶۸ء	۱۲۸۵ھ	یکم شعبان	شاہ جہاں بیگم کی تخت نشینی۔
		۱۲۸۵ھ	۲۷/شعبان	بھوپال سے حج کے لیے روانگی۔
		۱۲۸۵ھ	۲۶/رمضان	ورود بندرگاہ حدیدہ۔
	۱۸۶۸ء	۱۲۸۵ھ	۲۴/محرم	والدہ کا انتقال۔
	۱۸۶۹ء	۱۲۸۶ھ	۱۵/صفر	مدینہ منورہ کے لیے روانگی۔
	۱۸۶۹ء	۱۲۸۶ھ	جمادی الاول	حج سے واپس روانگی۔
		۱۲۸۶ھ	ربیع الاول	حج سے واپسی پر بھوپال پہنچے۔
		۱۲۸۷ھ	۳/شعبان	عہدہ میر دبیری سند امیر الانشائی و خطاب خانی نیز خلعت مرحمت کیا گیا (مشاہرہ دو سو روپیہ)۔
	۱۸۷۰ء	۱۲۸۷ھ	۸/شوال	عقدِ ثانی ہمراہ نواب شاہجہاں بیگم۔
۸/مئی	۱۸۷۱ء	۱۲۸۸ھ	۱۷/صفر	جشن عقدِ ثانی۔
۲/جولائی	۱۸۷۱ء	۱۲۸۸ھ	۲۱/ربیع الثانی	معتمد المہام نائب دوم ریاست نامزد ہوئے۔
ستمبر	۱۸۷۲ء	۱۲۸۹ھ	۱۵/رجب	نواب سلطان جہاں بیگم کی نواب احمد علی خاں سے شادی۔
۱۷/ستمبر	۱۸۷۲ء	۱۲۸۹ھ	۱۸/رجب	انگریزی حکومت سے اعزازات کی سرکاری طور پر منظوری۔
	۱۸۷۲ء	۱۲۸۹ھ	یکم شعبان	ریاست بھوپال کی طرف سے پچھتر ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر مرحمت ہوئی۔

۱۵/ اکتوبر	۱۸۷۲ء	۱۲۸۹ھ	۱۱/ شعبان	انعقاد جشن مسرت، خلعت و خطاب مراتب و اعزازات نواب والا جاہ امیر الملک مرحمت ہوئے، سترہ توپوں کی سلامی اور جاگیر عطا ہوئی۔
۱۷/ نومبر	۱۸۷۲ء	۱۲۸۹ھ	۱۴/ رمضان	نواب شاہجہاں بیگم کے ہمراہ بمبئی روانگی، بعد ازاں سورت اور احمد آباد کا سفر۔
۳۰/ نومبر	۱۸۷۲ء	۱۲۸۹ھ	۲۸/ رمضان	بھوپال کے لیے واپسی۔
۶/ دسمبر	۱۸۷۵ء	۱۲۹۲ھ	۸/ ذی قعدہ	سفر کلکتہ ہمراہ نواب شاہ جہاں بیگم۔
	۱۸۷۶ء	۱۲۹۳ھ	۱۱/ محرم	بھوپال واپس پہنچے۔
	۱۸۷۶ء	۱۲۹۳ھ	۲۷/ ذیقعدہ	سفر دہلی ہمراہ نواب شاہجہاں بیگم برائے شمولیت دربار دہلی۔ انگریزی حکومت کے حدود میں سترہ توپوں کی سلامی کا اعزاز حاصل ہوا۔
فروری	۱۸۷۷ء	۱۲۹۴ھ	۱۸/ محرم	بھوپال واپس پہنچے۔
۲۷/ فروری	۱۸۷۷ء	۱۲۹۴ھ	۱۳/ صفر	انگریزی حکومت کے حدود میں سلامی کا اعزاز حاصل ہونے کی خوشی میں بھوپال میں جشنِ مسرت منعقد ہوا۔
	۱۸۷۹ء	۱۲۹۶ھ		سلطان ترکی عبد الحمید خاں کی طرف سے تمغہ مجیدی درجہ دوم کا اعزاز۔
۲۱/ مارچ	۱۸۸۱ء	۱۲۹۸ھ		الزامات عائد کیے گئے۔ تصنیف و تالیف کے کام سے روک دیا گیا۔
	۱۸۸۱ء	۱۲۹۸ھ	۳/ ذی الحجہ	قدسیہ بیگم نے اپنی تمام جائداد و جاگیر کا مالک و مختار نواب شاہ جہاں بیگم کو بنا دیا۔

۱۰/دسمبر	۱۸۸۱ء	۱۲۹۹ھ	۲۴/محرم	نواب قدسیہ بیگم کا انتقال۔
	۱۸۸۱ء	۱۲۹۹ھ	۴/ربیع الآخر	مدار المہام محمد جمال الدین خاں کا انتقال۔
۲۳/فروری	۱۸۸۲ء	۱۲۹۹ھ	۴/ربیع الآخر	سفر کلکتہ برائے ملاقات وائسرائے ہند لارڈ رپن ہمراہ نواب شاہ جہاں بیگم۔
	۱۸۸۴ء	۱۳۰۱ھ	یکم رمضان	زوجۂ اول ذکیہ بیگم کا انتقال۔
۲۸/اگست	۱۸۸۵ء	۱۳۰۲ھ	۱۴/ذیقعدہ	احکامات معزولی اور انتزاع خطابات واختیارات مدد دہی رئیسہ اور نظم ریاست میں دخل کی ممانعت۔
		۱۳۰۳ھ		تکمیل تعمیر نور محل۔
۲۰/فروری	۱۸۹۰ء	۱۳۰۷ھ	۲۹/جمادی الثانی	انتقال نواب صدیق حسن خاں بمرض استسقاء۔
۱۲/اگست	۱۸۹۰ء	۱۳۰۷ھ		خطابات کی واپسی۔

تعلیم الإیمان

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان حسینی بھوپالی رحمہ اللہ

(۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده و رسوله . أما بعد:

اس رسالے میں ایمانِ کامل کا بیان ہے، جو دخولِ جنت کا وسیلۂ جمیلہ ہے۔ اللهم إني أسألك الجنّة، و أعوذ بك من النار!

حدیثِ جبریل ایمان کی اساس ہے:

ایمان کے باب میں حدیثِ جبریل کو اصل اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سب سے پہلے اسلام کے بارے میں سوال کیا تھا کہ اسلام کس چیز کا نام ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اسلام یہ ہے کہ تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گواہی دے۔ نماز پڑھے۔ زکات ادا کرے۔ رمضان کا روزہ رکھے اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔''[1]

ہم نے ان چاروں چیزوں کا علاحدہ علاحدہ رسائل میں ذکر کیا ہے، مگر اس جگہ صرف ایمان کا بیان مقصود ہے۔

پھر جبریل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے بیان میں ارشاد فرمایا:

''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، آخرت کے دن پر اور تقدیر کی بھلائی و برائی پر ایمان لائے۔''

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے احسان کے بارے میں سوال کیا تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸)

’’احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے، گویا تو اسے دیکھتا ہے، اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔‘‘[1] (رواہ مسلم)

اس حدیث میں احسان کا ذکر ہوا ہے، جس کا معنی اخلاص ہے، اس کا تعلق اسلام اور ایمان دونوں کے ساتھ ہے۔ احسان کے بغیر اسلام صحیح ہو سکتا ہے اور نہ ایمان ہی درست رہ سکتا ہے، کیونکہ احسان کے بغیر اسلام ریاکاری ہے اور ریاکاری شرکِ خفی ہے، اسی طرح احسان کے بغیر ایمان، ایمان نہیں نفاق ہوتا ہے اور منافق کافر سے بھی بدتر ہے۔

ایمان و اسلام کو سمجھنا ہر مسلمان پر واجب ہے:

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ایمان، اسلام کا معنی و مفہوم خوب اچھی طرح سمجھ لے۔ اگر وہ اسے بہ خوبی نہ سمجھے گا تو وہ کام کا نہیں بلکہ محض نام کا مسلمان ہوگا اور اس کا ایمان ناقص ٹھہرے گا، وہ کامل نہیں ہوگا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں اور درجے ہیں۔ اور ایمان کا افضل درجہ ”لا إله إلا الله“ اور ادنا درجہ کسی تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا ہے۔‘‘[2] (متفق علیه)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایمان قول و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔

کمالِ ایمان کی نشانی:

ایمان کا کمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب سمجھا جائے، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»[3] (متفق عليه)

[تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا، جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٥)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٤)

لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ بن جاؤں]

امام خطابی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

''اس محبت سے مراد طبعی محبت نہیں، بلکہ اختیاری محبت ہے۔''

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کامل الایمان ہے، وہ اس بات سے بہ خوبی آگاہ ہے کہ اس پر رسول اللہ ﷺ کا حق باپ، بیٹے اور تمام لوگوں کے حقوق سے زیادہ ہے۔''[1]

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مزید لکھتے ہیں:

"إن حقيقة الإيمان لا تتم إلا بذلك، ولا يصح الإيمان إلا بتحقيق إعلاء قدر النبي ﷺ، و منزلته على كل والد و ولد و محسن مفضل، و من لم يعتقد هذا و اعتقد سواه فليس بمؤمن"[2]

[بے شک ایمان کی حقیقت محبتِ رسول کے غلبے ہی سے مکمل ہوتی ہے اور نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کو باپ، بیٹے اور ہر صاحبِ فضیلت محسن پر غلبہ دیے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس شخص نے اس کے بجائے کوئی اور اعتقاد رکھا ہو تو وہ بھی مومن نہیں ہے۔]

یعنی رسول اکرم ﷺ کی محبت کو تمام لوگوں کی محبت پر غلبہ دیے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

تین چیزیں جن کے بغیر ایمان کی لذت حاصل نہیں ہوتی:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوں گی، اس کو ایمان کا مزہ اور لذت حاصل ہوگی۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اسے اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ان دونوں کے علاوہ ہر ایک

---

[1] شرح صحيح البخاري، لابن بطال (٢٢/١)

[2] إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، للقاضي عياض (٢٠٤/١)

سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری یہ ہے کہ وہ جس سے محبت رکھے، اللہ کے لیے محبت کرے۔ تیسری یہ کہ وہ کفر سے چھٹکارا پانے کے بعد دوبارہ کفر میں لوٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے، جس طرح وہ آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہے۔"[1] (متفق علیه)

محبت کی بنیاد:

"السراج الو ھاج" میں مذکور ہے کہ محبت کی بنیاد یہ ہے کہ دل محبوب کی موافقت کی طرف مائل ہو۔ انسان کا دل کبھی تو اس چیز کی طرف رغبت رکھتا ہے، جس سے اسے محبت ہوتی ہے، جیسے اچھی صورت، اچھی آواز اور اچھا کھانا وغیرہ۔ کبھی محبت کرنے والے کا دل محبوب کی اندرونی خوبیوں کی طرف مائل ہوتا ہے، جیسے علما، صلحا اور اہلِ فضل کی محبت اور کبھی وہ کسی پر احسان کرتے ہوئے اور نقصان دور کرنے کے لیے محبت کرتا ہے۔ یہ ساری خوبیاں رسول اللہ ﷺ میں موجود ہیں، کیونکہ آپ ﷺ میں ظاہری اور باطنی جمال، اخلاق کا کمال، گونا گو فضائل، بندگانِ خدا کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی اور جہنم سے دور کرنے کی خوبیاں موجود ہیں۔[2]

رہی وہ محبت جو عاشق مزاج مردوں اور عورتوں کو اپنے خوبصورت معشوقوں سے ہوا کرتی ہے تو یہ ایک بہت بڑا فتنہ اور آزمایش ہے۔ اطبا نے عشق کو مالیخولیا بیماری کی ایک قسم شمار کیا ہے۔ اور شریعت کی نگاہ میں یہ عشق شرک ہے اور توحید کے مخالف ہے، اور عقل کے نزدیک یہ حماقت اور بے وقوفی ہے۔

ایمان کا ذائقہ کس نے چکھا؟

ایک تیسری حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے سے راضی ہوا، اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔"[3] (رواہ مسلم)

اس حدیث [رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا] میں لفظ "اللہ" سے توحید الوہیت اور لفظ "رب" سے

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٣)
2. السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج للمؤلف رحمه الله (١/ ١٣٦)
3. صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤)

توحیدِ ربوبیت کا اقرار ثابت ہوا، جس کے اقرار سے کوئی شخص کامل مومن ہوتا ہے۔ جو شخص ایک قسم کی توحید کا اقرار اور دوسری قسم کی توحید کا منکر ہے، وہ کافر ہے یا مشرک، بہر حال وہ مومن نہیں ہے۔ ایمان اس وقت تک درست رہتا ہے، جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے برابر کسی سے محبت، الفت اور مودت نہ ہو۔

صاحبِ ''تحریر'' نے لکھا ہے:

''معنی الحدیث لم یطلب غیر اللہ تعالیٰ، ولم یسع في غیر طریق الإسلام، ولم یسلك إلا ما یوافق شریعة محمدﷺ، ولا شك في أن من کانت هذه صفتهٗ فقد خلصت حلاوة الإیمان إلی قلبه و ذاق طعمه'' [1] انتهی.

[مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے غیر اللہ سے کچھ نہ مانگا اور اسلام کے طریقے کے سوا کسی کی طرف کوشش نہ کی اور صرف اسی راہ پر چلا جو محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق اور موافق تھی، تو جو شخص اس خوبی کا مالک ہو، بلاشبہ ایمان کی شیرینی اس کے دل میں پہنچ گئی اور اس نے اس کا مزا چکھ لیا]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا تقاضا:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرۃ: ۱۶۵]

[اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں]

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واجباتِ اسلام سے ہے۔ اس محبت کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لائے اور ان کی مخالفت ترک کر دے۔''

لہٰذا جس کو یہ محبت حاصل ہو جاتی ہے، وہ اپنے اور بیگانے سے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مخالف ہو، بے زار اور متنفر ہو جاتا ہے۔

[1] شرح صحیح مسلم للنووي ۲/۲)

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

[ایسے ہزار اپنے، جو اللہ سے بیگانے ہوں، اس ایک بیگانے شخص پر قربان جو اللہ سے واقف اور آشنا ہے]

جس شخص کی محبتِ صادقہ میں کچھ نقص اور کمی ہوتی ہے، وہ کمزور اسلام والا ہے۔ اسے اپنے ایمان کی کوئی لذت حاصل ہوتی ہے نہ اس نے اپنے دین کی کوئی قدر کی ہے۔

استقامت اور تصدیق ایمان کے لازمی اجزا ہیں:

سیدنا سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ»[1] (رواہ مسلم)

[کہہ! میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کر]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ استقامت بھی ہونی چاہیے، ورنہ منافق بھی ظاہر میں مومن ہوتے ہیں اور بہت سے مومن مشرک ہیں، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [یوسف: ۱۰۶]

[اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں]

ایمان پر استقامت تب شمار ہوتی ہے جب انسان شہادتین کے بعد چار اعمال (نماز، روزہ، حج اور زکات) بجا لائے اور دل سے ایمان کی تصدیق کرے۔ اسی لیے طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ»[2] (متفق علیه)

[اگر اس نے سچ کہا (کہ میں ارکانِ اسلام میں کمی بیشی نہیں کروں گا) تو یہ کامیاب ہو گیا]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۸)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٦) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۱)

آپ ﷺ نے اس کی فلاح کو اس کے صدق کے ساتھ مشروط کیا ہے، لہٰذا اگر صدق نہیں ہے تو فلاح بھی نہیں ہے۔

اعمال ایمان کا جزوِ لاینفک ہیں:

ایمان کی تصدیق اور اس پر صدق کا مطلب یہ ہے کہ جو منہ سے اقرار کیا ہے، وہ دل میں قائم و دائم ہو اور اعضا و جوارح سے عمل میں آئے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے وفد عبدالقیس والی حدیث میں اعمالِ اسلام پر لفظِ ایمان کا اطلاق کیا ہے اور اعمال کو ایمان قرار دیا ہے۔[1] (رواہ البخاري)

اسی طرح ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو عقل و دین میں ناقص اور کمزور قرار دیا ہے۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے دین کا نقص یہ ہے کہ وہ دورانِ حیض نماز نہیں ادا کرتیں اور روزہ نہیں رکھتیں اور ان کی عقل کا نقصان یہ ہے کہ ان کی گواہی مرد کے مقابلے میں نصف شمار ہوتی ہے۔[2] (متفق علیه)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل کے نقصان سے دین میں نقص اور کمزوری واقع ہوتی ہے۔

ایمان جامد نہیں، بلکہ وہ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے:

کتبِ عقائد میں لکھا ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ جس طرح اطاعت کی زیادتی کے ساتھ ایمان بڑھ جاتا ہے، اسی طرح اطاعت میں کمی اور معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان کم بھی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ایک نیک آدمی اور ایک فاسق آدمی دونوں برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ جو صالح ہے وہ کامل مومن ہے، جب کہ فاسق ناقص ایمان والا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾

[العنكبوت: ٤]

[یا ان لوگوں نے جو برے کام کرتے ہیں، یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٩٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٩)

جب موسیٰ علیہ السلام کی امت کے ہزار ہا فاسق لوگ عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام ان کے یک بار مرنے سے سخت افسردہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [المائدة: ٢٦]

اے موسیٰ! تو ان فاسقوں کے مرنے کا رنج نہ کر، کیونکہ یہ اللہ کے ہاں بے قدرے ہیں، اس لیے کہ ان کا ایمان کامل نہیں ہے۔ اگر انھیں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام سے سچی محبت ہوتی تو یہ ان کے حکم کے خلاف ہرگز کوئی کام نہ کرتے۔ خاص طور پر کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے تو ضرور بچتے اور تھوڑی اور زیادہ، مخفی اور ظاہر بدعات سے دور بھاگتے، مگر ان کے دل پر غیر اللہ کی محبت کا تسلط اور غلبہ ہے، اسی لیے ان کے ایمان میں ضعف اور کمی ہے۔ غیر اللہ کے ساتھ ان کی یہی محبت ان کی نجات کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گی۔

غیر حق ہر چہ دلت را بربود

سدِ راہِ توہماں خواہد بود

[تیرے دل میں حق کے علاوہ جو کچھ ہے اسے باہر نکال دے، ورنہ حق کی مخالفت تیری نجات کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گی]

کمالِ ایمان کی ایک اور سیڑھی:

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اللہ کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھا، کسی کو دیا تو اللہ کے لیے دیا اور اگر کسی سے روکا تو اللہ کے لیے روکا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔''[1] (رواه أبو داود والترمذي)

ایمان کے مزید درجات:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦٨١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥٢١)

جس سے لوگ اپنی جان اور مال کے حوالے سے امن میں رہیں۔"[1]

(رواہ الترمذي و النسائي)

امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنی جان سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جس نے گناہوں کو ترک کر دیا۔[2]

معلوم ہوا کہ صرف اعمالِ اسلام کی ظاہری صورت کا کوئی اعتبار نہیں، جب تک عمل کرنے والے کی نیت خالص اور اس کا دل پاک نہ ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

"اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے اعمال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔"[3]

دل نے کہہ بھی دیا "لا إله إلا الله" تو کیا حاصل؟

وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا "لا إله إلا الله" جنت کی چابی نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں! لیکن چابی کے دانت اور دندانے بھی ہوتے ہیں۔ اگر تو ایسی چابی لائے گا جس کے دندانے ہوں گے تو تیرے لیے جنت کا دروازہ کھل جائے گا، ورنہ نہیں کھلے گا۔[4]

(رواہ البخاري)

مطلب یہ ہے کہ اعمال کے بغیر ایمان کم ہی فائدہ دیتا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: "ایمان کیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "جب تجھے نیکی اچھی لگے اور گناہ برا لگے تو تو مومن ہے۔" اس

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٧٢٦) سنن النسائي، رقم الحديث (٤٩٩٥)

[2] شعب الإيمان (٧/٤٩٩)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٦٤)

[4] یہ اثر امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے، جبکہ امام ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے "حلية الأولياء" (٤/٢٢) میں اسے مسنداً ذکر کیا ہے۔ یہ الفاظ ایک اور مرفوع روایت میں بھی مروی ہیں، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: تغليق التعليق لابن حجر (٢/٤٥٤)

نے پھر پوچھا: ''گناہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکا پیدا کرے تو اسے ترک کر دے۔''[1] (رواہ أحمد)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو گناہ برا نہیں لگتا، اس کے ایمان میں نقص ہے۔ نیز آپ ﷺ نے گناہ کی بھی وضاحت فرما دی کہ جس بات سے دل میں تردد اور کھٹکا پیدا ہو، وہ گناہ ہے۔

اسی طرح عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ''ایمان کیا ہے؟'' تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''صبر و سماحت۔'' یعنی ترکِ گناہ پر صبر کرنا اور اطاعت پر جواں مردی کا مظاہرہ کرنا۔ انھوں نے پھر دریافت کیا: ''افضل ایمان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''حسنِ اخلاق۔''[2] (رواہ أحمد)

اس حدیث کے الفاظ ﴿خُلُقٌ حَسَنٌ﴾ میں ظاہر و باطن تمام مکارمِ اخلاق شامل ہیں، جن کا مفصل بیان ہماری کتاب ''مکارم الأخلاق'' میں موجود ہے۔

افضل ایمان:

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے افضل ایمان کی بابت سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿أَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَ تَعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللّٰهِ﴾[3] (رواہ أحمد)

یعنی تیری دوستی و دشمنی اللہ کے لیے ہو اور تو ہمیشہ زبان سے اللہ کا ذکر کرتا رہے۔

کلمہ گو بے نماز اور بے زکات سے جنگ:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کروں حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکات ادا کریں۔ جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہ اپنے خون و مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے

---

[1] مسند أحمد (٥/٢٥٢)

[2] مسند أحمد (٤/٣٨٥)

[3] مسند أحمد (٥/٢٤٧)

اسلام کے حق کے، اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔“[1] (متفق علیه)

اگر وہ بہ طورِ نفاق یہ کام سرانجام دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کا محاسبہ کرے گا، مگر بہ ظاہر ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ چونکہ آپ ﷺ کے دور میں منافق بہت زیادہ تھے، اس لیے قرآن مجید اہلِ نفاق کی مذمت سے لبریز ہے۔

دخولِ جنت کے اسباب وشرائط:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ”مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جب میں وہ عمل کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔“ آپ ﷺ نے اسے جواب دیا: ”تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرا، فرض نماز ادا کر، فرض زکات ادا کر اور رمضان کا روزہ رکھ۔“ اس نے یہ سن کر کہا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نہ اس میں کمی کروں گا اور نہ زیادتی۔“

جب وہ واپس جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ اس (اعرابی) شخص کو دیکھ لے۔“[2]

(متفق علیه)

مذکورہ حدیث میں دخولِ جنت کو عدمِ شرک اور فرائضِ اسلام کی بجا آوری پر مرتب کیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جنت میں جانے کے لیے عمل صالح درکار ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنت کا داخلہ اللہ کے فضل ہی سے ممکن ہو سکے گا۔[3] تو پھر دخولِ جنت کو عمل صالح کے ساتھ مشروط قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ جنت کا حصول عمل پر نہیں بلکہ محض اللہ کے فضل پر موقوف ہے، لیکن عمل کو اللہ کے فضل کی ایک علامت اور نشانی ٹھہرایا گیا ہے کہ عمل صالح اس فضل ربی کے حصول کا ذریعہ ہے، جس فضل پر دخولِ جنت موقوف ہے۔

---

① صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٥) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٢)

② صحیح البخاري، رقم الحدیث (١٣٣٣) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤)

③ صحیح البخاري، رقم الحدیث (٥٣٤٩) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٨١٦)

وفدِ عبد القیس سے متعلق حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وفد کے ارکان نے یہ سوال کیا تھا کہ اکیلے اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکات ادا کرنا اور رمضان کا روزہ رکھنا۔"[1] (متفق علیه)

اس حدیث میں بھی ایمان میں اعمالِ دین کو معتبر شمار کیا گیا ہے۔

اعمالِ صالحہ ادا کرنے اور ترکِ معصیت پر بیعت لینا:

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے فرمایا تھا:

"تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اولاد کو قتل نہ کرو، بہتان نہ باندھو اور کسی امر میں میری نافرمانی نہ کرو۔ جو کوئی تم میں سے اس بیعت کو پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہے اور جو کوئی ان کاموں میں سے کسی کام کا مرتکب ہو گا اور پھر دنیا میں اسے اس عمل کی سزا مل جائے گی (اس پر شرعی حد جاری ہو گی) تو وہ سزا اس کے لیے گناہ کا کفارہ بن جائے گی۔ جس کسی نے ان میں سے کوئی کام کیا، پھر اللہ نے اس گناہ پر پردہ ڈال دیا تو اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، چاہے اس کو بخش دے اور چاہے اس پر سزا دے۔ (صحابی کا بیان ہے کہ) ہم نے اس پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔"[2] (متفق علیه)

اس حدیث میں اس بات کی بشارت ہے کہ جس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا گیا، ان شاء اللہ اسے معاف کر دیا جائے گا۔

شرک سے اجتناب کی اہمیت و فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟"

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٧٩، ٦٧٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٠٩)

معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں، اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہ دے۔''

یہ سن کر معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں لوگوں کو اس بات کی خوش خبری نہ دوں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا» ''تو انھیں یہ بشارت نہ دو، کہیں وہ بھروسا کر کے بیٹھ نہ رہیں۔''[1]

یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس خوش خبری پر بھروسا کر کے بیٹھ جائیں اور عمل نہ کریں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''جو شخص سچے دل سے اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔''

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''کیا میں لوگوں کو اس بات سے آگاہ نہ کروں؟ وہ یہ سن کر خوش ہوں گے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «إِذاً يَتَّكِلُوْا» ''وہ اس بات کو سن کر بھروسا کر کے بیٹھ جائیں گے۔''

جب معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو علم چھپانے اور حدیث کی عدمِ تبلیغ کے گناہ کے ڈر سے اس وقت انھوں نے یہ حدیث بیان کر دی۔[2] (متفق علیه)

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ عمل میں کوتاہی کے باوجود صدقِ دل سے شہادتین کا اقرار اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے کی صورت میں کسی نہ کسی دن ضرور فائدہ دے گا۔

چنانچہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۷۰۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۰)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۲۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۲)

''جو بندہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے، پھر اسی پر اس کی موت واقع ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔''

یہ سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا:

«وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ؟» ''اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

«وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ» ''اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہے۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا:

«وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ؟» آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

«وَ إِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمَ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ» ''اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی، خواہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔'' پھر بعد ازاں جب ابوذر رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے تو کہا کرتے تھے:

«وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ» ''اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔''[1]

کبائر کا ارتکاب مغفرت میں رکاوٹ نہیں:

معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ کا سرزد ہو جانا مغفرت اور بخشش میں رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ توبہ سے ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔

کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ خلاف عادت کسی شخص کا کبیرہ گناہ مغفرت کے بغیر بخش دیا جاتا ہے، لیکن بندے کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ انسان سے اگر زنا سرزد ہو گیا ہے یا چوری کا ارتکاب ہو گیا ہے اور اس پر پردہ ڈال دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اسے معاف کرے یا اس کی گرفت کرے۔ اگر دنیا میں اسے اس کی سزا مل جائے تو اسے اپنے گناہ کی سزا مل گئی، اب آخرت میں اس گناہ کی پاداش میں اسے عذاب نہیں ہو گا۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ گواہی دی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٤٨٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٤)

رسول ہیں، اس کی بندی (مریم علیہا السلام) کے بیٹے اور اللہ کا کلمہ ہیں، جسے اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں، (نیز وہ گواہی دے کہ) جنت اور دوزخ حق ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو جنت میں داخل کرے گا، خواہ اس کا عمل کیسا ہی ہو۔"[1] (متفق علیه)

یعنی اس کا عمل اچھا ہو یا برا، تھوڑا ہو یا زیادہ، بہر صورت اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دے گا۔

جنادہ رحمہ اللہ سے مروی روایت میں مذکورہ الفاظ پر اتنا اضافہ بھی ہے:

« مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ أَيُّهَا شَاءَ » "جنت کے آٹھ دروازوں میں سے وہ جس سے چاہے، جنت میں داخل ہو جائے۔"[2] (رواه البخاري واللفظ له)

در خلد ز ہر در کہ آئی خوش ہست

[جس دروازے سے بھی گزر کر تو جنتِ خلد میں داخل ہو، سب اچھا ہے]

گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمانِ کامل کے لیے پہلے پیغمبروں پر ایمان لانا بھی لازم ہے۔ شہادتین کا اقرار کرنا درحقیقت اسی امر کا اعتراف کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ساتھ حدیث میں مذکور دیگر امور کی گواہی دینا بھی انسان کو جنت میں لے جائے گا، اگرچہ اس کے عمل میں قصور اور کوتاہی سرزد ہوئی ہو، مگر یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بداعمالیوں کی سزا نہیں ملے گی، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے برے اعمال کی سزا ملنے کے بعد اسے جہنم سے رہائی ملے اور پھر اسے بہشت میں داخل کیا جائے۔

گناہوں کا کفارہ:

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم" اپنا ہاتھ بڑھایئے! کیوں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "اے عمرو! تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا: "میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: "کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟" میں نے کہا: "شرط یہ ہے کہ (اسلام قبول کرنے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٥٢)

سے) میرے سابقہ گناہوں کی بخشش ہو جائے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام (قبول کرنا) گذشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی اس (گناہ) کو مٹا دیتی ہے جو اس سے پہلے ہوا ہو اور حج بھی اس (گناہ) کو مٹا دیتا ہے جو اس سے پہلے سرزد ہوا ہے۔''[1]

(رواہ مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام، ہجرت اور حج وہ اعمال ہیں، جو گذشتہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، اسلام قبول کرنے، ہجرت کرنے اور حج بجا لانے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف فرما دے اور وہ اس طرح کہ مظلوم کو جنت عطا کر کے راضی کر دے اور ظالم کو بخش دے۔

اسلام سے پہلے کفر ہوتا ہے، کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام لانے سے وہ دور ہو جاتا ہے، جبکہ ہجرت اور حج اسلام لانے کے بعد ہوتے ہیں۔ تو انسان سے جو گناہ بحالتِ اسلام جہالت کے طور پر سرزد ہوتے ہیں، ان کے معاف ہونے کی یہی تدبیر ہے کہ اگر گناہ گار بندہ دار الحرب میں ہے تو امن کی صورت میں وہاں سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کر جائے اور اگر ہجرت کا موقع نہ مل سکے تو اگر وہ استطاعت رکھتا ہو تو فریضۂ حج ادا کرے۔ حج کے قبول ہونے اور گناہوں کے معاف ہونے کی نشانی یہ ہے کہ حج کے بعد والی حالت اور زندگی سابقہ حالت اور زندگی سے عملی طور پر بہتر ہو جائے۔

اخلاصِ نیت:

لیکن اگر کسی شخص کی ہجرت دنیا کے کسی مطلب اور مقصد کے حصول کے لیے ہو، جیسے کوئی مرد ہجرت کر کے جائے اور کسی عورت سے نکاح کرے یا عورت اس نیت سے ہجرت کرے کہ وہاں جا کر کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بنے تو پھر اس ہجرت کا کچھ ثواب نہیں ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک شخص نے ام قیس نام کی ایک عورت سے شادی کرنے کے لیے ہجرت

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۱)

کی تھی۔[1] ایسا شخص اس وجہ سے ثواب سے محروم ہے کہ اعمال نیتوں کے ساتھ معتبر ہوتے ہیں نہ کہ ظاہری شکل وصورت کے ساتھ۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَا نَوىٰ، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ»[2] (متفق عليه)

[اعمال تو صرف نیتوں کے ساتھ معتبر ہیں اور ہر شخص کو صرف وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہوگی، اور جس شخص کی ہجرت دنیا کو حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہوئی تو اس کی ہجرت اسی طرف شمار ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی]

یہ حدیث اصول دین میں سے ایک عظیم اصل اور بنیاد ہے۔ سارے اعمال اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ چنانچہ حج کی یہ حالت ہے کہ اگر ادائے فریضہ کی نیت سے شریعت کے مطابق حج کیا جائے تو وہ گناہوں کو مٹانے والا ہوگا اور اگر دنیا کا کوئی مطلب پورا کرنے کے لیے کسی نے حج کیا تو بہ ظاہر اس کا فرض ادا ہو جائے گا، لیکن اسے وہی کچھ ملے گا جس کی اس ''حاجی'' نے نیت کی ہے۔ مثلاً کسی شخص کا اپنی بیوی سے اختلاف ہو جائے تو وہ وقت گزاری کے لیے مکہ چلا جائے یا اس حیلے کے ذریعے سے دنیا کمانا مقصود ہو یا عزیز و اقارب کے فتنہ وفساد کی وجہ سے چند روز باہر گزار آنا پیش نظر ہو یا وہ کسی سے نکاح کرنا چاہتا ہے جس سے یہاں نکاح نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ جو نیت ہوگی، وہی کچھ حاصل ہوگا، ایسے شخص کو حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

---

① المعجم الكبير للطبراني (۱۰۳/۹) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''هذا إسناد صحيح على شرط الشيخين'' (فتح الباري: ۱۰/۱)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (۱، ۵٤، ۲۳۹۲) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۹۰۷)

جنت میں دخول اور جہنم سے نجات، مگر کیسے؟

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

''مجھے کسی ایسے عمل کی خبر دیجیے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے بچائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تو نے بہت گراں بات دریافت کی ہے، مگر یہ بات اس شخص کے لیے آسان ہے جس پر اللہ نے آسان کر دی ہے۔ اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرا، نماز قائم کر، زکات ادا کر، ماہِ رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تجھے کچھ مزید خیر کے دروازے نہ بتاؤں؟ روزہ آتشِ جہنم سے ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے، جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ آدمی کا رات کو نماز ادا کرنا (گناہوں کو مٹا دیتا ہے)''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

''کیا میں تجھے اس امر (دین) کے ستون اور بلند چوٹی سے متعلق نہ بتاؤں؟''

میں نے عرض کی: ''ہاں (بتایئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''امرِ دین کا سر تو اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی بلند کوہان اور چوٹی جہاد ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا:

''کیا میں تجھے ان تمام چیزوں کی بنیاد نہ بتاؤں؟''

میں نے عرض کی: ''ہاں! (ضرور بتایئے)''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا:

''اسے (بے فائدہ باتوں سے) روکے رکھ۔''

میں نے پوچھا:

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات چیت اور گفتگو کرنے پر بھی ہمارا مواخذہ ہوگا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے معاذ! تم پر تیری ماں روئے۔ یہی زبان کی گفتگو ہی تو لوگوں کو آگ میں اوندھے منہ گرائے گی۔''[1] (رواہ أحمد و الترمذي و ابن ماجه)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کے لیے اعمالِ خیر درکار ہیں اور ان اعمال کا عامل آگ میں جائے بغیر جنت میں داخل ہوگا۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ شہادتین کا اقرار کرنے والا ہو، لیکن عمل صالح میں کوتاہی کا مرتکب ہو تو بالآخر اس کی بھی نجات ہوگی، مگر دخولِ نار کے بعد، جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

① سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا۔''[2] (رواہ مسلم و الترمذي)

② سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں تو وہ جنت میں جائے گا۔''[3] (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی روایت میں قول کا اعتبار کیا ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ والی روایت میں صرف علمِ توحید پر اکتفا کیا ہے، اس لیے کہ کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ موت کے وقت زبان بند ہو جاتی ہے اور منہ سے کوئی کلمہ ادا نہیں ہوتا، لیکن اگر دل میں کلمۂ طیبہ کا صحیح اعتقاد موجود ہو تو نجات کی امید قائم ہے۔

③ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے سوال کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! یہ واجب کرنے والی دو چیزیں کون سی ہیں؟''

---

[1] مسند أحمد (٥/٢٣١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦١٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٩٧٣) و قال الترمذي: "هذا حديث حسن صحيح"

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٣٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٣)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہوئے فوت ہوا تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔''[1] (رواہ مسلم)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ دخولِ جنت و جہنم شرک اور عدمِ شرک پر منحصر ہے۔ اس میں بقیہ اعمال کا ذکر نہیں کیا گیا، اس لیے کہ موحد آدمی عملِ صالح سے ہرگز خالی نہیں رہتا ہے، کیوں کہ توحید خالص بھی عملِ صالح ہے، بلکہ یہ تو راس الطاعات اور اشرف الحسنات ہے۔ اس لیے موحد انسان چاہے بے عمل ہو، ایک دن جہنم سے نکل کر جنت میں جائے گا خواہ سیکڑوں ہزاروں برس کے بعد ہی سہی۔

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''(اے ابو ہریرہ!) اس دیوار کے پیچھے جو بھی تجھے ملے اور وہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور دل سے اس پر یقین رکھتا ہو، تو تم اسے جنت کی بشارت دو۔''

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پسِ دیوار عمر رضی اللہ عنہ سے ملے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں فرمانِ نبوی سنایا، لیکن انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مارا، وہ گر گئے اور روتے ہوئے واپس رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ان کے پیچھے پیچھے عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور) عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''(اے اللہ کے رسول ﷺ!) مجھے خدشہ ہے کہ لوگ اس اجمالی بشارت کو سن کر اس پر بھروسا کر بیٹھیں گے، لہٰذا آپ لوگوں کو (عمل کرنے کے لیے) چھوڑ دیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا انھیں چھوڑ دو۔''[2]

(رواہ مسلم)

مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ توحید خالص کا انجام یقینی طور پر جنت ہے، گو آغاز میں اس کا اقرار کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو سکے۔

---

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۳)

② صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۱)

۵ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینا جنت کی کنجی ہے۔''[1] (رواہ أحمد)

۶ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! "مَانجاۃ ھذا الأمر؟" ''اس امرِ (دین) میں نجات کس چیز کے ساتھ ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَرَضْتُ عَلٰى عَمِّي فَرَدَّ هَا عَلَيَّ فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ»[2]

(رواہ أحمد)

[جس شخص نے مجھ سے وہ کلمہ قبول کرلیا، جو میں نے اپنے چچا (ابو طالب) پر پیش کیا تھا اور اس نے اسے رد کر دیا تھا تو وہ کلمہ اس کے لیے نجات کا باعث بنے گا]

اس حدیث میں کلمہ سے مراد ''لا الٰہ الا اللہ'' اور اس کی شہادت دینا ہے۔ یعنی صدقِ دل سے اس کلمے کا قائل اور گواہی دینے والا ہی نجات پائے گا۔

اس کلمے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنے اسلام میں احسان کے درجہ تک پہنچا ہوا محسن ہوتا ہے، اس کی ہر نیکی سات گنا اور دس گنا تک لکھی جاتی ہے، جبکہ اس کا گناہ ایک گناہ ہی لکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو جا ملے۔ یہ خوبی عملِ صالح سے حاصل ہوتی ہے اور جو کوئی عملِ صالح پر عمل پیرا نہیں، وہ اس ترقی سے محروم ہے، خواہ وہ کسی وقت نجات پا جائے۔

کسے کز لذت طاعت بود محروم من ضامن
کہ بگذارند در جنت ولی باداغ حرمانش

[جو شخص اطاعت (نہ کر کے اس) کی لذت سے محروم رہتا ہے، میں اس بات کا ضامن

---

[1] مسند أحمد (۲۴۲/۵) اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، نیز اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے جس کی روایت اہلِ حجاز سے ضعیف ہوتی ہے اور مذکورہ حدیث کی سند میں اس کا استاد ''عبدالرحمٰن بن ابی حسین مکی ہے۔''

[2] مسند أحمد (۶/۱)

ہوں کہ اسے جنت میں ضرور داخل کریں گے، مگر اسے (آغاز میں اس سے) محرومی کا داغ اور زخم ضرور سہنا پڑے گا]

⑦ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتا تھا، نمازِ پنج گانہ ادا کرتا تھا اور ماہِ رمضان کا روزہ رکھتا تھا تو اس کی بخشش ہو جائے گی۔ میں نے عرض کی: "أَفَلَا أُبَشِّرُهُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ" [یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ سناؤں؟] آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا» "انھیں اعمال کرنے کے لیے چھوڑ دو!"[1] (رواه أحمد)

اس حدیث میں بخشش کو فرض اعمال کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔

⑧ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق اور سعادت مند کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میرا یہ گمان تھا کہ تجھ سے پہلے مجھ سے یہ سوال کوئی نہیں کرے گا، کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تو علمِ حدیث کی بڑی حرص رکھتا ہے۔ قیامت کے دن میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص سرفراز ہوگا جس نے خلوصِ دل کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا۔"[2] (رواه البخاري)

معلوم ہوا کہ جو شخص عقیدے میں موحد ہے لیکن عمل میں کوتاہی کا مرتکب ہے، وہ اپنی نجات کے لیے شفاعت کا محتاج ہوگا اور جس کے اعمال صالحہ کامل ہوں گے، وہ حساب کے بغیر جنت میں جائے گا۔

⑨ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

"جس شخص نے مخلص ہو کر "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا، وہ جنت میں جائے گا۔"

پوچھا گیا اس کا اخلاص کیا ہے؟ فرمایا:

"یہ کلمہ اس کو محارم کے ارتکاب یا اس چیز سے روکے جو اللہ نے اس پر حرام کی ہے۔"[3]

(رواه الطبراني في الأوسط بإسناد ضعيف)

---

① مسند أحمد (٥/٢٢٨، ٢٣٢)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٩٩)

③ المعجم الأوسط (٢/٥٢) اس کی سند میں "محمد بن عبدالرحمن بن غزوان" متروک اور وضاع ہے۔ اس کی ایک اور سند المعجم الكبير للطبراني (٥/١٩٧) میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

⑩ سیدنا رفاعہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اللہ کے ہاں گواہی دیتا ہوں کہ جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دیتے ہوئے فوت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں، پھر اس پر سیدھا قائم رہتا ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔''[1] (رواہ أحمد بإسناد لا بأس به)

اس حدیث میں اس کے سیدھا رہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کلمے کے مطابق عمل کرتا ہے۔

⑪ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

''جب کوئی شخص ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور یہ کلمہ عرش الٰہی کے پاس پہنچ جاتا ہے، جب تک وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔''[2] (رواه الترمذي وقال: حديث حسن غريب)

⑫ انھی سے مروی دوسری حدیث کے الفاظ ہیں:

''جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھا تو یہ کلمہ اس کو کسی دن ضرور فائدہ دے گا، خواہ اس کو کوئی عذاب جھیلنا پڑے۔''[3] (رواه البزار و الطبراني)

یعنی اگرچہ اس کو جہنم میں عذاب ہو، مگر انجام کار اسے نجات مل جائے گی۔

⑬ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے کسی خصوصی ذکر کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(اے موسیٰ!) لا الٰہ الا اللہ پڑھو'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ''اے رب! یہ تو تیرے سارے ہی بندے پڑھتے ہیں!'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«لَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ فِيْ كِفَّةٍ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِيْ كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»[4]

(رواه النسائي و ابن حبان، و قال الحاكم: صحيح الإسناد)

[اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں (ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور ایک

---

① مسند أحمد (٤/١٦)

② سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٩٠)

③ مسند البزار (١٥/٦٦) صحيح ابن حبان (٢٧٢/٧) المعجم الأوسط للطبراني (٢٧٤/٦)

④ سنن النسائي الكبرىٰ (٢٠٨/٦) صحيح ابن حبان (١٠٢/١٤) مستدرك الحاكم (٧١٠/١)

پلڑے میں ''لا الٰہ الا اللہ'' کو رکھا جائے تو ''لا الٰہ الا اللہ'' ان سب سے بھاری ہو جائے گا]

⑭ اسی طرح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ''لا الٰہ الا اللہ'' کو افضل ذکر کہا گیا ہے۔[1]

(رواہ ابن ماجه والنسائي و ابن حبان۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے)

⑮ یعلی بن شداد کہتے ہیں کہ ابو شداد بن اوس نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ہمیں کہا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان کی تصدیق کرتے تھے:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں کوئی غریب (اجنبی) اہلِ کتاب ہے؟'' ہم نے عرض کی: ''نہیں!'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دروازہ بند کر دو اور ہاتھ اٹھا کر کہو: ''لا الٰہ الا اللہ'' کچھ دیر تک ہم نے ہاتھ اٹھائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ بَعَثْتَنِيْ بِهٰذِهِ الْكَلِمَةِ وَ وَعَدْتَنِيْ عَلَيْهَا الْجَنَّةَ وَأَنْتَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ)) [سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ اے اللہ! تو نے مجھے اس کلمے (لا الٰہ الا اللہ) کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور اس پر مجھ سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا] پھر فرمایا: ((أَبْشِرُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ)) [خوش ہو جاؤ! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمھیں معاف فرما دیا ہے][2]

(رواہ أحمد بإسناد حسن و الطبراني وغيرهما)

⑯ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے ایمان کو تازہ کرو!''

ہم نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنے ایمان کو کس طرح تازہ کریں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو۔''[3] (رواہ أحمد والطبراني و إسناد أحمد حسن)

---

[1] سنن النسائي الكبرىٰ (٦/ ٢٠٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٨٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٨٠٠) صحيح ابن حبان (٣/ ١٢٦) مستدرك الحاكم (١/ ٦٨١)

[2] مسند أحمد (٤/ ١٢٤) المعجم الكبير للطبراني (٧/ ٢٨٩)

[3] مسند أحمد ٢/ ٣٥٩) مستدرك الحاكم (٤/ ٢٥٦) اس حدیث کی سند میں ''شتير بن نهار'' مجہول ہے۔ دیکھیں سوالات البرقاني للدارقطني، رقم الحديث (٢١٢) نیز دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٨٩٦)

⑰ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے، جو شخص صدقِ دل سے وہ کلمہ پڑھتا ہے اور پھر اسی پر اس کی موت واقع ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے، وہ کلمہ یہ ہے ''لا الٰہ الا اللہ''[1] (رواہ الحاکم، و قال: صحیح علی شرطھما و رویاہ بنحوہ)

⑱ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث کے الفاظ ہیں:

''کثرت سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ساتھ (توحید کی) گواہی دیا کرو، اس سے پہلے کہ تمھارے اور اس کلمے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے۔''[2] (رواہ أبو یعلیٰ بإسناد جید قوي)

یعنی موت سے پہلے پہلے کثرت سے یہ کلمہ پڑھا کرو۔

مشائخ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی عمر میں ستر ہزار مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کو پڑھے گا تو اسے بخش دیا جائے گا۔[3]

⑲ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''جو بندہ رات یا دن کی کسی گھڑی میں ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھے تو یہ کلمہ اس کے نامہ اعمال میں درج تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اس کے تمام گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔''[4] (رواہ أبو یعلیٰ)

یعنی اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں اور ان گناہوں کے برابر نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

⑳ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

''لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں پر قبر اور حشر میں کوئی وحشت اور خوف نہ ہوگا۔ گویا میں اس

---

① مستدرك الحاکم (١/١٤٣) صحیح ابن حبان (١/٤٣٤)

② مسند أبي یعلیٰ الموصلي (١١/٨)

③ مشائخ کا یہ قول بلا دلیل ہے، یہ تعداد کسی حدیث میں نہیں آئی۔ (محمد سعید) [کذا في الأصل]

④ مسند أبي یعلیٰ الموصلي (٦/٢٩٤) اس کی سند میں ''عثمان بن عبدالرحمٰن الزہری'' متروک ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ اس راوی کے ترجمہ میں مذکورہ بالا روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "و لعثمان غیر ما ذکرت من الحدیث، عامة أحادیثه مناکیر، إما إسناده أو متنه منکراً" (الکامل لابن عدي: (٥/١٦٠)

کلمے کے پڑھنے والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے خاک دور کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ'' [تعریف اس اللہ کے لیے جس نے ہم سے غم دور کر دیا]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے والوں پر موت کے وقت اور قبر میں کوئی وحشت نہیں ہوگی۔''[1] لیکن اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ (رواہ الطبراني)

(۲۱) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں اس وصیت کے بارے میں خبر نہ دوں جو نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کی تھی؟''

ہم نے عرض کی: ''ہاں! (ضرور بتایئے)'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انھوں نے اپنے فرزند سے کہا تھا: میں تجھے ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر ایک پلڑے میں یہ کلمہ رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں سارے آسمان اور زمینیں رکھی جائیں تو یہ کلمہ بھاری ہوگا اور اگر سارے آسمان اور زمین ایک حلقے کی شکل اختیار کر لیں، تب بھی یہ کلمہ انھیں توڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جا پہنچے گا۔''[2]

(رواہ البزار، ورواته محتج بهم في الصحيح)

حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(۲۲) امام حاکم رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''میں تمھیں ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے کا حکم دیتا ہوں، اگر سارے آسمان اور زمینیں اور ان دونوں کے درمیان موجود تمام اشیا ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ کلمہ ان سب سے بھاری ہوگا۔ اگر سارے آسمان اور زمینیں اور ان میں موجود تمام چیزیں ایک حلقہ اور کڑا ہوں اور تم ان پر ''لا الٰہ الا

---

[1] المعجم الأوسط للطبراني (۱۸۱/۹) اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی متروک ہے اور یحییٰ بن عبدالحمید ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث (۳۸۵۳)

[2] صحيح الترغيب والترهيب (۱۰۴/۲)

اللہ'' کو رکھ دو تو یہ کلمہ انھیں توڑ ڈالے گا۔ میں تمھیں ''سبحان اللہ وبحمدہ'' (پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ) پڑھنے کا حکم دیتا ہوں۔ یہ ہر چیز کی بنیاد ہے اور اسی سے ہر چیز کو رزق ملتا ہے۔''[1]

(۲۲) امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت مرفوعاً نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں:
''لا الٰہ الا اللہ اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ سیدھا اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔''[2] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

(۲۳) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو ساری مخلوقات کے سامنے الگ کر کے بلائے گا اور اس کے سامنے ننانوے رجسٹر کھولے گا۔ ہر رجسٹر تا حدِ نگاہ ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے کاتبین حافظین نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: اے میرے رب! نہیں۔ اللہ فرمائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! نہیں۔ اللہ فرمائے گا: ہاں! ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے اور آج کے دن تجھ پر ظلم نہیں ہو گا۔ پھر کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا جس میں یہ لکھا ہو گا: "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده و رسوله" (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں) اللہ تعالیٰ کہے گا: اپنے وزن (کرنے والے ترازو) کے پاس جاؤ۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! بھلا ان رجسٹروں کے سامنے اس کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ ارشاد ہو گا: تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر وہ سارے رجسٹر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ کاغذ کا ٹکڑا ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ

[1] المستدرك للحاكم (۱/ ۱۱۲) صحيح الترغيب والترهيب (۲/ ۱۰۵)
[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۵۱۸) اس کی سند میں ''عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی'' ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

سارے رجسٹر ہلکے اور کاغذ کا ٹکڑا بھاری ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔"[1]

(رواہ الترمذي و حسنه، و ابن ماجه و ابن حبان و البیهقي والحاکم، و قال: صحیح علی شرط مسلم)

ایمان کی تعریف:

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں اور شرع میں ایمان تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان کا نام ہے۔[2]

امام ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سلف و خلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے، جو بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ انتھی.

لہٰذا مومن وہ ہے جو دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور جوارح سے عمل کرنے والا ہو۔ ایمان کے کم اور زیادہ ہونے میں ائمہ وسلف کے مذاہب ظاہر و موافق ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهذا مذهب السلف والمحدثين و جماعة من المتكلمين... وأما إطلاق اسم الإيمان على الأعمال فمتفق عليه عند أهل الحق، و دلائله في الكتاب و السنة أكثر من أن تحصر، و أشهر من أن تذكر"[3] انتهیٰ.

[(ایمان کا کم اور زیادہ ہونا) یہ سلف، محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت کا مذہب ہے... جہاں تک اعمال پر لفظ ایمان بولنے کا تعلق ہے تو اہلِ حق کے نزدیک یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کتاب وسنت میں اس کے دلائل شمار سے باہر اور ذکر سے مستغنی ہیں]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی نے آ کر

[1] شرح صحیح مسلم للنووي (۲/٤)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲٦۳۹) سنن أبي داؤد، رقم الحديث (٤۳۰۰) صحيح ابن حبان (٤٦١/١) شعب الإيمان للبيهقي (٢٦٤/١) المستدرك للحاكم (٧١٠/١)

[3] شرح النووي (١٤٨/١، ١٤٩)

دریافت کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ایمان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ایمان یہ ہے کہ) تو اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اس کی ملاقات اور آخرت میں دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لائے۔'' اس نے پھر سوال کیا: ''اسلام کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اسلام یہ ہے کہ) تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، فرض نماز قائم کرے، فرض زکات ادا کرے اور ماہِ رمضان کا روزہ رکھے۔'' اس نے پھر دریافت کیا: ''احسان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَّا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ» ''تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے، پھر اگر (تیری ایمانی کیفیت یہ ہے کہ) تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔''[1] (رواہ مسلم)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث (حدیثِ جبریل) میں تمام عبادات ظاہرہ و باطنہ کے وظائف کی شرح اور وضاحت موجود ہے۔ عقودِ ایمان، اعمالِ جوارح اور اخلاصِ سرائر ہوں یا آفاتِ اعمال سے تحفظ کا معاملہ سبھی کچھ اس میں مذکور ہے۔ سارے علومِ شرعیہ اسی کی طرف لوٹتے ہیں اور اسی سے متفرع ہوتے ہیں۔ اس حدیثِ جبریل کی بنیاد پر ہم نے کتاب ''المقاصد الحسان فیما یلزم الإنسان'' تالیف کی ہے، کیونکہ واجبات ہوں یا سنن، رغائب و محظورات ہوں یا مکروہات، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو حدیث میں مذکور تین اقسام سے باہر ہو۔[2] انتہیٰ.

محققین اور جمہور سلف و خلف کا مذہب یہ ہے کہ جب آدمی نے جزم اور پختگی کے ساتھ شک و شبہے سے بالاتر ہو کر دینِ اسلام کا اعتقاد کر لیا تو وہ موحد مومن بن گیا، اب اس پر معرفتِ الٰہی کے لیے متکلمین کے دلائل کو سیکھنا واجب نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایمان کے لیے صرف اس کی تصدیق کرنے پر اکتفا فرمایا تھا، دلیل کے ساتھ اس کی معرفت حاصل کرنے کو شرط قرار نہیں دیا۔ صحیحین میں اس کی دلیل کے لیے اتنی کثرت سے احادیث مروی ہیں، جن کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩)

[2] شرح النووي (١/١٥٨)

مجموعے سے تواتر اور علمِ قطعی حاصل ہو جاتا ہے۔[1]

ارکانِ اسلام کا تارک کافر ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے:

وہ بادیہ نشین جو کثیر تعداد میں روے زمین پر موجود ہیں اور صرف شہادتین کے تلفظ اور کلمہ شہادت پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں، وہ ارکانِ اسلام، بلکہ تمام فرائض کے تارک ہیں اور جو اقوال و افعال ان پر واجب ہیں، ان کے بھی تارک ہیں اور سوائے کلمہ پڑھنے کے ان کے پلے کوئی چیز نہیں ہے، یقیناً وہ کافر ہیں اور ان کا خون اور مال حلال ہے، کیوں کہ خون اور مال تب محفوظ ہوتے ہیں جب انسان ارکانِ اسلام پر کار بند ہو۔ ایسے لوگوں سے متعلق حکم یہ ہے کہ انھیں وعظ و نصیحت کے ذریعے راہِ راست پر لایا جائے اور اگر وہ سیدھی راہ پر نہ لگیں اور کفر پر مصر رہیں تو ان کے ساتھ قتال کرنا درست ہے، کیوں کہ وہ اہلِ جاہلیت کے حکم میں ہیں۔

کلمہ گو کافروں سے قتال کس کی ذمے داری ہے؟

حق تو یہ ہے کہ آیات و احادیث نبویہ کے مطابق ایسے لوگوں کے ساتھ قتال کرنا امامِ وقت کی پابندی کے بغیر مطلق طور پر ہر مومن پر واجب ہے۔ (ذكره الشوكاني رحمه الله)

امام نووی رحمه الله فرماتے ہیں:

''اہلِ سنت و جماعت کا مذہب، جس پر اہلِ حق سلف و خلف کار بند ہیں، یہ ہے کہ جو شخص موحد ہو کر فوت ہوا، وہ قطعی طور پر ہر حال میں جنت میں جائے گا۔ پھر اگر وہ گناہوں سے محفوظ ہے، جیسے چھوٹا بچہ اور مجنون، یا اگر گناہ سرزد ہوا ہے تو اس سے سچی توبہ کر چکا ہے اور شرک وغیرہ جیسے گناہوں سے محفوظ ہے، جبکہ اس نے توبہ کے بعد کسی معصیت کا بھی ارتکاب نہیں کیا یا وہ ایسا صاحبِ توفیق ہے کہ سرے سے گناہ میں مبتلا ہی نہیں ہوا تو ان تمام اقسام کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور جہنم میں ہرگز نہیں جائیں گے۔ ہاں دوزخ پر ان کا صرف ورود ہو گا۔ اس ورود میں بھی اختلاف ہے، لیکن صحیح موقف یہ ہے کہ اس سے مراد پل صراط پر سے گزرنا ہے جو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔ أعاذنا الله منها و من سائر المكروه.

[1] شرح النووي (۲۱۱/۱)

توبہ کے بغیر مرنے والے کبیرہ گناہ کے مرتکب شخص کا حکم:

"جس شخص نے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور وہ بغیر توبہ کیے فوت ہو گیا تو وہ اللہ کی مشیت پر ہے، چاہے اسے معاف فرما کر دخولِ اولین کے ساتھ جنت میں لے جائے اور اسے پہلی قسم کے لوگوں جیسا کر دے اور چاہے تو اس کے گناہ کی مقدار کے برابر اپنے ارادے کے ساتھ اسے عذاب دے کر پھر جنت میں داخل کر دے۔ مگر جو شخص توحید پر فوت ہوا ہے، اس کے اعمال اور گناہ چاہے کیسے بھی ہوں، وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، جس طرح کہ وہ شخص جو کفر پر فوت ہوا، گو اس نے سارے نیک اعمال کیے ہوں، ہرگز جنت میں نہیں جائے گا۔"

مذکورہ مسئلے پر اہلِ حق کے مذہب کی یہ مختصر اور جامع بحث ہے۔ اس قاعدے پر کتاب و سنت کے دلائل اور امت میں سے قابل قدر لوگوں کا اجماع ظاہر و باہر ہے۔ اس پر اتنی نصوص وارد ہوئی ہیں، جن کے ذریعے قطعی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ جب یہ قاعدہ ثابت ہو چکا تو اس مسئلے وغیرہ پر جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، انہیں اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ جب کوئی حدیث بہ ظاہر اس موقف کے خلاف وارد ہو تو اس کی تاویل کرنا ہم پر واجب ہے، تاکہ شرعی نصوص کا تعارض ختم ہو کر ان میں موافقت پیدا ہو جائے۔"[1] انتهی.

موحد یقیناً جنتی ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے غزوۂ تبوک کے تذکرے کے ذیل میں مروی ایک طویل حدیث میں یہ فرمانِ رسول موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ»[2] (رواه مسلم)

[میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں، کوئی شخص شک و شبہے سے بالا ہو کر ان (کی گواہی دیتے ہوئے ان) کے ساتھ اللہ تعالیٰ

---

[1] شرح النووي (۱/۲۱۷)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷)

سے ملاقات کرتا ہے تو اسے (دخولِ) جنت سے نہیں روکا جاتا]

مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں عذاب وسزا پا کر جنت میں داخل ہوگا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سلف صالحین، اہلِ حدیث، فقہا و متکلمینِ اشاعرہ اہلِ سنت کا یہ مذہب ہے کہ گناہ گار لوگ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں۔ جو شخص حالتِ ایمان پر فوت ہوا ہے اور اس نے خلوصِ دل سے شہادتین کی گواہی دی تو وہ جنت میں جائے گا۔ بشرطیکہ وہ یا تو گناہوں سے تائب ہو چکا ہو یا گناہوں سے بالکل ہی محفوظ ہو۔ اس کا یوں جنت میں جانا اور جہنم سے بچا لیا جانا اللہ کی رحمت سے ہی ممکن ہوگا۔

''اگر وہ منجملہ ان لوگوں کے ہے جن کے نیک و بد اعمال ملے جلے ہیں اور اس نے اپنے ذمے واجب کو ضائع کیا اور حرام کا مرتکب ہوا تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے۔ اس کے بارے میں نہ تو قطعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس پر جہنم حرام ہے اور نہ یہ بات ہی یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ دخولِ اول کے ساتھ جنت کا مستحق ہے۔ ہاں جو بات قطعیت کے ساتھ ان کے حق میں کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ انجام کار وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس انجام سے پہلے وہ خطرِ مشیت میں پڑا ہوا ہے۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہ پر عذاب کرے اور چاہے تو اپنے فضل سے اسے معاف کر دے۔

''الغرض موحد کا داخلِ جنت ہونا ایک لازمی اور ضروری امر ہے، فوراً اور جلدی معافی ہو جائے اور وہ جنت میں داخل ہو یا دیر اور تاخیر کے ساتھ عذاب لینے کے بعد جنت میں جائے۔ اس پر آگ حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر آگ میں ہمیشہ رہنا حرام ہے یا تحریم نار والی بات اس شخص کے ساتھ خاص ہو جس کا آخری کلام اور اس کا خاتمہ کلمہ شہادت ہو۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے گناہ اور نیکی کے ملے جلے عمل کرتا رہا ہو۔ مگر اب اس کا کلمہ شہادت پڑھنا اس پر رحمتِ الٰہی اور جہنم سے نجات کا ایک سبب بن جائے گا۔ بر خلاف ان مدحدین مخلطین کے جن کا آخری کلام کلمہ شہادت نہ بنا ہو۔ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث کا یہی مطلب ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ جس دروازے سے چاہے

جنت میں داخل ہو تو یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے ذکر کیا ہے اور ایمان و توحید کی حقیقت کو شہادتین کے ساتھ ملایا ہے، مثلاً ایسے شخص کو اتنا اجر ملے جو اس کے گناہوں پر بڑھ جائے اور اس کی بخشش، رحمت اور دخولِ اول کا موجب اور سبب بنے۔'' انتهیٰ كلام القاضي عياض رحمه الله. امام نووی رحمه الله فرماتے ہیں: یہ نہایت شاندار اور عمدہ کلام ہے۔[1]

ایمان باللہ پر استقامت کی اہمیت وفضیلت:

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سا عمل افضل ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ» ''اللہ پر ایمان لانا۔''[2] (رواہ مسلم)

اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ عمل کا اطلاق ایمان پر ہوتا ہے۔ اس سے مراد۔ واللہ أعلم. وہ ایمان ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ میں داخل کر دے، یعنی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے کلمہ شہادتین پڑھنا۔ لہٰذا تصدیق دل کا کام ہے اور نطق و کلام زبان کا عمل ہے۔

سیدنا سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی تھی کہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتائیں کہ آپ ﷺ کے بعد میں کسی سے سوال نہ کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) ''(اے سفیان!) کہہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر استقامت اختیار کر۔''[3] (رواہ مسلم)

قاضی عیاض رحمه الله فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ [حم السجدة: ٣٠]

[بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر خوب قائم رہے]

یعنی اللہ کو ایک جانا، پھر اس پر ایمان لایا، پھر اسی توحید و ایمان پر استقامت اختیار کی، توحید

---

[1] شرح النووي (١/ ٢٢٠)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٤)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٨)

سے کنارہ کیا اور نہ ایمان ہی کو چھوڑا، بلکہ اطاعت کا التزام کیا، یہاں تک کہ اسی حالت پر فوت ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کے یہی معانی بیان کیے ہیں۔

بر اہل استقامت فیض نازل میشود مظہر
نمی بینی تجلی گرد کوہ طور میگردد

[اہلِ استقامت پر ہی فیض نازل ہوتا ہے اے مظہر! کوہ طور کے آس پاس تجلی کو تو گھومتا ہوا نہیں دیکھے گا]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ سارے قرآن میں آپ ﷺ پر آیتِ کریمہ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ﴾ [هود: ۱۱۲] [پس تو ثابت قدم رہ، جیسے تجھے حکم دیا گیا ہے] سے سخت کوئی آیت نہیں اتری ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ تو بہت جلد بوڑھے ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سورت ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔''[1] انتهى.

استقامت... حصولِ کمال کا ذریعہ ہے:

قشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں کہا ہے کہ تمام امور کا کمال اسی درجہ استقامت سے ہوتا ہے۔ نیکیوں کا حصول اور نظام اسی استقامت سے وابستہ ہے۔ جو شخص اپنی کسی بھی حالت پر استقامت اختیار کرنے والا نہیں ہے، اس کی سعی برباد اور اس کی کوشش بے کار ہے۔ اکابر کے سوا کسی کو استقامت اختیار کرنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے لیے مروجہ پختہ عادات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور رسوم و رواج کو خیر باد کہنا اور اللہ کے سامنے حقیقتِ صدق پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا»[2]

''استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔''

واسطی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

---

[1] شرح النووي (۲/ ۹)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲۷۷) صحيح الترغيب والترهيب (۱/ ٤٧)

”یہ استقامت وہ خصلت ہے جس سے سارے محاسن کامل ہوتے ہیں اور اس خصلت کے نہ ہونے سے جملہ محاسن مفقود ہو جاتے ہیں۔“[1] انتھیٰ.

حیا ایمان کا جزو ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِیْمَانِ»[2] (رواہ مسلم)

[حیا کرنا ایمان کا جزو اور حصہ ہے]

اہلِ علم نے کہا ہے کہ حیا کو اس لیے ایمان ٹھہرایا گیا ہے کہ کبھی تو وہ دیگر تمام نیک اعمال کی طرح تخلق و اکتساب سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی یہ حیا طبعی ہوتی ہے، لیکن قانونِ شرع میں اس کا استعمال اکتساب و نیت کا محتاج ہوتا ہے اسی لیے وہ منجملہ ایمان کے ٹھہری، کیوں کہ یہ نیک اعمال پر برانگیخت کرنے والی اور معاصی اور گناہوں کے ارتکاب سے روکنے والی ہوتی ہے۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ»[3] (رواہ مسلم)

[حیا سراسر خیر و بھلائی ہے]

حیا سے متعلق ایک اشکال اور اس کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ (حیا خیر کیسے ہو سکتی ہے) یہ تو کبھی حق کا سامنا کرنے اور اسے قبول کرنے سے مانع ہوتی ہے، نیز نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے فریضے کو ترک کرنے پر آمادہ کرتی ہے؟

تو حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ اور ائمہ کی ایک جماعت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اشکال میں مذکورہ حالت کو مجازی طور پر حیا کہا گیا ہے، جبکہ حقیقت میں حیا وہ ہے جو ترکِ قبیح پر برانگیخت کرنے

---

[1] شرح النووي (۹/۲)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۵)

[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۷)

والی اور حقوق میں کوتاہی کرنے سے مانع ہو۔[1] انتھی.

میں کہتا ہوں: جس طرح کوئی ایمان دار بے حیا نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اکثر بے حیا ایمان دار نہیں ہوتے ہیں۔ آپ نے اہلِ فسق کو دیکھا ہو گا کہ ان کو اپنی نیک نامی اور رسوائی کی کچھ پروا نہیں ہوتی ہے، اسی لیے وہ اعمالِ ایمان پر ثابت قدم بھی نہیں رہتے۔ ان سے ہمیشہ مہلک اعمال سرزد ہوتے ہیں اور وہ نجات دلانے والے اعمال کی طرف کبھی توجہ نہیں دیتے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہیں نہ رسول اللہ ﷺ سے اور نہ اللہ کے نیک بندوں ہی سے۔ ان کا ایمان سخت ضعیف اور ناتواں ہے۔

ایمان کے کچھ مزید اجزا:

منجملہ ایمان کے ایک حسنِ جوار اور اکرامِ ضیف ہے۔ احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔ ابو شریح رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور مہمان کی عزت کرے اور اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔''[2] (رواہ مسلم)

منجملہ ایمان کے منکر کو ہاتھ یا زبان سے روکنا یا دل سے برا جاننا ہے۔ یہ مضمون ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں بیان ہوا ہے۔[3] منکر اور برائی کو ہاتھ کے ساتھ مٹانا ائمہ و ملوک اور اہلِ اسلام کا کام ہے اور زبان سے اسے بدلنا اور ختم کرنا علمائے آخرت کا کام ہے اور دل سے برا جاننا مسلمان عوام کا کام ہے۔ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

رہ گئی رسمِ اذان روحِ بلالی نہ رہی:

''السراج الوهاج'' میں لکھا ہے:

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایمان بھی ایک زمانہ دراز سے ضائع ہو چکا ہے۔ گویا لوگوں نے اسے ایک منسوخ شریعت سمجھ لیا ہے اور اب سوائے چند رسموں کے کچھ باقی نہیں رہا۔ یہ ایک بہت عظیم باب ہے جس کے ساتھ امرِ دین سیدھا اور قابو میں آ جاتا ہے۔ جب

[1] شرح النووي (٢/٥، ٦)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٩)

اس میں خباثت بڑھ جاتی ہے تو پھر ایسا عام عذاب آتا ہے کہ نیک و بد سبھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب وہ ظالم کا ہاتھ نہیں روکیں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کو عذاب میں مبتلا کر دے، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور: ٦٣]

[سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آ پہنچے]

طالبِ آخرت اور رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اس طرف بہت زیادہ توجہ دے، کیوں کہ اس کا نفع بہت زیادہ ہے، بشرطیکہ اس کی نیت خالص ہو اور منکر سے بالکل نہ ڈرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ [الحج: ٤٠]

[اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا]

مزید اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ [العنکبوت: ١]

[کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ وہ اسی پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہہ دیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی][1]

امر بالمعروف اور نہی المنکر دین کے ستون ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔ یہ دین کے دو بڑے ستون اور ہر مسلمان پر سختی سے واجب ہیں۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ

---

[1] السراج الوهاج (١/١٧٢، ١٧٣)

جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ» [1]
(رواہ مسلم بطولہ)

[تو جو ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، جو اپنی زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو اپنے دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے]

اس حدیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے سے خاموشی اختیار کرنے والے سے ایمان کی نفی کی گئی ہے اور یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ اس کے لیے رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ثابت نہیں رکھا گیا، حالانکہ جس کا ایمان رائی کے دانے کے برابر ہوگا، وہ بھی ایک دن نجات پا جائے گا اور جس کا ایمان اتنا بھی نہ ہو، وہ نجات کی کیا امید کر سکتا ہے؟

اللہ جانتا ہے کہ اس زمانے میں ہمیں منکر اور برائی کو ہاتھ سے بدلنے اور مٹانے کی ہرگز قدرت و طاقت نہیں ہے۔ ہاں! ہمارے دل اور زبان سے جو بن پڑتا ہے، ہم اس میں کوتاہی نہیں کرتے۔ وما توفیقي إلا باللہ.

حضرت علی اور انصار کی محبت ایمان کا جزو ہے:

منجملہ مراتبِ ایمان کے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت بھی ہے۔ زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن ہی علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتا ہے اور ان سے دشمنی رکھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے۔'' [2] (رواہ مسلم)

انصار کی محبت بھی ایمان کا جزو ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ» [3] (رواہ مسلم)

[ان (انصار) سے صرف مومن ہی محبت کرتا ہے اور صرف منافق ہی ان سے بغض اور دشمنی رکھتا ہے]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٠)
[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٨)
[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٥)

اہل یمن و حجاز کے ایمان کی گواہی:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْإِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ»[1] (رواہ مسلم)

[ایمان تو یمن کے لوگوں کا ہے اور حکمت و دانائی بھی یمن کے لوگوں کی ہے]

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

«اَلْفِقْهُ يَمَانٍ» (رواہ مسلم)[2]

[فقاہت تو یمن کے لوگوں کی ہے]

اہلِ یمن کے حق میں بعض آیات قرآنیہ بھی نازل ہوئی ہیں جو ان کے کمالِ ایمان اور حکمت و فقہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس حکمت سے مرادِ علم حدیث ہے۔

نیز سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ ہیں:

«اَلْإِيْمَانُ فِيْ أَهْلِ الْحِجَازِ»[3] (رواہ مسلم)

[ایمان تو حجازی لوگوں کا ہے]

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ایمان یمن اور حجاز میں ہے۔

ایمان کے بغیر نیک اعمال مفید نہیں ہیں:

◆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ابن جدعان سے متعلق دریافت کیا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا اسے نیکی کے یہ کام کوئی فائدہ دیں گے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْماً: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ»[4] (رواہ مسلم)

[(نہیں!) اس نے تو کسی ایک دن بھی یہ نہیں کہا تھا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میرے گناہ معاف کر دینا]

---

1. صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٢)
2. صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٢)
3. صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٣)
4. صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٤)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایمان نہیں لایا، اسے کوئی عملِ صالح فائدہ نہیں دیتا، کیونکہ موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی تصدیق کرنے والا مومن ہوتا ہے اور یہ تصدیق نہ کرنے والا کافر ہے۔

۲ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا »[1] (رواہ مسلم)

یعنی ایمان لائے بغیر جنت میسر نہیں ہوتی ہے۔

۳ اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زانی، چور اور شرابی ان افعال کو سرانجام دیتے وقت مومن نہیں ہوتا۔[2] (رواہ مسلم)

۴ نیز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایمان سے متعلق وسوسہ صریح ایمان ہے۔''[3] (رواہ مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے وسوسہ کو بڑا سمجھا اور اسے برا جانا تو یہی اس کے ایمان دار ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اس میں ایمان نہ ہوتا تو ان وسوسوں کو بڑا اور بُرا کیوں سمجھتا؟ یہ استعظام ہی اس کے ایمان کی علامت ہے۔

۵ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن کو کبھی دنیا میں عطا ملتی ہے اور آخرت میں بھی جزا ملے گی، اور کافر صرف دنیا میں کھاتا پیتا ہے، آخرت میں اس کے لیے کوئی نیکی اور بھلائی نہیں ہے۔''[4] (رواہ مسلم)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴾ [الزمر: ٨]

[کہہ دے اپنی ناشکری سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لے، یقیناً تو آگ والوں میں سے ہے]

۶ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں آیا ہے:

---

1. صحیح مسلم، رقم الحدیث (٥٤)
2. صحیح مسلم، رقم الحدیث (٥٧)
3. صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٣٢)
4. صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٨٠٨)

''مومن کو حدیثِ نفس اور دل کی بات معاف ہے، اس پر مواخذہ نہیں ہے، جب تک زبان سے کلام نہ کرے یا ویسا کام نہ کرے۔''[1] (رواہ مسلم)

7. سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے:

«إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَّسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ»[2] (رواہ مسلم)

[یقیناً اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عن قریب اپنی ابتدا کی طرح پھر غریب (اجنبی) ہو جائے گا، پس غربا کے لیے بشارت ہے]

اس حدیث کا مصداق موجودہ دور میں بدرجہ کمال موجود ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم جیسے غریبوں کے لیے بشارت بھی ہے، بشرطیکہ ہم اپنے ایمان و اسلام پر صابر و ثابت رہیں اور دشمنانِ اسلام کے بہکانے، ڈرانے اور لالچ دینے سے اسلام و ایمان سے منحرف نہ ہو جائیں، لیکن اب تو یہ بات بھی غریب ہوگئی ہے۔ واللہ یعلم و أنتم لا تعلمون.

تنبیہ:

ہم نے اس جگہ کلمۂ شہادت کے فضائل و منافع کا ذکر اور ابوابِ ایمان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اصل ایمان کی صحت اس کلمے کی تصدیق و اخلاص کے ساتھ دل کی تہ سے منسلک ہے۔ جب اس کی فضیلت اور منفعت کا علم ہو جاتا ہے تو دل سے اس نعمت کو حاصل کرنے کا ایک ولولہ اور جوش اٹھتا ہے۔ ایک عقل مند شخص اس بات کو بہ خوبی جان لیتا ہے کہ جب صدقِ دل کے ساتھ کلمہ شہادتین کا محض تلفظ کرنے سے یہ قابل ستائش انجام ہوتا ہے تو پھر اعمالِ صالحہ اور احکامِ ایمان کے بجا لانے سے بلند مدارج و مراتب کی ترقی کیوں کر حاصل نہ ہو گی، اس لیے کہ محض نجات کا حصول ایمان کا ایک ادنا سا درجہ ہے اور ایمان کا اعلا مرتبہ یہ ہے کہ آدمی عظیم کامیابی حاصل کرے۔

شفاعت سے بہرہ مند ہونے والے خوش نصیب:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ایک لمبی حدیث میں شفاعت سے متعلق آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ہر بار اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگوں گا (اور اجازت ہونے پر) پھر

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۷)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱٤٥)

شفاعت کروں گا، میرے لیے (ان لوگوں کی جن کی میں سفارش کرنے جا رہا ہوں) ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ پھر اجازت چاہوں گا، پھر حد مقرر ہو گی، پھر تیسری مرتبہ سفارش کرنے کی اجازت مانگوں گا، پھر ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں ان کو آگ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، یہاں تک کہ آگ میں صرف وہی باقی رہ جائے گا جس کو قرآن نے روک رکھا ہے، یعنی اس پر خلود فی النار واجب ہو چکا ہے۔'' [1] (متفق علیه)

خلودِ نار اسی شخص کا مقدر ہو گا جو مشرک یا کافر ہے، گو مسلمانی کے لبادے میں ہو اور منافق کا بھی یہی حکم ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں مروی ہے کہ جس کے دل میں جو کے ایک دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا، میں اسے آگ سے نکال لوں گا۔ پھر دوبارہ اسے بھی جس کے دل میں ذرہ برابر یا رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو گا۔ پھر تیسری بار میں اس شخص کو بھی نکال لوں گا جس کے دل میں رائی کے ادنا ادنا دانے کے برابر ایمان ہو گا۔ پھر چوتھی بار میں کہوں گا: اے رب! مجھے اجازت دے کہ میں ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے والوں کی شفاعت کروں تو اللہ فرمائے گا:

«لَيْسَ ذٰلِكَ لَكَ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظَمَتِيْ لَأُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» [2] (متفق علیه)

[یہ تیرا کام نہیں ہے۔ مجھے اپنی عزت، میرے جلال، میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم ہے میں اس شخص کو (جہنم سے) ضرور نکالوں گا جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھا ہو گا]

وللّٰه الحمد.

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے ان گناہ گاروں کی شفاعت ہو گی جو مشرک نہ تھے۔ پھر ان لوگوں کی جو صرف کلمہ گو تھے اور انھوں نے شرک نہیں کیا تھا، اگرچہ ان سے سارے جہاں کے گناہ سرزد کیوں نہ ہوئے ہوں۔ یہ شفاعت ہمارے رسول ﷺ کریں گے، لیکن اللہ کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد اور اس شفاعت میں حد بندی بھی ہو گی۔ ایک بار یہ کہہ دیا جائے گا کہ با جماعت نماز

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۰۰۲) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۹۳)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۰۷۲) صحيح مسلم، رقم الحديث(۱۹۳)

کے تارکین کی یا ان کی جن کی نماز میں خلل اور نقص رہا ہے، شفاعت کرو۔ پھر دوسری بار میں یہ کہا جائے گا کہ اچھا فلاں قسم کے گناہ گاروں کی شفاعت کرو، جیسے شرابی اور زانی۔ اسی طرح تیسری بار کسی اور قسم کے لوگوں کا بتا دیا جائے گا، گویا یہ اللہ کی طرف سے حد بندی ہوگی۔

لیکن ان میں سے جو کوئی ایسا تھا کہ اس سے کوئی شرک یا رسمِ کفر کا کوئی کام ہو جاتا تھا اور وہ توبہ کیے بغیر مر گیا ہے تو اس کی شفاعت ہرگز نہ ہوگی، کیونکہ وہ نص قرآنی کے ساتھ جنت سے محبوس اور اس میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہوگا، جیسے گور پرست، پیر پرست، ریا کار اور اس طرح کے دیگر لوگ۔ پھر دوسری شفاعت میں خود اللہ تعالیٰ مخلص موحدین اور بے عمل گناہ گاروں کو آگ سے نجات دے گا۔ اہلِ شرک کے سوا جہنم میں کوئی باقی نہ رہے گا۔

شرک سے بچنا ہر انسان پر فرضِ عین ہے:

شرک وہ چیز ہے، جس سے بچنا ہر انسان پر فرضِ عین ہے۔ یہ شرک نہایت مخفی ہے۔ اس کے ستر دروازے ہیں، جس طرح کہ بدعت کے بہتر دروازے ہیں۔ جس شخص کو اپنی نجات اور کامیابی مطلوب ہو، اسے چاہیے کہ وہ شرک اور بدعتِ مکفرہ کے دروازے دریافت کرنے میں بڑی کوشش کرے، کیوں کہ اگر اس نے سارے جہاں کی عبادت اور اطاعت کی ہے، لیکن اگر عقیدہ وعمل میں کسی طرح کا شرک اور کفر مخفی ہے تو اس کی شفاعت اور نجات ہرگز نہیں ہوگی۔

اس کے برعکس اگر اس نے کوئی خیر کا عمل نہیں کیا ہے یا دنیا بھر کے گناہ لے کر آیا ہے، مگر شرک سے بچ گیا ہے تو ایک نہ ایک دن وہ ضرور جہنم سے نکل جائے گا اور بخش دیا جائے گا۔

اس سلسلے میں رسائل ''تقویۃ الایمان'' اور ''دعایۃ الایمان'' نہایت نفع مند اور جامع ہیں۔

جہنم سے نکلنے والے:

1 سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ایک لمبی حدیث میں ہے:

''اللہ تعالیٰ دوسری بار کی شفاعت میں مومنوں سے کہے گا: جاؤ! جس کے دل میں تم ایک

دینار کے برابر بھی خیر و بھلائی پاؤ، اس کو آگ سے نکالو، لہٰذا وہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جہنم سے باہر نکالیں گے۔ پھر حکم ہوگا کہ جاؤ جس کے دل میں تم نصف دینار کے برابر بھی خیر و بھلائی یعنی ایمان پاؤ، اس کو آگ سے باہر نکال لاؤ، لہٰذا وہ پھر ایک خلق کثیر کو آگ سے باہر نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! اب تو ہم نے کسی خیر والے کو آگ میں باقی نہیں چھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فرشتے، پیغمبر اور مومنین سب شفاعت کر چکے، کوئی باقی نہیں رہا۔ تب ارحم الراحمین آگ سے ایک مٹھی بھرے گا اور ایک ایسی قوم کو آگ سے باہر نکالے گا جس نے کبھی کوئی خیر کا کام نہ کیا ہو گا۔ وہ جل بھن کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ ان کو جنت کے کناروں پر موجود ایک نہر میں پھینکا جائے گا، جسے نہر حیات کہتے ہیں۔ وہ اس نہر میں سے یوں نکلیں گے جیسے سیلاب کی جگہ پر کوئی دانہ اُگتا ہے اور گوہرِ شاہوار کی طرح ہو جائیں گے۔ ان کی گردنوں پر مہریں لگی ہوئی ہوں گی۔ اہلِ جنت کہا کریں گے: یہ لوگ رحمان کے آزاد کردہ ہیں۔ رحمان نے انہیں بغیر کسی عمل کے، جو انہوں نے کیا یا کسی خیر کے بغیر، جو انھوں نے آگے بھیجی ہو، جنت میں داخل کیا ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات کہی جائے گی: ((لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ)) ''تمہارے لیے (جنت میں) وہ کچھ ہے جو تم نے دیکھا اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور بھی۔''[1] (متفق علیه)

۲ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں جاچکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر ایمان ہو، اس کو (آگ سے) نکالو، وہ (لوگ) نکالے جائیں گے۔ وہ جل بھن کر کوئلہ بن چکے ہوں گے تو وہ نہر حیات میں ڈال دیے جائیں گے، پھر وہ یوں اُگیں گے جس طرح سیلاب کی راہ میں کوئی دانہ اُگتا ہے، تم نے دیکھا نہیں کہ وہ دانہ زرد لپٹا ہوا نکلتا ہے۔''[2] (متفق علیه)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث(٧٠٠١) صحيح مسلم، رقم الحديث(١٨٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٤)

مثال کاغذ آتش زدہ مرے گلرو
ترے جلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

۳ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''کچھ قوموں کو آگ کی لپٹ ان کے کیے ہوئے گناہوں کے سبب جلا کر بھسم کر دے گی اور ان کے گناہوں کی یہی سزا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ ان کو (جنتی) لوگ جہنمی کہیں گے۔''[1] (رواه البخاري)

اس سے ثابت ہوا کہ بعض گناہ گار موحد بھی دوزخ میں جائیں گے، اگرچہ انجام کار برکتِ توحید کے سبب اس سے باہر نکلیں گے، مگر موحد ہونا بہت مشکل ہے۔

شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق دار:

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری شفاعت میری امت کے اہلِ کبائر (کبیرہ گناہوں کے مرتکبین) کے حق میں ہو گی۔''[2] (رواه أهل السنن)

② سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ کو اختیار دیا کہ میری آدھی امت جنت میں جائے یا میں ان کی شفاعت کروں، میں نے شفاعت کرنا اختیار کیا۔ میری یہ شفاعت اس کے لیے ہو گی جو اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا۔''[3] (رواه الترمذي و ابن ماجه)

اب قبر پرست، پیر پرست اور اس طرح کے دیگر لوگ شفاعت کی امید نہ رکھیں، کیونکہ یہ شفاعت صرف موحدین کے لیے خاص ہو گی۔

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحديث (٧٠١٢)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٧٣٩) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٣٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٣١٠) صحيح الترغيب والترهيب (٢٤١/٣)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٤١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٣١١) مسند أحمد (١٦٥/٣)

③ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت کے چار لاکھ آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کچھ زیادہ کیجئے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دولپ بھر کر (اور بھی)'' انہوں نے پھر عرض کی: ''اور زیادہ کیجئے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اتنے لوگ اور بھی۔''[1] (الحديث رواه في شرح السنة)

مذکورہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آگ سے جو لپیں بھر کر نکالی جائیں گی، ان سے اللہ کی لپیں مراد ہیں۔ وللّٰہ الحمد.

نماند بہ عصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیشرو

[وہ شخص نافرمانی میں گرفتار نہیں ہو سکتا، جس کا آقا و مالک تیرے جیسا ہو]

بغیر حساب جنت میں جانے والے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کرواتے اور بدفالی و نحوست نہیں پکڑتے، بلکہ اپنے رب تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں۔''[2] (متفق عليه)

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

''وہ مطالبہ کر کے دم نہیں کرواتے اور نہ داغ لگاتے ہیں۔ یہ سن کر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں شامل کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ)) [اے اللہ! اس (عکاشہ) کو ان لوگوں میں شامل کر دے] ایک دوسرے صحابی نے کھڑے ہو کر یہی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ» [اس (سعادت) میں عکاشہ تم سے سبقت کر گئے ہیں][3] (متفق عليه)

---

[1] شرح السنة للبغوي (٧/٤٤٤)
[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٠)
[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٨)

توحید پرست اللہ کے سوا کسی پر بھروسا نہیں کرتا ہے:

ایمان کامل توحید سے عبارت ہے۔ جب کسی شخص کی توحید کامل ہو جاتی ہے تو وہ اللہ کے سوا اور کسی پر، وہ کوئی ہو کہیں ہو، ہرگز بھروسا نہیں کرتا، پھر وہ کسی کا امیدوار ہوتا ہے نہ کسی سے خائف رہتا ہے، بلکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہر لمحہ اس کی آنکھ کے سامنے رہتی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

«يَا غُلَامُ! اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَ سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»[1] (رواه أحمد و الترمذي)

[اے لڑکے! اللہ (کے حکم) کی حفاظت کر، اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا، اللہ (کے حکم) کی حفاظت کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر، اور آگاہ رہ! یقیناً اگر ساری امت تجھے کسی چیز کا فائدہ پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ سب مل کر بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے، اور اگر امت کے سارے لوگ تجھے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، علاوہ اس کے جو اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ قلمیں (لکھنے سے) اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں]

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ﴾ [التوبة : ٥١]

[کہہ دیجیے! نہیں پہنچتی ہمیں کوئی مصیبت، مگر وہ جو اللہ نے لکھ دی ہے ہمارے لیے]

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فیصلے پر راضی رہنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، نیز اس حدیث میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ توحیدِ خالص کو اختیار کیا جائے۔

---

[1] مسند أحمد (١/٢٩٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥١٦)

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس کلموں کی وصیت کی ان میں سے ایک یہ ہے:

«لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّقْتَ»[1] (رواہ أحمد)

[اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، اگرچہ تجھے (اس عقیدہ توحید پر) قتل کر دیا جائے اور تجھے جلا دیا جائے]

تقدیر پر ایمان لانا ایمان کی بنیاد ہے:

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین چیزیں اصل ایمان ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' پڑھنے والے سے باز رہ، کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہہ اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے باہر نکال۔ جب سے اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے تب سے جہاد جاری ہے، یہاں تک کہ اس امت کا آخری حصہ دجال سے لڑائی کرے گا۔ کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل اس کو باطل نہیں کرتا ہے اور تیسری چیز اللہ کی تقدیروں پر ایمان لانا ہے۔''[2] (رواہ أبوداوٗد)

یعنی اس بات کا یقین کرے کہ تقدیر حق ہے۔

② سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیروں کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے کا لکھ رکھا ہے، جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔''[3] (رواہ مسلم)

③ نیز سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر چیز تقدیر میں لکھی ہوتی ہے، حتی کہ بے وقوفی اور عقل مندی بھی۔''[4] (رواہ مسلم)

یعنی انسان کا بے وقوف و عقل مند ہونا بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔

---

1. مسند أحمد (۲۳۸/۵) صحیح الترغیب والترھیب (۳۳٤/۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: إرواء الغلیل للألباني (۸۹/۷)
2. سنن أبي داوٗد، رقم الحدیث (۲۵۳۲) اس کی سند میں یزید بن ابی نشبہ راوی مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔
3. صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲٦۵۳)
4. صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲٦۵۵)

④ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص اہلِ جنت جیسا عمل کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر کتاب (نوشتۂ تقدیر) سبقت کرتی ہے وہ اہلِ نار کا سا عمل کر کے آگ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح تم میں سے کوئی اہلِ نار کا سا عمل کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور آگ کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر کتاب سبقت کرتی ہے، وہ اہلِ جنت کا سا عمل کر کے جنت میں چلا جاتا ہے۔“[1] (متفق علیه)

کتاب کے سبقت کرنے سے مراد یہ ہے کہ تقدیر غالب آ جاتی ہے۔

⑤ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ ہیں:

”بندہ دوزخ والوں جیسا عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے اور کوئی شخص اہلِ جنت کا سا عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ اہلِ نار میں سے ہے: « وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ »[اعمال کا دارومدار خاتمہ والے اعمال پر ہے۔][2] (متفق علیه)

یعنی اعمال کا دارومدار انجام پر ہے، اگرچہ یہ انجام آغاز ہی میں لکھ دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں خوف اور امید دونوں کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں بھی مذکورہ احادیث کی طرح تقدیر کا ثبوت ہے۔

⑥ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے لوگ بنائے ہیں جب کہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے اور دوزخ کے لیے لوگ بنائے ہیں جبکہ وہ بھی اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔“[3] (رواه مسلم)

یعنی ہر کسی کی تقدیر اس کے پیدا ہونے سے پہلے مقرر ہو چکی ہے اور تقدیر کے مطابق ہر شخص کا دنیا کی زندگی میں خاتمہ ہوتا ہے۔

⑦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٣٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٤٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٣٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٢/١٧٩)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٦٢)

«اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ»[1] (متفق عليه)

[عمل کرو ہر شخص کو وہ اعمال میسر آ جاتے ہیں جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے]

جو اہلِ سعادت سے ہے، اس پر نیک بختی کا کام آسان ہو جاتا ہے اور جو بد بخت ہے اس کو بدبختی کا کام سہل اور آسان پڑتا ہے۔

دنیا میں جنتی اور دوزخی ہونے کی یہ ایک عمدہ علامت ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۞ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾ [الشمس: ٧۔ ٨]

[اور نفس کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ٹھیک بنایا! پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی]

بد اعمالیوں کے لیے تقدیر کو بہانہ نہ بنایا جائے:

زنا، چوری، شراب خوری اور تمام گناہ اور نافرمانیاں سب کچھ اللہ ہی کے ارادے اور تقدیر سے ہوتا ہے، مگر بندہ ایسے مقام میں تقدیر کو بہ طور حجت اور دلیل نہ پکڑے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ گناہ کی نسبت اپنی ہی طرف کرے، کیوں کہ اگرچہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، مگر ان کا سبب بندہ خود بنتا ہے، اس لیے گناہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرنی چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ایک دعا میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

«وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ»[2] [اور شر تیری طرف نہیں ہے]

تقدیر کا منکر کافر ہے:

جو شخص تقدیر کا انکار کرتا ہے، وہ کافر ہو جاتا ہے۔

1. سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"میری امت کے دو گروہوں کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ ایک مرجیہ اور دوسرا قدریہ"[3] (رواه الترمذي)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٦١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٤٧)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٧١)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٤٩) اس کی سند میں "نزار" راوی مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

۲ نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں سے تقدیر کے منکرین میں خسف اور مسخ ہوگا۔''

اس کو ابو داود اور ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1]

۳ دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''قدریہ فرقے کے لوگ اس امت کے مجوسی ہیں، وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور مر جائیں تو جنازے میں شرکت نہ کرو۔''[2] (رواه أحمد و أبو داوٗد)

۴ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی شخص اس وقت تک ایمان نہیں لاتا جب تک وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ ایک یہ کہ وہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے مجھے سچ مچ مبعوث کیا ہے، وہ موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لائے، نیز وہ تقدیر پر ایمان لائے۔''[3] (رواه الترمذي و ابن ماجه)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ [البقرة: ٢٨٥]

[رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی جانب سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور سب مومن بھی، ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔]

اس آیت اور اس سے پہلے ذکر کردہ حدیث کا سارا مضمون آیت: ﴿ اٰمنت باللّٰه... الخ﴾ سے لیا گیا ہے۔ جو شخص مذکورہ صفات سے متصف ہوگا، وہ مومن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٦١٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٥٣)

[2] مسند أحمد (٥/٤٠٦) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٦٩١)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٤٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٨١)

﴿وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۲]

[اور تم ہرگز نہ مرو، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو]

رب أنت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلماً وألحقني بالصالحين فقط.

مدتِ تالیف:

آج جمادی الآخرۃ کی نو تاریخ ۱۳۰۵ھ بروز بدھ دو دن میں یہ رسالہ ختم ہوا۔

والحمد لله أولا و آخراً و ظاهراً و باطناً.

اللواء المعقود
لتوحيد الرب المعبود

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان حسینی بھوپالی رحمہ اللہ
(۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ)

بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

الحمد لله الرب المعبود، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد الحامد المحمود، وعلىٰ آله وصحبه و كل موحد متبع مسعود. أما بعد:

توحید سعادت اور شرک شقاوت کی بنیاد ہے:

ابو البشر آدم علیہ السلام سے لے کر سید ولدِ آدم محمد علیہ الصلاۃ والسلام تک جتنے بھی انبیا، رسل، حواری، صلحاے ملت اور دین کے حنفا گزرے ہیں، سب کا اس بات پر اتفاق و اجماع رہا ہے کہ ہر سعادت اور اچھے انجام کی اصل توحید ہے اور ہر شقاوت اور برے خاتمے کی بنیاد شرک ہے۔ قرآن مجید کے، جو آخری آسمانی کتاب ہے، سارے معانی و مبانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان توحیدِ رحمان اختیار کرے اور شرک اور شیطان کے قدموں کی پیروی سے دور رہے۔

ہر شخص اپنا بھلا چاہتا ہے، چنانچہ اس کا بھلا صرف توحید کو اختیار کرنے اور شرک کو ترک کرنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں شرک کو ہرگز نہیں بخشوں گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا، وہ کسی دن دوزخ سے ضرور نجات پا جائے گا۔“[1]

توحید وہ فضل اور شرف ہے کہ کوئی فضل و شرف اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ توحید ہی کا نتیجہ ہے کہ سراپا گناہ ہونے اور جہنم میں جانے کے باوجود اس سے رہائی کی امید ہے، حالانکہ توحید ذرہ برابر یا رائی کے دانے کے برابر ہوگی، ولله الحمد، اس حالت میں بھی اگر کوئی شخص اس نعمتِ عظمیٰ یعنی توحید باری تعالیٰ کی قدر و قیمت نہ سمجھے تو جان لو کہ وہ بڑا بدنصیب اور ازلی بد بخت ہے۔ اللهم احفظنا.

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٠٧٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٣)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک ایسے شخص سے، جو تمام جہنمیوں سے عذاب میں ہلکا ہو گا، فرمائے گا:

«لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي؟»

[اگر تمھیں روئے زمین کی ہر چیز مل جائے تو کیا تو (اس عذاب سے بچنے کے لیے) وہ سب کچھ فدیے میں دے دے گا؟]

وہ کہے گا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

«أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا، وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ، أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي» [1]

[میں نے تجھ سے اس سے بھی آسان تر بات چاہی تھی، جبکہ تو ابھی پشتِ آدم میں تھا، وہ بات یہ تھی کہ تو کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا، لیکن تو نے یہ بات نہ مانی اور میرے ساتھ شرک کیا]

معلوم ہوا کہ اخروی نجات کا دارومدار توحید پر ہے اور آخرت کی ہلاکت کا دارومدار شرک پر ہے۔

شرک کا بیان میرے رسالے ''الانفكاك عن مراسم الإشراك'' میں ہو چکا ہے۔ اس رسالے میں اختصار کے ساتھ توحید کے مراتب کا بیان کرنا مقصود ہے۔ جو شخص توحید کے ان مراتب کو معلوم کر لے گا اور دل سے ان کی تصدیق کرے گا، وہ اسفل سافلین سے نکل کر اعلیٰ علیین میں پہنچ جائے گا۔ إن شاء اللّٰه تعالیٰ.

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٨٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٠٥)

توحید کے مراتب و درجات

رب حمید و مجید کی توحید کے کئی درجات ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں بیان کی جائے گی۔

توحید کا پہلا درجہ:

توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ رسولوں کی بعثت و دعوت کا اصل مقصود توحیدِ الوہیت ہے۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور کسی کو اس عبادت میں شریک نہ ٹھہرانا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرمایا ہے:

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [المدثر: ٥] [اور پلیدگی کو پس چھوڑ دے]

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اوثان کو پوجنا چھوڑ دے۔ آیت میں مذکور لفظ ''رجز'' کا معنی وثن ہے۔ انسان اللہ کے سوا جس چیز کو پوجتا ہے، وہ چیز ''وثن'' کہلاتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری عمر میں دعا کرتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ»[1]

[اے اللہ! میری قبر کو ایسا بت نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ [النحل: ٣٦]

[اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر

---

[1] موطأ الإمام مالك (١/ ١٧٢) نیز دیکھیں: الثمر المستطاب للألباني (٣٦١)

گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا]

ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پوجا کی جائے، اسے طاغوت کہتے ہیں۔ ہر قوم کا طاغوت اللہ کے سوا معبود یا اللہ کے سوا متبوع ہوتا ہے جس کی وہ لوگ بصیرت کے بغیر اطاعت کیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الأنبياء: ٢٥]

[اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو]

اس آیت میں ہر نبی اور رسول کی دعوت کا اجمالی بیان ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

تمام رسولوں کی دعوت... توحید فی العبادۃ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں اور انھیں کہہ دیں:

﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ [نوح: ٣]

[کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو]

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو جو اپنی قوم کو ڈرانے کا حکم دیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اے نوح! تو ان کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دے۔ وہ عبادت یہی توحید، تقویٰ اور اطاعت ہے۔

دنیا میں شرک کی ابتدا:

نوح علیہ السلام کی اس دعوت کے جواب میں قوم نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: اے لوگو! تم اپنے خداؤں کو مت چھوڑو اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑو۔ ود اور سواع وغیرہ قومِ نوح کے کچھ نیک بخت لوگوں کے نام ہیں، جو سب کے سب فوت ہو چکے تھے۔ قوم نے ان کے مرنے پر گہرے دکھ کا اظہار کیا، ان کی تصویریں بنائیں، پھر ایک مدت کے بعد ان مورتیوں کو پوجنا شروع کر دیا اور ان کی مورتیوں پر مجاور بن کر بیٹھ گئے[1] اولادِ آدم میں شرک کی ابتدا یہیں سے ہوئی، چنانچہ یہ

[1] تفسیر ابن جریر (١٢/٢٥٣)

وہ پہلا شرک تھا جو اولادِ آدم میں شروع ہوا، جس کا سبب صالحین کے حق میں غلو اور مبالغہ تھا۔ قریش کے بتوں کی بنیاد بھی انہی مورتیوں پر تھی۔

ابراہیم علیہ السلام... اثباتِ توحید اور ردِ شرک کے داعی:

① اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [العنكبوت: ١٦]

[اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو]

② دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ﴾

[الشعرآء: ٧٢۔٧٣]

[کہا کیا وہ تمھیں سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو؟ یا تمھیں فائدہ دیتے یا نقصان پہنچاتے ہیں؟]

قوم نے جواب دیا:

﴿ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ [الشعرآء: ٧٤]

[انھوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کہ وہ ایسے ہی کرتے تھے]

مطلب یہ ہے کہ انھوں نے تقلید کو حجت ٹھہرایا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعرآء: ٧٧]

[سو بلاشبہ وہ میرے دشمن ہیں، سوائے رب العالمین کے]

ابراہیم علیہ السلام نے اس میں آبا واجداد کی تقلید کرنے والوں کے ساتھ اپنی دشمنی ظاہر فرمائی ہے اور یہی حکم ائمہ، مشائخ اور اہلِ رائے کی تقلید کرنے والوں کا ہے، کیونکہ یہ سب بھی اہلِ توحید اور متبعینِ سنت کے دشمن ہیں۔

③ تیسری آیت میں فرمایا کہ اے آخری امت کے لوگو! تمھیں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنی چاہیے اور تمھارے لیے ان کی یہ بات ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ [الممتحنة: ٤]

[یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں، جو اس کے ساتھ تھے، ایک نمونہ تھا، جب

انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہلِ شرک سے براءت کا اظہار کرنا اور عملاً ان سے بری ہونا واجب ہے۔ اس کا مقصد یہی عبادات میں اخلاص پیدا کرنا، توحید کی تصدیق کرنا اور اسے قبول کر لینا ہے۔

④ چوتھی آیت میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہہ دیا تھا:

﴿ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ﴾ [الزخرف: ۲۶۔ ۲۷]

[بے شک میں ان چیزوں سے بالکل بری ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا، پس بے شک وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا]

چنانچہ یہی کلمہ اور یہی دعوت ابراہیم علیہ السلام کے بعد باقی رہی۔ کلمہ "لا إله إلا الله" کے بھی یہی معنی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام سید الموحدین تھے اور قرآن مجید میں جابجا ان کی طرف سے اثباتِ توحید اور نفیِ شرک کو بیان کیا گیا ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حکم دیا ہے:

﴿ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ [النحل: ۱۲۳]

[کہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کر، جو ایک اللہ کی طرف ہو جانے والا تھا اور مشرکوں سے نہ تھا]

یہ خطاب اگرچہ خاص ہے مگر اس کے معنی عام ہیں۔ ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو ان الفاظ کے ساتھ وصیت کی تھی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۱۳۲]

[بے شک اللہ نے تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، تو تم ہرگز فوت نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو]

اس آیت میں مسلمان ہو کر مرنے کا مطلب یہ ہے کہ توحید پر مرو۔

شرک کی معافی نہیں ہے، خواہ اس کے مرتکب پیغمبر ہوں:

سورت انعام میں اٹھارہ پیغمبروں کے نام لے کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٨]

[اور اگر یہ لوگ شریک بناتے تو یقیناً ان سے ضائع ہو جاتا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے]

اگر انسان میں سمجھ کی کوئی رتی باقی ہو تو یہ رونے کا مقام ہے، اس لیے کہ اللہ کے رسول اور نبی اولادِ آدم میں سے اشرف اور اکرم ہیں، جب شرک میں ان کی رعایت نہ رکھی گئی تو اب کسی دوسرے شخص کی کیا ہستی ہے کہ اس سے شرک کے معاملے میں درگزر کی جائے؟!

امام مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے خلاف جو حجت عطا کی تھی، وہ یہ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٢]

[وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں]

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔[1] جس سے ثابت ہوا کہ مشرک کو امن حاصل نہیں ہوگا۔ یہ امن تو صرف موحد کے لیے ہے، ولله الحمد.

اللہ تعالیٰ نے شرک کی عدمِ رعایت سے متعلق مزید فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾

[الزمر: ٦٥-٦٦]

[اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔ بلکہ اللہ ہی کی پھر عبادت کر اور شکر کرنے والوں سے ہو جا]

اس آیت میں فرضِ محال کے طریقے سے امت کی راہنمائی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد سے، صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود سے، شعیب علیہ السلام نے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٤٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٣٢)

اہلِ مدین سے، لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آلِ فرعون سے کہا تھا کہ تم صرف اکیلے اللہ کی پرستش کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ غرض کہ جو رسول بھی آیا، وہ توحید ہی کا داعی بن کر آیا اور یہ مسئلہ توحید انبیا و رسل کا اجماعی مسئلہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے توحید کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ ہمارے رسول ﷺ پر ختم کر دیا اور فرمایا:

﴿ قُلْ يَآ يُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

[الأعراف: ۱۵۸]

[کہہ دے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ (اللہ) کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس تم اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ، جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ]

توحید سارے انبیا و رسل کی دعوت کی بنیاد ہے:

اب ہمیں انبیا و رسل کی اس دعوت پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ یہ دعوت کس چیز کی طرف تھی؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پہلے نبی و رسول سے لے کر آخری نبی و رسول تک اس دعوت کو ہمارے سامنے بیان کیا ہے، گویا اس دعوتِ توحید پر اولین و آخرین تمام انبیا و رسل کا اجماع ہو چکا ہے، لہٰذا ثبوتِ توحید پر اس سے بڑھ کر کون سی قوی حجت و دلیل درکار ہے؟

عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا تھا: "مَا أَرْسَلَكَ اللّٰهُ بِهِ؟" [اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو کس چیز کے ساتھ مبعوث کیا ہے؟] تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَرْسَلَنِي بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ وَكَسْرِ الْأَوْثَانِ وَأَنْ يُوَحَّدُوا اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا » (رواہ مسلم)[1]

[اللہ تعالیٰ نے مجھے صلہ رحمی کرنے، بتوں کو پاش پاش کرنے اور لوگوں کو یہ دعوت دینے

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۳۲)

کے لیے مبعوث کیا ہے کہ وہ اللہ کی توحید کے قائل ہو جائیں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں]

توحیدِ الوہیت اصل الاصول ہے:

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت و رسالت کے معنی توحیدِ الوہیت ہیں۔ یعنی ہر شخص اکیلے اللہ کی پرستش کرے، شرک کو چھوڑ دے اور مشرکین کے آبا واجداد جس طریقۂ شرک پر گامزن تھے، اس کو ترک کر دے۔ پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال پر غور کرنا چاہیے کہ نبوت کے بعد اور ہجرت سے قبل کس قسم کے حالات تھے۔ چنانچہ اس عرصے میں قرآن مجید اترتا رہا، اس کی وجہ سے باہم دوستی اور دشمنی قائم ہوتی رہی اور رسول اللہ ﷺ دس سال تک اس حالت پر قائم رہے۔ آپ ﷺ کا اتباع اور اطاعت قبول کرنے والا موحد اور نجات پانے والا ٹھہرا اور جس نے آپ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کی، وہ مشرک اور ہلاک ہونے والا ہو گیا۔ تب نماز تھی نہ روزہ، پھر دوسرے شرائعِ اسلام کا تو ذکر ہی کیا، جیسے کبائر سے منع یا احکام و حدود کو قائم کرنا، چنانچہ اسی حالت پر دونوں فریقوں کے بہت سے لوگ دنیا سے کوچ کر گئے اور ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ [الشوریٰ: ۷] [ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ بھڑکتی آگ میں] کا مصداق بن گئے۔

اس امر میں غور وفکر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بات جو ان سے طلب کی گئی تھی، وہ یہی توحیدِ الوہیت تھی کہ وہ صرف اکیلے اللہ کی عبادت کریں، اور ذبح، عکوف اور اعتقادِ معبودیت وغیرہ میں اکیلے اللہ کو خاص کریں۔ وہ لوگ چونکہ مشرک تھے، اس لیے ان کے ساتھ عداوت اور لڑائی اسی توحید پر ہوئی تھی، دیگر کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو نہیں دیکھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی موحد اور تارکِ شرک تھے، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ان سے انس ومحبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ ان کو توحید ہی کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اس وقت طاعات، واجبات اور مندوبات پر کچھ نظر نہ تھی۔ اس تقریر سے روشنی حاصل ہوتی ہے اور جہالت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ [یونس: ۵۷۔۵۸]

[اے لوگو! بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے عظیم نصیحت اور اس کے لیے سراسر شفا جو سینوں میں ہے اور ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت آئی ہے۔ کہہ دے (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی سے ہے، سو اسی کے ساتھ پھر لازم ہے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں]

توحید کا دوسرا درجہ

توحیدِ ربوبیت:

توحید کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگرچہ مشرکین توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے، یعنی اللہ کے افعال، اس کی صفات اور اس کے ان صفات سے متصف ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ اس کی خالقیت، رازقیت اور مالکیت وغیرہ صفاتِ ربوبیت کو مانتے تھے اور غیر رب کو مربوب، مخلوق اور مرزوق جانتے تھے اور کہتے تھے کہ جب غیر اللہ کو اپنی جان کے نفع ونقصان، موت و حیات اور دوبارہ زندہ ہونے کا اختیار نہیں ہے تو کسی دوسرے کے لیے ان کو یہ اختیار کیسے ہوسکتا ہے؟ لیکن ان کے اس اقرار کے باوجود وہ اسلام میں داخل سمجھے گئے نہ ان کا خون و مال محفوظ ٹھہرا، اس لیے کہ ان میں شرطِ اسلام توحیدِ الوہیت نہیں پائی جاتی تھی۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ [یونس: ۳۱۔۳۲]

[کہہ دے کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندے کو مردے سے نکالتا اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو ضرور کہیں گے: ''اللہ'' تو کہہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ سو وہ اللہ ہی تمھارا سچا رب ہے، پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھیرے جاتے ہو؟]

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ الوہیت اور ربوبیت میں فرق کرتے تھے۔ ان دونوں قسم کی توحید میں اجتماع کے وقت افتراق اور افتراق کے وقت اجتماع ہوتا ہے۔ لہٰذا قبر میں یہ سوال ہو

گا:﴿ مَنْ رَّبُّكَ ﴾[1] [تیرا رب کون ہے؟] مطلب یہ ہے کہ تیرا معبود کون ہے؟ کیونکہ توحیدِ ربوبیت کے ساتھ امتحان نہیں لیا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ آیت ہے: ﴿ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا ﴾ [الأنعام: ١٦٤] [کیا میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش کروں؟] اس میں بھی "ربا" سے "إلٰها" مراد ہے۔ یہ صورت اجتماع کی ہے، رہا افتراق تو فرمایا:

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ﴾ [الناس: ١-٣]

[تو کہہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی]

مشرکین توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے۔ اس پر دلائل دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مزید ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ [المؤمنون: ٨٤-٩١]

[کہہ یہ زمین اور اس میں جو کوئی بھی ہے، کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے: اللہ کا ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کہہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ضرور کہیں گے: اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ کہہ کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے: اللہ کے لیے ہے۔ کہہ پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اللہ نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ کبھی اس

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٧٥٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٢٠)

کے ساتھ کوئی معبود تھا، اس وقت ضرور ہر معبود، جو کچھ اس نے پیدا کیا تھا، اسے لے کر چل دیتا اور یقیناً ان میں سے بعض بعض پر چڑھائی کر دیتا۔ پاک ہے اللہ اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں]

ان آیات میں استفہام تقریری ہے۔ مزید فرمایا:

﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ [العنکبوت: ٦١۔٦٣]

[اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو مسخر کیا تو ضرور ہی کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں بہکائے جا رہے ہیں؟ اللہ رزق فراخ کر دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے اور اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا؟ تو ضرور ہی کہیں گے کہ اللہ نے، کہہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے، بلکہ ان کے اکثر نہیں سمجھتے]

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ [یوسف: ١٠٦]

[اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہیں]

اس آیت میں شرک اور ایمان لغوی جمع ہو گیا ہے۔ مذکورہ موضوع پر مزید دلائل دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [الزخرف:٨٧]

[اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ انھیں کس نے پیدا کیا تو بلاشبہ ضرور کہیں گے کہ اللہ

نے، پھر کہاں بہکائے جاتے ہیں؟]

نیز فرمایا:

﴿ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ﴾ [الزخرف:۹]

[اور بلاشبہ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہیں گے کہ انھیں سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے نے پیدا کیا ہے]

یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا اقرار تھا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون سے متعلق اس کے قبیح دعوے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ بیان کیا ہے:

﴿ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ﴾ [بني إسرائيل: ۱۰۲]

[اس نے کہا بلاشبہ یقیناً تو جان چکا ہے کہ انھیں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نہیں اتارا، اس حال میں کہ واضح دلائل ہیں]

نیز ابلیس لعین نے کہا تھا:

﴿ اِنِّيۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴾ [الحشر: ۱۶]

[بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا رب ہے]

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی کہ جس طرح تم توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے ہو، اسی طرح کلمہ "لا إله إلا الله" [اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں] کے معتقد بن جاؤ، اس کلمے کے معنی و مقتضا پر عمل کرو اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ چنانچہ مشرکین نے آپ ﷺ کی ساری باتوں میں سے صرف اکیلے اللہ کی عبادت کرنے والی بات سے انکار کیا، انھوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور نہ اس کی عبادت ہی کا بلکہ انھوں نے اکیلے اللہ کی عبادت سے انکار کیا اور کہا:

﴿ اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ [الأعراف: ۷۰]

[کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اس اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟]

مشرکوں کی عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ بت خانوں اور پرستش گاہوں میں عبادت کی نیت سے قیام و اعتکاف کرتے، سختیوں کے وقت ان بتوں کو پکارتے، ان کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کے نام کی قسم کھاتے، حالانکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ صفاتِ ربوبیت صرف اللہ کے لیے خاص ہیں، ان کے شرکا کا ان صفات میں کچھ حصہ نہیں ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت سے ان کی غرض یہ تھی کہ اس ذریعے سے انھیں اللہ کا تقرب حاصل ہو اور وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں۔

اس بنیاد پر دورِ حاضر کے شرک اور پہلے دور کے مشرکوں کے شرک میں چار طرح کا فرق ہے:

1. پہلے مشرک توحیدِ ربوبیت میں شرک نہیں کرتے تھے۔
2. سختی کے وقت بھی وہ شرک نہیں کرتے تھے۔
3. ان کے شرک کا مقصد معبودانِ باطلہ کے واسطے سے حاجات طلب کرنا تھا۔
4. ان کے شرک کا مقصود باطل معبودوں کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنا تھا۔

جبکہ آج کے مشرک ان چاروں چیزوں میں ان سے الگ ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آج کل کے مشرک قبر کی زیارت کے وقت یوں کہتے ہیں: اے فلاں شیخ! تم ہمیں یہ دو اور وہ دو۔ وہ ان کی نذر مانتے ہیں اور سختی کے وقت اس صاحبِ قبر کو پکارتے ہیں، مثلاً جب دریا میں جوش آتا ہے تو کہتے ہیں: اے فلاں شیخ! ہمیں ڈوبنے سے بچاؤ، اس کے بدلے میں تمھیں ہم نذر میں یہ دیں گے اور وہ دیں گے۔ میں نے جس بحری جہاز میں سفرِ حج کیا تھا، خود اپنے کانوں سے سنا تھا کہ جب شدید قسم کی موجیں اور لہریں اٹھتی تھیں تو اہلِ جہاز کہتے: یا شیخ عیدروس محی النفوس! ہم کو غرق ہونے سے بچاؤ! نعوذ باللہ من ذلك. غرض کہ یہ لوگ بلا واسطہ مخلوق سے نجات اور بچاؤ طلب کرتے ہیں۔

پہلے دور کے مشرک سختی کے وقت شرک نہیں کرتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [النحل: ۵۳۔۵۵]

[اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی

ہے تو اسی کی طرف تم گڑگڑاتے ہو۔ پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو اچانک تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک بنانے لگتے ہیں۔ تا کہ وہ اس کی ناشکری کریں، جو ہم نے انھیں دیا ہے۔ سوتم فائدہ اٹھالو، پس عنقریب تم جان لو گے]

علمائے نحو کے نزدیک ﴿لیکفروا﴾ کے شروع کا لام، لامِ عاقبت کہلاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے شرک کا انجام یہی کفر اور صرف حیاتِ دنیا کا فائدہ اور ساز وسامان ہے۔ مزید فرمایا:

﴿ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ [الإسراء: ٦٧]

[اور جب تمھیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے سوا تم جنھیں پکارتے ہو، گم ہو جاتے ہیں، جب وہ تمھیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ہمیشہ سے بہت ناشکرا ہے]

نیز فرمایا:

﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٦٥]

[پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہوتے ہیں، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ شریک بنا رہے ہوتے ہیں]

اس بات کی دلیل کہ ان کی اس شرک سے مراد صرف شفاعت اور قربتِ الٰہی تھی، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے متعلق فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ٣]

[اور وہ لوگ جنھوں نے اس کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا]

نیز فرمایا:

﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [يونس: ۱۸]

[اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ انھیں نفع دیتی ہیں اور کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دے کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں]

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عبادت میں واسطے مقرر کرنا شرک ہے۔ دورِ حاضر کے مشرک صفاتِ ربوبیت میں بھی شرک کرتے ہیں اور سختیوں میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ پیروں اور شہیدوں سے مرادیں مانگتے ہیں، گویا ان کا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان سے دور ہے اور یہ مخلوق، جیسے نبی اور ولی، قریب ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع کی دلیل سے یہ عین شرک اکبر ہے۔ لیکن شیطانوں نے مشرکین کے دلوں میں جا کر ان کی فطرت ہی کو بدل ڈالا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ مشرک و موحد برابر نہیں ہوتا ہے۔ کہاں وہ آدمی جو ایک ہی شخص کا غلام ہو اور کہاں وہ جس میں کئی اشخاص کا حصہ ہو؟

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر: ۲۹]

[اللہ نے ایک آدمی کی مثال بیان کی جس میں ایک دوسرے سے جھگڑنے والے کئی شریک ہیں اور ایک اور آدمی کی جو سالم ایک ہی آدمی کا ہے، کیا دونوں مثال میں برابر ہیں؟ سب تعریف اللہ کے لیے ہے، بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے]

توحید کا تیسرا درجہ

توحیدِ الوہیت:

توحید کا تیسرا درجہ الوہیت ہے۔ الوہیت عبادت سے عبارت ہے اور عبادت کا معنی ہے توحید۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی عبادت کا ذکر ہوا ہے، اس جگہ عبادت سے مراد توحید ہے۔ جیسے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاريات: ٥٦]

[اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں]

وہ اس آیت کے لفظ ﴿لِيَعْبُدُوْنِ﴾ کی تفسیر یوں کرتے ہیں: "أي ليوحدون" [تاکہ وہ میری توحید کے پرستار بن جائیں] نیز سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں انھوں نے فرمایا ہے:

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحة: ٥]

[ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں]

اس کا مطلب ہے: "أي نوحدك و نطيعك"[1] یعنی ہم تیری وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور تیری اطاعت کرتے ہیں۔ اس آیت میں ﴿اِيَّاكَ﴾ معمول کے مقدم ہونے کی وجہ سے حصر واختصاص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ علماے معانی و بیان اسی کے قائل ہیں۔

قرآن مجید میں عبادت کا مفہوم توحید ہے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے:

﴿فَاِيَّایَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ [العنكبوت: ٥٦] [سو تم میری ہی عبادت کرو]

یعنی خاص میری وحدانیت کا عقیدہ اختیار کرو۔

توحید کو عبادت کے لفظ سے تعبیر کرنے میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کی عبادت کرنے

[1] تفسير ابن جرير (١/ ٩٨)

کے حکم کو بھی متضمن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کی پوجا کرو۔ کسی اور کی پرستش نہ کرو، اس میں شرک سے ممانعت ہے۔ ﴿اِیَّایَ﴾ ضمیر ظاہر متقدم نے شرک سے نہی کا فائدہ دیا اور ﴿فَاعْبُدُوْنِ﴾ صیغۂ امر نے وجوبِ عبادت کا فائدہ دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ [النساء: ٣٦]

[اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ]

اس آیت میں لفظ ﴿شَيْئًا﴾ اللہ کے سوا تمام چیزوں کو شامل ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ کے سوا ہے، وہ کوئی چیز ہو، کچھ بھی ہو، اس کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ کرے، ورنہ مشرک ہو جائے گا۔ اس لفظ ﴿شَيْئًا﴾ کے عموم میں انبیا، اولیا، پیر، شہید، امام، بھوت، پری، شیطان، صنم؛ یعنی ہر قسم کی مورت اور وثن یعنی ہر قسم کا بت داخل ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾

[البقرة: ٢٠]

[اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ]

اس آیت سے متعلق مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! اللہ کی توحید کا اقرار کرو، اسے اکیلا جانو، اسی کی پرستش کرو اور اسے اپنا اور پہلے لوگوں کا خالق سمجھو۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ [الکافرون: ٢]

[میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو]

یہ سورت کافرون کی ایک آیت ہے۔ اس سورت کو سورت اخلاص اور توحید عملی بھی کہتے ہیں۔

اس آیت میں بھی عبادت سے مراد توحید ہے اور یہی توحید اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ سورت کافرون میں جو تکرار ہے، اس کی وجہ ماضی و مستقبل کو شامل کرنا ہے، نیز تکرار بالخصوص تاثیر کا موجب ہوتا ہے۔ شرک عملی کی نفی کے لیے اس تکرار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سورت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت

اللہ کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے سوا کسی کو کسی بھی لحاظ سے عبادت کا استحقاق نہیں ہے۔

عبادت کا لغوی اور شرعی مفہوم:

لغت میں عبادت انتہائی درجے کی نیاز مندی اور خاکساری کرنے کا نام ہے اور شرع میں عبادت بندوں کے ان افعال، اقوال اور احوال سے عبارت ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت کے ساتھ مختص ہیں۔ یہ اسم جنس بہت سی انواع پر مشتمل ہے۔ عبودیت کی اصل خضوع، تذلل اور تعبد ہے۔

معلوم ہوا کہ عبادت سے مراد اطاعت ہے اور من جملہ اطاعت کے ایک استعانت، استغاثہ، ذبح، نذر اور حلف وغیرہ ہے، پھر کبھی یہ اطاعت اور عبادت جمع ہو جاتی ہے اور کبھی جدا ہوتی ہے۔

نئے اور پرانے مشرکین میں مشابہت:

یہ غلط فہمی نہ رہے کہ قرآن میں تو ان لوگوں کو کافر قرار دے کر ان کی مذمت کی گئی ہے جو بتوں، پتھروں، درختوں، کاہنوں اور شیطانوں کے عبادت گزار تھے، لہٰذا یہ آیات ملائکہ، انبیا، اولیا اور صلحا کی عبادت کرنے والوں پر کس طرح صادق آ سکتی ہیں؟ یہ سوچ غلط ہے، کیونکہ عبادت کا جو کام اہلِ شرک بتوں کے ساتھ کرتے تھے، جیسے ان سے دعا کرنا، ان کے لیے ذبح کرنا اور ان سے نفع و ضرر کا اعتقاد رکھنا، وہی کام یہ لوگ اولیا وغیرہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ کوئی اولیا کے نام کا شجرہ پڑھتا ہے، کوئی انھیں اللہ کے سامنے سفارشی بنا کر لاتا ہے اور کہتا ہے: یا الٰہی! بہ حرمت فلاں فلاں ایسا کر اور کوئی ان کے نام کا جانور ذبح کرتا ہے، جیسے سید احمد کبیر کے نام کی گائے، شیخ سدو کے نام کا بکرا اور زین خان کے نام کا مرغا۔

اسی طرح اہلِ شرک اپنے باطل معبودوں سے جو مرادیں طلب کرتے تھے، وہی مرادیں آج کے لوگ قبور، اموات، پیر، شہید اور بھوت پری سے مانگتے ہیں۔ اب ترازو کے دو پلڑوں کی طرح یہ دونوں جماعتیں برابر اور ایک دوسرے کے مکمل مشابہ ہیں۔ لہٰذا جب اصل اور فرع کی علت ایک ہے تو اب حکم میں بھی یہ دونوں برابر ٹھہریں گی۔ خاص طور پر جب قیاس کی مذکورہ نص بھی موجود ہے تو اب کوئی اشکال اور التباس باقی نہ رہا اور کسی تفاوت و فرق کے بغیر صالح اور بدکار آدمی کی عبادت کا حکم ایک ہوا۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا﴾ [بني إسرائيل: ٥٦]

[کہہ پکارو ان کو جنھیں تم نے اس کے سوا گمان کر رکھا ہے، پس وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ بدلنے کے]

نیز فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾

[سبأ: ٢٢۔٢٣]

[کہہ دے پکارو ان کو جنھیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اور نہ سفارش اس کے ہاں نفع دیتی ہے مگر جس کے لیے وہ اجازت دے، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہتے ہیں حق (فرمایا) اور وہی سب سے بلند، بڑا ہے]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملک، تصرف، شریک، ظہیر اور بغیر اذن و اجازت کے شفاعت کی بابت مشرکین کے عقیدے کی نفی کی ہے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ ساری دنیا میں اللہ کے سوا کسی کو ذرہ برابر بھی تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ نہ ازخود اور نہ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے۔ چنانچہ مذکورہ آیت شرک فی التصرف کی جڑ کاٹنے والی ہے، وہ شرک جس میں پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا ایک جہان گرفتار ہے۔ رہے اس کے خاص دلائل تو وہ یہ ہیں۔

1 فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾
[سبأ: ٤٠، ٤١]

[پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمھاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے، تو ہمارا دوست ہے نہ کہ وہ، بلکہ وہ جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ان کے اکثر انھی پر ایمان رکھنے والے تھے]

اس آیت میں عبادت سے مراد اطاعت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جن شیاطین کی اطاعت کرتے ہوئے فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔

۲ اللہ رب العزت نے مزید فرمایا:

﴿وَ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ أُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ﴾
[المائدة: ١١٦]

[اور جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ وہ کہے گا تو پاک ہے، میرے لیے بنتا ہی نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں]

۳ ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [المائدة: ١٧]

[بلا شبہ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح ہی تو ہے، جو مریم کا بیٹا ہے]

۴ مزید فرمایا:

﴿وَ لَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ٨٠]

[اور نہ یہ (حق ہے) کہ تمھیں حکم دے کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمھیں کفر کا

حکم دے گا، اس کے بعد کہ تم مسلم ہو؟]

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح پہلی آیتوں میں اصنام و طاغوت، شجر اور حجر و مدر وغیرہ کی عبادت سے منع فرمایا تھا اور اس عبادت کو شرک قرار دیا تھا، اسی طرح اس جگہ ملائکہ اور انبیا وغیرہ کی عبادت سے منع فرمایا ہے۔ اب ثابت ہوا کہ غیر اللہ کی عبادت کا حکم، وہ غیر اللہ نیک ہو یا بد، بلا تفاوت وتفرقہ یکساں ہے، وللہ الحمد.

توحید کا چوتھا درجہ

الٰہ کا معنی:

اہلِ علم کے اجماع کے ساتھ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ لفظ الٰہ کے معنی معبود کے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ [الزخرف: ٨٤]

[اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہی کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ﴾ [الفرقان: ٤٣]

[کیا تو نے وہ شخص دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا؟]

الٰہ بمعنی معبود ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے کہا تھا: تم میرے سامنے ایک کلمے کا اقرار کرو جس سے تم عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔ ابوجہل نے بڑھ کر کہا: ایک کلمہ کیا ہم دس گنا کلمات کا اقرار کرنے کو تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا إله إلا الله" کہو۔ یہ سن کر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور منتشر ہو گئے اور کہنے لگے:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [صٓ: ٥]

[کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا ڈالا؟ بلاشبہہ یہ یقیناً بہت عجیب بات ہے][1]

ان کی طرف سے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿ءَ اٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ﴾ [الزخرف: ٥٨] [کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟]

نیز فرمایا:

---

[1] تفسير البغوي (٧/٧١)

﴿ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [الطور: ٤٣]

[یا ان کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں]

مزید فرمایا:

﴿ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا﴾ [الأعراف: ١٣٨۔ ١٤٠]

[اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں پر آئے جو اپنے کچھ بتوں پر جمے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لیے کوئی معبود بنا دے، جیسے ان کے کچھ معبود ہیں؟ اس نے کہا بے شک تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کرتے ہو۔ بے شک یہ لوگ، تباہ کیا جانے والا ہے وہ کام جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کہا کیا میں اللہ کے سوا تمھارے کوئی معبود تلاش کروں؟]

ابراہیم علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٧٤]

[اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ بے شک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں]

موسیٰ علیہ السلام سے نقل کیا کہ انھوں نے سامری سے کہا تھا:

﴿ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

[طٰہٰ: ٩٧۔٩٨]

[اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو مجاور بنا رہا، یقیناً ہم اسے ضرور اچھی طرح جلائیں گے، پھر

یقیناً اسے ضرور سمندر میں اڑا دیں گے، اڑانا اچھی طرح۔ تمھارا معبود تو اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے]

سامری نے جب اپنے بنائے ہوئے بچھڑے پر اعتکاف کیا تو وہ اس کے گمان کے مطابق اس کا معبود ٹھہرا، کیونکہ اعتکاف عبادت ہے۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ معبودِ باطل احترام کے لائق نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو ختم کیے جانے اور جلائے جانے کے لائق ہوتا ہے۔ اس میں اس کی کوئی بے ادبی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٢]

[پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو]

اس آیت میں ''انداد'' سے مراد شرکا ہیں۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے ہے کہ ''انداد'' سے مراد وہ ''اکفاے رجال'' ہیں جن کی وہ اللہ کی معصیت میں اطاعت کرتے تھے۔[1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرة: ١٦٥]

[اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں]

امام مجاہد رحمہ اللہ نے آیت کریمہ ﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا﴾ [النور: ٥٥] [وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے] کی تفسیر میں کہا ہے:

"يعني لا يحبون غيري"[2] [یعنی وہ میرے سوا کسی سے محبت نہیں کرتے]

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ

---

[1] تفسير ابن جرير (١/٣٦٨)

[2] تفسير القرطبي (١٢/٣٠٠)

﴿وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

[التوبة: ٣١]

[انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں، کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں]

اس آیت کی زد میں علما، اولیا اور انبیا سب آ گئے۔

اس آیت کی تفسیر میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی معصیت میں ان احبار و رہبان کی عبادت یہی اطاعت تھی۔[1] ابو العالیہ کہتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے:

”لا نسبق علماء نا، ما حللوه حلال، و ما حرموه حرام“

[ہم اپنے علما سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ جس چیز کو وہ حلال قرار دیں وہی حلال اور جسے وہ حرام قرار دیں وہ حرام ہے]

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ [الأنعام: ١٢١]

[اور اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا تو بلاشبہہ تم یقیناً مشرک ہو]

اس آیت سے تقلید کا شرک ہونا ثابت ہوتا ہے، وللّٰہ الحمد.

مفسرین نے کہا ہے کہ اہلِ کتاب کے علما نے ان کے لیے مردار کو حلال قرار دیا تھا اور اس کی دلیل کے طور پر وہ کہتے تھے کہ اللہ کا مارا ہوا حرام نہیں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

[آل عمران: ٦٤]

[کہہ دے اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٩٥)

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

"أي لا يطيع بعضنا بعضا في معصية الله"[1]

[یعنی اللہ کی معصیت میں ہم ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں]

اللہ نے مزید فرمایا:

﴿ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ [الذاريات:٥١]

[اور اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہ بناؤ، بلا شبہہ میں تمھارے لیے اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں]

نیز فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ﴾ [المائدة: ١٧]

[بلا شبہہ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح ہی تو ہے، جو مریم کا بیٹا ہے]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [المائدة: ٧٣]

[بلا شبہہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ کوئی بھی معبود نہیں مگر ایک معبود]

مجوسیوں کے نزدیک دو خدا ہیں، نصاریٰ تین اور ہنود کے ٹھہرائے ہوئے معبود بے شمار ہیں۔ انھوں نے ساری مخلوق کو معبود ٹھہرا لیا، مگر اللہ تعالیٰ کی پرستش نہ کی۔ گویا یہ ہنود سارے مشرکوں کے سردار ہیں کہ یہ چھتیس کروڑ معبود بتاتے ہیں، وقد خاب من افترىٰ.

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا﴾ [المائدة: ٧٦]

[کہہ دے کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمھارے لیے نہ کسی نقصان کی

---

[1] تفسیر ابن جریر (٦/٤٨٣)

مالک ہے اور نہ نفع کی؟]

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو نفع بخشی اور ضرر رسانی کا اختیار نہیں ہے۔ پیغمبر ہو یا پیر، امام ہو یا شہید، بھوت ہو یا پری، شیطان ہو یا دیو، کائنات میں سارا تصرف اکیلے اللہ کا ہے، کیونکہ مذکورہ آیت میں استعمال ہونے والا لفظ ﴿ما﴾ علماے اصول کے نزدیک عموم کا صیغہ ہے۔ اللہ کے سوا جو بھی چیز ہے، اس میں شامل ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِي لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ [الشعرآء: ٢٩]

[کہا یقیناً اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور ہی قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کر دوں گا]

اس آیت میں ﴿إلٰھاً﴾ سے مراد معبود ہے جس کی اطاعت پر خوف، امید و رجا اور توکل کیا جائے۔ لفظ "الہ" معبود کا اسم صفت ہے۔ عبادت کی قسموں میں سے سب سے بڑی قسم دعا ہے۔ لہٰذا کسی سے اللہ جیسی محبت کرنا، معصیت میں اس کی اطاعت کرنا اور اس پر اعتکاف کرنا شرک ہے۔ جس نے غیر اللہ کا نام الہ رکھا یا اسے "ثالث ثلاثة" (تینوں میں سے تیسرا) کہا وہ کافر ہے۔

اسی طرح اگر کسی چیز کا نام الہ رکھے بغیر اس کی پوجا و پرستش کی، بلکہ اس معبود کا نام الہ کے بجائے نبی یا فرشتہ یا صالح یا ولی یا امام یا شجر یا حجر یا مدر رکھا تو بھی وہ کافر ہوا، اس لیے کہ اسما معانی کو ان کی حقیقت سے نہیں بدل دیتے ہیں، جیسے کوئی شخص شراب کا نام دودھ رکھ دے تو وہ شراب اس سے دودھ نہیں بن جاتی ہے اور نہ وہ حلال ٹھہرتی ہے۔

ذاتِ انواط کے قصے میں اس کا پورا بیان آیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس درخت کا نام ذاتِ انواط رکھا تھا۔ انھوں نے صریحاً یہ نہیں کہا تھا کہ ہمارے لیے کوئی معبود مقرر کرو، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے تو یہ ویسی بات کہی جیسی بنو اسرائیل نے کہی تھی۔ انھوں نے کہا تھا:

«اِجْعَلْ لَنَا إِلٰهاً كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ» (رواه الترمذي)[1]

[(اے موسیٰ علیہ السلام!) ہمیں بھی ان کے معبودوں کی طرح کا ایک معبود بنا دے]

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٨٠)

اسی طرح جو شخص کسی چیز کی عبادت کرتا ہے یا اس سے محبت کرتا ہے تو وہ اس چیز کا عبادت گزار کہلاتا ہے۔ اس کی دلیل ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث ہے:

« تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ الدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَ الْخَمِيصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ »[1]

[دینار و درہم اور قطیفہ وخمیصہ (ریشمی چادر اور اونی کپڑوں) کے بندے ہلاک ہوں۔ اگر انھیں یہ چیزیں ملتی ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہیں ملتی تو ناراض ہو جاتے ہیں]

اس حدیث میں دلی تعلق کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال سے محبت کرنے والے پر عبودیت کا اطلاق فرمایا ہے۔

امام ابن العربی مالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احکام کا تعلق اسما کے مسمیات کے ساتھ ہوتا ہے، القاب وتسمیہ کے ساتھ نہیں، سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٢١-٢٢]

[یا انھوں نے زمین سے کوئی معبود بنا لیے ہیں، جو زندہ کریں گے؟ اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو وہ دونوں ضرور بگڑ جاتے۔ سو پاک ہے اللہ جو عرش کا رب ہے، ان چیزوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں]

بعض لوگوں نے سود کا نام منافع رکھا ہے، خمر کا نام شراب الصالحین اور مسکرات کا نام معجون رکھا ہے، مگر نام بدلنے سے حکم نہیں بدلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرة: ٩]

[اللہ سے دھوکا بازی کرتے ہیں اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے، حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دے رہے اور وہ شعور نہیں رکھتے]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٣٠)

توحید کا پانچواں درجہ

دعا عبادت ہے:

دعا نہ صرف عبادت ہے، بلکہ عبادات کا بھی مغز ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نزدیک دعا کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ آپ ﷺ نے دعا کو افضل عبادت فرمایا ہے۔ (رواہ الحاکم و صححہ)[1]

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

« الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ » (رواه الترمذي)[2] [دعا ہی عبادت ہے]

اس حدیث کے الفاظ « الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ » حصر پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی اس جملے میں مبتدا خبر کے درمیان "ھو" ضمیر فاصل آنے کے سبب خبر مبتدا میں منحصر ہے۔ ان الفاظ میں ایک طرح سے فضیلت کا امتیاز اور دعا کی شان و عظمت میں مبالغہ ہے۔

غیر اللہ سے دعا کرنا شرک ہے:

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ عبادت کا معنی توحید اور دعا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ سے دعا کرنا شرک ہے، خواہ دعا کے لیے کسی نبی کو پکارا جائے یا ولی کو، یا بھوت، پری اور شیطان کو پکارا جائے یا کسی امام، شہید، پیر یا پیرزادے کو۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ [الأعراف: ٥٥]

[اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خفیہ طور پر پکارو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا]

ایک مقام پر فرمایا:

---

[1] مستدرك الحاكم (١/ ٦٦٧)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٧٩)

﴿وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾
[الأعراف: ٥٦]

[اور اسے خوف اور طمع سے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے]

ان آیات میں دعاے عبادت اور دعاے مسئلہ دونوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ دونوں دعائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾
[البقرة: ١٨٦]

[اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھے پکارتا ہے]

اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ لوگوں نے یہ بات کہی تھی کہ کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے مناجات کریں یا بعید ہے کہ ہم اس کو پکاریں تو اس پر یہ آیت اتری۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا ایک ندا اور سوال ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾
[بني إسرائيل: ١١٠]

[کہہ دے اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، تم جس کو بھی پکارو گے سو یہ بہترین نام اسی کے ہیں]

اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مکے میں سجدہ کیا اور اس میں "یا اللّٰہ" اور "یا رحمٰن" کہا۔ ابوجہل نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تو ہمارے معبودوں سے منع کرتے ہیں اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

سورت نوح میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ

[1] تفسير القرطبي (١/ ٢٧٠)، تفسير البغوي (١/ ١٣٧)

وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ [نوح: ٥۔٧]

[اس نے کہا اے میرے رب! بلا شبہہ میں نے اپنی قوم کو رات اور دن بلایا۔ تو میرے بلانے نے دور بھاگنے کے سوا ان کو کسی چیز میں زیادہ نہیں کیا۔ اور بے شک میں نے جب بھی انھیں دعوت دی، تاکہ تو انھیں معاف کر دے، انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور تکبر کیا، بڑا تکبر کرنا]

مذکورہ آیات اس بارے میں صریح نصوص ہیں کہ دعا عبادت اور ندا ہے۔ غیر اللہ سے دعا کرنا ممنوع ہے۔ جسے ندا کی جائے اور پکارا جائے، وہ پکارنے والے کا الہ شمار ہوتا ہے اور ایسا کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ [الأنعام: ١]

[پھر (بھی) وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں]

نیز فرمایا:

﴿قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الشعراء: ٩٦۔٩٨]

[وہ کہیں گے جب کہ وہ اس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ اللہ کی قسم! بے شک ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔ جب ہم تمھیں جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے]

مزید فرمایا:

﴿فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

[الأعراف: ١٨٩۔١٩٠]

[پھر جب وہ بھاری ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی، جو ان کا رب ہے کہ بے شک اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ عطا کیا تو ہم ضرور ہی شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔ پھر جب اس نے انھیں تندرست بچہ عطا کیا تو دونوں نے اس کے لیے اس میں شریک بنا لیے جو اس نے انھیں عطا کیا تھا، پس اللہ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں]

یہ آخری آیت اس بات کی دلیل ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کی دعا ان کا یہ کہنا تھا:

﴿لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا...﴾ حوا علیہا السلام سے یہ شرک شیطان کی اطاعت میں ہوا تھا نہ کہ شیطان کی عبادت میں۔[1]

ہم نے دعا کے ندا کے معنی میں ہونے پر اس لیے بار بار آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے، کیونکہ مفسرین دعا کو ہر مقام کے حسب حال پانچ معنوں پر محمول کرتے ہیں۔ لغت میں اللہ کے متعلق دعا کا استعمال ایمان کے معنی میں ہے۔ چنانچہ فیروز آبادی نے "القاموس المحیط" میں کہا ہے:

"الدعاء رغبة إلى الله، و عرف بأنه دفع الحاجات إلى رفيع الدرجات"

[دعا کا معنی ہے اللہ کی طرف رغبت کرنا اور عرف عام میں اس کا مطلب ہے حاجات کو رفیع الدرجات اللہ کے سامنے پیش کرنا]

جو شخص لوگوں سے مال کا سوال کرتا ہے، خصوصاً جب کہ اس کے پاس ضرورت کے مطابق صبح و شام کا کھانا موجود ہے تو شریعت میں اس کی سخت وعید آئی ہے، اب اس شخص کا کیا حال ہوگا جو مُردوں سے قضائے حاجات کا سوال کرتا؟

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [فصلت: ٥٣]

[کیا تیرا رب کافی نہیں اس بات کے لیے کہ بے شک وہ ہر چیز پر گواہ ہے]

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ [الأحقاف: ٥۔٦]

---

[1] مسند أحمد (٥/ ١١) اس کی سند میں موجود راوی "عمر بن ابراہیم البصری" سے متعلق امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا يحتج به" "وہ قابل حجت نہیں"۔ پھر جیسے کہ دوسری سند سے ثابت ہے کہ یہ روایت سمرہ بن جندب پر موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں حسن بصری رحمہ اللہ مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں۔ نیز حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر مذکورہ تفسیر کے خلاف بھی بیان کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٢٧٤) اگر ان کے ہاں مذکورہ روایت مرفوع ہوتی تو وہ اسے کبھی نہ چھوڑتے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مسند احمد کی یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

[اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔ اور جب سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [يونس: ١٠٦]

[اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو مت پکار جو نہ تجھے نفع دے اور نہ تجھے نقصان پہنچائے، پھر اگر تو نے ایسا کیا تو یقیناً تو اس وقت ظالموں سے ہوگا]

مزید ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المؤمنون: ١١٧]

[اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں تو اس کا حساب صرف اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے]

ایک جگہ فرمایا:

﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٦٥]

[پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہوتے ہیں، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ شریک بنا رہے ہوتے ہیں]

مزید فرمایا ہے: غیر اللہ کو پکارنے والا گمراہ، ظالم، مشرک اور کافر ہوتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس دعا سے داعی کی مراد اللہ کا تقرب حاصل کرنا اور اس کی طرف شفاعت کروانا ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعینہ مشرکین کی یہی مراد تھی، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ۳]

[(وہ کہتے ہیں) ہم انکی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا]

دوسری آیت میں فرمایا ہے:

﴿ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸]

[اور کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں]

پھر ان میں سے پہلی آیت کو اس جملے پر ختم فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴾ [الزمر: ۳]

[بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو بہت ناشکرا ہو]

دوسری آیت کو اس جملے پر تمام کیا ہے:

﴿ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [یونس: ۱۸، نحل: ۱، روم: ٤٠]

[وہ پاک ہے اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں]

اگر لوگ خیال کریں کہ وہ ہدایت پر ہیں، گمراہی میں مبتلا نہیں ہیں تو ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الأعراف: ۲۹۔۳۰]

[کہہ دے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا اور اپنے رخ ہر نماز کے وقت سیدھے رکھو اور اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کو پکارو۔ جس طرح اس نے تمھاری ابتدا کی، اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔ ایک گروہ کو اس نے ہدایت دی اور ایک گروہ، ان پر گمراہی ثابت ہو چکی، بے شک انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا اور سمجھتے ہیں کہ یقیناً وہ ہدایت پانے والے ہیں]

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو کافر اپنے آپ کو دین کے معاملے میں حق پر سمجھتا ہے تو وہ اور سرکش منکر برابر ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ آیت کے لفظ "قسط" کی تفسیر "لا إله إلا الله" کے ساتھ کی ہے اور ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ قسط سے مراد توحید ہے۔[1]

ان کی گمراہی اور عدمِ ہدایت کی ایک اور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [الزخرف: ٣٦-٣٧]

[اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔ اور بے شک وہ ضرور انھیں اصل راستے سے روکتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں]

امام بغوی رحمہ اللہ نے آیت: ﴿ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [یونس: ۲۲] [اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ بے شک ان کو گھیر لیا گیا ہے، تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ہر عبادت کو اس کے لیے خالص کرنے والے ہوتے ہیں] کی تفسیر میں کہا ہے:

"أي أخلصوا في دعاء الله، ولم يدعوا أحدا سوى الله"[2]

[یعنی وہ لوگ مشکل میں گھرنے کے بعد خالص اللہ کو پکارتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے دعا نہیں کرتے تھے]

اس سے معلوم ہوا کہ دعا دین ہے اور دعا میں اخلاص توحید ہے، جبکہ غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے دعا کرنا شرک ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ غیر اللہ سے دعا کرنا کبھی شرک اصغر ہوتا ہے جیسے بد فالی لینا اور غیر اللہ کی قسم کھانا اور کبھی یہ شرک اکبر ہوتا ہے، جب کہ دعا سے غیر اللہ کی اللہ کی تعظیم جیسی تعظیم مقصود ہو، جس کی قسم کھائی گئی ہے تو اب ان دونوں میں مساوات اور برابری نہ رہی، کیونکہ اسلام میں بد فالی لینے اور غیر اللہ کی قسم کھانے سے ایک مدت کے بعد منع کیا گیا تھا، رہا غیر اللہ سے نفع وضرر کے اعتقاد سے دعا

---

[1] تفسير البحر المحيط (٤/ ٢٨٦)

[2] تفسير البغوي (١/ ١٢٧)

کرنا جیسے قضاے حاجات، مشکلات میں داد رسی، شفاے مرض اور اداے قرض۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکوں کی بھی یہی عبادت تھی اور ان کا شرک یہی غیر اللہ کے لیے اعتکاف کرنا اور ذبح کرنا وغیرہ تھا۔ اس کی ایک شاخ اور جزو یہ تھا کہ وہ میت اور غائب کو پکارتے اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ ٹھہراتے، مگر آج کل کے مشرک یہ واسطہ نہیں بناتے، بلکہ یہ تو مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو خالص شرک ہے۔

انبیا و رسل کی بعثت اور دعوت توحیدِ الوہیت کے لیے تھی۔ وہ توحیدِ الوہیت جس کو عبادت کہتے ہیں اور اس عبادت کا خاص اللہ کے لیے ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ یہی مقصود ہے اس قول سے کہ غیر اللہ سے دعا کرنا شرک اکبر ہے۔

جس شخص نے "لا إله إلا الله" پڑھا، پھر غیر اللہ کو پکارا، اس نے تو اپنی جڑ اکھاڑ ڈالی اور اپنے قول "لا إله إلا الله" کی نفی کر دی۔ اس کے دعوے کی بابت اس کی نیت درست نہ ٹھہری اور وہ دعوے جن پر بینات و براہین قائم نہیں ہیں، ان کے دعوے دار بس خالی دعوے دار ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ﴾ [العنكبوت: ٤٢]

[یقیناً اللہ جانتا ہے جسے وہ اس کے سوا پکارتے ہیں کوئی بھی چیز ہو]

مزید فرمایا:

﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾

[يونس: ٦٦]

[سن لو! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور جو لوگ اللہ کے غیر کو پکارتے ہیں، وہ کسی بھی قسم کے شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے۔ وہ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اٹکلیں دوڑاتے ہیں]

توحید کا چھٹا درجہ

ترکِ توحید کفر اعظم اور شرک اکبر ہے:

ترکِ توحید کفر اعظم اور شرکِ اکبر ہے، اس سے انسان کا مال و جان حلال ہو جاتے ہیں۔ مشرک کو جب توحید کی دعوت پہنچ گئی، مگر وہ نہ مانا اور اس نے عناد و سرکشی کا مظاہرہ کیا، شرک پر اڑا رہا اور کفر کا اعلان کیا تو اس جرم کی سزا کے طور پر وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا اور اس کا یہ شرک کسی طرح بخشا نہ جائے گا۔

شرک اور کفر کا مفہوم:

لفظِ شرک کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے اور ہو چکا ہے، جبکہ لفظِ کفر کے معنی یہ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جو بات لائے ہیں اور اس کا علم بالضرورۃ حاصل ہے، بندہ اس سے انکار کرے اور اسے جھٹلائے۔ چنانچہ شرک و کفر کے یہ اسما و مسمیات ان کے حق میں ایسے ہی ہیں جیسے مائیں اور بیٹیاں ہوتی ہیں۔

امام ابن ہشام رحمہ اللہ نے "سیرۃ ابن ھشام" میں ذکر کیا ہے کہ مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، وہ عبادت یہی اعتکاف، دعا، ذبح اور طواف تھا۔[1]

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "زاد المعاد" میں وفدِ خولان کی آمد کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ اس وفد میں دس آدمی تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: "عم انس" کا کیا بنا؟ عم انس ایک بت کا نام تھا جس کی خولان قبیلے کے لوگ پرستش کرتے تھے۔ ارکانِ وفد نے جواب دیا: وہ بت تو ایک شرک تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بدلے میں وہ عقیدۂ توحید دیا ہے جسے آپ ﷺ لے کر دنیا میں آئے ہیں۔ چند بوڑھے مرد اور عورتیں رہ گئے ہیں جو ابھی تک اس کو مانے جاتے ہیں، اب جو ہم یہاں سے جائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ

[1] سیرۃ ابن ھشام (۱/۲۰۳)

اسے ڈھا دیں گے۔ ہم تو اس بت کی طرف سے بڑے دھوکے اور فتنے میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ اس بت کا بڑا فتنہ کیا تھا؟ انھوں نے قحط میں اس بت کی منت ماننے اور جانوروں اور کھیتوں میں اس کی نذر مقرر کرنے کا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے اس قصے میں یہ بھی بیان کیا: "کنا نتحاکم إلیه" [ہم فیصلے کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے][1]

امام بغوی رحمہ اللہ نے آیت کریمہ: ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ [المائدة: ۳] [اور جو بت کدوں پر ذبح کیا گیا ہو] کی تفسیر میں کہا ہے کہ ﴿عَلَى النُّصُبِ﴾ میں ﴿عَلَى﴾ "لام" کے معنی میں ہے اور مطلب آیت کا یہ ہوگا: "ما ذبح لأجل النصب"[2] [جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے]

اہلِ شرک سے بحث کرنے کا طریقہ:

گزشتہ وضاحت کے باوجود اب بھی کوئی شخص جدل و انکار اور سینہ زوری کا مظاہرہ کرے تو اسے یہ کہنا چاہیے کہ تو ہی بتا کہ اگر یہ شرک نہیں تو پھر شرک کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو حرام کیا ہے اور ہمیں کس چیز سے منع کیا ہے؟ وہ گھڑے ہوئے بت وغیرہ معبودات، جن کو مشرک پوجتے تھے، وہ کیا چیز ہیں؟ اس سے ان سوالوں کا جواب سوائے اس کے بن نہ پائے گا کہ وہ کہے گا کہ وہ غیر اللہ کی عبادت تھی اور غیر اللہ کی وہ عبادت یہی دعا یا ذبح یا کوئی اور عبادت ہے۔ صحیح ترین گواہی وہ ہوتی ہے جس کی شہادت دشمنانِ دین بھی دیں، جیسے کہا جاتا ہے: "الفضل ما شهدت به الأعداء" [شرف وفضیلت وہ ہے جس کا دشمن بھی اقرار کریں] یا وہ شخص مذکورہ بالا جواب دینے کے بجائے یہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔ پھر جب وہ نہیں جانتا تو پھر انکار کیوں کرتا ہے؟

مشرک کو درسِ توحید:

اس کے بعد ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے سامنے اس عبادت کو بیان کریں جو اللہ نے ہم پر فرض کی ہے اور ہمیں وہ عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے ہمیں اسی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اللہ ہی اس عبادت کا مستحق ہے۔

پھر ہمیں یہ وضاحت بھی کر دینا چاہیے کہ اگر ہم وہ عبادت اللہ کے لیے کریں گے اور اللہ ہی

---

[1] زاد المعاد (۵۷۸/۳) نیز دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (۳۲٤/۱) اس کی سند میں انقطاع وارسال ہے۔

[2] تفسیر البغوي (۱۱/۳)

کو پوجیں گے تو ہم موحدین میں شمار ہوں گے اور اگر ہم وہ عبادت غیر اللہ کے لیے بجا لائیں گے اور غیر اللہ کی پرستش کریں گے تو من جملہ مشرکین کے ہوں گے۔

پھر اگر وہ ہمیں عبادت کی حقیقت بتا دے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم اس کو عبادت کی اقسام: عبادت اعتقادیہ، عبادتِ قولیہ، عبادت فعلیہ، عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ بتائیں گے ہیں اور یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد کہیں گے:

﴿ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [الإسراء: ٨١]

[اور کہہ دے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے والا تھا]

﴿ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ﴾ [سبا: ٤٩]

[اور باطل نہ پہلی دفعہ کچھ کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے]

عقیدے کا مسئلہ منصبِ رسالت کی اہم ذمے داری ہے:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے احکامِ اسلام بیان کر دیے، حلال و حرام کی تفصیل بیان کر دی، شریعت حقہ نے علوم کی تمام اقسام کا احاطہ کیا، جو منطوقاً اور مفہوماً اصول و فروع پر حاوی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک ایسی روشن حجت و دلیل پر گامزن کیا جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ فضا میں ایک پرندہ بھی پر مارتا ہے تو آپ ﷺ نے امت سے اس کا ذکر کر دیا ہے۔ سنتِ مطہرہ میں استنجا کرتے وقت ڈھیلے اور پتھر استعمال کرنے کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے۔ سنن ابی داؤد میں بیت الخلا کے آداب کے ضمن میں مخالفینِ اسلام کا یہ تعجب ذکر ہوا ہے:

« لَقَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ » (سنن أبي داود)[1]

[(تعجب ہے!) تمھارے نبی نے تمھیں پیشاب و پاخانے کے آداب تک کی تعلیم دی ہے!]

اب انسان ذرا سوچے کہ جس شریعت نے اور اس شریعت کو لانے والے رسولِ رحمت ﷺ نے ہمیں اتنی اتنی بات سکھا دی تو کیا ایسا بڑا مسئلہ، جس کی بنیاد پر متقین کے لیے جنت اور گمراہوں کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے، بتائے بغیر چھوڑ گئے اور اس کی شرح اور توضیح نہ فرمائی۔ واللہ لقد بلغ البلاغ المبین إلی یوم الدین۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٧)

رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے درمیان اختلاف کی بنیاد:

سیر اور مغازی کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار و مشرکین سے جس مسئلے پر محاربہ، مقاتلہ اور مجادلہ کیا تھا، وہ مسئلہ یہی عبادتِ اصنام و اوثان اور ان بتوں کو پکارنا، ان سے تعلق رکھنا، ان کا معتقد ہونا، ان کی طرف التجا کرنا، ان کا مجاور بننا اور ان پر اعتکاف کرنا تھا۔

غیر اللہ کا عبادت گزار دائمی جہنمی اور واجب القتل و القتال ہے:

غیر اللہ کی عبادت کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ [البقرۃ: ۱۶۵۔۱۶۷]

[اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں اور کاش! جنھوں نے ظلم کیا اس وقت کو دیکھ لیں جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو جان لیں) کہ بے شک قوت سب کی سب اللہ کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات بالکل منقطع ہو جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے پیروی کی تھی کہیں گے کاش! ہمارے لیے ایک بار دوبارہ جانا ہو تو ہم ان سے بالکل بے تعلق ہو جائیں، جیسے یہ ہم سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ اس طرح اللہ انھیں ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر

دکھائے گا اور وہ کسی صورت آگ سے نکلنے والے نہیں]

مزید فرمایا:

﴿مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ﴾ [المائدة: ٧٢]

[جو اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے]

رہی ان کے ساتھ قتال کرنے کی دلیل تو وہ یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [التوبة: ٥]

[پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور انھیں گھیرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکات ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے]

حسین بن فضل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت نے ہر اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے جس میں دشمنوں سے اعراض کرنے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کا ذکر ہے۔ آیت میں مذکورہ الفاظ: ﴿فَاِنْ تَابُوْا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ کفر وشرک سے توبہ کر کے پکے مسلمان بن جائیں تو پھر ان کو نہ چھیڑو، بلکہ انھیں چھوڑ دو۔

نیز ان سے قتال کرنے سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ [الأنفال: ٣٩]

[اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ کے لیے ہو جائے]

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین سے تب تک قتال کرو جب تک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پوجا پرستش نہ ہو یا جب تک بلا شرکتِ غیر خالص اللہ کی عبادت نہ کی جائے۔

"تفسیر جلالین" میں ہے کہ اس آیت میں فتنے سے مراد شرک ہے۔[1]

[1] تفسیر الجلالین (ص: ٣٥٧)

مشرکین سے وجوبِ قتال کی ایک اور دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً ﴾ [التوبة: ٣٦] [اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو]

یہ تو مشرکین سے قتال کرنے کے قرآنی دلائل تھے، اب فرامینِ مصطفیٰ ﷺ بھی سنیے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ» [1]

[مجھے لوگوں سے لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور وہ نماز قائم کریں، اور زکات ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو وہ حقِ اسلام کے سوا مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے]

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جن لوگوں کے خلاف قتال کرنے کا حکم ہے، وہ اہلِ اوثان بت پرست ہیں نہ کہ اہلِ کتاب، کیونکہ اہلِ کتاب تو "لا إله إلا الله" پڑھتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ انھیں اہلِ اوثان سے مقاتلہ کیا جاتا ہے اور ان سے تلوار دور نہیں کی جاتی۔ [2]

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تلوار سے بچاؤ اسی شخص کو حاصل ہوگا جو "لا إله إلا الله" کا قائل ہوگا اور "لا إله إلا الله" اجابت وایمان سے عبارت ہے۔ [3] احادیث نبویہ میں اس کلمے کی قیود وشروط بیان ہوئی ہیں۔ اگر ان پر غور وفکر کیا جائے تو ایک بندہ مسلم بھی اپنے نفس کے متعلق خوف زدہ ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ کوئی شخص اہلِ شرک وطغیان میں سے ہو۔ احادیث میں بیان کردہ کلمے کی قیود وشروط میں سے ایک یہ ہے کہ اس کلمے میں شرک نہ کرے، اس کے متعلق دل میں کوئی شک وشبہہ نہ لائے، تکبر وجور نہ کرے، اس کلمے کو ہلکا اور معمولی نہ سمجھے۔ یہ کلمہ اسے ارتکابِ معاصی سے روکے اور وہ سچے دل سے یہ کلمہ پڑھے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥)، صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢)

[2] معالم السنن للخطابي (١/ ٢٨٧)

[3] شرح صحيح مسلم للنووي (١/ ٢٠٧)

اس لیے اہلِ علم نے کہا ہے کہ تم اس کلمے کو ان قیود و شروط کے ساتھ یاد کرو۔

مذاہبِ اربعہ کے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ زکات کا انکار کرنے والے، تارکِ نماز بلکہ تارکِ اذان و نمازِ عید کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ اعمال شعائرِ اسلام ہیں، بلکہ بعض علما نے ایسے گروہ اور جماعت کے خلاف قتال کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے، جو فرائض مشہورہ میں سے کسی فریضے کو بجا نہ لائے اور اس کو ادا کرنے سے بلا عذر باز رہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح اربعین" میں کہا ہے کہ ایک شخص کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ لفظ "طائفہ" بمعنی گروہ اور جماعت میں وہ بھی داخل ہے۔

سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوے کے موقع پر یہ وصیت فرماتے تھے:

«أُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ، وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ» (رواه أبو داؤد)[1]

[اللہ کے نام کے ساتھ غزوہ کرو اور ہر اس شخص سے قتال کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ [النحل:٨٩]

[اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی، اس حال میں کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے اور فرماں برداروں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوش خبری ہے]

[1] سنن أبي داؤد، رقم الحديث (٢٦١٣)

توحید کا ساتواں درجہ

قرآن وحدیث کے احکام سب لوگوں کے لیے یکساں ہیں:

اگر کوئی یہ کہے کہ مذکورہ آیات تو ان مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو بت پرست تھے اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرتے تھے، پھر کسی غیر پر ان کا اطلاق کیسے درست ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اور بعد والے مشرکین کو جمع کرنے والا امر شرک موجود ہے تو بلا فرق دونوں کا حکم ایک ہی ہو گا۔ کیونکہ دونوں کو جدا کرنے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے، البتہ انھیں اکٹھا کرنے والی چیز پائی جاتی ہے۔

اصولِ فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ خصوصِ سبب کا نہیں عمومِ لفظ کا اعتبار ہوتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرا حکم ایک شخص پر ویسا ہی ہے، جیسا کہ میرا حکم جماعت پر ہے۔''[1]

ورنہ تو یہ بات لازم آئے گی کہ جو حکم کسی مخصوص سبب کی بنا پر گزشتہ قصے میں نازل ہوا ہے، وہ متعدی نہ ہو، حالانکہ یہ صریحاً باطل ہے اور اس سے احکامِ شرعیہ کو تمام لوگوں پر جاری ہونے سے روکنے کی خرابی لازم آتی ہے۔ آیاتِ حدود و جنایات اور مواریث و دیات ماضی کے قضایا میں اتری ہیں اور جن لوگوں کے حق میں وہ نازل ہوئی تھیں، وہ لوگ تو گزر گئے، حالانکہ ان آیات کا حکم قیامت تک عام ہے اور عام اپنے سبب پر مقصور نہیں ہوتا ہے۔ خطاباتِ شرع کا معدوم مکلّف کے ساتھ تعلق، تعلقِ معنوی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی موقع پر یہ بات کہی ہے:

"هذا نزل على بني إسرائيل، و إنه علينا مثلهم، وما أشبه الليلة بالبارحة"

[یہ حکم نازل تو بنی اسرائیل پر ہوا تھا لیکن ان کی طرح ہمیں بھی یہی حکم ہے، آج کی رات گزشتہ رات کے ساتھ کس قدر مشابہ ہوگئی ہے]

بعض علماے سلف نے کہا ہے:

---

[1] امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قال العراقي في تخريج البيضاوي: لا أصل له" (الفوائد المجموعة، ص: ۲۰۰)

"نعم الإخوة بنو إسرائيل، إذا كان كل حلوة لكم، و كل مرة لهم"
[بنی اسرائیل اچھے بھائی ہیں۔ ہر میٹھا تمھارے لیے اور ہر کڑوا ان کے لیے ہوتا ہے!]

اصولِ فقہ میں لکھا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پہلے لوگوں کے شرائع ہمارے لیے بھی شرع ہیں۔ ایک امام کے نزدیک تب شرع ہیں جب ان کی تقریر و تائید ہماری شرع میں آ چکی ہو۔ بہر حال یہ مسائل اسی طرح ہیں کہ ہماری شرع نے ان کو مقرر رکھا ہے اور قرآن و حدیث ان پر گواہ ہے۔

یہ تو ہوا ان کے سوال کا جواب، ورنہ جس بات سے رسول اللہ ﷺ نے مشرکینِ عرب کو منع کیا تھا، اس پر ان سے قتال کیا تھا اور اس کے متعلق قرآن اترا ہے، وہ سب آیات محکم ہیں، منسوخ نہیں ہوئی اور اس امت کے اول و آخر سب کے حق میں نازل ہوئی ہیں، بلکہ وہ آیات جو ہم سے پہلے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں، وہ سب بھی محکم ہیں، حالانکہ ہماری شریعت اور سنتِ مطہرہ ان سے بے نیاز کرتی ہے۔ فقد أغنت و أقنت و كفت و شفت و أعادت و أبدت و أظهرت و نصت، ولله الحمد.

سورت بقرہ کی آخری آیات کی تفسیر میں یہ بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں نے کہا تھا: کیا ہم کو ایسے عمل کی تکلیف دی گئی ہے جس کی ہمیں طاقت نہیں ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم وہ بات کہنا چاہتے ہو جو تم سے پہلے لوگوں نے کہی تھی؟ انھوں نے کہا تھا:﴿ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ﴾[1] [ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی] اس جگہ ان کی اس بات کو کہ ہمیں ایسی چیز کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں ہے، سابقہ امتوں کے قول جیسا ٹھہرایا گیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بادل کو آتا ہوا دیکھتے تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا۔ آپ ﷺ پریشانی کے عالم میں اندر باہر آنے جانے لگتے، جب بارش برس جاتی تب جا کر آپ ﷺ کی وہ کیفیت دور ہوتی۔ میں نے سوال کیا: کیا بات ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے کیا معلوم؟ کہیں ویسی بات نہ ہو جیسی ایک قوم نے کہی تھی اور کلامِ الٰہی میں اس کا یوں بیان ہوا ہے:

﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۵)

مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [الأحقاف: ٢٤]

[تو جب انھوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔ بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جو تم نے جلدی مانگا تھا، آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے][1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾ [سبأ: ٢٢]

[کہہ دے پکارو ان کو جنھیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے شرک کی بحث میں مذکورہ آیت کریمہ کے ذیل میں کہا ہے کہ قرآن مجید اس طرح کی آیات سے بھرا ہوا ہے، لیکن اکثر لوگ واقعات کو ان کے تحت شامل نہیں کرتے۔ وہ ان کو اس قوم کے حق میں ٹھہراتے ہیں جو گزر گئی ہے اور انھوں نے کوئی وراثت نہیں چھوڑی ہے۔ یہی بات ان کے دل اور قرآن فہمی کے درمیان حائل ہے، جس طرح کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

"ينقض عرى الإسلام عروة عروة إذا نشأ في الإسلام من لا يعرف الجاهلية"[2]

[جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو زمانہ جاہلیت کے احوال نہیں پہچانتے ہوں گے تو اسلام کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی چلی جائیں گی]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [التغابن: ٥]

[کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا، پھر اپنے

---

1. تفسیر البغوي (١/٢٦٣)
2. مدارج السالکین لابن القیم (١/٣٤٣)

کام کا وبال چکھا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "الفوز الکبیر" میں کہا ہے:

"بالجملہ چوں قرآن بخوانی گمان مکن کہ مخاصمہ با قومی بود کہ بودند و درگذشتند۔ بلکہ بحکم حدیث: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ»[1] ہیچ بلای نبود مگر امروز نمونہ آن موجود است۔"[2] انتھیٰ

[بالجملہ جب تم قرآن مجید کا مطالعہ کرو تو یہ مت گمان کرو کہ یہ ایک ایسی قوم کے ساتھ مخاصمہ کیا گیا ہے جو ماضی میں موجود تھی اور اب وہ گزر چکی ہے، بلکہ فرمانِ رسول ﷺ: "تم پہلے لوگوں کے طریقے پر چل پڑو گے" کے مطابق جو بھی بلا و آزمایش تھی، اس کا نمونہ آج بھی موجود ہے]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٦٩، ٢٦٦٩)

[2] الفوز الكبير (ص: ١٢) المكتبة السلفية، لاهور

توحید کا آٹھواں درجہ

مشرکین کس سلوک کے مستحق ہیں؟

جس نے یہ بات کہی کہ یہ شرک ہے، اس سے مال وخون حلال ہو جاتا ہے اور قیامِ حجت، بلوغِ دعوت، وصولِ علم اور ظہورِ کفر کے بعد اس شخص سے حرب وقتال واجب ہو جاتا ہے۔ تو ان اشیا کے لیے قیود وشروط ہیں، جن کا ہم نے اس بحث میں بیان کیا ہے۔ فقط گمان پر کسی کو کافر قرار نہیں دیا جاتا ہے، لہٰذا اس کا احاطہ کرنا اس جگہ ممکن نہیں ہے اور اللہ و رسول کے کلام کے بعد کوئی کلام ایسا نہیں ہے جس سے استدلال کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ ﴾ [یونس: ۳۲]

[پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟]

نیز فرمایا:

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ﴾ [النساء: ۱۲۲]

[اور اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہے؟]

اختلاف کے وقت یہی سنتِ مطہرہ حجت ہوتی ہے۔ جس شخص نے سنت نبویہ سے استدلال کیا اور اس پر اعتماد کیا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے سنت کے ترازو میں وزن کیا، اسی کا پلہ بھاری ہوا، کیونکہ:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ﴾ [النجم: ۳۔۴]

[اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے]

جو آیات و احادیث گزر چکی ہیں، ہمارا مخاطب وہ سب سن چکا ہے۔ جب آیات بینات اور احادیث واضحہ اسے کافی نہ ہوں گی تو پھر اس کی ہدایت کی جستجو کرنا گمراہی ہے اور جب باوجود علم کے عقل گمراہ ہوگئی تو اب ناصحین کیا کر سکیں گے؟

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتدین اور مانعینِ زکات سے سلوک:

اس جگہ بعض اہلِ علم کا کلام، جو اہلِ علم نبیوں کے وارث اور چراغ تیرگی تھے، ہم ذکر کرتے ہیں۔ ان وارثوں میں سے سب سے پہلے صدیقِ امت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھوں نے مرتدین کے حق میں فرمایا تھا:

"لأ قاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، بل لو منعوني عقالا كانوا يعطونه رسول الله ﷺ لأقاتلنهم عليه"[1]

[میں نماز و زکات میں فرق کرنے والے کے ساتھ ضرور لڑائی کروں گا، بلکہ اگر مانعین زکات ایک رسی بھی مجھ سے روک لیں کے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں اس پر ان سے ضرور لڑائی کروں گا]

پھر جب ان کے عہدِ خلافت میں بعض عرب قبائل کا فرو مرتد ہو گئے تھے تو انھوں نے ان کے خلاف بھی جنگ کی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان کے خون کو حلال ٹھہرایا تھا، اس امرِ ارتداد سے متعلق یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ ان مرتدین کے ارتداد کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے مسیلمہ کذاب کو نبی مان لیا تھا، حالانکہ اس کے سوا دیگر امور بھی تھے، لیکن اس سب میں سے بڑی بات یہی تھی۔ پھر اس شخص کا کیا حال ہو گا جو غیر اللہ کی عبادت کا قائل ہے یا غیر اللہ کا عبادت گزار اور ان کی الوہیت کا معتقد ہے اور اس غیر کو اس عبادت کا متصف و مستحق جانتا ہے، گو اپنی زبان سے وہ یہ نہ کہے؟

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس مسئلے پر اتفاق:

پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا تھا کہ جو شخص نماز و زکات میں فرق کرے، ایک کو مانے اور دوسرے کا انکار کر دے، اس کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے، حالانکہ انھوں نے پہلے اس مسئلے میں توقف کیا تھا، لیکن جب دلیل ظاہر ہوئی تو اس کے قائل ہو گئے۔ اہلِ حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ دلیل واضح ہونے کے بعد توقف نہیں کرتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٣٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠)

صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم تارکِ نماز کے کفر کے قائل ہیں:

اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تارکِ نماز کے کفر کی قائل ہے، چنانچہ عمرو بن عوف، معاذ بن جبل اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں۔

علامہ منذری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"قد ذهب جماعة من الصحابة و من بعدهم إلى تكفير تارك الصلاة متعمدا حتى خرج وقتها، منهم: عمر بن الخطاب وابن مسعود و ابن عباس ومعاذ بن جبل وجابر بن عبدالله وأبو الدرداء رضی اللہ عنہم و من غير الصحابة: أحمد بن حنبل، و إسحق و ابن المبارك"[1]

[یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والے لوگوں کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ وہ شخص کافر ہے جس نے عمداً نماز ترک کی حتی کہ اس کا وقت جاتا رہا، اس قول کے قائلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے عمر بن خطاب ابن مسعود، ابن عباس، معاذ، جابر اور ابو درداء رضی اللہ عنہم ہیں اور غیر صحابہ میں سے احمد بن حنبل، اسحاق اور ابن مبارک ہیں]

کفر کا یہ فتویٰ ترکِ نماز پر ہے۔ محلی رحمہ اللہ نے تو اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے۔ رہا انکارِ نماز تو منکرِ نماز کے کافر ہونے کا مسئلہ علما کے نزدیک اتفاقی ہے۔

نماز کے سوا دیگر ارکانِ اسلام کا تارک بھی کافر ہے:

جس طرح تارکِ نماز کا حکم یہ ہے کہ وہ کافر ہے، اسی طرح بقیہ ارکانِ اسلام کے تارک کا بھی یہی حکم ہے، جیسے روزہ، زکات اور حج ہے۔ حدیث میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اگر کوئی شخص ان چار ارکان میں سے ایک رکن کو بجا لایا اور بقیہ تین کو ادا نہ کیا یا دو رکن یا تین رکن ادا کیے اور ایک کو ترک کر دیا تو اس کے مسلمان ہونے کے لیے یہ کافی نہیں ہوتا ہے۔

جب تارکِ نماز کافر ہے تو تارکِ توحید کافر کیوں نہیں؟

ہم نے رسائلِ نماز وغیرہ میں اس مسئلے کو خوب بیان کیا ہے کہ جب تارکِ نماز کافر ہے تو تارکِ توحید کافر کیوں نہیں؟ جب تارکِ نماز کا یہ حکم ٹھہرا کہ وہ کافر ہے تو پھر تارکِ توحید اور اللہ کے

[1] الترغيب والترهيب (۱/۲۲۱)

حق کے منکر کا کیا حال ہو گا جس نے مخلوق کو خالق کا رتبہ دے رکھا ہے اور اللہ کے شریک مقرر کر کے اس کی بے ادبی اور گستاخی کی ہے؟ گویا اس نے اللہ کو گالی دی ہے، حالانکہ جو شخص ایسی بات کہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے اور اس کی کچھ پروا نہ کرے تو اس کے حق میں سخت وعید آئی ہے۔ پھر تارکِ توحید کا کیا انجام ہو گا؟

اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑانے والے کافر ہیں:

غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ [التوبة: ٦٦]

[بہانے مت بناؤ، بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا]

ہوا یہ تھا کہ انھوں نے اپنی منافقانہ حرکتوں کا یہ عذر پیش کیا کہ ہم نے تو مزاح، دل لگی اور یوں ہی کھیل کے طور پر یہ باتیں کہی ہیں، مگر ان کا یہ عذر قبول نہ ہوا اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ [التوبة: ٦٥]

[کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟]

شراب کو حلال کہنے والوں کی تکفیر:

قدامہ بن مظعون وغیرہ نے شراب کو حلال کہا تھا[1] اور اس آیت کی تاویل کی تھی:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ﴾ [المائدة: ٩٣]

[ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا چکے]

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب کو حلال کرنے والے کی تکفیر کی۔ اسی طرح حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا تو اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کرنا چاہا، تب انھوں نے توبہ کی اور عذر بیان کر کے اپنے قول سے رجوع کیا۔ اسی طرح کوفہ میں واقع مسجد بنی حنیفہ میں جب کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ مسیلمہ اپنے دعوے میں درست ہے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان پر کفر کا حکم لگایا۔ اسی طرح جن لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے

[1] سنن البيهقي (٨/٣١٥)

حق میں غلو کیا تھا اور ان سے متعلق صفاتِ الوہیت کا اعتقاد رکھا تھا تو علی رضی اللہ عنہ نے انھیں کافر ٹھہرایا، پھر انھیں آگ میں جلا دیا۔

غرض کہ "لا إله إلا الله" کا ایسا قائل جس سے اس کلمے کے خلاف باتیں صادر ہوتی تھیں، ان سے متعلق خلفاے راشدین کی سنت یہی تھی، حالانکہ ان لوگوں میں کوئی عذر پیش کرنے والا ہوتا، کوئی تاویل کرنے والا اور کوئی اس سے تائب ہو جاتا۔ بہر حال غرض یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی تکفیر کرتے تھے اور ان باتوں کو کفر و شرک جانتے تھے، اگرچہ وہ لوگ پہلے سے مسلمان تھے۔

کلمہ گو کفار کی سزا:

رہا وہ سلوک اور کارروائی جو خلفا کے بعد آنے والوں نے ان لوگوں سے روا رکھی تو وہ یہ ہے کہ جعد بن درہم نے جہم بن صفوان کے قتل کا حکم دیا تھا، اس لیے کہ وہ ان صفاتِ الٰہیہ کی تعطیل کا قائل تھا جن صفات کو قرآن مجید ثابت کرتا ہے۔ وہ یہ کہتا تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ یعنی پیغمبر کی تصنیف ہے۔ ہر امر انف ہے، یعنی ہر کام تازہ واقع ہوتا ہے، پہلے سے مقدر نہیں ہو چکا ہے۔

اسی طرح متکلمین کی جماعت اور فرقے کو گمراہ ٹھہرایا گیا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے علمِ کلام کی حرمت کا فتویٰ دیا۔

ائمہ اربعہ کے متبعین کا مرتدین سے متعلق کلام:

اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کے اقوال بے شمار ہیں اور ہر مذہب کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک مستقل باب مقرر کر کے "باب الردة" یا "باب حکم المرتد" منعقد کرتے ہیں، پھر اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ مرتد وہ شخص ہے جو اسلام کے بعد کافر ہو جاتا ہے۔ پھر وہ مکفرات کا ذکر کرتے ہیں اور کفریہ کلمات کے بیان میں لمبے لمبے مقالات بیان کرتے ہیں۔ حنفیہ اس مسئلے میں سب سے آگے ہیں۔

حنابلہ نے ایسے چار سو مسائل بیان کیے ہیں جن میں سے ہر ایک مسئلے میں اس کے قائل کو، اس کے اسلام کے باوجود، بت پرستوں کے ساتھ ملاتے ہیں۔ شافعیہ اور مالکیہ کی اس باب میں طویل بحثیں ہیں۔ ابن حجر مکی کی اس باب میں ایک کتاب ہے جس کا نام "الإعلام بقواطع الإسلام" ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب 'زواجر' میں بھی اس مسئلے پر بحث کی ہے۔ اسی طرح کتاب "مشارق الأنوار" میں جو کتب شافعیہ میں سے ہے، اس کی بابت ایک طویل باب لکھا ہے۔

ابن المقری رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر کئی تالیفات لکھی ہیں۔ اسی طرح شرح منہاج میں نووی نے بھی خوب کلام کیا ہے اور ان مہالک کی خوب وضاحت کی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ ابن حجر رحمہما اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے مقرر کرے، پھر انھیں پکارے اور ان پر بھروسا کرے تو وہ کافر ہے۔

توحیدِ عبادت میں شرک کا مرتکب بالاولیٰ واجب القتل ہے:

جب مذکورہ لوگوں کا یہ حال ہے تو پھر مسئلہ توحیدِ عبادت کے ساتھ تمھارا کیا گمان ہے کہ یہ تو اصل اصول اور مرکز دائرہ اہل منقول و معقول ہے۔ یہ وہ قطب ہے جس پر حاصل و محصول کا دار و مدار ہے اور وہ اساس ہے جس پر شہرِ علم کی بنیاد ہے، جس میں نزول و حلول ہوتا ہے اور یہ وہ صراط مستقیم ہے جس پر سیر و وصول کا مدار ہے۔

مذکورہ لوگوں کے واجب القتل ہونے پر ایک اشکال اور اس کا جواب:

اگر کوئی کہے کہ یہ لوگ تو "لا إله إلا الله" کے قائل ہیں اور بہت سے شرائعِ اسلام بجا لاتے ہیں، ان سے کس طرح قتال ہوسکتا ہے، حالانکہ حدیث میں آیا ہے:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»[1]

[مجھے لوگوں کے "لا إله إلا الله" پڑھنے تک ان سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے]

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں اس حدیث کے الفاظ ہیں:

«حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا»[2]

[یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور وہ نماز قائم کریں، اور زکات ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو وہ حقِ اسلام کے سوا مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لیں گے]

اس حدیث میں اس انتہا کو بیان کیا گیا ہے جہاں پہنچ کر ان سے قتال کرنا ختم ہو جاتا ہے اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢)

وہ تین امور ہیں: شہادتین، اقامتِ نماز اور ادائے زکات۔ کیونکہ قول بغیر عمل کے نفع بخش نہیں ہوتا ہے، ورنہ تو یہود بھی اس کے قائل ہیں۔

رہی اشکال میں پیش کی گئی حدیث تو اس سے مراد کلمے کے معانی ہیں نہ کہ صرف کلمے کا تلفظ اور اسے زبان سے ادا کرنا۔ پھر اس کلمے کو اسی طرح پڑھنا مراد ہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھا تھا کہ وہ اس کلمے کے معنی اثبات ونفی پر یقین رکھتے تھے اور اس کے مقتضا پر عامل تھے، نیز جو بات اس کلمے کے منافی تھی اس کے تارک تھے، جیسے شرک ہے۔

ارکانِ اسلام کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ شرک کرنے والا بھی واجب القتل ہے:

پھر اگر کوئی شخص مذکورہ تینوں ارکانِ اسلام بجا لائے، لیکن بعض عبادات غیر اللہ کے لیے بھی کرے، جیسے قبروں والوں کے حق میں اعتقاد رکھنا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی جو قصے بیان ہوئے ہیں جن کے حق میں خلفا کے دور میں قتل کا حکم جاری ہوا تھا، وہ لوگ ان تینوں ارکانِ اسلام پر عامل تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اعمال بھی بجا لاتے تھے جو اس کلمے کے منافی تھے، جس سے ان کا قتل واجب ہو جاتا تھا۔

شرک سے ناواقفیت کا عذر مقبول نہیں:

رہی یہ بات کہ لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ یہ کام احسن مسالک کے منافی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس شخص کا کفر ثابت شدہ ہے جس کو دعوت پہنچ چکی ہے اور اس پر حجت قائم ہو چکی ہے اور وہ شخص علم ہونے کے بعد سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شرک پر جما ہوا ہے۔

جب سے توحیدِ الوہیت کے متعلق دعوت محمدیہ ظاہر ہوئی ہے اور اس پر تلواریں بے نیام ہوئی ہیں، تب سے جس کسی نے اس کو رد کیا اور اس کا منکر ہوا، ہماری یہ گفتگو اسی شخص کے حق میں ہے اور اس ملامت کا رخ اسی کی طرف ہے۔

دعوتِ توحید ہر جگہ پہنچ گئی اور ہر خاص وعام پر قرآن مجید ایک بہت بڑی حجت و دلیل ہے کہ عبادت صرف اللہ کے لیے خاص ہے اور اس استحقاق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ قرآن مجید کی صریح دلالت اس کی تلاوت کرنے والے اور اسے سننے والے پر ثابت ہے۔ عقل اس کی طرف راہ یاب ہوتی ہے اور اس پر حجت کا قیام ہوتا ہے۔ جہاں تک دلیل و حجت کے فہم

کا تعلق ہے تو یہ علما کا ایک موقف ہے جس کے متعلق کئی اقوال ہیں۔

اپنے منھ میاں مٹھو:

قرآن مجید میں اس قوم کی مذمت کی صراحت ہے جس کا یہ گمان ہے کہ وہ اچھا کام کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں تک فوت شدگان کا تعلق ہے، وہ تو اپنے اعمال کے انجام کو پہنچ گئے اور حدیث میں زندوں کو مردوں کی ایذا رسانی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ اس شخص کے متعلق ہے جو مشرکوں جیسا کام کرتا ہے اور کفار کی طرح کے افعال بجا لاتا ہے۔ رہا وہ شخص جس کی صلاح وتوحید معلوم ہے وہ ان شاء اللہ ناجی ہے خواہ متقدم ہو یا متاخر۔ لیکن جس کا حال معلوم نہیں ہے، اس سے زبان کو روک کر رکھا جائے، کیونکہ کسی معین شخص کی تکفیر ثبوت اور اقامتِ حجت کی محتاج ہوتی ہے۔

دو نبیوں کے درمیانی وقفوں میں گزرنے والے لوگوں کی، جنھیں اہل فترت کہتے ہیں، نجات سے متعلق کافی مباحث اور اختلافات ہیں۔

توحید کے مسئلے میں محتاط رہنے کی ضرورت:

رہی یہ بات کہ علمِ توحید فرض اور لازم ہے اور علم شرک حرام محض ہے، ایک امر مستفیض اور مشہور چیز ہے، لیکن اس میں بہت سی فاش غلطیاں، کفریہ اعمال، شرکیہ اقوال، صریح احوالِ ردت اور قبیح افعال داخل ہو چکے ہیں سوائے چند لوگوں کے ایک نے تقلیداً دوسرے کی اتباع اختیار کر لی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب شریعت کے واضح آثار مٹ جائیں گے اور دین کی اساس منہدم ہو جائے گی۔ لوگوں پر جو بلا آئی ہے، وہ انھی مختلف مذاہب کی طرف سے ہے۔ دین کو انھیں مولویوں اور درویشوں نے بگاڑا ہے۔ اس ابتلائے نفس اور جہل وہوی کے طغیان کا شکوہ اللہ ہی سے ہے۔ وكان أمر الله قدرا مقدورا.

کتبِ عقائد:

یہاں پر ”درجات الصاعدین إلى مقامات الموحدين“ کا خلاصہ کچھ ضروری اضافوں کیساتھ مکمل ہوا۔ اس رسالے کا ترجمہ اگرچہ لاہور میں طبع ہو چکا ہے، لیکن اصل وترجمہ دونوں غلطیوں سے خالی نہیں ہیں، لہٰذا اس جگہ صرف خلاصے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جو شخص اس کتاب کے مضامین کو بہ نظر غور سمجھ لے گا، اس پر ظاہراً اور باطناً شرکیہ اقوال، افعال، اعمال اور احوال کا سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ اس لیے کہ شرک کی اقسام باوجود کثرت کے مذکورہ بالا ان آٹھ مقامات کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتیں۔

شرک کی اقسام کے حوالے سے رسالہ ''الانفكاك عن مراسم الإشراك'' خلاصہ ''تقوية الإيمان'' عوام کے لیے ایک شفیق استاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اہلِ علم اس اجمال کی تفصیل جاننا چاہیں تو کتاب ''دین خالص'' موجود ہے۔

مدارجِ شرک اور مراتبِ توحید کا جاننا ہر شخص پر لازم ہے:

ہر طالبِ عقبیٰ، تاجرِ آخرت، خواہش مندِ نجات، محبِّ اسلام اور شیفتۂ ایمان پر لازم ہے کہ شرک کے مدارج کی تفتیش اور توحید کے مراتب کی تحقیق سے کبھی غفلت نہ کرے، کیوں کہ جیسے جیسے قیامت کی گھڑی قریب آ رہی ہے، دنیا اور اہلِ دنیا میں ہر روز شرک وکفر کی کوئی نہ کوئی نئی صورت برآمد ہوتی رہتی ہے اور انسان کو جہل یا غفلت کے سبب اس کے شرک یا کفر ہونے پر اطلاع نہیں ہوتی ہے۔ وہ اسے شرک یا کفر نہیں جانتا اور دیگر لوگوں کی طرح اس قول یا فعل یا حال میں گرفتار ہو کر اپنے ایمان کا سرمایہ برباد کر لیتا ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ایمان دار خیال کرتا ہے، حالانکہ وہ مومن نہیں رہتا ہے۔

اللہ کے ہاں مشرک کا عذر مقبول نہیں:

اس کا یہ جہل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہو گا۔ شرک ایک تاریک رات میں کالے پتھر پر ایک سیاہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے اور شرک کے ستر دروازے ہیں، جب کہ توحید کا فقط ایک ہی دروازہ ہے۔ اب جو چیز اس درجہ باریک اور مخفی ہو، اسے جاننے کے لیے بندۂ مومن پر تمام امور سے بڑھ کر اس کا اہتمام اور کوشش کرنا لازم ہے۔

کلمہ گو مشرک جہنمی ہے، جب کہ موحد گناہ گار جنتی ہے:

مشرک کی قیامت کے دن ہرگز نجات نہیں ہو گی، اگرچہ وہ کلمہ گو اور انتہائی درجے کا عابد، زاہد اور متقی ہی کیوں نہ ہو، جبکہ موحد ایمان دار آگ کے عذاب سے ضرور نجات پائے گا، اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو اور سزا کی خاطر جہنم میں داخل کیا جائے، لیکن ایک نہ ایک دن توحید اسے دوزخ سے باہر نکال لے گی، وللہ الحمد.

ایمان و توحید کی تجدید:

توحید کے بیان اور شرک کے رد پر بہت سی مستقل کتابیں موجود ہیں، آدمی کو چاہیے کہ وہ بیشتر وقت ان کتب کا مطالعہ کیا کرے، تاکہ علمِ توحید تازہ ہوتا رہے۔ حدیث میں آیا ہے:

«جَدِّدُوْا إِيْمَانَكُمْ بِقَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»[1]

[لا إله إلا الله کے ورد کے ساتھ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو]

سو ایمان کی تجدید تب ہی ممکن ہے جب بندہ زبان ترجمانِ ایمان سے بار بار اس کلمے کو پڑھتا رہے اور اس کے معانی کو قرآن و سنت کے بیان اور علماے موحدین کی توضیح کے مطابق بہ خوبی ذہن نشین کر لے اور اس کے مقتضا پر حتی الامکان عمل پیرا ہو۔

اللہ کی جنت اتنی بھی سستی نہیں:

ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا سودا بہت مہنگا ہے اور وہ سودا اس کی جنت ہے۔ جنت کا مل جانا کوئی آسان بات نہیں ہے کہ شرکیہ افعال کے باوجود اور حکم توحید کے مطابق عمل نہ کرنے اور صرف کلمہ گو ہونے سے میسر آ جائے۔ آدمی دنیا کے لیے تمام عمر صرف کر دیتا ہے اور ہزاروں گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے، پھر بھی بہ قدر چاہت دنیا ہاتھ نہیں آتی، پھر وہ آخرت جس کے لیے کوئی محنت و مشقت نہیں کی ہے اور عملِ صالح بجا نہیں لایا ہے، ایمان کو درست نہیں رکھا ہے، توحید اور کفر و شرک کا فرق نہیں سمجھا ہے، بلکہ بعض انواعِ شرک کو شرک ہی نہیں جانا ہے اور بدعت کو حسنہ کہہ کر بجا لایا ہے اور قلبی و قالبی کبیرہ گناہوں سے احتراز نہیں کیا ہے تو وہ جنت ایسے مفت میں کیسے میسر آ جائے گی؟

مسلم ہوشیار باش!

ہر شخص پر فرض ہے کہ اس امر پر غور و فکر کر کے اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کی جان کو آتش جہنم سے بچائے اور حصولِ توحید اور شرک کی تمام اقسام کے ترک پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجا لائے۔ جب وہ مراتبِ توحید کو سمجھ لے اور ان کے مطابق اس کا عقیدہ، عمل اور حال درست ہو جائے تو اس نعمتِ عظمی کو

[1] مسند أحمد (٢/٣٥٩) مصنف عبد الرزاق (٦/٢٠٨) مستدرك الحاكم (٤/٢٨٥)

غنیمت کبریٰ سمجھ کر اس کی حفاظت کرے اور کسی مولوی، درویش، استاد اور پیر کے بہکانے سے کوئی لغزش نہ کرے، بلکہ جو کوئی اسے ایسی بات بتائے جو توحید و اخلاص کے خلاف ہو تو اسے پیر نہ سمجھے، بلکہ شیطان کا وکیل سمجھے اور اس سے بے زار ہو کر اس کی حجت کو ترک کر دے۔

قرآن مجید کے الفاظ و معانی کے فہم اور غور و خوض کے ساتھ اس کی تلاوت کرنے سے توحید کو تقویت ملتی ہے اور سنتِ مطہرہ کی کتب کا مطالعہ کرنے سے ان کے صحیح معانی دریافت کرنے کے ساتھ توحید کی حلاوت و طلاوت حاصل ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو انسان انھی دو چیزوں پر اکتفا کرے اور دیگر تمام علوم و فنون کو بے گانہ سمجھ کر طاقِ نسیان پر رکھ دے۔

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگزارند وسر طرۂ یاری گیرند

[میں تو اسی میں مصلحت دیکھتا ہوں کہ وہ تمام ہر جائی دوستوں کو چھوڑ دیں اور حقیقی دوست کے طرہ کا کنارہ تھام لیں]

اللهم أرنا الحق حقا، و ارزقنا اتباعه، و أرنا الباطل باطلا، و ارزقنا اجتنابه.

خاتمہ تالیف:

آج بروز ہفتہ شعبان کی آخری تاریخ ۱۳۰۵ھ کو یہ رسالہ دو روز میں ختم ہوا۔

ختم الله لنا بالحسنیٰ و زيادة، و جعلنا من أهل السيادة و السعادة، إنه على ما يشاء قدير، و بالإجابة جدير، و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، و صلى الله تعالیٰ على خير خلقه محمد و آله و صحبه أجمعين.

إخلاد الفؤاد
إلى
توحيد رب العباد

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان حسینی بھوپالی رحمہ اللہ

(۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله الذي نزّل الفرقان علىٰ عبده ليكون للعالمين نذيراً، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن محمداً عبده ورسوله، أرسله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره على الدين كلّه، و كفىٰ بالله شهيداً. أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الأنبياء: ٢٥]

''اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔''

اسلام میں عقیدے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اسی کی تعلیم و تبلیغ کے لیے جملہ انبیا و رسل کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا۔ ان سب انبیا کی دعوت کا خلاصہ توحید ہی رہا ہے۔ اسی لیے علامہ سفارینی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''تمام علوم، توحید کی فرع ہیں، اس لیے کہ توحید سب سے بہتر عبادت و طاعت ہے اور کسی بھی عبادت وطاعت کی صحت اور اعمال کی قبولیت کے لیے توحید لازمی شرط ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ توحید، ربّ ذو الجلال کی معرفت سے عبارت ہے۔ جس نے اپنے حقیقی معبود کو نہ پہچانا، اس کے تمام اعمال مردود قرار پاتے ہیں۔''

(لوامع الأنوار: ١/ ٥٧)

علامہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ نے علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت سے صراحت یا کنائے کے طور پر توحید ہی کا اثبات ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ﴾ [هود: ١، ٢]

''الٓرٰ۔ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں، پھر انھیں کھول کر بیان کیا گیا، ایک کمال حکمت والے کی طرف سے جو پوری خبر رکھنے والا ہے۔ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تمھارے لیے اس کی طرف سے ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔''

عقیدۂ توحید انسانی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، کیونکہ اس کے ذریعے سے انسان کو اعمالِ صالحہ کی تحریک ملتی ہے اور اسی سے ملت حقہ کو اتحاد و اتفاق کا درس ملتا ہے۔ جیسا کہ علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توحید ہی سے عمل صالح کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ توحید ہی ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بدولت ایک مومن نیکی، عمل صالح، اخلاق حسنہ، ایمان داری اور راست بازی پر قائم رہ سکتا ہے، بلکہ اسی توحید کے ذریعے سے انسانیت کا نظام برقرار رہ سکتا ہے۔ اسی سے امت کے درمیان اتحاد و اتفاق رہتا ہے اور اس کی شیرازہ بندی ہوتی ہے، باہمی طور پر دل ملتے ہیں اور وہ بغض، حسد اور کینے سے صاف رہتے ہیں۔

عقیدۂ توحید کی اسی بنیادی حیثیت کے پیش نظر ائمہ دین اور محدثین کرام نے ہر زمان و مکان میں اس عقیدے کی شرح و تفصیل پر توجہ کرتے ہوئے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس خدمت جلیلہ میں برصغیر کے علمائے اہلِ حدیث کا بھی نمایاں حصہ رہا ہے، جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں توحید کی تعلیم و تبلیغ اور شرک و بدعت کی تردید میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔

ان علمائے سلف میں، جن کو کتاب و سنت کی دعوت و تحریک میں اعلیٰ مقام حاصل ہے، سرفہرست نام نواب والا جاہ علامہ محمد صدیق حسن خان حسینی بخاری رحمہ اللہ کا آتا ہے۔ آپ نے ان تمام موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے جن کی معاشرے کو ضرورت تھی، لیکن عقیدہ توحید آپ کا خاص موضوع رہا ہے۔ اس موضوع پر آپ کی مایۂ ناز جامع کتاب ''الدین الخالص'' آپ کی جملہ تصانیف میں گلہائے رنگا رنگ میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔

علامہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ نے عقیدے کے موضوع پر نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی

پندرہ (۱۵) کتابوں کے نام ذکر کیے ہیں اور ڈاکٹر محمد اجتبا ندوی صاحب نے عقیدے کے موضوع پر ان کی کل تینتیس (۳۳) کتابوں کے نام تحریر کیے ہیں، لیکن استاذ گرامی جناب ڈاکٹر اختر جمال محمد لقمان سلفی مدنی (استاذ دار الحدیث مکہ مکرمہ) نے اپنی عربی تصنیف "النواب صدیق حسن القنوجي، آراؤه الاعتقادیة، وموقفه من عقیدة السلف" میں عقیدے کے موضوع پر نواب صاحب کی کتابوں کی تعداد چھیالیس (۴۶) لکھی ہے۔ ان میں اردو تالیفات کی تعداد دس (۱۰) ہے، جیسا کہ نواب صاحب نے زیرِ نظر کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے عقیدے کے موضوع پر ایک کتاب "دعایة الإیمان إلی توحید الرحمٰن" استاذِ محترم مولانا محمد اعظمی کی تسہیل و تخریج کے ساتھ جامعہ سلفیہ بنارس انڈیا سے جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے تعاون سے شائع ہو چکی ہے۔

موضوع کتاب:

زیرِ نظر کتاب "إخلاد الفؤاد إلی توحید رب العباد" ایک مختصر مگر اپنے موضوع پر عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں نواب والا جاہ نے مرصع و مسجع عبارات کے ساتھ تجدیدی تحریک سے قبل بلادِ عرب: نجد، بلدہ درعیہ وجبلیہ، شعیب غبیرا، ریاض، حرم شریف مکہ، طائف، قبا، جدہ، مزدلفہ، عرفات، موضع سرف، معلّٰی، جنت البقیع، روضۂ اطہر، عدنان، حدیدہ، قطیف و بحرین، مسقط، بلادِ مصر وصعید وقاہرہ، ملک یمن، حضر موت، حلب، دمشق، شام، موصل، مشہد وبغداد، بصرہ، عراقِ عجم وغیرہ میں ہونے والے غیر شرعی امور، منکرات وبدعات اور شرکیہ اعمال کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اقلیمِ ہند میں بہرائچ، مکن پور، اجمیر، دہلی وغیرہ میں ہونے والے قبروں پر میلوں اور عرسوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہاں پر جہاں بھر کے منکرات، اجتماعاتِ مرد وزن، سماعات وزیارات شرکیہ وبدعیہ عمل میں آتی ہیں۔ بڑے بڑے قبے اور مشاہد بنے ہوئے ہیں۔ ان مواضع میں استغاثہ اور استعانت بغیر اللہ؛ سب کچھ عوام وخواص بجا لاتے ہیں۔

۱۳۰۰ھ میں بعض علمائے دین کی کوشش سے شرک وبت پرستی اور پیر پرستی کا کارخانہ قدرے سرد پڑ گیا تھا۔ مدتِ تجدید کے دراز ہونے پر دوبارہ ان بدعات وشرکیہ اعمال نے قدم جمانا شروع کر دیا۔ اس کتاب میں عقیدہ توحید سے انحراف کے نتیجے میں ہونے والے ان غیر شرعی امور کا تذکرہ آپ نے بڑی دل سوزی کے ساتھ کیا ہے، جو اولیا اور صالحین کی قبور اور مزارات پر انجام دیے جاتے ہیں۔

سنہ تالیف:

اس کتاب کا سنہ تالیف ۱۳۰۵ھ ہے، جیسا کہ کتاب کے آخر میں نواب صاحب نے تحریر کیا ہے کہ آج ۱۸ شوال ۱۳۰۵ھ بروز سوموار دو روز میں یہ مقالہ تمام ہوا۔ اتنے اہم موضوع پر کسی تالیف کا دو روز میں مکمل کرنا، یہ نواب والا جاہ کے استحضار علمی کی واضح دلیل اور ان کے قلم کی جولانی کا کرشمہ ہے۔

دور حاضر میں عقیدۂ توحید پر اس جیسی مفید کتاب کو جدید طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر لانا وقت کی شدید ضرورت ہے۔ اس لیے میں نے اس کتاب کو، جس کی طباعت پر تقریباً سوا صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، تصحیح و تعلیق اور تخریج کے لیے منتخب کیا اور اسے اشاعت و توزیع کے لیے مکتبۃ الفہیم مئو کے ذمے داران کے سپرد کیا، جنھوں نے کتاب وسنت کی نشر واشاعت کے جذبہ صادقہ سے سرشار ہو کر اپنے ذوق سلیم کے مطابق اس کی طباعت کی ذمہ داری بہ رضا ورغبت قبول کی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور احیاء التراث الاسلامی کویت کے جذبہ صادقہ کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے ہمیشہ زندہ رکھے اور اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے۔ (آمین)

وصلى الله على نبيه محمد وآله وأصحابه، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، والحمد لله رب العٰلمين.

ضیاء الحسن محمد سلفی

استاذ جامعہ عالیہ عربیہ، مئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ مولف

الحمد للّٰه الذي نزّل الفرقان علىٰ عبده ليكون للعالمين نذيراً، وأشهد أن لا إله إلّا الله وحده لا شريك له، وكان ربّك علىٰ كلّ شيئ قديراً، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد، وعلىٰ آله وصحبه الّذين جاهدوا في الله جهاداً كبيراً. أما بعد:

جب تمام جہان عبادتِ اصنام و اوثان پر جھک پڑا، ملتِ خلیل علیہ السلام پرانی پڑ گئی اور لوگ ایسے لوگوں کو پوجنے لگے جو نفع وضرر کے مالک ہیں نہ موت وحیات کے وارث تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو شرعِ قویم اور منہاجِ مستقیم دے کر مبعوث کیا۔ انھوں نے بارگرانِ رسالت کو اٹھایا تو ظلماتِ جہالت اور رسومِ اہلِ ضلالت کو مٹایا، قواعدِ توحید کی بنیاد مضبوط کی، کفر کی جڑ کاٹی، دینِ الٰہی کا بول بالا کر دیا اور شرک وکفر کی تاریکی میں نورِ اسلام سے اُجالا کر دیا۔ آپ ﷺ آیات واضحات اور معجزات باہرات لائے جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن عظیم ہے، جو تا قیامِ ساعت باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب اور حدیث مستطاب سے دینِ امت کو کامل فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدۃ: ۳]

[آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا]

یہ وہ کتاب ہے جس سے باطل پرستوں کی حجتیں پست ہو گئیں، موحدین کے چہرے چمکنے لگے، شیاطین کے کلیجے جل بھن گئے اور اہلِ بدعت کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ پھر جب اللہ نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلا لیا اور دنیا سے اٹھا لیا تو اُن کے خلفا نے اشاعتِ توحید خالص اور قمعِ شرک میں کوشش کا

حق ادا کیا۔ خیر القرون تک یہی حالت تھی۔ ائمہ مذاہب اربعہ اور اصحابِ صحاح ستہ اسی زمانہ ہدایتِ نشانہ کے اعیان کامل الایمان تھے۔ جب ہجرت نبویہ پر دو سو برس کا عرصہ گزر گیا تو آیاتِ ساعت کا ظہور ہونے لگا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

«اَلْآيَاتُ بَعْدَ الْمِأَتَيْنِ»[1] [علاماتِ ساعت کا ظہور دو سو برس کے بعد ہوگا]

بعد ازاں اہلِ شرک وبدعت نے سر اُٹھایا اور ملت حقہ کو مٹانے کے لیے کوئی مکر وفریب اُٹھا نہ رکھا، یہاں تک کہ جب قتال و جدال سے کام نہ چلا، تب اظہارِ اسلام کے ذریعے مسلمانوں میں آ ملے اور اس پردے میں ہر طرح کا فساد برپا کیا۔ مطلب یہ تھا کہ لوگ مسلمان نہ رہیں، بلکہ اہلِ کتاب اور مجوس ہو جائیں، جس طرح کہ زمین انھیں فِرَق سے باعتبار ملّت وسلطنت کے لبریز تھی، مگر اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہے اور اُس کو دینِ حق کا باقی رکھنا قیامت تک منظور ہے، اور کیوں نہ ہو کہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک لا تعداد رسول آئے اور کتابیں لائے، لیکن اکثر امتوں نے اُن کی بات نہ سنی اور کوئی اُن پر ایمان نہ لایا۔ إلا ماشاء الله تعالیٰ (مگر جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا) ﴿وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ﴾ [صٓ: ٢٤] [اور ایسے لوگ بہت کم ہیں]، ﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ [سبأ: ١٣] [اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں]۔

حالانکہ اُن انبیا کی رسالت خاص تھی نہ کہ عام۔ اکثر پیغمبر کسی خاص قوم یا خاص شہر میں ہوتے تھے، لوگ اُن کی مخالفت کرتے، بلکہ اُن کو مار ڈالتے۔ جب یہ حال ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے واسطے سید الرسل خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ اُن کو سارے جہان کا پیغمبر ٹھہرایا اور ساری اگلی شریعتوں اور تمام کتابوں کو منسوخ فرما کر اسی ایک کتاب عزیز اور سنت مطہرہ کو واجب العمل قرار دیا۔ اب جو ان دونوں کا معتقد اور ان پر عامل نہیں ہے، وہ کافر مشرک اور جاہل ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٠٥٨) اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ علاماتِ قیامت کا ظہور دو سو برس کے بعد ہوگا۔ لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هذا حديث لا يصح، وعبد الله بن المثنىٰ ضعيف، وأبوه، وعون بن عمارة، قال الرازي: عون منكر الحديث ضعيف، وقال الدارقطني: وليس في الآيات شيئ صحيح" (العلل المتناهية: ٢/٨٥٥) نیز امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أحسبه موضوعا، وعون ضعفوه" (تلخيص المستدرك: ٤/٤٢٨) امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس روایت کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (١٩٧/٣)

اس امت میں شرک وبدعت کی کثرت اس طرح ہوئی کہ لوگوں نے قرآن کا سیکھنا سِکھانا، پڑھنا پڑھانا اور اس پر تدبر وتفکر کرنا چھوڑ دیا اور ہر کسی کے اجتہاد وقیاس کو حکمِ خدا ورسول علیہ السلام سمجھ کر سنت مطہرہ سے کچھ علاقہ نہ رکھا، پھر اس رسم وعادت کا رواج نسل درنسل اس درجے تک پہنچ گیا کہ جملہ عوام اور غالب خواص کالعوام بلکہ کالانعام نے یہ سمجھ لیا کہ اب کوئی بشر امت میں ایسا نہیں ہے جو قرآن وحدیث کو سمجھے، ان کے سمجھنے والے وہی چار امام یا ان کے امثال کرام تھے، حالانکہ یہ خیال وقیاس محض ایک وسوسۂ خنّاس کے سوا کچھ نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد بشر کو قرآن میں غور کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ [القمر: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰]

[اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟]

نیز آیاتِ قرآن کو واضحات بیّنات فرمایا ہے، یعنی ان کو سمجھنا بوجھنا کسی پر کچھ مشکل نہیں ہے۔ ہر شخص، عالم ہو کہ جاہل، اُس کو پڑھ کر یا اہلِ ذکر سے پوچھ کر سمجھ سکتا ہے۔ یہی حال احادیث مطہرہ کا ہے۔ قرآن کے بعد کسی کا بیان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے بڑھ کر واضح نہیں ہے۔ کوئی اس میں شک کرے تو کتبِ فقہ وغیرہ کو دواوینِ قرآن وسنت سے مِلا کر دیکھے کہ لفظ ومعنی کی جو دشواری عباراتِ قوم اور علما وفقہا کے اقوال میں ہے، کتاب وسنت کے الفاظ وعبارات میں وہ دقت نہیں ہے۔

اس کے باوجود جو شخص ان کے فہم کا منکر ہے، گویا وہ اپنی جہالت کا اقرار کرتا ہے اور اُس کا یہ جہل حقیقت بھی ہے، کیونکہ اس کی ولادت تقلید کے گھر میں ہوئی ہے نہ کہ محلِ توحید میں، اور اُس نے سرائے بدعت میں تربیت پائی ہے نہ کہ مدرسۂ سنت میں۔ وہ اگر یہ نہ کہے کہ میں قرآن وحدیث کا جاہل اور علمِ حق سے تہی دست ہوں تو اور کیا کہے؟

امام ابن عبدالبر، علامہ فلّانی اور شوکانی رحمہم اللہ جیسے اہلِ علم نے کہا ہے کہ سلفِ امت مقلدِ مذہب پر لفظِ عالم کا اطلاق نہیں کرتے تھے، اگرچہ وہ کتب کا کیڑا کیوں نہ ہوتا۔ اس لیے کہ تقلید جہل محض ہے، اس پر علم کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور مقلدین جہلا ہیں، جو مسئلے کو دلیل سے نہیں جانتے۔[1]

لہٰذا سب سے زیادہ شرک وبدعت میں یہی لوگ گرفتار ہیں۔ ان کو اگر قرآن وحدیث کی

[1] دیکھیں: جامع بيان العلم (۲/ ۲۲۰) إيقاظ همم أولي الأبصار للفلاني، القول المفيد للشوكاني.

مزاولت ہوتی یا یہ لوگ کتبِ فروع وفتاویٰ وکلام کے بجائے کتاب وسنت کو پڑھتے تو ممکن نہ تھا کہ شناعتِ شرک اور بدعت کی قباحت پر آگاہ نہ ہوتے، بلکہ خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لیے ہادی ہو جاتے، لیکن ابلیس نے ان شرکیہ اور بدعیہ افعال کو اُن کی نظروں اور دلوں میں ایسا خوبصورت اور مزین کر دیا ہے کہ وہ ہرگز قیامت تک کبھی آیت وحدیث کی طرف سر نہ اُٹھائیں گے، بلکہ وہ اُلٹا اہلِ حق کو اہلِ باطل اور انھیں دینِ حق سے عاطل سمجھتے ہیں، جیسا کہ مثل مشہور ہے:

”رمتني بدائها وانسلّت“

[اس نے اپنی بیماری مجھ پہ تھوپ دی اور خود کھسک گئی]

اس جگہ مفاسدِ تقلید اور تعصب کے نقصانات سے بحث کرنا ہمارا مطمح نظر نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ بعض انواعِ شرک کا ذکر کیا جائے، تاکہ اُس کے فسادِ عام پر لوگ مطلع ہوں۔ یہ مختصر تحریر دو فصول پر مشتمل ہے۔ وبالله التوفيق.

پہلی فصل

شرک کا انتشار اور اس کے اسباب

اس فصل میں یہ بیان ہو گا کہ اس زمانہ آخر میں تمام جہان میں شرک عام ہو گیا ہے۔ جب سے قرآن وحدیث پر غربتِ اسلام اور مفاسدِ انام کی کثرت کی بدولت عمل کرنا جاتا رہا، اہلِ علم باللہ دنیا سے اٹھ گئے، اخیار کی جگہ اشرار آئے، صالحین کے عوض میں فاسقین کا ظہور ہوا، لوگوں نے دنیا کے واسطے علم حاصل کرنا شروع کیا اور آخرت کو بھول گئے ہیں۔ قیامت صغریٰ کی علامات ہر قطر زمین بلکہ ہر شہر محلے اور گھر میں پھیل گئیں اور دین محض رسومِ آبا واجداد کا نام ٹھہر گیا۔ کتاب وسنت کے بجائے کتبِ رائے وقیاس کا رواج ہوا اور پیری مریدی نے ایک جہاں کو اپنے دامِ فریب میں گرفتار کر لیا۔ تقلیدِ رجال اور اعتمادِ قیل وقال نے اکثر امت کو اتباعِ ہدیٰ سے محروم رکھا، تب سے اہلِ اسلام میں انواعِ شرک وبدعت کا اس قدر شیوع ہوا ہے کہ جس کو دیکھو، وہ گندگیوں اور نجاستوں میں لت پت ہے۔

عبادتِ اولیا:

اکثر مخلوق نے اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر اولیا وصالحین کی عبادت کرنا موجبِ نجات سمجھ لیا اور ربقۂ توحید و دین کو اپنی گردن سے نکال کر نوازل، حوادث اور مصائب میں اہلِ قبور سے استغاثہ، استعانت، استمداد، توسل، طلب حوائج اور تفریجِ شدائد کرنا شروع کیا۔ اُن کو نافع وضارّ سمجھا اور اللہ پاک کو معطل وبے کار ٹھہرایا، جس طرح یہود کا عقیدہ ہے۔ جو کام بت پرست مشرکین کرتے ہیں، نام بدل کر وہی کام انھوں نے اختیار کیے۔ اُن کے معبود اشجار واحجار تھے، اِن کے معبود اموات واجداث ہیں۔ وہ اپنے بتوں کے لیے جانور ذبح کرتے، اُن کی نذر ومنت مانتے، اُن کو مقرب اور خدا کے نزدیک شفیع سمجھتے تھے، یہ لوگ یہی کام اپنے صلحا اور بعض طلحا کے ساتھ کرتے ہیں۔ کوئی سید احمد کبیر کی گائے ذبح کرتا ہے، کوئی شیخ سدّو کا بکرا، کوئی زین خان کا مُرغا، کوئی شاہ عبدالحق رحمہ اللہ کا توشہ۔ کوئی بی بی کی صحنک،[1] کوئی سالار مدار کی چھڑی، کوئی سید معین الدین رحمہ اللہ کی دیگ، کوئی کسی کی نذر ومنت دیتا ہے!!

[1] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام پر نیاز دینا۔

پس یہ لوگ ان بتوں کے مجاور بنے بیٹھے ہیں اور بیشتر اوقات انھی کو لازم پکڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو فراموش کر بیٹھے تو اللہ نے بھی انھیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا، ایسے ہی لوگ نافرمان ہوتے ہیں۔ شیطان ان کی عقلوں کے ساتھ خوب کھیلا، پھر ان کو تباہی کے دھانے پر لے گیا اور انھیں ذلت کی گہرائی میں ڈال دیا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۷۵]

[یہ اپنی سرکشی میں جم کر اور بہکنے لگے]

مشرکینِ مکہ اور آج کے مسلمانوں کی حالت:

یہ لوگ خواہشات کی چوٹی پر سوار ہوئے اور معروف و مستحکم سنتوں کو چھوڑ کر عمومی فتنوں میں گرفتار ہو گئے۔ انھوں نے اولیاے احیا واموات کو متصرف امورِ عالم اعتقاد کر لیا، انبیا وصلحا کو غیب دان ٹھہرا دیا، انھیں قاضیِ حاجات، کاشفِ کربات (مصائب کو ٹالنے والا) شافیِ مریض، گم شدہ کو واپس لانے والا اور اولاد دینے والا سمجھ لیا۔ ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ [الأنعام: ۱]

[پھر کافر لوگ غیر اللہ کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں]

کئی لوگ اعمالِ کفر وفجور، عبادتِ اہلِ قبور اور انھیں سے دعا ونذر میں لگ گئے اور بہتان تراشی، رسوم پرستی اور غیر شرعی امور میں پھنس گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۱۱۷]

[اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہے، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے، بیشک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں]

شیاطین نے ان کے لیے وہ دین نکال دیا جس کا اذن اللہ نے ان کو نہ دیا تھا۔ جو کام اللہ کے سوا غیر اللہ کے ساتھ کرنا جائز نہ تھا، وہ ان کے لیے انھوں نے جائز کر دیا۔ یہ اہلِ جاہلیت سے بھی آگے بڑھ گئے، کیونکہ وہ لوگ مصائب کے وقت صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٦٥]

[پس جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے دین خالص کر کے، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں]

جبکہ یہ لوگ دریائی سفر میں بھی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ کوئی کسی پیر، شہید، ولی اور امام کو پکارتا ہے، کوئی کسی جن، بھوت اور پری کو آواز دیتا ہے۔ ان کے دل غیر اللہ کی محبت سے معمور ہوتے ہیں۔ جو کوئی اُن کو اِس کام سے منع کرے تو یہ لوگ اُس کے دشمن اور دشنام طراز بن جاتے ہیں۔ اللہ سے اُن کو کوئی واسطہ باقی نہیں رہا، اس لیے کہ یہ اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر جانتے ہیں۔ اگرچہ یہاں اس سے انکار کرتے ہیں، مگر دوزخ میں اس کا اقرار کریں گے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الشعرآء: ۹۷، ۹۸]

[اللہ کی قسم یقیناً ہم تو کھلی گمراہی پر تھے جبکہ تمھیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے]

اپنے معبودوں کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی ہے، جو ان کے افعال واقوال سے عیاں ہے۔ یہی محبت ان کے شرکیہ اعمال کی بنیاد ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ [یوسف: ۱۰۶]

[اور ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں]

آبا پرستی:

ایسی ضلالت وغوایت، شرک و انحراف، تغییر دین اور ابتداعِ خلاف کا وقوع ایک زمانہ دراز سے جاری ہے۔ اسلاف گمراہ نابکار کے بعد جو اخلاف ناہموار آئے، انھوں نے اسی ضلال کو اپنا عقیدہ ٹھہرا لیا اور اس شرک وکفر کو عین حق سمجھ لیا، اس لیے کہ انھوں نے اپنے آبا واسلاف کو اسی راہ پر چلتے ہوئے پایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴾ [الزخرف: ۲۳]

[اور اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم

تو انھی کے نقشِ پا کی پیروی کرنے والے ہیں]

اہلِ علم کی کثیر تعداد نے اپنی مصنفات میں ان بدع وحوادث پر روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح انھوں نے منارِ دینِ اسلام کو بدل دیا اور توحید کے بجائے لوگوں کے دلوں میں شرک جما دیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ﴾ [الأنعام: ١١٢]

[اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجیے]

فوت شدگان کو حاجت روا سمجھنا شرک ہے:

اکثر لوگوں کی تگ و دو یہی ہے کہ وہ زندہ اور فوت شدہ اولیا وصالحین کو پکارتے اور اُن سے اپنے امور میں مدد طلب کرتے ہیں۔ وہ ان کے حق میں نفع وضرر کا اعتقاد رکھتے ہیں، گویا ایک معبود کے بجائے انھوں نے کئی معبود مقرر کر لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ [النحل: ٥١]

[اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ، معبود تو صرف وہی اکیلا ہے، پس تم سب صرف مجھ ہی سے ڈرو]

یہ لوگ مدبرِ خلائق کے عطا ومنع سے قطع نظر کر کے تیرے میرے بھروسے پر اعتماد کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾ [النحل: ٥٣]

[اور تمھارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں، اب بھی جب تمھیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو اسی کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو]

یہ لوگ صبح وشام انھیں کے دروازے یا قبر پر قضاے حاجات کے لیے موجود رہتے ہیں۔ فوت شدگان اولیا کے لیے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ جو چیز اللہ نے حرام کی ہے یا شرک ٹھہرائی ہے، وہ ان کے نزدیک مباح ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الأعراف: ٣٣]

[کہہ دے! میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں، اور گناہ کو، اور ناحق زیادتی کو، اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے]

بلادِ عرب میں شرک کا فساد و انتشار:

دیارِ عجم کا کیا ذکر ہے جن کی گھٹی میں شرک و کفر پڑا ہے۔ بلادِ عرب میں بھی کوئی ایسا شہر اور قصبہ نہیں جہاں اس منحوس شرک نے اپنا قدم نہ جمایا ہو۔ بلادِ نجد میں زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر پر مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے لوگ لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ [یونس: ١٨]

[کہہ دے! کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں]

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیا سے

یہی حال بلدہ درعیہ کا ہے جہاں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں مشہور ہیں، جن سے قضائے حاجات طلب کرنا لوگوں کا معمول ہے اور وہ لوگ اپنے جملہ حالات میں ان ہی پر جمے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ﴾ [الصافات: ٨٦] [کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟]

جو خوف اور رغبت اُن اہلِ قبور کی اِن قبر پرستوں کے دلوں میں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بھی ان کے ہاں نہیں ہے۔ اسی لیے وہ لوگ ان سے اپنی ضروریات طلب کرنے میں سبقت کرتے تھے اور

کہتے تھے: ﴿إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّقْتَدُونَ﴾ [الزخرف: ۲۳]

[بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو انھیں کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں]

شعیب غبیرا میں شرکیہ رسومات:

شعیب غبیرا میں وہ شرک ہوتا ہے کہ ویسا کسی اور جگہ متصور نہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، حالانکہ یہ محض جھوٹ اور نرا بہتان ہے۔ ابلیس نے اُن کو اپنے دامِ تزویر میں گرفتار کیا ہوا ہے اور انھیں کوئی خبر نہیں ہے۔ شہر فدا میں ایک کھجور کا درخت ہے جس کو فحال کہتے ہیں۔ وہاں صبح شام مرد و زن حاضر ہوتے ہیں اور اُس جگہ افعال قبیحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جس عورت کو کوئی شوہر نہیں ملتا تو وہ اُس درخت سے جھوم کر کہتی ہے:

"يا فحل الفحول! أريد زوجاً قبل الحول"

[اے سانڈوں کے سانڈ! میں ایک سال سے پہلے خاوند چاہتی ہوں]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا۟ وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ [الأنعام: ٤٣]

[سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انھوں نے عاجزی کیوں اختیار نہیں کی، لیکن ان کے قلوب سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر دیا]

وہاں ایک شجرہ طوفیہ ہے، جہاں کوئی شیطان رہتا ہے۔ ایک خلق وہاں جا کر تبرک حاصل کرتی ہے۔ جب کسی عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے تو وہ اُس پر چیتھڑے لٹکاتی ہے، تاکہ وہ بچہ مرنے سے بچ جائے۔

درعیہ میں غار کی پوجا:

اسفل درعیہ میں ایک بڑا غار ہے، جس کی نسبت لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ نے پہاڑ میں ایک عورت کے لیے، جس کا نام بنت الامیر تھا، یہ غار بنا دیا ہے۔ جب بعض فجّار نے اُس عورت پر ظلم کرنا چاہا تو وہ چلاّئی اور اُس نے اللہ سے دعا کی تو پہاڑ میں یہ غار بن گیا اور وہ اس فاجر شخص کی دست درازی سے بچ گئی۔ اب لوگ اس غار پر گوشت، روٹی اور کئی قسم کے تحائف لے جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَٱللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ [الصافات: ۹۵، ۹۶]

[آپ نے فرمایا: تم انھیں پوجتے ہو جنھیں خود تم تراشتے ہو، حالانکہ تمھیں اور تمھاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے]

اہلِ درعیہ تاج نامی ایک شخص کو ولی بتاتے ہیں اور جو کام مشرکین اپنے طواغیت کے ساتھ کرتے تھے، وہ اُس کے ساتھ بجا لاتے ہیں۔ نفع نقصان کے عقیدے کے ساتھ اس کی نذر و دعا کرتے ہیں اور قضاے حاجات کی خاطر فوج درفوج وہاں جمع ہوتے ہیں، پھر وہ تاج ولی اپنے شہر سے نذرانوں کا جمع شدہ مال لینے کے لیے درعیہ میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الزخرف: ۳۷]

[اور وہ انھیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں]

غرض کہ اُس شہر کے قرب وجوار کے لوگوں کو اس شخص کے حق میں بڑا ہی اعتقاد ہے، یہاں تک کہ ہر حاکم اُس سے ڈرتا ہے۔ اُس قبر کے پجاریوں سے ہر انسان خائف رہتا ہے، کوئی اُن سے تعرض نہیں کرتا، پھر اُن کو ستانے کا کیا ذکر ہے؟ لوگ اس کی طرف بڑی حکایتیں منسوب کرتے ہیں اور ان جھوٹی اور غلط حکایتوں کو سچا قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء: ۲۲۷]

[اور ظالم لوگ ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ اُلٹتے ہیں]

اہلِ ریاض کے شرکیہ اعمال:

یہی حال شہر ریاض کا ہے کہ وہاں بھی قسما قسم کے بے شمار گناہ اور نجاستیں موجود ہیں، جن میں سے ایک حوطۂ رفاع کے نزدیک ایک مقبرہ ہے جہاں لوگ تبرک وانتفاع کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور شفا اور سفارش طلب کرتے ہیں۔ شیطان نے ان سے وہ چیز فراموش کرا دی جسے وہ پڑھتے تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ [الأنبياء: ۲۸]

[اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو، وہ تو خود ہیبتِ الٰہی سے لرزاں وترساں ہیں]

دوسرا مقبرہ طیاذب ہے، جس کی طرف ابلیس لعین لوگوں کو کھینچ کر لاتا ہے۔ لوگ وہاں آ کر دعا و نذر

کرتے ہیں۔ وہ اُس مرقد کو قاضیِ حاجات، دافعِ کربات اور مرادوں کی جائے حصول مانتے ہیں اور اُس کے سامنے تعظیم عظیم بجا لاتے ہیں۔ ایسے لوگ واحد قہار کی بطش شدید (سخت گرفت) سے بے پروا ہیں۔ شیطان نے ان کے خیال میں ان کی من پسند چیزوں کو آراستہ کر دکھایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الأنبياء: ٢٥]

[اور تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو]

پھر کوئی کسی غوث سے مدد کا طالب ہے اور کوئی کسی قطب سے حاجت روائی کا خواست گار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٤٣]

[یا ان کے لیے ہمارے سوا کوئی اور معبود ہیں، جو انھیں بچاتے ہیں؟ وہ نہ خود اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جاتا ہے]

پھر جو لوگ مالدار ہیں، وہ ان معبودانِ باطلہ سے امداد و اغاثہ طلب کرتے اور خیال کرتے ہیں کہ یہ فریاد رسی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [النمل: ٦٢]

[یا وہ جو لاچار کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور تمھیں زمین کے جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو]

حرم شریف مکہ:

ان شہروں کو جانے دو، حرم شریف مکہ۔ زاده الله رفعةً وتشريفاً۔ کو دیکھو کہ وہاں وہ کام ہوتے ہیں جو اور شہروں کے بھی کان کترتے ہیں۔ وہاں ایسے حرام امور کا ظہور ہوتا ہے جنھیں دیکھنے

سننے سے آنکھ دریا اور دل تنور ہو جاتا ہے۔ اس ضلال وعصیان کے مشاہدے سے اہلِ توحید کا جگر پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اللہ و رسول کی حرمات وحدود اور شعائر کا انتہاک عمل میں آتا ہے۔ اہلِ باطل کا وہاں قیام وقعود ہے۔ ہر امر بدعی اور منکر شرعی وہاں موجود ہے۔ یہاں تک کہ جو موحد حج کے لیے وہاں جاتا ہے، اس کے عقائد سے متعلق محض معلوم ہونے کے ساتھ ہی ذلت کے ساتھ اسے وہاں سے نکالا جاتا ہے۔ اگر کوئی علمِ دین حق کی کتاب وہاں پہنچتی ہے تو قطع و برید کی سزاوار ٹھہرتی ہے۔

اہلِ بدعت کی قرآن دشمنی ...ایک واقعہ:

ایک مہاجر نے اسی ماہ شوال ۱۳۰۵ھ میں ایک شخص کو لکھا کہ آج کل یہ مخبری ہوئی کہ فلاں شخص کے پاس تفسیر "فتح البیان"[1] (مطبوع مصر قاہرہ) موجود ہے، پھر اسے چند مخصوص مقامات سے دیکھا گیا تو شریفِ مکہ اور مفتی و قاضیِ بلد کو نہایت غصہ آیا، اس لیے کہ اس میں تقلید وشرک کا رد پایا گیا اور ہر آیت کے نیچے احادیث مرفوعہ کا حوالہ دیا گیا تھا۔ ایک رسالے میں اُس تفسیر کے کچھ اقوال جمع کر کے یہ حکم دیا گیا کہ اُس کی جملہ مجلدات آگ میں جلا دی جائیں، لیکن حفاظتِ الٰہی نے اپنا کام کیا تو مخالفین کا داؤ نہ چلا اور وہ سب نسخے راتوں رات مکہ مکرمہ سے جدہ میں کرائے کے اونٹوں پر لاد کر بھیج دیے گئے۔ کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

﴿ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ [الحج: ٢٦]

[اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کر دی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر]

جس نے اس بقعہ مبارکہ کو دیکھا ہے اور قلبِ سلیم رکھتا ہے، وہ ان احوال پُر اہوال کا شاہد عدل ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ [الحج: ٢٥]

[اور جو بھی اس میں کسی قسم کے ظلم کے ساتھ کسی کج روی کا ارادہ کرے گا، ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے]

[1] مولف رحمہ اللہ کی تالیف کردہ عربی تفسیرِ قرآن جو پندرہ جلدوں میں مطبوع ہے۔

ایک جمِ غفیر اس فعل کا چشم دید ہے اور ایک جمِ کثیر اس عمل کا علانیہ ارتکاب کنندہ ہے۔ اول تو وہاں کوئی اہلِ علم نہیں ہے، اور جو بعض مقلدینِ مذاہب وہاں قاضی اور مفتی ہیں اور اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہیں، وہ سب بدعقیدہ مبتدعین اور مشرکین ہیں۔ ایسے لوگ اس منکر عمل کا ازالہ وتغییر کیوں کرنے لگے؟ بلکہ وہ تو خود حق کے مقابل اور اہلِ باطل کے مددگار ہیں، جو توحید وسنت کے روشن چراغ کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ [المؤمن: ٥]

[اور انھوں نے باطل کے ساتھ جھگڑا کیا، تاکہ اس کے ذریعے سے حق کو پھسلا دیں، تو میں نے انھیں پکڑ لیا، پھر میری سزا کیسی تھی؟]

نیز فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ [الفاطر: ٣٧]

[اور کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا نصیحت حاصل کر لیتا اور تمھارے پاس خاص ڈرانے والا بھی آیا۔ پس چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں]

اہلِ مکہ کی حالتِ زار:

بیس برس قبل مَیں حج پر گیا تھا تو مجمع حجاج کو ایک میلے کی طرح پایا۔ مزدلفہ میں آتش بازی کا ہنگامہ گرم ہوا۔ ایک ایک نار دو دو میل آسمان کی جانب جاتا تھا۔ القواپ سر ہوتے تھے۔ ترک فوجیوں کا دستہ وردی پہنے ہوئے عرفات کو جاتا تھا۔ خاص شہر مکہ میں شراب کی دکان اور زانی عورتوں کا محلّہ سنا گیا۔ شادی بیاہ میں بدعاتِ عجم کا مروج ہونا معلوم ہوا۔ اس طرح کی صدہا منکرات علی الاعلان وہاں موجود ہیں جو روز افزوں ہوتی ہیں۔ مزید برآں وہاں کسی کی آبرو محفوظ ہے، کسی کا مال امن میں ہے اور نہ کسی کا خون معصوم ہے۔ فإنا للّٰه وإنّا إليه راجعون.

اسی لیے ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے بدعاتِ حرمین کو ایک مستقل رسالے میں جمع کیا ہے، لیکن وہ

رسالہ نئی پیدا ہونے والی منکرات وبدعات کے انضمام والحاق کا حق دار ہے۔ اہلِ توحید خالص پر وہاں وہ تشدد ہے کہ دیدنہ شنید۔ بلا مبالغہ جو معاملہ مشرکینِ مکہ نے بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے اَمثال کے ساتھ کیا تھا کہ ''احد احد'' کہنے پر ان پر وبال وعذاب ڈالا تھا، وہی حال ومآل اُس سرزمینِ جہال میں آج کل اہلِ توحید کا ہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

[جب کعبہ ہی سے کفر اٹھے تو پھر مسلمانی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟]

یمن میں قبر پرستی:

ملک یمن میں ایک حاکم ابو طالب کا مزار مرجعِ مطالب ہے، حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ وہ ایک ظالم اور غاصب حاکم تھا، جو بلادِ نجد کی طرف جاتا اور اُن سے مال وتاوان لیتا۔ اگر وہ دے دیتے تو لوٹ آتا، ورنہ اُن سے جنگ کرتا۔ اب اسی کی قبر پر سماعات اور مشکلات ومصائب کے وقت لوگ مدد طلب کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک مجذوب کی قبر کے پاس لوگ گناہوں کی بخشش کی دعا کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ اُن کے نزدیک مقرب ومحبوب ہے، اسی لیے وہ اُس کے شر سے ڈرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی ظالم یا چور یا کسی کا مال لوٹنے والا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر کے پاس جا چھپتا ہے تو کوئی اُس سے تعرض نہیں کرتا، حالانکہ اگر کوئی ادنا قصور وار کعبے میں جا چھپے تو یہی لوگ اُس کو پکڑ کر گھسیٹتے لائیں۔ وہ لوگ ان دونوں کی تعظیم میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ﴾ [يٰسٓ: ٧٤، ٧٥]

[اور انھوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنا لیے، تاکہ ان کی مدد کی جائے۔ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور یہ ان کے لشکر ہیں، جو حاضر کیے ہوئے ہیں]

مکہ اور طائف میں قبر پرستی:

موضع سرف (مکہ مکرمہ) میں میمونہ بنت حارث ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس لوگ وہ کام کرتے ہیں جو بالکل سرف (حد سے تجاوز) ہے۔ معلّٰی (مکے کا قبرستان) میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس اختلاطِ نسا ورجال ہوتا ہے اور فواحش ومنکرات عمل میں آتے ہیں۔ دعوات کے وقت بلند آواز سے ندبات واستغاثات کیے جاتے ہیں۔ طائف میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر ہے۔ وہاں وہ کام ہوتے

ہیں جس سے جاہل کا نفس بھی گھبرائے، عارف کا تو کیا ذکر ہے؟ قبر کے پاس کھڑے ہو کر وہ ہر پریشانی اور خوف سے پناہ مانگتے ہیں اور اکثر بازاری لوگ بازاروں میں اُن کا نام بلا نکیر پکارتے ہیں۔ بہت سے اہلِ شرک اور بے خیر اصحابِ فقر وافلاس یوں کہتے ہیں: اے ابن عباس! آج کے دن اللہ اور آپ ہی پر ہمارا اعتماد و توکل ہے۔ پھر ان سے حاجات روائی چاہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنَ﴾ [یٰس: ۲۳]

[کیا میں اس کے سوا ایسے معبود بنالوں کہ اگر رحمان میرے بارے میں کسی نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی سفارش میرے کسی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے بچائیں گے]

قبر نبوی پر رکوع وسجود:

جناب محمد مصطفی ﷺ کی قبر شریف کو دیکھو کہ وہاں کیا کیا منکرات وبدعات ہوتی ہیں۔ کوئی رخسار خاک سے ملتا ہے، کوئی خضوع کے لیے سجود و رکوع کرتا ہے، کسی نے مرقد مبارک کو عید گاہ بنا رکھا ہے، کسی نے وہاں قبولِ دعا کا اعتقاد کر رکھا ہے، حالانکہ حدیث میں اس کے فاعل پر لعنت و زجر اور وعید شدید آئی ہے۔[1] اُس مقام میں یہ کام صرف عوام وجہال ہی نہیں کرتے، بلکہ مدعیانِ علم وفضل بھی ایسے افعال بجا لاتے ہیں۔ کوئی اپنا قصیدہ لے جا کر پڑھتا ہے اور قبولیت کی نوید لے کر آتا ہے۔ کوئی وہاں دعا والتجا کرتا ہے۔ کوئی صلات وسلام کے واسطے بڑے بڑے لمبے الفاظ پڑھتا ہے۔ یہ امر ناقابل ذکر ہے، بلکہ بیان کرنے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قبر شریف کے گرد عورتوں کا ہجوم تھا۔ وہ سب حجاج سے بھیک مانگنے والیاں تھیں۔ جس جگہ بقیع میں جانا ہوا، وہاں بھی عورتوں کا ایک جھنڈ موجود پایا۔ قبر کی زیارت اس لیے مسنون وماثور ہے کہ دنیا سے جی اُٹھے اور آخرت یاد آئے لیکن وہاں جوان جوان نوخیز دوشیزاؤں اور شادی شدہ عورتوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اکثر حجاج تنہا جاتے ہیں، اپنے گھر والوں سے ملے انھیں زمانہ بیت چکا ہوتا ہیں، لہٰذا ان کو دیکھ کر دلوں میں وسوسہ آتا ہے۔ دنیا سے دل کا سرد ہو جانا تو کجا

[1] یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں مروی ہے: «لعنة الله على اليهود والنصارىٰ، اتخذوا قبور أنبياء هم مساجد» [صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٣١)]

وہاں شہوت سے فسق کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ عیاذاً باللہ

درون خانۂ چشم تو مردماں ہستند
کہ درمیانِ حرم می زنند قافلہ را

[تیرے خانۂ چشم کے اندر بہت سے لوگ ایسے ہیں جو حرم کے درمیان قافلے کی طرح رواں دواں ہیں]

یہی حال سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس بقیع اور قبا میں بھی دیکھا، جہاں ایسی ایسی منکرات دیکھنے کو ملیں جن کی تفصیل بیان کرنے سے قلم قاصر ہے، اگرچہ گذشتہ صفحات میں اس کا اجمالاً بیان ہو چکا ہے۔

وَلَيْسَ يَصِحُّ فِي الْأَذْهَانِ شَيْئٌ
إِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ إِلَى دَلِيلِ

[جب دن کے ثبوت کے لیے بھی کسی دلیل کی ضرورت ہو تو پھر ذہنوں میں کوئی چیز سلامت نہیں]

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے دل میں دنیا کی محبت غالب ہے، جب وہ حج وعمرہ ادا کرنے جاتے ہیں تو حرمین شریفین ۔زاد اللہ شرفھما۔ کا ٹھاٹھ دیکھ کر اور بھی زیادہ یادِ آخرت سے دور جا پڑتے اور محبت وحطامِ دنیا میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ یہ حج اُن کے حق میں گویا حجتِ الٰہی کی تکمیل ہوتی ہے۔ بھلا جس جگہ کوئی عابد اور طالبِ آخرت شاہانِ دنیا کا ٹھاٹھ باٹھ ملاحظہ کرے گا، توفیقِ الٰہی اور غلبہ محبتِ آخرت کے سوا وہ کون شخص ہے جس کو لغزشِ قدم نہ ہو گی؟

اہلِ جدہ کی حالت:

جدّہ میں دیکھو! وہاں ساٹھ (٦٠) گز کی ایک قبر بنی ہوئی ہے۔ لوگ اُس کو قبرِ حوا علیہا السلام اعتقاد کرتے ہیں۔ بعض شیاطین نے ایک مدت دراز سے اس کو تیار کیا ہے۔ ہر سال وہاں نذر ونیاز کے مال کی ایک بڑی آمدنی ہوتی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان وہاں جائے اور اپنی بڑی ماں پر سلام کرنے کو حاضر نہ ہو یا کچھ مال نہ چڑھائے؟ ایسی جگہ پر تو کوئی لئیم وناخلف بھی بخل نہ کرے گا، چہ جائے کہ فرزند سعید رشید؟ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم.

پھر ایک اور معبد ہے جس کا نام علوی ہے۔ اُس کی تعظیم اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کوئی قاتلِ نفس یا غاصب یا سارقِ مال وہاں پناہ پکڑتا ہے تو کسی مومن وفاسق کو مجال نہیں ہے کہ اُس کا ایک بال بھی ٹیڑھا کر

سکے۔ جو شخص اس کی قبر سے پناہ پکڑے، اس کو پناہ ملے گی اور اس پر کوئی حاکم اور وزیر زبردستی نہ کر سکے گا۔

۱۲۱۰ھ میں جدے کے ایک تاجر نے اہلِ ہند اور اہلِ احسا سے بہت سا مال ستر ہزار ریال کے قریب خرید کیا تھا۔ چند روز کے بعد اُس کو تجارت میں نقصان ہوا اور اُس کے پاس اتنا مال بھی باقی نہ رہا کہ نصف قرض بھی ادا کرے۔ وہ لوگوں کا غوغا دیکھ کر بھاگا اور علوی کی قبر کے پاس جا چھپا، پھر کسی شریف و وضیع اور صغیر و کبیر کو مجال نہ ہوئی کہ اس سے تعرض کرتا۔ یہ قبر کیا ٹھہری، گویا مشرکوں کا بت کدہ اور کافروں کی جائے امان ہے۔ آج اگر کوئی مجرم حرم شریف میں پناہ پکڑنا چاہے تو ہرگز اُس کو وہاں امن نہ ملے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾ [آل عمران: ٩٧]

[اور اس میں جو آ جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے]

اہلِ مصر کی شرکیہ عادات:

مصر میں وہ افعال منکرہ ہوتے ہیں جن کے ذکر سے زبان قاصر ہے، خصوصاً صلحا و عبّاد کی اور احمد بدوی وغیرہ کی قبور کے پاس آ کر لوگ استغاثہ کرتے اور استمداد و اعانت چاہتے ہیں۔ سیکڑوں نوخیز لڑکیاں وہاں بطور نذر کے آزاد اور فواحش میں مبتلا رہتی ہیں۔ پھر وہ نفع و نقصان رسائی کی مختلف حکایات اصحابِ قبور سے نقل کرتے ہیں، جو صریح منکرات اور واضح بدعات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کے لیے استغاثہ کیا تھا، فی الفور اس کی فریاد رسی ہوئی، فلاں نے فلاں سے اپنا حال کہا تھا تو اُسی دم کشفِ ضر ہو گیا اور فلاں کا فقر صرف سوال کرتے ہی جاتا رہا، حالانکہ یہ بلاد علما سے بھرے ہوئے ہیں، اس کے باوجود یہ ممنوع کام مسلسل ہوتا ہے اور ان امور پر غیرت نہیں آتی، بلکہ اس سے لوگوں کو شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے!!

یمن میں استعانت بغیر اللہ کا رواج:

رہا وہ شرک و فتنہ جو بلادِ یمن میں ہے تو وہ بے حد و حساب ہے۔ اہلِ شرق صنعا کے پاس ہادی نام کی ایک قبر ہے۔ جس کو دیکھو، وہ اُس کو پکارتا اور اُس سے استغاثہ کرتا ہے۔ جس عورت کو حمل نہیں رہتا یا عقیم (بانجھ) ہوتی ہے تو وہ اس جگہ آ کر خدا جانے کیا کیا واہیات کلمے بکتی ہے۔ پاک ہے وہ ذاتِ الٰہی جو بڑی بڑی سنگین برائیوں کے صادر ہونے کے باوجود جرم پر فوری سزا نہیں دیتی ہے۔

شہر برع کے لوگ ایک برعی نامی شخص کے معتقد ہیں۔ وہ اُس کی قبر کے پاس دور دور سے سفر کر کے فریاد کرنے اور حاجت روائی کے لیے آتے ہیں۔ وہاں مدتوں ٹھہرتے اور جانور ذبح کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس درگاہ کا مشاہدہ کرنے والے ان خبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔

اہلِ ہجریہ اور آس پاس کے لوگ ابن علوان کی قبر کے معتقد ہیں۔ وہاں ہر غم زدہ شخص مصائب سے عاجز آ کر مدد مانگنے آتا ہے۔ مردم غوغا نے اُن کا نام "منجي الغارقین" (ڈوبنے والوں کو بچانے والا) رکھا ہے، جیسا کہ بعض سامعین نے بیان کیا ہے۔ اکثر اہل بر و بحر اس کا ذکر سن کر طرب میں آتے ہیں اور وہیں سے استغاثہ کرتے ہیں، اگرچہ قبر تک نہ آئیں۔ اس کی قبر پر مجالس و محافل منعقد ہوتی ہیں اور انواعِ معاصی ومفاسد وجود میں آتے ہیں۔

اَقطارِ یمن میں اس سے زیادہ کسی قبر کی شہرت نہیں ہے۔ اُس جگہ لوگ اپنے بدن میں چھریاں بھونکتے، عبادتِ ابلیس کرتے ہیں اور وجد و حال کی کیفیت میں ناچتے گاتے ہوئے کہتے ہیں:

"اے میرے آقا! میرا دل تمھارے ساتھ ہی وابستہ ہے۔"

اہلِ حضرموت وشحر ویافع وعدنان کا حال کچھ نہ پوچھو۔ وہ گویا گمراہی اور ضلالت کا وطن ہے۔ وہ عیدروس کے معتقد ہیں اور اس کی قبر کے پاس بیوقوفیوں اور گمراہیوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اللہ کے واسطے اے عیدروس! کچھ عطا ہو۔ اللہ کے واسطے اے لوگوں کو زندگی بخشنے والے! کچھ بخشش ہو۔

آج کے جھوٹے مسلمانوں کی حالت:

سفرِ حج میں جب ہمارا جہاز متزلزل ہوا تو میں نے اپنے کان سے ناخدا [ملاح] مردودِ خدا کو سنا کہ وہ عیدروس سے استغاثہ اور دعا کر رہا تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ جہاز ڈوب نہ جائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے نقل کیا ہے کہ وہ دریا میں مصیبت کے وقت صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے اور پھر خشکی میں آ کر شرک کرنے لگتے تھے۔ ان جھوٹے مسلمانوں نے اُن کے بھی کان کترے کہ عین دریا میں ہلاکت کے وقت عیدروس کو "محی النفوس" کہہ کر دعا کرنے لگے۔ یہ واقعہ ۱۲۸۵ھ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ﴾ [یوسف: ۱۰۶]

[اور ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں]

گور پرستی کا انتشار:

اہلِ حدیدہ کے پاس ایک شیخ صدیق ہے۔ وہاں کے لوگ اس کی اتنی تعظیم کرتے ہیں اور اس

کے حق میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ! یہاں تک کہ کوئی شخص جہاز میں سوار یا جہاز سے اُترتا نہیں ہے، جب تک اس کے نزدیک نہ جائے اور اس کی قبر سے مدد نہ لے۔ اہلِ لحیہ کے نزدیک ایک شخص زیلعی ہے۔ اہلِ علاقہ نے اس کا نام شمس (سورج) رکھا ہے، اس لیے کہ اس کی قبر پر قبہ نہیں ہے، وہ مکشوف ہے۔ وہ لوگ تمام نذر و نیاز اسی کی طرف صرف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کی تعظیم اور اس سے دعا کرنے میں بڑے جاہل اور گمراہ ثابت ہوئے ہیں۔ اہلِ بادیہ اس کی طرف سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ وہ کسی کام کے لیے قاصد بن کے گیا ہوا تھا۔ جب شہر کے قریب پہنچا تو آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں دن کے وقت شہر میں داخل ہوں، لہٰذا اس نے سورج سے کہا: ٹھہر جا۔ وہ ٹھہر گیا۔ رابعہ کی قبر اُن کے نزدیک پہلے ہی سے مشہور ہے۔ جب کبھی سچی قسمیں کھائیں گے تو رابعہ ہی کے نام کی قسم کھائیں گے اور اللہ کی جھوٹی قسم کھانے کا اُن کو کوئی ڈر نہیں ہے۔

علاقہ نجران اور اس کے اطراف میں ایک ہلاکت خیز امر یہ ہے کہ وہاں سید نامی ایک معروف رئیس تھے۔ اُن کی تعظیم وتوقیر اور غلو ومبالغہ اُن کے اعتقاد میں یہاں تک پہنچا کہ الحاد اور انواعِ عبادت کی نوبت آ گئی۔ ان لوگوں نے اس میں الوہیت کی بعض صفات ثابت کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ لگتا ہے کہ انھوں نے اس کو اللہ کا ہم پلہ قرار دے ڈالا اور ان کے یہاں وہ اسی کیفیت پر مشہور ہے۔ اللہ اس سے پاک اور برتر وبالا ہے جو ظالم لوگ اس کی شان میں کہتے ہیں۔

حلب، دمشق اور سارے علاقہ شام کو دیکھو کہ وہاں گور پرستی کی دھوم اور قربان ونذر کا ہجوم ہے۔ فسق وفجور کا علانیہ ارتکاب ہوتا ہے۔ زبردستی ٹیکس لینے کا دستور ہے۔ زانی عورتوں سے ٹیکس لیا جاتا ہے۔ مہر بغی (زانیہ کی کمائی) کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ وہاں کے حالات دیکھنے والوں سے پوچھو کہ وہ کون سا شرک اور گناہ ہے جو وہاں نہیں ہوتا۔ یہی حال موصل، اکراد اور دیگر شہروں خصوصاً عراق، مشہد اور بغداد کا ہے۔ وہاں اتنی منکرات ہیں جن کا حصر نہیں ہوسکتا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، معروف کرخی ـقدس سرہ۔ اور شیخ عبد القادر جیلانی ـقدس سرہ۔ کی قبر کے پاس تمام اوقات میں دعا اور استغاثہ ہوتا ہے۔ لوگ روتے چلاتے اور اتنا تذلل وخضوع کرتے ہیں کہ اللہ کے سامنے نماز میں بھی نہیں کرتے۔ بلکہ بیشتر لوگ اس کو بار بار کرتے اور کہتے ہیں کہ وہ ضروریات پوری کرنے کے لیے مجرب تریاق ہے۔

مشہدِ علی رضی اللہ عنہ:

رافضہ نے مشہد علی رضی اللہ عنہ کو ایک بت کدہ ٹھہرا رکھا ہے۔ اُن کے قبے میں رکوع وسجدہ ہوتا ہے۔ وہاں دعا واستعانت کی جاتی اور نذر اور نیاز ومنت مانی جاتی ہے۔ یہاں کے جہلا کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنے دلوں میں علی رضی اللہ عنہ کی جتنی ہیبت اور جلال محسوس کرتے ہیں، اس کا دسواں حصہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجا نہیں لاتے۔ جس کو دیکھو، اللہ کی جھوٹی قسم کھاتا ہے اور خدا سے نہیں ڈرتا، مگر کیا مجال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی جھوٹی قسم کھائے۔ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ غیب کی چابیاں علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں، لہٰذا اُن کی زیارت کو ستر حج سے زیادہ افضل بتاتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کا غلو شنیع اور شرک فتیح اُس سے بھی زیادہ ہے، جو نصاریٰ کے ہاں مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے سوا دعویٰ ولدیت کے۔ یہ سب خصال ردیہ میں نصاریٰ سے بڑھ گئے ہیں۔ قبر پر قبہ مذہب مطلا (سنہرے سونے کا) تیار کیا ہوا ہے۔ ایک جہاں کا وہاں دربار ہے، حالانکہ علی رضی اللہ عنہ نے اُن لوگوں کو جو اُن کے حق میں غلو کرتے تھے، آگ میں جلا دیا تھا۔ جو کچھ ہم نے یہاں ذکر کیا ہے، یہ ان کو دائرہ اسلام سے نکالنے اور واضح طریقِ دین سے باہر کرنے میں دلیل کے لیے کافی ہے۔

اسی طرح کا شرکِ منکر اور کفرِ فتیح مشہدِ کاظم اور مشہدِ حسین پر ہوتا ہے۔ وہ ملازمتِ قبر، صبح وشام کے منکرات، تعظیم، عبادت اور تمام احوال میں کثرتِ زیارت میں اِس قدر بڑھا ہوا ہے جو خدائے واحد قہار کے لیے بھی نہیں ہے۔ اسی کفر وفجور پر ایسے رذیل اور کم عقل لوگوں کا نشوونما ہوا ہے۔ ایسے گمراہ لوگوں کے درمیان کبھی اللہ رب العزت کا ذکر نہیں آتا، ان کا ذکر بس علی رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اور بقیہ آل بیت کو پکارنا ہوتا ہے۔

اہلِ بصرہ کی قبر پرستی:

رہے بلادِ شط ومجرہ تو وہاں کے لوگ قعرِ شرک وضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہی حال بصرہ اور اس کے اردگرد کا ہے کہ وہاں بھی قباب ومشاہد موجود ہیں۔ انواعِ شرک کے قاصد ہر طرف سے وہاں چلے آتے اور اُن قبوں کے لیے نذر ونیاز لاتے ہیں۔ خصوصاً قبر حسن بصری رحمہ اللہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے استغاثہ ہوتا ہے۔ یہ منکرات ومفاسد عموماً دیکھے جاتے ہیں اور کوئی بھی ان کا منکر نہیں ہے۔ قطیف وبحرین میں زور وشور سے روافض کی بدعات جاری ہیں اور مشاہد شرکیہ پر امور شنیعہ بجا لائے جاتے ہیں۔ مسقط میں خوارج رہتے ہیں، جن کو حدیث میں "كِلَابُ النَّارِ" [جہنمی کتے] فرمایا ہے۔[1]

[1] مسند أحمد (٤/٣٥٥)، سنن ابن ماجه (١٧٣)، نیز دیکھیں: ظلال الجنة للألباني (٩٠٤)

نعمتِ توحید پر اظہارِ تشکر:

ان افعال کو دیکھ کر ہر عارفِ ایمان پر اسلام کی غربت واجنبیت ظاہر ہوتی ہے اور دین میں اُس کی بصیرت بڑھتی ہے۔ وہ خدا سے ڈر کر طاعتِ مولیٰ میں جدوجہد کرتا ہے اور جو نعمتِ توحید اُس کو اللہ نے بخشی ہے، اُس پر شکر ادا کرتا ہے، اس لیے کہ اللہ نے اُس کو زمرۂ ہالکین (ہلاک ہونے والی جماعت) سے نکال کر فائزین میں شامل کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ [يونس: ٦٢، ٦٣]

[یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز کرتے ہیں]

وہ لوگوں میں اس نعمت کی تحدیث کرتا ہے اور اپنے عقیدۂ توحید وسنت پر جامد ہے۔ اس نے اپنے دل، زبان اور منہ پر اس کو واجب کیا اور اپنی بلند آواز سے کلمہ توحید پکارا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ [يونس: ٥٨]

[آپ کہہ دیجیے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے، وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں]

وہ اپنے رب سے دعا گو ہے اور کہتا ہے:

﴿ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴾ [المؤمنون: ٩٤، ٩٥]

[تو اے میرے پروردگار! تو مجھے ان ظالموں کے گروہ میں نہ کرنا۔ ہم کچھ وعدے انھیں دے رہے ہیں۔ سب آپ کو دکھانے پر ہم یقیناً قادر ہیں]

بالجملہ یہ گور پرست، پیر پرست حظوظ دنیویہ وشہوات نفسیہ میں مبتلا ہیں اور یہی ان کی غایتِ مراد اور نہایتِ قصد ہے۔ یہ لوگ وعدہ ووعید سے غافل اور رازِ تخلیق سے نا آشنا ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴾ [هود: ١٥]

[جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کلی اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انھیں کوئی کمی نہیں کی جاتی]

عارف خبیر اور صاحب بصیرت ان دونوں نوع کے انجام کار میں تامّل کرے:

﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ [الشوریٰ: ۷]

[ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا]

﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُنَ﴾ [السجدۃ: ۱۸]

[کیا وہ جو مومن ہوا اس کے جیسا ہے جو فاسق ہو؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے]

اہلِ ہند میں شرکیہ عقائد و رسومات:

شرک وبدعات کے ارتکاب کے حوالے سے یہ تو بلادِ عرب اور عراقِ عجم کے حالات ہیں۔[1] اقلیمِ ہند، جس میں ہم پیدا ہوئے ہیں، یہاں کے شرک وبدعت کے ذکر کرنے کے لیے ایک دفترِ گراں درکار ہے۔ وہ کون سا شہر وقصبہ ہے جہاں غیر اللہ کی عقیدت نہیں ہے؟ یہاں کی بعض رسومِ کفر وشرک

---

[1] بلادِ عرب اور عراقِ عجم وغیرہ کے جو حالات نواب والا جاہ رحمہ اللہ نے یہاں بیان کیے ہیں کہ سارا عجم وعرب شرک وکفر، غیر اللہ سے استعانت واستمداد اور غیر اللہ کے لیے نذور وقربانات پیش کرنے میں گرفتار تھا، یہ سب حالات تقریباً ۱۲۸۵ھ کے ہیں، جب آپ نے حج کیا اور ان حالات کا مشاہدہ کیا۔ نبی مکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب میں بت پرستی عام تھی، حتی کہ مرکز توحید خانے کعبہ کو بھی بت خانہ کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اس میں ۳۶۰ بت رکھ دیے گئے تھے۔ عرب میں تین بت بہت مشہور تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورت نجم میں بیان کیا ہے: ﴿أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى﴾ [النجم: ۱۹، ۲۰] [کیا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور منات تیسرے پچھلے کو؟]

"لات" کے معنی ستو گھولنے والا ہے۔ یہ ایک نیک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا۔ جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا۔ پھر اس کے مجسمے بن گئے۔ یہ طائف میں بنو ثقیف کا سب سے بڑا بت تھا۔

"عزیٰ" یہ اللہ کے صفاتی نام سے ماخوذ ہے۔ یہ غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبود تھا۔

"مناۃ" یہ "منیٰ" "یمني" سے مشتق ہے جس کے معنی بہانا ہے۔ اس کے تقرب کے حصول کے لیے لوگ کثرت سے اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکے اور مدینے کے درمیان ایک بت تھا۔ (فتح القدیر) یہ بت قدید کے مقابل مشلل مقام میں تھا۔ یہ بنو خزاعہ کا خاص بت تھا۔ دورِ جاہلیت میں اوس وخزرج یہیں سے احرام باندھتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ (أیسر التفاسیر، تفسیر ابن کثیر)

ان مذکورہ بتوں کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے بت اور بت خانے پھیلے ہوئے تھے۔ ←

کا بیان، جو اہلِ اسلام میں مروّج ہیں، کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے معلوم ہوتا ہے اور بدعات کی انواع جو مدعیانِ ایمان میں گھر گھر شائع ہیں، ''تذکیر الاخوان'' سے ظاہر ہیں۔[1]

اس ملک کے اولیا کی قبور اوثان واصنام کی طرح معبود ہیں۔ بہرائچ، مکن پور، اجمیر، دہلی وغیرہ علاقوں میں ہر قبر پر سال میں میلہ ہوتا ہے۔ وہاں جہاں بھر کی منکرات، اجتماعاتِ مرد وزن اور سماعات و زیارات شرکیہ وبدعیہ عمل میں آتی ہیں۔ ان پر بڑے بڑے قباب ومشاہد مزین ومشید بنے ہوئے ہیں۔ مقبرۂ ہمایوں بادشاہ کو دیکھو تو ایک سلطنت کا محل معلوم ہوتا ہے۔ ان مواضع میں استغاثہ، استمداد، استعانت، نذر وقربانات؛ سب کچھ عوام وخواص بجا لاتے ہیں۔

۱۳۰۰ھ کے اوائل میں بعض علماے دین کی سعی سے شرک وبدعت اور پیر پرستی کا کارخانہ قدرے سرد پڑ گیا تھا۔ اب جو اُس تجدید کو ایک مدت دراز گزر گئی ہے تو پھر پیری مریدی، گور پرستی اور پیر پرستی نے اپنا قدم جمانا شروع کر دیا ہے۔ شرک وبدعت اُن سفہاے عوام اور جہلاے کالانعام میں سرایت کر گیا ہے جو برائے نام مسلمان ہیں۔ جو لوگ اس ملک میں اہلِ حل وعقد سمجھے جاتے ہیں وہ بھی الحاد و دہریت کے داعی ہو گئے ہیں۔ ہزارہا مسلمان نیچر پرست بن گئے اور ایمان سے دور جا پڑے، لیکن اس کے باوجود اسلام کا دعویٰ کیے جاتے ہیں۔ فسبحان اللہ وبحمدہ..!!

← رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر تمام بتوں کا خاتمہ فرما دیا، ان پر تعمیر کردہ قبے اور عمارتیں مسمار کروا دیں اور ان درختوں کو کٹوا دیا جن کی تعظیم کی جاتی تھی۔ اس طرح شرک وبت پرستی کی یادگار کے تمام آثار ومظاہر مٹا دیے گئے۔ اس مہم پر آپ ﷺ نے خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، عمرو بن عاص اور جریر بن عبداللہ بجلی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا اور انھوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزمینِ عرب سے شرک وبت پرستی کا نام مٹا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرون اولیٰ کے بہت بعد ایک مرتبہ پھر عرب میں شرک کے مظاہر عام ہو گئے تھے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوۃ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کو توفیق دی، جنھوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہرِ شرک کا استیصال کیا اور اسی دعوت کی تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبدالعزیز والیِ نجد وحجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور مملکت سعودیہ کے موسس) نے کی اور سرزمین عرب سے تمام پکی قبروں اور قبوں کو ڈھا کر سنت نبویہ کا احیا فرمایا اور یوں اب الحمد للہ پورے سعودی عرب میں اسلامی احکام کے مطابق کوئی پختہ قبر ہے نہ کوئی مزار۔ (دیکھیے: تفسیر احسن البیان از حافظ صلاح الدین یوسف، ص: ۱۴۹۳، ۱۴۹۴)

[1] یہ دونوں کتب شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تالیف کردہ ہیں۔

دوسری فصل

مسلمانوں کا باہمی اختلاف

محاسبہ نفس:

ہر عقل مند اور صاحبِ بصیرت پر واجب ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے نفس کا حساب لے اور تخلیصِ نفس کا اہتمام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین امور کے ساتھ مکلّف ٹھہرایا ہے:

① تصحیحِ ایمان جو توحید خالص اور ایمان کے جملہ لوازم سے عبارت ہے۔

② استقامتِ اسلام جو تقلید کے بغیر قرآن وسنت کے اتباع پر مبنی ہے۔

③ احسان جو ریا کاری سے بچ کر ظاہر وباطن میں اعمال میں اخلاص کا نام ہے۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقلِ مستقیم اور قلبِ سلیم عطا کیا ہے، وہ ہمیشہ ہر دن اپنے نفس کا حساب لیتا رہتا ہے۔ وہ ما بعد موت کے لیے عمل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ میری جان کو عذابِ نیران سے رہائی حاصل ہو اور نعیمِ جنان تک رسائی ہو۔ وہ ہر دم نعیم سرمدی اور کرامتِ دار الخلود کی تاک میں رہتا ہے۔

نجات اخروی کی راہ:

یہ بات اُس کو تبھی حاصل ہوگی جب وہ اللہ کی توحید کو انواعِ شرک اور اقسامِ کفر سے الگ کرے گا اور اپنی حالت کی اصلاح میں کمر باندھے گا، اور جو تفرق واختلاف دینِ حق میں مرورِ ایام کے سبب میں واقع ہوا ہے اور اہلِ زمان ایک عمر دراز سے اُس میں غرقاب ہیں، نیز جس استدراج میں اُن کو شیطان اور اعوانِ ابلیس نے گرفتار رکھا اور سننِ ضلالت وخذلان پر لگایا ہے، اس پر نظر کرے گا اور جان لے گا کہ یہ لوگ حیاضِ آباواجداد سے پانی پیتے ہیں اور ریاضِ محرمات وحدود میں چرتے ہیں۔ ان میں اکثر لوگوں کا دین یہی بدع واہوا ہے۔ انھوں نے اللہ کی حبلِ متین (مضبوط رسی) کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور ورع وتقویٰ سے عاری ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اسی تہ دامنی اور عُریانی کو غایتِ مراد سمجھا ہے، رسومِ ضلال کو ہدایت جان لیا ہے اور اہلِ کتاب کی روش پر لگ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس حال کی خبر پہلے ہی سے دے دی ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ؟ قَالَ: فَمَنْ؟»[1]

[تم لوگ ضرور اپنے سے پہلی امتوں کی روش پر چلو گے، بالکل اسی طرح جیسے ایک تیر کا پر دوسرے پر کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم لوگ بھی اس میں داخل ہو گے۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور کون؟]

اہلِ کتاب کی تقلید کی ممانعت:

جو شخص احوالِ یہود اور رسومِ نصاریٰ سے آگاہ ہے، وہ اس بات کو ادنیٰ تامل سے معلوم کر سکتا ہے کہ فی الحال کس قدر اہلِ کتاب کے رسوم اہلِ اسلام اور مدعیانِ ایمان نے اپنی ملت میں داخل کر لیے ہیں اور لباس، طعام، کلام، مرکب، مکان اور اعیاد میں کس قدر ان لوگوں کی پیروی اختیار کی ہوئی ہے، یہاں تک کہ اب جو بچہ ان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے، اُس کو ابتدا سے اُسی راہ پر لگایا جاتا ہے جو اہلِ کتاب کی راہ و رسم ہے۔ ﴿وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [نوح: ٢٧] [اور کسی نافرمان، سخت منکر کے سوا کسی کو نہیں جنیں گے]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صادق مصدوق ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَأْخُذَ أُمَّتِيْ مَا أَخَذَ الْقُرُوْنُ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَارِسٌ وَالرُّوْمُ؟ قَالَ: وَمَنِ النَّاسُ إِلَّا أُولٰئِكَ؟»[2]

[قیامت نہیں آئے گی یہاں تک میری امت اپنے سے پہلی امتوں کی راہ پر چلے گی، بالکل اس طرح جیسے ایک بالشت دوسری بالشت کے اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ایرانیوں اور رومیوں کی طرح؟ آپ نے فرمایا: اور کون لوگ ہیں؟]

یہ حدیث اس بات پر دلیل واضح ہے کہ یہ امت بھی وہی افعال کرے گی جو یہود و نصاریٰ کے افعال ہیں۔ فارس سے مراد عجم ہیں اور روم سے مراد اہلِ کتاب۔ مدعیانِ اسلام میں عجم و نصاریٰ کے ساتھ ان

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٣٤٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٧/٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٣١٩)

افعال کی مطابقت مثل مہر نیمروز آشکار ہے۔ کوئی بشر اِس کا انکار نہیں کر سکتا، مگر وہی شخص جو مکابر و معاند ہو۔

تفرقہ بازی کی ممانعت:

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان لوگوں نے اپنے دین کو فرقے فرقے کر ڈالا تھا اور کئی ایک گروہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے گوسالے کو پوجا، جبت وطاغوت پر ایمان لائے اور جادو کی جو کتابیں شیاطین سُلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت میں پڑھتے تھے، اُن کے پیروکار ہوئے اور کہا:

﴿سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا﴾ [البقرة: ٩٣] [ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی]

انھوں نے آنحضرت ﷺ کا انکار کیا، اُن کے دشمن ہو گئے اور اللہ کی کتاب کو پس پشت پھینکا، گویا وہ کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔ وہ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا۔ انھوں نے کفار کو اہلِ ایمان کی نسبت زیادہ راہ یاب بتلایا۔ انھوں نے دین و رسول کے ساتھ بغاوت اور سرکشی کرتے ہوئے کفر کیا۔ عرب پر حاسد ہوئے کہ اللہ نے ان کو کیوں یہ فضیلت عظیمہ دی ہے؟ کیونکہ وہ کفارِ عرب پر آپ ﷺ کا نام لے کر فتح مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ زمانہ ایک نبی کے آنے کا ہے۔ ہم اُس کے تابع ہو کر تم کو عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ جیسا کہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ اہلِ سیر ومغازی نے اس کا ذکر کیا ہے۔[1] لیکن جب آپ ﷺ کی بعثت عرب سے ہوئی اور یہی عرب آپ کے پیروکار ہوئے تو انھوں نے انکار کیا اور حسد وبغض کی بنا پر آپ کے دشمن بن گئے۔ اب ضرور اس امت میں بھی ایسے لوگ پائے جائیں گے جو نصاریٰ اور فارس و روم جیسا کام کریں گے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

«لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَىٰ أُمَّهُ عَلَانِيَةً كَانَ فِيْ أُمَّتِي مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقَتْ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَسَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَىٰ ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً، قَالُوْا: مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ»[2] (رواه الترمذي)

[میری امت پر وہ وقت آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا، ٹھیک اسی طرح جیسے ایک جوتا

---

[1] سيرة ابن هشام (٢/ ٣٧)، سيرة ابن كثير (١/ ٢٩١)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٤١)

دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو یہ کام کرے گا، بے شک بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقے ہو جائے گی۔ سب کے سب جہنم میں ہوں گے، مگر ایک فرقہ۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ فرقہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں]

اس افتراق کا ذکر ابوہریرہ، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن عوف اشجعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں مرفوعاً مشہور ہے۔ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ مرفوعاً مروی ہیں:

« تَفَرَّقَتِ الْيَهُوْدُ عَلىٰ إِحْدٰى وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً، وَالنَّصَارىٰ مِثْلُ ذٰلِكَ، وَتَفَرَّقَتْ أُمَّتِي عَلىٰ ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً »[1]

(رواه أبوداود و ابن ماجه و الترمذي، وقال: هذا حديث حسن صحيح)

[یہود اکہتر (۷۱) یا بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے اور نصاریٰ بھی اس کے جیسے ہو گئے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقے ہو جائے گی]

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ مرفوعاً مروی ہیں:

« إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ افْتَرَقُوْا فِيْ دِيْنِهِمْ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، وَإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلىٰ ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً، يَعْنِيْ أَهْلَ الْأَهْوَاءِ، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ، وَسَيَخْرُجُ فِيْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ تَتَجَارىٰ بِهِمُ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلَبُ بِصَاحِبِهِ، فَلَا يَبْقىٰ مِنْهُ عِرْقٌ إِلَّا دَخَلَهُ، وَاللّٰهِ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ إِنْ لَمْ تَقُوْمُوْا بِمَا جَاءَ بِهِ مُحَمَّدٌ لَغَيْرُكُمْ مِنَ النَّاسِ أَحْرىٰ أَنْ لَّا يَقُوْمُوْا بِهِ » هذا حديث محفوظ، وروى[2] ابن ماجه معناه عن عوف بن مالك، ويُروىٰ من وجوه أخر.[3]

---

[1] سنن أبي داود (٤٥٠٦) سنن الترمذي (٢٨٩١) سنن ابن ماجه (٣٩٩١)

[2] اس کو اسی معنی میں ابن ماجہ نے کتاب الفتن (۳۹۹۲) میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[3] یہ حدیث دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔ سعد بن ابی وقاص کی حدیث کو بزار نے اپنی مسند میں اور آجری نے کتاب الشریعہ (۲۸) میں روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۶/۲۵۰) میں اسے بزار کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ اس میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ضعیف ہے۔

[اہل کتاب اپنے دین میں بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے اور یہ امت یقیناً تہتر فرقے ہو جائے گی۔ وہ اصحاب اہوا ہیں جو سب کے سب جہنم میں جائیں گے، مگر ایک فرقہ اور یہ جماعت ہے۔ قریب ہے کہ میری امت میں وہ قومیں نکلیں گی جن میں اہوا اس طرح سرایت کریں گی جس طرح کہ سگ گزیدہ میں کتے کی بیماری سرایت کرتی ہے کہ اس کا کوئی جوڑ اور رگ نہ بچے گی، مگر اس میں ہویٰ داخل ہو گی۔ اللہ کی قسم اے عرب کی جماعت! اگر تم لوگ اس شریعت ودین کو قائم نہ کرو گے جس کو محمد ﷺ لائے ہیں تو تمھارے علاوہ دوسرے لوگ زیادہ لائق ہیں کہ وہ اس کو قائم نہ کریں]

اہلِ حدیث کی فضیلت:

الختصران حدیثوں میں خبر دی گئی ہے کہ امتِ اسلام بھی گذشتہ امم کے مثل تہتر (۷۳) فرقے ہو جائے گی، پھر آپ ﷺ نے سب کا حکم بیان کر دیا کہ بہتر (۷۲) دوزخی اور ایک ان میں بہشتی ہوگا۔ پھر بہشتی فرقے کا نشان بتا دیا کہ جو میری اور میرے اصحاب کی راہ پر ہیں وہی ناجی ہوں گے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ ان بہتر (۷۲) فرقوں نے ویسا ہی خوض کیا، جیسا کہ ان سے اگلے لوگوں نے کیا تھا اور سب راہِ راست اتباعِ کتاب وسنّت سے منحرف ہو گئے۔ ایک فرقہ اہلِ سنت وجماعت کا باقی رہ گیا تھا، اب اُن میں بھی حدوثِ منکرات وبدعات اور انواعِ شرک وکفر کا چلن ہو گیا ہے۔ ان میں باہم خانہ جنگی رہتی ہے اور ہر کوئی ایک دوسرے کی تکفیر، تضلیل، تبدیع اور تنقیص کرتا ہے۔ صرف ایک گروہ اہلِ حدیث کا، جو خالص کتاب وسنت کا متبع وسیرت سلف اول کا پیروکار ہے، بحمدہ تعالیٰ ہنوز ان آفاتِ اختلافات اور تنازع وانتساف سے کسی قدر عافیت وامن میں ہے، کیوں کہ حدیث نبوی ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ... الخ»[1] ہمیشہ یہ لوگ منصور رہیں گے، اگرچہ قوت وتعداد میں مجمع موئے سیاہ کے درمیان ایک موئے سفید کے مانند ہوں گے۔

← انس بن مالک کی حدیث کو احمد نے اپنی مسند (۱۲۰/۳) میں، ابن ماجہ نے کتاب الفتن (۳۹۹۳) میں اور آجری نے کتاب الشریعہ (۲۵، ۲۶، ۲۷) میں روایت کیا ہے۔ بوصیری نے زوائد میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ عمرو بن عوف اشجعی، ابو امامہ، ابوالدرداء، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم کی حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ دیکھیے: مجمع الزوائد (٦/٢٥٨، ٢٥٩) ومرعاة المفاتيح (٢٧٦ ـ ٢٧٧)۔

[1] یعنی میری امت کی ایک جماعت کے لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے۔ اس حدیث کو امام مسلم (۵۲/۶) اور امام ابو داؤد (۴۲۴۴) نے بیان کیا ہے۔

﴿وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ﴾ [ص: ٢٤] [اور ایسے لوگ بہت کم ہیں] ﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ [سبأ: ١٣] [اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں]

بالجملہ جو خبر احادیثِ افتراقات میں دی گئی تھی، وہ واقع کے مطابق پائی گئی، وللّٰه الحمد. یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے، جس سے موحدین کا اعتقاد قوی ہوتا ہے۔

سابقہ امتوں کی ہلاکت کے اسباب:

قرآن شریف میں فرمایا ہے:

﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [التوبة: ٦٩]

[مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے تم میں سے وہ زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے، پس وہ اپنا حصہ برت گئے، پھر تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا، جیسے تم سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جیسے کہ انھوں نے کی تھی، ان کے اعمال دنیا و آخرت میں غارت ہو گئے اور یہی ہیں نقصان پانے والے]

اہلِ تفسیر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

"ما أشبه الليلة بالبارحة! هؤلاء بنو إسرائيل شبّهنا بهم، والّذي نفسي بيده لتتبعنّهم حتى لو دخل الرجل منهم جحر ضبّ لدخلتموه"[1]

[آج کی رات گذشتہ رات سے کتنی زیادہ مشابہ ہے! یہ بنی اسرائیل (یہود) ہیں۔ ہمیں ان کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان لوگوں کی ضرور پیروی کرو گے، یہاں تک کہ اگر اس میں سے کوئی شخص گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو تم بھی اس میں ضرور گھسو گے]

---

[1] دیکھیں: تفسير ابن جرير (١٢١/١٠) تفسير ابن كثير (٤٨٢/٢)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

”أنتم أشبه الأمم ببني إسرائيل سمتاً وهدياً، تتبعون أعمالهم حذو القذة بالقذة غير أنّي لا أدري أتعبدون العجل أم لا؟“[1]

[یعنی تم لوگ اپنی چال ڈھال میں گذشتہ امتوں کی نسبت بنی اسرائیل سے زیادہ مشابہ ہو۔ تم لوگ ان کے عملوں کی پیروی کرو گے، ٹھیک اسی طرح جیسے ایک تیر کا پَر دوسرے تیر کے برابر ہوتا ہے، مگر میں یہ نہیں جانتا کہ تم لوگ بھی بچھڑے کی پوجا کرو گے یا نہیں؟]

میں کہتا ہوں کہ اُس وقت تک امت میں شرک کا رواج نہیں ہوا تھا، اس لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عبادتِ عجل سے اپنی لاعلمی ظاہر کی، لیکن اُن کے زمانے کے بعد شرک اصغر واکبر کا عقیدہ وعمل میں دخل ہونے لگا۔ پہلے یہ دخل کم کم تھا، اب ایک مدتِ دراز سے وہ مخفی راز برملا ہو گیا ہے۔

عجل (بچھڑے) سے مراد ہر معبود غیر اللہ ہے، خواہ گاؤ پرستی اور بھیڑ پرستی ہو، جیسے سید احمد کبیر کی گاؤ اور شیخ سدّو کا بکرا ہے یا گور پرستی، پیر پرستی، تقلید پرستی، امام پرستی، غوث پرستی، قطب پرستی اور دیگر اعتقادات وعباداتِ غیر اللہ سے بھی یہی مراد ہے۔

آج کے منافقین:

سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

”المنافقون الّذين منكم اليوم شرّ من المنافقين الّذين كانوا علىٰ عهد رسول الله ﷺ قلنا: وكيف؟ قال: أولٰئك كانوا يخفون نفاقهم وهؤلاءِ أعلنوه“[2]

[تمھارے آج کے منافقین رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پائے جانے والے منافقین سے زیادہ برے ہیں۔ ہم نے کہا: وہ کیسے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ لوگ اپنے نفاق کو چھپاتے تھے اور آج کے یہ منافقین علانیہ نفاق کا اظہار کرتے ہیں]

یہ عبرت کا مقام ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نفاق کا اعلان ہو چلا تھا۔ اب تو اُس زمانے

---

[1] تفسير البغوي (٤/ ٧٢) اس کو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "اقتضاء الصراط المستقيم" (ص: ٤٣) میں بھی ذکر کیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ اثر مرفوعاً بھی مروی ہے۔ دیکھیں: مسند البزار (٥/ ٤١٥) المعجم الكبير للطبراني (١٠/ ٣٩) لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیں: مجمع الزوائد (٧/ ٥١٦، ١٠/ ٦١)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (٧/ ٤٨١)

کو تیرہ سو برس [بلکہ سوا چودہ سو برس] گزر گئے ہیں۔ اِس زمانے کے نفاق، شرک اور کفر پرستی کی کیا انتہا ہو سکتی ہے؟ ہم نفاق عملی کو کیا روئیں؟ جہاں نفاق اعتقادی ایمان ٹھہرے اور بدعت کو کیا جھینکیں کہ یہاں شرک اکبر و اصغر اسلام سمجھا گیا ہے۔ تقلید سنت ٹھہری ہے۔ اتباع بدعت قرار پایا ہے۔ ہر معروف مثل منکر کے اہلِ زمان کی نظر میں مکروہ نظر آتا ہے اور ہر مکروہ مثل معروف کے اہلِ بدع کے نزدیک محبوب ہو گیا ہے۔ غرض کہ دین و اسلام کا کارخانہ پلٹ گیا اور اتباعِ سنت کا مُلک ویران ہو گیا۔ سلطنت بدعت کی آئی، حکومت رائے کی ٹھہری، شرک و کفر کا ہر گھر میں ڈنکا بجا، محبتِ دنیا اور متاعِ دنیا نے ایمان کا گھر برباد کر دیا۔ اکثر خلق حزب اللہ سے خارج ہو کر حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) میں داخل ہو گئی۔ اتفاق کی جگہ اختلاف نے قدم جمایا۔ اور انصاف کے مقام میں اعتساف حکمران ہوا۔

اختلاف کی ممانعت:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں لکھا ہے:

"یہ اختلاف جس کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے یا تو فقط دین میں ہوتا ہے یا دنیا و دین دونوں میں معاً اور کبھی یہ اختلاف فقط دنیا میں ہوتا ہے۔"[1]

بالجملہ جس اختلاف کا ذکر ان حدیثوں میں آیا ہے، یہ وہ اختلاف ہے جس سے قرآن میں ممانعت فرمائی ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ﴾ [آل عمران: ۱۰۵]

[اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلائل آ جانے کے بعد بھی تفرقہ کر ڈالا اور اختلاف کیا]

﴿ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ [الأنعام: ۱۵۳]

[اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا

[1] اقتضاء الصراط المستقيم (ص: ۳۳)

ہے تاکہ پرہیز گاری اختیار کرو]

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ١٥٩]

[بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں]

اختلاف کا سبب:

اس اختلاف کا منشا علم پر عدم عمل ہے۔ جس طرح کوئی شخص حق کو باطل سے پہچانتا اور اُن کے درمیان تمیز کرتا ہو، لیکن قولاً وفعلاً وعملاً اُس کا اتباع نہ کرے۔ یا اس کا منشا عمل بلا علم ہے کہ اصنافِ بدع میں اجتہاد کرتا ہے اور اللہ پر جو چاہتا ہے علم کے بغیر کہتا ہے، سو پہلی بات میں یہود کی مشابہت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ [البقرة: ١٥٩]

[جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے]

اور دوسری بات میں نصاریٰ کی مشابہت ہے جو دین میں غلو کرتے ہیں اور ناحق بات کہتے اور سیدھی راہ سے گمراہ ہیں۔ اسی طرح اللہ نے اس امت کے چند طوائف کو منتسبین الی العلم سمیت اُس حال میں گرفتار کر دیا جس میں یہود ونصاریٰ مبتلا تھے، یعنی حُبِ دنیا اور کتمانِ حق، کیونکہ وہ لوگ کبھی کتمانِ حق براہِ بخل کرتے تھے اور دوسروں کا فضل میں اپنے برابر ہونا مکروہ رکھتے تھے اور کبھی علم کے عوض جاہ ومال اور ریاست حاصل کرتے تھے۔ وہ اس لیے حق کو چھپاتے تھے کہ کہیں اظہارِ حق سے ان کی ریاست و جاہ میں کچھ کمی اور خلل نہ پڑ جائے۔ کبھی کوئی دوسرا کسی مسئلے میں ان سے خلاف کرتا اور کسی مخالف کا ہم قول ہو جاتا تو یہ اُس علم کو مخفی رکھتے جس میں مخالف کی حجت ہوتی، اگرچہ مخالف کے مبطل ہونے کا یقین نہ کرتے۔ اسی لیے امام عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے:

"أهل العلم يكتبون ما لهم و ما عليهم، وأهل الأهواء لا يكتبون إلّا ما لهم"[1]

[1] سنن الدارقطني (١/ ٢٦) التحقيق في أحاديث الخلاف لابن الجوزي (١/ ٢٤)

[اہلِ علم وہ بات لکھتے ہیں جو ان کے حق میں ہوتی ہے اور وہ بات بھی لکھتے ہیں جو ان کے خلاف ہوتی ہے جب کہ اہلِ بدعت صرف وہی بات لکھتے ہیں جو ان کے مفاد میں ہوتی ہے]

امام ابن عُیَینہ رحمہ اللہ وغیرہ سلف کا قول ہے:

"إنّ من فسد من علمائنا ففيه شبه من اليهود، ومن فسد من عُبّادنا ففيه شبه من النّصارىٰ" [1]

[ہمارے علما میں سے کسی کے اندر بگاڑ پیدا ہوا تو اس میں یہود کی مشابہت ہے اور ہمارے عبادت گزاروں میں سے کسی میں بگاڑ پیدا ہوا تو یہ نصاریٰ کی مشابہت ہے]

امام ابن عُیَینہ رحمہ اللہ کے اس قول کو "الفوز الکبیر" میں بھی فصیح فارسی عبارت میں نقل کیا ہے اور پھر اس مشابہت کا قدرے ایضاح فرمایا ہے۔ [2]

اس جگہ ہماری غرض مراتبِ اختلاف وافتراق کا استیعاب کرنا ہے نہ مدارجِ نزاع وشقاق کا استقصا کرنا اور نہ مشابہت ومضاہات کا بطور استقرا بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ یہاں اجمال کا احاطہ کرنا مشکل ہے، پھر تفصیل کا کیا ذکر ہے، خصوصاً جب کہ اس بیان کے ہمراہ تاویلِ تنزیل، تحریفِ تاویل اور انتحالِ مبطلین کا انضمام بیان بھی وقوع میں آئے، بلکہ ہمارا مقصود معاملے کی طرف مختصر اشارات کرنا ہے، تا کہ جب کوئی ہوش مند اُس میں امعانِ نظر اور جولانِ فکر کرے تو ان امور منکرہ سے محتاط اور خائف ہو جائے، خصوصاً اس عصر میں کہ اُس کے اندر دین کے ساتھ تمسک کرنا ایسا سخت مشکل ہو گیا ہے جیسے ہاتھ میں چنگاری لینا، سو اس حال میں طالب آخرت پر یہی واجب ہے کہ اپنے نفس پر صبر لازم کرے، تا کہ اللہ کے نزدیک اجر کبیر پائے اور رحمٰن رحیم کے سامنے تضرع کرے کہ مجھے سیدھی راہ دکھا اور سنن قویم پر قائم رکھے:

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ [فصلت: ٣٥]

[اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے بڑے نصیبے والوں کے سوا کوئی نہیں پا سکتا]

دورِ فتن:

یہ وہ وقت ہے جس میں ہر معاملہ خطیر ہو گیا ہے اور حالات خوف ناک شکل اختیار کر چکے

---

[1] اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية رحمہ اللہ (ص: ٥) إغاثة اللهفان لابن القيم رحمہ اللہ (١/ ٢٣)

[2] الفوز الكبير (ص: ٥٦)

ہیں۔ صدہا فتن آئے اور ہزار ہا محن دراز ہوئے۔ بدعت پر کھلم کھلا عمل ہونے لگا، دین کی کچھ پروا باقی نہ رہی۔ سوادِ مبطلین کی کثرت ہوئی۔ دُعاۃِ موحدین کی تضلیل کا حکم کسی برہان و سلطان کے بغیر جاری ہونے لگا اور دعوتِ رب العالمین کا ابطال وقوع میں آنے لگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [يوسف: ١٠٨]

[آپ کہہ دیجیے میری راہ یہی ہے اور میں اور میرے متبعین پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں]

کچھ بعید نہیں کہ ہمارا موجودہ زمانہ بھی اُس زمانِ موعود میں داخل ہو کہ جو کوئی اُس زمانے میں سنن محمودہ پر مستقیم ہوگا، اُس کے لیے اللہ تعالیٰ سے پچاس لوگوں کے برابر اجر کی امید ہے، جس طرح کہ حدیث میں آیا ہے۔[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ [العنكبوت: ٥٨، ٥٩]

[اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے، انھیں ہم یقیناً جنت کے ان بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے، وہ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں]

تقلید و تعصب کی مذمت:

امت کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ضلالت پر مجتمع نہ کرے گا[2] اور اُن میں سفاہت و جہالت کا عموم نہ ہوگا، گویا اس امت کی عصمت ہمیشہ باقی رہے گی۔ کوئی اس کا منکر و جاحد نہیں ہے۔ یہ بات اخبارِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔ آپ کی امت میں کچھ لوگ آپ کی

[1] مسند أحمد (٢/ ٢١٢) سنن أبي داود (٤٣٤١) سنن الترمذي (٣٠٥٨) سنن ابن ماجه (٤٠١٤)

[2] جیسا کہ حدیث نبوی میں بیان ہوا ہے۔ دیکھیں: سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٦٧)

ہدایت کو پکڑے رہیں گے، اگرچہ اکثر لوگ منہاجِ ہدیٰ سے منحرف ہو جائیں گے۔ اس اختلاف اور صدورِ انحراف کو شیطان نے ان کی نظر میں آرایش دے رکھی ہے۔ ان کی طبیعتوں نے اُس کا تقاضا کیا ہے اور نفوس نے اُس کی طرف شتابی فرمائی ہے، یہاں تک کہ جو لوگ علم اور کسی ایک مذہب کی طرف منسوب ہیں، وہ کسی رائے و روایت کو قبول نہیں کرتے، مگر اُسی عمل و روایت کو جس پر اُن کے اصحابِ مذہب تھے۔ اسی وجہ سے وہ اُن سُنن کے تارک ہو گئے ہیں جن کے اتباع کا حکم سب لوگوں کو ہے۔ اگر مذہبِ غیر کے مطابق ان پر حق واضح ہوتا ہے تو اُس کو پسند نہیں کرتے، حالانکہ ہر انسان پر واجب یہ ہے کہ صفتِ ایمان سے متصف ہو اور حق کو قبول کر کے اُس پر عمل کرے اور غیرت قلبیہ وشہوت مذہبیہ عناد وعصبیت کا سبب نہ بنے، جس طرح کہ اکثر اہلِ مذاہب کا حال ہے کہ اُن کو تعصب طعن وقدحِ حق پر آمادہ کرتا ہے۔ بہت سے اہلِ علم ومعرفت اور صوفیہ ہیں جو کسی زبان سے ہرگز سلامت نہیں رہتے اور اُن کی آبرو نہیں بچتی۔ ایک دوسرے کو جاہل گمراہ جانتا ہے اور جو شخص عابد ہے وہ طریقۂ علم کو سفاہت وضلالت اعتقاد کرتا ہے اس بات کا مُدّعی ہے کہ علما نے صافی شریعت سے کوئی زلال نہیں پایا اور نہ ماے معینِ دین سے شاربِ سلسال ہوئے، اور اُن کو رسول اللہ ﷺ سے کچھ وصول واتصال نہیں اور نہ وہ ملاقی قبول واقبال ہوئے، حالانکہ وہ خود ضلال بعید میں گرفتار ہیں اور قول سدید کے قائل نہیں۔ بلکہ شرک وبدع اور ضلالت کے پرستار ہیں، کیونکہ حق وصواب وہ طریق ہے جس کو کتاب وسنت نے پیش کیا ہے اور جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عامل تھے۔

امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر رحمہ اللہ، جن کا علم سارے اقطار میں مشتہر ہے، اُن کی تصنیف "کتاب العلم" میں عمل بالسنۃ والقرآن کی بابت کلام مستوعب موجود ہے۔ انھوں نے تصریح کی ہے کہ ہر انسان پر قرآن وحدیث سے تمسک واجب وفرض ہے، خصوصاً اہلِ فضل وشان پر ہر قطر وعصر میں لازم ہے۔ وہ تقلید کو منہج سدید نہیں کہتے۔[1]

امام شمس الدین ابن القیم رحمہ اللہ نے "اعلام الموقعین" میں بہ خوبی مقلدین کا رد کیا ہے اور وہ بات لکھی ہے جس سے صدورِ مجتہدین کو شفا حاصل ہوتی ہے۔ صاحبِ "دین خالص" نے قرآن وحدیث سے جواز یا استحباب یا وجوبِ تقلید پر مقلدین کے جتنے دلائل تھے، اُن سب کا استیصال کیا ہے۔ اب

[1] جامع بيان العلم لابن عبد البر (ص: ٥٠١)

اُن ادلّہ کے سوا یہی قیل وقال ہے نہ کہ کوئی حجت واستدلال۔

سیّد محمد بن اسماعیل صنعانی رحمہ اللہ علم وفہم میں ضرب المثل تھے۔ انھوں نے ردِ شرک وبدعت اور اثباتِ توحید وسنت میں نظماً ونثراً بہت کچھ لکھا ہے۔ اُن کا قصیدۂ بائیہ اس باب میں خطیب فی المحراب ہے۔ وہ غربتِ اسلام کے شاکی اور فسادِ عقائد واحوالِ اہلِ اسلام کے بیان کرنے والے اور اس پر رونے والے ہیں۔ اُس قصیدے کا مطلع یہ ہے:

أَمَا آنَ عَمَّا أَنْتَ فِيْهِ مَتَابُ

وَهَلْ لَكَ مِنْ بَعْدِ الْبُعَادِ إِيَابُ

[کیا ابھی گناہ چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت نہیں آیا جس میں تو مبتلا ہے؟ اتنی دوری کے بعد کب لوٹ کر واپس آنا ہے؟]

ہم نے یہ پورا قصیدہ اپنی بعض مولفات میں نقل کیا ہے۔ اِس اردو رسالے میں یہ قصیدہ اس کے عربی زبان میں ہونے کے سبب ذکر نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے غربتِ اسلام کی خبر وحی الٰہی کی بدولت دی ہے، جو حرف بہ حرف پوری ہوئی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْباً وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْباً فَطُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ»[1]

[اسلام کا آغاز اجنبیت کے عالم میں ہوا اور عن قریب وہ ابتدائی حالت کی طرف لوٹ آئے گا۔ پس غربا کے لیے خوش خبری ہے]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کے بعد اتنا اضافہ بھی مروی ہے:

"قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنِ الْغُرَبَاءُ؟" قَالَ: «اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ إِذَا أَفْسَدَ النَّاسُ» رواه أحمد وابن ماجه، وخرّجه غيره، وعنده: قال: «اَلَّذِيْنَ يَفِرُّوْنَ بِدِيْنِهِمْ خَوْفاً مِنَ الْفِتَنِ»[2]

[کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! غربا کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: غربا وہ ہیں کہ جب لوگ دین کو بگاڑ دیں تو وہ اس کی اصلاح کرتے ہیں۔" اس حدیث کو ان کے علاوہ دوسرے نے روایت کیا ہے اور اس کا لفظ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٥)

[2] مسند أحمد (١/ ١٨٤) سنن الترمذي (٢٦٢٩) سنن ابن ماجه (٢/ ١٣١٩)

''غربا وہ لوگ ہیں جو فتنوں کے اندیشے سے اپنے دین کو لے کر بھاگتے ہیں]

وخرّجه الترمذي من حديث كثير بن عبد الله المزني عن أبيه، عن جده، عن النبيﷺ: «إِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيباً وَيَرْجِعُ غَرِيباً فَطُوبىٰ لِلْغُرَبَاءِ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي»[1]

[اس حدیث کو امام ترمذی نے کثیر بن عبداللہ مزنی کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: بیشک دینِ اسلام کا آغاز اجنبی صورت میں ہوا اور آغاز ہی کی طرح وہ عنقریب لوٹے گا، پس غربا کے لیے بشارت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد میری اس سنت کو درست کریں گے جس کو لوگوں نے خراب کر دیا ہے]

امام طبرانی نے اس کو حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، جس میں یوں مذکور ہے:

"قِيْلَ: وَمَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟" قَالَ: «اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ حِيْنَ يَفْسُدُ النَّاسُ»[2]

[کہا گیا کہ وہ غربا کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اصلاح کرتے ہیں جب لوگ بگڑ جاتے ہیں]

پھر اس کو شریک بن سعد[3] نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

«فَطُوْبىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْغُرَبَاءِ إِذَا أَفْسَدَ النَّاسُ»[4]

[پس بشارت ہے اس دن غربا (اجنبی لوگوں) کے لیے جب لوگ دین میں فساد وخلل ڈالیں گے]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

«طُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ» "قُلْنَا: وَمَا الغُرَبَاءُ؟" قَالَ: «قَوْمٌ صَالِحُوْنَ، قَلِيْلٌ فِيْ نَاسٍ

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٣٠)

[2] المعجم الأوسط (٥/ ١٤٩)

[3] مطبوعہ کتاب میں اسی طرح ہے جو سبقتِ قلم کا نتیجہ ہے، کیوں کہ یہ حدیث شریک بن سعد کے بجائے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر و اوسط اور معجم صغیر میں روایت کیا ہے، جیسا کہ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۲۷۸) میں ذکر کیا اور کہا ہے کہ اس کے تمام رواۃ بکر بن سلیم کے سوا صحیح راوی کے ہیں اور بکر بن سلیم بھی ثقہ ہیں۔

[4] مسند أحمد (٤/ ٧٣)

سُوْءٍ كَثِيرٍ، مَنْ يَعْصِيهِمْ أَكْثَرُ مِمَّنْ يُطِيعُهُمْ» (رواه أحمد والطبراني)[1]

[خوشخبری ہے غربا کے لیے۔ ہم نے دریافت کیا کہ غربا کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کم تعداد والے نیک لوگ ہیں جو بہت زیادہ تعداد والے بُرے لوگوں میں ہوں گے، ان کی نافرمانی کرنے والے ان کی نسبت زیادہ ہوں گے جو ان کی بات مانیں گے]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا لفظ مرفوعاً وموقوفاً اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے:

"قِيلَ: وَمَنِ الْغُرَبَاءُ؟" قَالَ: «اَلْفَرَّارُوْنَ بِدِينِهِمْ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ»[2]

[کہا گیا: غربا کون ہیں؟ فرمایا: جو اپنا دین بچا کر بھاگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ اٹھائے گا]

غربت اور غربا:

ظہورِ غربت کے معنی یہ ہیں کہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ساری خلق ضلالت پر تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دعوت دی تو انھوں نے قبول نہ کی مگر ہر قبیلے سے ایک کے بعد ایک نے، اور جس نے قبول کی تھی وہ اپنی قوم وقبیلہ اور خاندان سے خائف تھے۔ وہ لوگ اُس کو ایذا دیتے، نکالتے، مارتے، عذاب دیتے اور قتل کرتے تو وہ دور دراز علاقوں کی طرف بھاگ جاتا، جیسے ہجرتِ حبشہ کے بعد بھاگ کر مدینے میں آنا، لہٰذا جو لوگ ہجرت کے قبل اسلام میں داخل ہوئے وہ غربا ٹھہرے، پھر جب اللہ نے مسلمانوں پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین اسلام کو کامل کیا اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو وہ لوگ خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں استقامت و تعاضد اور نصرت پر بدستور مستمر رہے، یہاں تک کہ شیطان نے اپنا مکر مسلمانوں میں پھیلایا، انھیں آپس میں لڑا بھڑا دیا اور شہوات وشبہات کا فتنہ اُن کے درمیان شائع ہو گیا۔ اکثر لوگ کیدِ ابلیس کے دام میں دونوں طرح کے فتنے میں یا ایک طرح کے فتنے میں پھنس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کی خبر دی تھی وہ بات بعینہٖ ظاہر ہوئی۔

صحیح بخاری میں عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

---

[1] المعجم الأوسط للطبراني (٩/ ١٤) نیز دیکھیں: مسند أحمد (٢/ ١٧٧)

[2] حلية الأولياء (١/ ٢٥) اس کی سند میں "سفیان بن وکیع" ضعیف ہے۔

«وَاللّٰهِ مَا الْفَقْرُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنْ أَخْشٰى أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ»[1]

[اللہ کی قسم! مَیں فقر ومحتاجی کا تم پر اندیشہ نہیں کرتا، لیکن مجھے تم پر اس بات کا خوف ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، پھر تم لوگ اس میں بہ طریق مقابلہ رغبت کرنے لگو، جیسے اگلے لوگوں نے رغبت کی، تو یہ دنیا تم کو ہلاک کر ڈالے گی جس طرح اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا تھا]

نیز صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

«كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا فُتِحَتْ عَلَيْكُمْ خَزَائِنُ فَارِسَ وَالرُّوْمِ؟ أَيُّ قَوْمٍ أَنْتُمْ؟» "قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: نَقُوْلُ كَمَا أَمَرَ اللّٰهُ" قَالَ: «أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ تَنَافَسُوْنَ ثُمَّ تَتَحَاسَدُوْنَ ثُمَّ تَتَدَابَرُوْنَ ثُمَّ تَتَبَاغَضُوْنَ»[2]

[رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کیسے ہو گے جب روم اور ایران کے خزانے تمھیں ملیں گے؟ کون سی قوم تم لوگ ہو گے؟ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا: ہم کہیں گے جیسا کہ اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ تم لوگ رغبت کرو گے، پھر باہم حسد کرو گے، پھر تم ایک دوسرے سے اعراض اور بے رخی کرو گے، پھر باہم بغض وعداوت کرو گے]

اس کو شیخین نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں روایت کیا ہے۔

جب ایرانی شاہی خزانے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں مفتوح ہوئے تو انھوں نے کہا:

"إنّ هذا لم يفتح علىٰ قوم قطّ إلّا جعل بأسهم بينهم" أو كما قال.[3]

[بے شک یہ مال کبھی کسی قوم پر مفتوح نہیں ہوا، مگر ان کے درمیان باہمی لڑائی ڈال دی جاتی ہے، یا اسی طرح فرمایا]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٥٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٦٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٤٤) صحيح مسلم (٧/٦٧)

[3] كشف الكربة في وصف أهل الغربة لابن رجب الحنبلي ضمن مجموع رسائل ابن رجب الحنبلي (١/ ٣١٨)

غربتِ اسلام کا سبب:

معلوم ہوا کہ غربتِ اسلام کا جزوِ اعظم یہی کثرتِ ثروت اور مالِ دنیا ہوتا ہے۔ اس زمانے میں اگرچہ سلطنتِ اسلام باقی نہیں رہی، لیکن جس گدا اور فقیر کو دیکھو اور اس کی گزران کا موازنہ اصحابِ خیر القرون سے کرو تو بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ فقیر یسر ونشاط میں بادشاہِ وقت ہے، بنا بریں غربت مذکور بدستور روز افزوں ہے۔ یہی آسودگی فتنِ شہوات وشبہات کا سبب ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس امت پر انھیں دونوں فتنوں کا بڑا ڈر تھا، جس طرح مسند احمد میں ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«إِنَّمَا أَخْشٰی عَلَیْکُمْ شَهَوَاتِ الْغَيِّ فِيْ بُطُوْنِکُمْ وَفُرُوْجِکُمْ وَمُضِلَّاتِ الْفِتَنِ»[1]

[یعنی مجھے تم پر تمھارے پیٹ اور تمھاری شرمگاہوں اور فتنوں کی گمراہیوں کا ڈر ہے]

دوسری روایت میں «مضلات الهوی» [خواہشات کی گمراہیاں] فرمایا ہے۔

فتنہ شہوات کے نتائج:

جب یہ فتنہ شہوات ان اوقات میں عام ہو گیا ہے تو ساری خلق کا حال زہرۂ دنیا میں متفاوت ہو کر سب کی مراد یہی دنیا ٹھہری، وہ اسے حاصل کرنے میں معاصی وکبائر کے مرتکب ہوئے اور تباغض وتحاسد وتقاطع وتدابر میں پڑے، بعد اس کے کہ اخوان یک دیگر اور انصار واعوان ہم دیگر تھے۔ رہا شبہات اور اہوائے مضلّہ کا فتنہ تو اُس کا سبب تفرق اہلِ قبلہ ہے کہ یہ جدا جدا فرقے اور گروہ بن گئے، اکثر طالبِ طریقۂ ضلال ہوئے، ابوابِ بدع کو کھولا، بیوتِ شرک کو آباد کیا اور خانۂ اسلام کو برباد کیا۔ اس فتنے نے ان کو بیابانِ مفاسد میں ڈال دیا اور صحرائے تباعد وتدابر میں پھینک دیا، حالانکہ اس سے پہلے سب ایک شخص کے دل پر جمع تھے اور ایک جان وچند قالب ہوتے تھے۔

فرقہ ناجیہ:

اس تباہ کن صورت حال سے فرقہ ناجیہ کے سوا کوئی نہ بچا۔ حدیث میں آیا ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰی ذٰلِكَ»[2]

---

[1] مسند أحمد بن حنبل (٤/ ٤٢٠، ٤٢٣)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٦٤١) صحیح مسلم (٦/ ٥٢)

[میری امت میں سے ایک جماعت کے لوگ ہمیشہ حق پر غالب رہیں گے، ان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، وہ شخص جو ان کا ساتھ چھوڑ دے یا ان کی مخالفت کرے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے اور وہ اسی پر رہیں گے]

امام ابن المدینی رحمہ اللہ (امام بخاری کے استاد) نے کہا ہے:

"هم أهل الحديث"[1] [وہ اہلِ حدیث ہیں]

سو یہ طائفہ (گروہ) انھیں غربا کا ہے، جن کا ذکر احادیث متقدمہ میں گزر چکا ہے کہ وہ فسادِ مردم کی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے دین کو لے کر فتن سے بھاگتے ہیں۔ «وهم النُّزَّاعُ من القبائل»[2] [اور وہ اجنبی لوگ ہیں جو قبائل سے الگ ہونے والے ہیں]

مومن کی تذلیل قیامت کی نشانی ہے:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مرفوعاً آیا ہے:

«وَإِنَّ مِنْ أَشْرَاطِهَا أَنْ يَكُوْنَ الْمُؤْمِنُ فِي الْقَبِيْلَةِ أَقَلَّ مِنَ النَّقْدِ أَيْ صِغَارِ الْغَنَمِ» (رواه الطبراني)[3]

[قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ مومن اپنے قبیلے میں بکری کے چھوٹے بچے سے بھی کمتر ہو گا]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا:

"إن طالت بكم حياة أن ترى الرجل قد قرأ القرآن على لسان محمد ﷺ فأعاده وأبداه فأحلّ حلاله وحرّم حرامه ونزل عند منازله ما يحورُ فيكم إلّا كما يحورُ رأس الحمار" (رواه أحمد)[4]

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۳/۲۹۳) میں کہا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کی حدیث روایت کی اور کہا کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے علی بن المدینی رحمہ اللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ وہ اہل حدیث لوگ ہیں۔

[2] اس لفظ کے ساتھ اس حدیث کو ابن ماجہ، رقم الحدیث (۳۹۸۸) سنن داری (۲۷۵۵) اور احمد بن حنبل نے مسند (۱/۳۹۸، ۵/۳۴۳) میں روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

[3] اس کو امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے، جیسا کہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۷/ ۳۲۳) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ''سیف بن مسکین'' نامی راوی ضعیف ہے۔

[4] اس کو احمد نے اپنی مسند (۴/ ۱۲۶) میں روایت کیا ہے۔

[اگر تمھاری زندگی لمبی ہوئی تو دیکھے گا کہ آدمی نے محمد ﷺ کی زبان سے قرآن پڑھا، پھر اس کو دہرائے گا اور اس کو ظاہر کرے گا، پھر اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام قرار دے گا اور اس کے منازل کے پاس نازل ہوگا اور وہ تمھارے اندر نہیں لوٹے گا مگر جس طرح گدھے کا سر لوٹتا ہے]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

"سيأتي على النّاس زمان يكون المؤمن فيه أذلّ من الْأَمَةِ"[1]

[لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مومن اس وقت لونڈی سے زیادہ ذلیل وکمتر ہوگا]

بعض اہلِ علم نے کہا ہے:

"وإنّما ذلّ المؤمن في آخر الزمان لغربته بين أهل الفساد، ومباينته في القصد والمراد، ومخالفته لطريقهم المعتاد"[2]

[آخری زمانے میں مومن زیادہ ذلیل اس لیے ہوگا کہ وہ اہلِ فساد کے درمیان الگ تھلگ ہوگا اور مقصد ومراد میں ان سے علاحدہ ہوگا اور ان کے عام طریقے کی مخالفت کرے گا]

امام حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"لو أنّ رجلاً من الصدر الأول بعث اليوم ما عرف من الإسلام شيئاً إلّا هذه الصلاة"[3]

[اگر صدرِ اول کا کوئی آدمی آج زندہ ہو کر اٹھے تو اس نماز کے سوا اسلام کی نہ کوئی چیز پہچانے گا]

امام ابو الشیخ اصبہانی رحمہ اللہ نے اسے روایت کرنے کے بعد یوں کہا ہے:

"أما والله لإن عاش على هذه المنكرات فرآى صاحب بدعة يدعو إلى بدعته، وصاحب دنيا يدعو إلى دنياه، فعصمه الله، وقلبه يحن إلى ذكر السلف فيتّبع آثارهم، ويستنّ بسنّتهم، ويتبع سبيلهم، كان له أجر عظيم"[4] انتهىٰ

---

[1] الفتن لنعيم بن حماد المروزي رحمه الله (١/ ١٨٨)

[2] دیکھیں: كشف الكربة في وصف أهل الغربة لابن رجب الحنبلي رحمه الله (ص: ١١)

[3] مصدر سابق

[4] مصدر سابق

[اللہ کی قسم اگر وہ آج لوگوں کو منکرات پر زندگی گزارتے ہوتے دیکھے، تو وہ دیکھے گا کہ بدعتی اپنی بدعت کی طرف اور دنیا دار اپنی دنیا کی طرف دعوت دے رہا ہے، پس اللہ نے اس کو بچا لیا جب کہ اس کا دل سلف کے ذکر کا مشتاق ہے، پس وہ ان کے آثار کا اتباع کرتا ہے اور ان کی روش کو اپناتا ہے اور ان کے طریقے کی پیروی کرتا ہے تو اس کے لیے زبردست اجر وثواب ہے]

ایک جماعتِ سلف نے سنت کا وصف غربت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اہلِ سنت کا وصف قلّت کے ساتھ۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ اپنے دوستوں سے کہتے تھے:

"يا أهل السنّة! ترفقوا۔ رحمكم الله۔ فإنكم من أقلّ النّاس"[1]

[اے اہل سنت! اللہ تم پر رحم کرے، آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرو، اس لیے کہ تم لوگ بہت کم تعداد میں ہو]

امام یونس بن ابی عبید رحمہ اللہ کہتے تھے:

"ليس شيء أغرب من السنّة، وأغرب منها من يعرفها"[2]

[سنت سے زیادہ کوئی چیز اجنبی نہیں ہے اور اس سے بڑھ کر کم یاب وہ ہے جو سنت کا عارف وعالم ہے]

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے تھے:

"استوصوا بأهل السنّة خيراً فإنّهم غُرباء"[3]

[اہل سنت کے ساتھ بہتر سلوک کرو، اس لیے کہ وہ غربا (لوگوں میں اجنبی) ہیں]

کتاب "روضة الأفكار والأفهام" میں لکھا ہے:

''ان ائمہ کے نزدیک سنّت سے مراد طریقۂ نبویہ ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب تھے۔ یہی طریقہ فتنِ شہوات وشبہات سے سالم ہے اور اسی طریقے کے متمسک اور عامل کے لیے پہلے لوگوں میں سے پچاس اشخاص کا اجر وارد ہوا ہے اور کہا ہے کہ اپنے

---

[1] مصدر سابق

[2] مصدر سابق

[3] مصدر سابق

دین پر تمسک کرنے والا انگارہ پکڑنے والے کی طرح ہے۔ علماے متاخرین کے عرف میں سنت وہ ہے جو شبہاتِ اعتقادات سے خصوصاً مسائلِ ایمان باللہ وملائکہ وکتب ورسل ویوم آخر میں سالم ہو۔ اسی طرح مسائلِ قدر اور فضائلِ صحابہ میں شبہات سے خالی ہو۔ اس باب میں اُن کی کئی مولفات ہیں جن کا نام انھوں نے کتبِ سنت اور اصولِ دین وعقائد رکھا ہے۔ انھوں نے اس علم کا نام سنت اس لیے رکھا ہے کہ اس کی شان بہت بڑی ہے اور جو کوئی اس کے برخلاف ہے وہ "عَلیٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ" (کسی گھاٹی کے کنارے پر ہے جو گرنے والی ہو) ہے۔ اہلِ طریقت کے نزدیک غربت دو طرح پر ہے: ایک غربت ظاہرہ، دوسری غربت باطنہ۔ غربت ظاہرہ فاسقوں اور ریاکاروں کے درمیان اہلِ صلاح کی غربت ہے اور علما کی غربت جاہلوں اور بد اخلاق لوگوں کے درمیان اور زاہدین کی غربت دنیا فانی کے ساز وسامان کی رغبت کرنے والوں کے درمیان۔

"غربتِ باطنہ غربتِ ہمت (خواہش وحاجات) ہے۔ یعنی عارفین کی غربت ساری خلق کے درمیان یہاں تک کہ علما وزہّاد کے بھی درمیان۔ بلاشبہہ وہ لوگ اپنی عبادت وعلم اور اپنے زہد کے ساتھ قائم ہیں اور یہ لوگ اپنے معبود کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں جس کو وہ چھوڑ نہیں سکتے۔"[1] انتھیٰ

دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

[اگر لوگ مجھے دنیا دیں تو میں اپنی جگہ سے جنبش نہ کروں کیونکہ میں نے اپنے پاؤں میں قناعت کی منہدی لگا رکھی ہے]

غربتِ اسلام کے اسباب کے بیان میں ایک رسالہ "کشف اللثام"[2] ہے، جو اختصار کے باوجود احوال کثیرہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

خلاصہ کلام:

سارے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جو دین صدق وحق پیغمبر علیہم السلام ونبی آخر الزمان ﷺ لائے

[1] روضة الأفكار والأفهام لمرتاد حال الإمام وتعداد ذوي الإسلام، المسمىٰ بـ "تاريخ نجد" (ص: ٣٦)

[2] یہ مولف رحمہ اللہ کا تالیف کردہ کتابچہ ہے، جو "کشف اللثام عن غربة أهل الإسلام" کے نام سے مطبوع ہے۔

تھے اور جس پر صحابہ وتابعین وتبع تابعین کا قرن گزر گیا ہے، وہی طریقۂ ناجیہ ہے۔ اب وہ فرقہ ناجیہ اس امت میں غریب وعزیز الوجود ہو گیا ہے اور توحید شرک کے ساتھ اور سنت بدعت کے ساتھ بدل گئی ہے، اسی طرح منکر، معروف اور معروف، منکر ٹھہر گیا ہے۔

توحید وشرک سے متعلق مولف رحمہ اللہ کے دیگر رسائل:

توحید وشرک کے بیان میں ہمارے کئی رسائل ہیں، جیسے:

1. الانفكاك عن مراسم الإشراك.
2. اللواء المعقود لتوحيد الرب المعبود.
3. ملاك السعادة في إفراد الله تعالىٰ بالعبادة.
4. النصح السديد لوجوب التوحيد.
5. منهاج العبيد إلىٰ معراج التوحيد.
6. التفكيك عن أنحاء التشريك.
7. إخلاص التوحيد للحميد المجيد.
8. إيصال المريد الىٰ خالص التوحيد.
9. دعاية الإيمان إلىٰ توحيد الرحمٰن.[1]
10. إخلاد الفؤاد إلىٰ توحيد ربّ العباد.

آج کے نام نہاد مسلمانوں کی حالتِ زار:

آج نام کے جھوٹے مسلمانوں سے دنیا بھری پڑی ہے اور وہ سب اپنے آپ کو ناجی خیال کرتے ہیں:

﴿كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ [الروم: ۳۲]

[ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے]

لیکن لوگ اکثر شرک، رسومِ کفر اور انواعِ بدعت میں گرفتار ہیں، جس طرح بلادِ عرب وعجم میں لوگوں کے احوال اور ان کی تالیفات نحیفہ کے مشاہدہ کرنے سے عیاں ہے۔ کاش یہ نرے موحّد ہی

[1] یہ کتاب استاذ گرامی مولانا محمد اعظمی رحمہ اللہ کی تخریج وتعلیق کے ساتھ احیاء التراث الاسلامی حکومت کویت کے تعاون سے جامعہ سلفیہ بنارس انڈیا سے طبع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہے۔

ہوتے۔ عمل میں قصور تھا تو عقیدہ ہی درست ہوتا، اس لیے کہ شرک کے ہم راہ نجات محال ہے۔ شرک کے ستر (۷۰) گھر ہیں۔ ہمتِ قلب اور توفیقِ الٰہی کے بغیر آگ سے بچنا اُس دن ممکن نہیں ہے، کیونکہ جس طرح گناہ سے عمل میں فساد آتا ہے اسی طرح عقیدے میں فساد سے ایمان برباد ہو جاتا ہے۔ جس کو یہ فرق معلوم ہے، اُس پر واجب ہے کہ اپنے ایمان کو اس آخری زمانے میں جس طرح ممکن ہو بچائے اور دین کے رہزنوں سے بچ کر نصوصِ شرع مبین پر جما رہے۔ قرآن کو امام سمجھے اور سنت کو مقتدیٰ جانے اور اسلام کی پانچ بنیادوں کو دانتوں سے پکڑے اور کسی کے اختلاف و اعتساف میں نہ پڑے۔ جو شخص مشرک، بدعتی، بدعقیدہ، دنیا دار اور فاسق بدکردار ہو، اُس کے منہ نہ لگے۔ اب مناظرۂ حق اور تحقیقِ صواب کا وقت بھی باقی نہیں، جس کو دیکھو وہ اپنے مذہب، آبا اور ائمہ کے لیے تعصب کرتا ہے اور وضوحِ حق کے بعد بھی اذعان وایقان نہیں لاتا۔ یہ سب علاماتِ قیامت کا نتیجہ ہے۔ ایسے ہی وقت کے لیے حدیث میں یہ فرمایا ہے:

«عَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِّ» أو كما قال.[1]

[خاص طور پر اپنی پروا کر اور عوام کے معاملے کو چھوڑ دے۔" یا جیسا فرمایا]

علمائے آخرت اول تو ہزار میں ایک بھی نہیں ہے اور اگر کسی جگہ ایسے ہوں گے تو جہاں بھر سے زیادہ مبغوض، مردود، مطرود اور مخذول ہیں، پھر اُن میں بھی یہ بَلا موجود ومشہور ہے کہ حسنِ عقیدہ کے باوجود محبِّ دنیا ہیں۔ پھر اُن علما کا کیا ذکر ہے جو نِرے بندۂ شکم اور پرستارِ دینار و درہم ہیں؟ اُن کا تو یہی حال ہوگا کہ "آخر الدرهم هَمٌّ، وآخر الدنيا نَارٌ" [درہم کا آخر غم اور دینار کا انجام آگ ہے]

زر پرستی می کند دل را سیاہ

آخر ایں صفراء بہ سوداء می کشد

[زر پرستی دل کو سیاہ کرتی ہے آخر یہ زردی (مال وزر) سیاہی کو کھینچ لاتی ہے]

پھر جب علما ایسے ٹھہرے تو عوام کس قطار شمار میں ہیں؟ وہ تو ہمیشہ سے کالانعام (چوپایوں جیسے) ہوتے آئے ہیں۔

وبالجملة فالنّاس كلهم هلكىٰ إلّا العالمون، والعالمون كلّهم هلكى إلّا

[1] مسند أحمد (۲/۲۱۲) سنن أبي داوٗد (۴۳۴۱) سنن الترمذي (۳۰۵۸) سنن ابن ماجه (۴۰۱۴)

العاملون، والعاملون كلّهم هلكىٰ إلاّ المخلصون، والمخلصون علىٰ خطر عظيم، ختم الله لنا على اليقين وجعل لنا لسان صدق في الآخرين.

[خلاصۂ کلام یہ کہ سارے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں، مگر عالم لوگ، اور تمام عالم لوگ ہلاک ہونے والے ہیں مگر وہ عالم جو باعمل ہیں، اور سارے عمل کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں مگر جو مخلص ہیں، اور مخلص لوگ بہت بڑے خطرے کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ یقین پر کرے اور ہمارا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھے، آمین]

خاتمہ:

آج ۱۸ شوال ۱۳۰۵ھ قدسی بروز سوموار کو دو روز میں یہ رسالہ تمام ہوا۔

والحمد لله الّذي بنعمته وإحسانه تتم الصالحات.

النصح السدید لوجوب التوحید

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان حسینی بھوپالی رحمہ اللہ
(۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

الحمد لله الذي خلق السمٰوات والأرض، و جعل الظلمات والنور، ثم الذين كفروا بربهم يعدلون، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد النبي الأمي وعلىٰ آله وصحبه الذين قضوا بالحق، و به كانوا يعدلون. أما بعد:

اس رسالے میں اثباتِ توحید اور ردِ شرک کا بیان ہے۔ بعض اہلِ علم کے سوال کرنے پر امام ربانی محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ نے ان مسائل کا جواب لکھا تھا۔[1] یہ رسالہ اسی جواب کا ترجمہ ہے۔

[1] اس سے امام شوکانی رحمہ اللہ کا رسالہ "العذب النمير في جواب مسائل عالم بلاد عسير" مراد ہے، جو "الفتح الرباني من فتاوى الإمام الشوكاني" (١/١٦١ـ٢٧٧) میں مطبوع ہے۔

معرفتِ توحید وشرک کی اہمیت

اثباتِ توحید اور ردِ شرک کے موضوع پر اہل اللہ اور اہلِ علم باللہ نے مستقل اور ضمنی طور پر تفصیلاً کلام کیا ہے۔ جنت اور جہنم میں داخلے کی بنیاد انھیں دونوں چیزوں کی معرفت اور عدمِ معرفت پر ہے۔ جس شخص کو یہ مطلوب ومنظور ہو کہ اسے جنت ملے اور وہ آگ سے نجات پا جائے تو وہ سب سے پہلے توحید کا معنی اور شرک کا مطلب سمجھے، اس کے بعد پھر اس توحید کے مطابق عملی زندگی گزارے، کیونکہ جس طرح ہر موحد قلتِ عمل کے باوجود ان شاء اللہ نجات پانے والا ہے، اسی طرح ہر مشرک کثرتِ عبادت کے باوجود واصلِ جہنم ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: ٤٨]

[بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے جسے چاہے گا]

مزید فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ [المائدة: ٧٢]

[بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے]

دنیا میں شرک بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شرک کے ستر دروازے ہیں[1] اور شرک اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے۔[2] معلوم ہوا توحید کی صرف ایک راہ ہے، جبکہ شرک کی بہت سی راہیں ہیں۔

---

[1] مسند البزار (٥/ ٣١٨) صحيح الجامع (٣٥٤٠)

[2] المستدرك للحاكم (٢/ ٢٩٠) یہ حدیث اپنے شواہد وطرق کی بنا پر صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، رقم الحديث (٣٧٥٥)

ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنے گھر والوں کو شرک سے بچائے اور عقیدہ توحید پر گامزن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا ﴾ [التحریم: ٦]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ]

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو خود تو شرک سے پرہیز کرتے ہیں، مگر اپنے گھر والوں کو اس سے نہیں بچاتے، حالانکہ اپنے بیوی بچوں، ماں باپ اور دیگر رشتے داروں کو اس ظلمِ عظیم سے بچانا ان پر فرض ہے۔ قیامت کے دن ہر کسی سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ گھر والے صاحبِ خانہ کی رعیت ہوتے ہیں اور وہ ان کا راعی (نگران) ہے، بنا بریں اس سے اہلِ خانہ کے متعلق باز پرس ہوگی۔

اثباتِ توحید اور ردِ شرک پر لکھے ہوئے کتب و رسائل:

بحمدہ تعالیٰ اس دور میں مسئلہ توحید و شرک پر بہت سے کتب و رسائل رائج ہو چکے ہیں، جیسے ① تقویة الإیمان ② راہِ سنت ③ نصیحة المسلمین ④ دعایة الإیمان ⑤ الانفکاك عن مراسم الإشراك ⑥ اللواء المعقود لتوحید الرب المعبود ⑦ ملاك السعادة في إفراد الله بالعبادة ⑧ إخلاص التوحید للحمید المجید ⑨ التفکیك عن أنحاء التشریك اور ⑩ منهاج العبید إلی معراج التوحید. ان کتب و رسائل کے علاوہ عربی زبان میں بھی اس موضوع پر متعدد کتب لکھی جا چکی ہیں، جیسے: الدین الخالص، إغاثة اللهفان، الجواب الکافي وغیرہ۔

علما کا امت پر احسان:

اگرچہ اللہ اور رسول کے بیان کے ہوتے ہوئے کسی عالم کے قول سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہر کسی کے لیے اپنی زبان میں بات کا سمجھنا آسان ہوتا ہے، اسی لیے علما نے اردو زبان میں آیات و احادیث کا مطلب و مفہوم واضح کیا ہے، تا کہ ہر حرف شناس اردو دان، خواہ مرد ہو یا عورت، اللہ اور رسول کے کلام کو اپنی زبان میں بہ خوبی سمجھ لے۔

اہلِ علم اگر ایسا نہ کریں تو یہاں عربی سمجھنے والے کہاں ہیں؟ نتیجتاً اکثر لوگ، جو جاہل ہیں، گمراہی میں پڑے رہ جائیں گے اور علما سے عدمِ بیان و بلاغ کا الگ سے مواخذہ ہوگا، کیوں کہ جس

طرح اللہ تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے یہ عہد لیا تھا کہ تم آخر الزمان پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ [آل عمران: ۸۱]

[اور جب اللہ نے سب نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں کتاب و حکمت میں سے جو کچھ تمھیں دوں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کیا؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو گواہ رہو اور تمھارے ساتھ میں بھی گواہوں سے ہوں]

اسی طرح اہلِ علم سے بھی یہ عہد لیا ہے کہ وہ کتمانِ حق نہ کریں، بلکہ کتاب اللہ کا مطلب و مفہوم کھول کر سب کو پہنچا دیں۔

علمائے حق اور علمائے باطل کی پہچان:

مگر افسوس کہ تمام علما نے اس عہد و پیمان کا حق ادا نہیں کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۸۷]

[اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انھوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی۔ سو برا ہے جو وہ خرید رہے ہیں]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض علما دنیا دار ہوتے ہیں جو مال لے کر حق بات کو مخفی رکھتے ہیں،

مگر جو اہلِ علم اللہ تعالیٰ کے قول و قرار، عہد و پیمان اور میثاق پر قائم دائم ہیں، ان کے حالات کیسے بھی ہوں، وہ اللہ کا حکم پہنچائے بغیر نہیں رہتے۔ حق پرست علما اور علمائے سو کے درمیان یہی وجہِ امتیاز ہے۔

بہر حال اس رسالے میں بھی توحید کے بعض مراتب اور شرک کے بعض مدارک کا بیان کرنا مقصود ہے۔ واللّٰہ المستعان، و علیه التکلان، و بیدہ التوفیق و الهدایة إلی سواء الطریق.

بحث اول

دعا عبادت ہے

پہلی دلیل:

کسی کو پکارنا یا دعا کرنا ثنا کی غرض سے ہو یا سوال کے طور پر، یہ عبادت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، جو بندوں سے مطلوب ہے۔ قرآن عزیز میں اگر دعا کے عبادت ہونے پر اس کے سوا کوئی دلیل بھی نہ ہوتی کہ بندوں کو اللہ سے دعا کرنے اور اسی کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے، تو یہی دلیل کافی تھی۔ کتاب اللہ میں ایسی متعدد آیات ہیں جن میں بندوں کو حکم ہوا ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو پکاریں اور اس سے دعا کریں، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [الأعراف: ٥٥]

[اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور خفیہ طور پر پکارو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا]

نیز مالکِ کائنات نے فرمایا:

﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [الأعراف: ٥٦]

[اور اسے خوف اور طمع سے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے]

مزید فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [بني إسرائيل: ١١٠]

[کہہ دے اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، تم جس کو بھی پکارو گے، سو یہ بہترین نام اسی کے ہیں]

دوسری دلیل:

مذکورہ بالا آیات بینات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے دعا اور پکار مطلوب ہے۔ دعا کے عبادت ہونے کے ثبوت کے لیے یہی کافی ہے، مگر جب اس کے ساتھ یہ امر بھی شامل ہو جائے کہ غیر اللہ کو نہ پکارو اور غیر اللہ کو پکارنا منع ہے تو پھر دعا و پکار کے عبادت ہونے میں کیا شک باقی رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ١٨]

[اور یہ کہ بلاشبہہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو]

مزید فرمایا:

﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ [الرعد: ١٤]

[برحق پکارنا صرف اسی کے لیے ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی دعا کچھ بھی قبول نہیں کرتے]

پھر جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر اظہارِ افسوس کرنے کے بعد ان پکارے جانے والوں کی مثال یوں بیان کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ [الأعراف: ١٩٤]

[بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمھارے جیسے بندے ہیں]

نیز فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ﴾ [سبأ: ٢٢]

[کہہ دے پکارو ان کو جنھیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کے مالک ہیں اور نہ زمین میں]

تیسری دلیل:

خود قرآن مجید میں اس کی تصریح موجود ہے کہ دعا عبادت ہے۔ یہ ایسی تصریح ہے کہ اس کے

بعد شک کرنے والوں کے پاس شک کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہ سکتی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ [الغافر: ٦٠]

[اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا، بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے]

چوتھی دلیل:

دعا کے عبادت ہونے پر مذکورہ بالا آیات کریمات کے علاوہ سنتِ مطہرہ میں بھی دعا کے عبادت ہونے کے دلائل موجود ہیں، جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ دعا عبادت کی انواع میں سے ایک اکمل نوع ہے۔ چنانچہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ »[1] [بلا شبہہ دعا ہی عبادت ہے]

(رواه أحمد و أبوداود و الترمذي و صححه، والنسائي و ابن ماجه و ابن أبي شيبة والحاكم)

دوسری حدیث کے الفاظ ہیں:

« اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ »[2] [دعا عبادت کا مغز ہے]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کی تصدیق کے طور پر مذکورہ بالا آیت کریمہ ﴿اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ... الخ﴾ [الغافر: ٦٠] تلاوت فرمائی۔

مذکورہ بالا حدیث « إِنَّ اَلدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ » میں مسند الیہ "الدعاء" اور مسند "العبادۃ" دونوں کو معرفہ لایا گیا ہے اور ان کے درمیان میں "هُوَ" ضمیر فاصل لائی گئی ہے۔ علماے معانی و بیان اور اہلِ اصول نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان تینوں امور (تعریف، مسند الیہ و مسند اور ضمیر فصل) میں سے ہر ایک حصر کا ذریعہ ہے۔ ان میں سے ایک بھی ہو تو وہ حصر کا فائدہ دیتا ہے، چہ جائے کہ یہ سارے آلاتِ حصر اس حدیث کے الفاظ میں موجود ہیں، پھر حرف تاکید "إِنَّ" بھی ان آلات و ذرائع کے ساتھ شامل ہے۔

---

[1] مسند أحمد (٤/٢٧١) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (١٤٧٩) سنن الترمذي (٢٩٦٩) سنن النسائي (٤٨٤) سنن ابن ماجه (٣٨٢٨) مصنف ابن أبي شيبة (١٠/ ٢٠٠)، المستدرك للحاكم (١/ ٤٩١)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٧١) اس کی سند میں "عبداللہ بن لہیعہ" ضعیف ہے۔

مذکورہ حدیث میں حصر حقیقی ہے یا ادعائی؟

اگر کوئی پوچھے کہ مذکورہ حدیث میں حصر حقیقی ہے یا حصر ادعائی؟ تو ہم اس کو حصر ادعائی کہیں گے، کیونکہ شریعت مطہرہ سے یہ بات معلوم ہے کہ انواعِ عبادت میں بہت سی چیزیں داخل ہیں، جیسے ارکانِ خمسہ، شہادتین کی گواہی، نماز، زکات، حج اور روزہ وغیرہ۔

اس حدیث سے کم از کم یہ ثابت ہوا کہ دعا ایک کامل موکد عبادت ہے۔ اب جو شخص غیر اللہ کو پکارے گا اور اس سے کسی ایسی چیز کا طالب ہوگا، جس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے تو اس طرح وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والا ٹھہرے گا۔

بعثتِ انبیا کا مقصد:

اللہ تعالیٰ نے جو انبیا و رسل مبعوث کیے اور جو کتابیں نازل فرمائیں، ان سب کی غرض اللہ کو عبادت میں تنہا جاننا اور اکیلا ماننا ہے، جو شخص بھی قرآن مجید کو بہ غور پڑھے گا، اسے معلوم ہوگا کہ قرآن مجید میں یہ سارے امور تفصیلاً موجود ہیں۔

بحث دوم

اثباتِ توحید اور ردِ شرک

شرک کے ارتکاب میں جہالت عذر نہیں بن سکتی۔ یہ آیت کریمہ ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۲] [پس اللہ کے لیے کسی قسم کا شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو] میں ﴿وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ جملہ حالیہ ہے، خبریہ نہیں۔ یہی تفسیر ظاہر اور واضح ہے۔ اس طرح آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ تم کسی کو اللہ کا ہمسر نہ ٹھہراؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے، بلکہ وہ الوہیت اور استحقاقِ عبادت میں تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسے ہر وہ شخص جس کو دعوتِ دین پہنچ گئی ہے اور وہ اسلام کی طرف منسوب ہے، بہ خوبی جانتا ہے۔ فللّٰه الحجة البالغة.

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر یوں مروی ہے:

"لا تجعلوا لله أكفاءا من الرجال تطيعونهم في معصية الله"[1]

[لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ایسے ہمسر نہ بناؤ کہ تم اللہ کی نافرمانی میں ان کی فرماں برداری کرو]

یہی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"الأنداد هو الشرك أخفى من دبيب النمل، على صفاة سوداء، في ظلمة الليل، وهو أن يقول: والله و حياتك يا فلان و حياتي، و يقول: لو لا كلبه هذا لأتانا اللصوص، ولولا البط في الدار لأتانا اللصوص، و قول الرجل لصاحبه: ماشاء الله و شئت، و قول الرجل: لو لا الله و فلان، هذا كله شرك"[2] انتهیٰ

["انداد" شرک ہے جو رات کے اندھیرے میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ

---

[1] تفسير الطبري (١/ ٣٦٨) الدر المنثور (١/ ٣٤)

[2] تفسير ابن أبي حاتم (١/ ٦٢)

مخفی اور پوشیدہ ہے۔ وہ شرک یہ ہے کہ تم کہو: اے فلاں! اللہ کی اور تمھاری حیات اور میری حیات کی قسم! اور یہ بھی شرک ہے کہ تم کہو: اگر یہ کتا نہ ہوتا تو ہمارے گھر میں چور گھس جاتے، اور یہ بھی شرک ہے کہ تم کہو: اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو چور آ جاتے، اور آدمی کا اپنے ساتھی کو یہ کہنا بھی شرک ہے: جو اللہ چاہے اور جو تو چاہے، اور کسی شخص کا یہ کہنا بھی شرک ہے: اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتا [تو یوں اور یوں ہو جاتا] یہ سب شرک ہی کی صورتیں ہیں]

اکثر لوگوں پر ایسی اشیا مخفی ہوتی ہیں، صرف وہی شخص ان پر مطلع ہوتا ہے جس نے کتابِ عزیز میں کامل تدبر کیا ہو اور آیات بینات اور سنتِ مطہرہ میں گہری نظر و فکر کی ہو۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ علم و فہم میں وافر حصہ رکھتے ہیں، اس کے باوجود شرک کی کسی نوع میں گرفتار ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس نوع اور قسم کے شرک ہونے پر نصِ نبوی موجود ہوتی ہے، لیکن یہ اس کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ علم ہو جانے کے بعد وہ کسی نہ کسی وجہ سے اس شرک کے متعلق غفلت کا شکار ہو گئے ہیں یا وہ بہت سی معلومات رکھنے کے باوجود شرک کی اس قسم سے بالکل جاہل اور ناواقف ہیں۔ ذیل میں اس نوع کی بعض شرکیہ اقسام کا بیان کیا جاتا ہے۔

بعض شرکیہ امور کا بیان

① تمائم لٹکانا:

حدیث نبوی میں تمائم لٹکانے کو شرک فرمایا گیا ہے، جیسے امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے۔[1]

② دھاگا باندھنا:

ہاتھ وغیرہ میں بخار دور کرنے کی خاطر دھاگا باندھنا بھی اس قسم کے شرک میں شمار ہوتا ہے۔ اسے امام ابن ابی حاتم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2]

③ ''رقی'' یعنی تعویذ باندھنا:

تعویذ باندھنا بھی مذکورہ شرک ہی کی ایک قسم ہے۔

④ ''تِوَلَه'' (تعویذِ محبت):

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں یوں آیا ہے:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَ التِّوَلَةَ شِرْكٌ»[3] (رواه أحمد و أبوداود)

[یقیناً تعویذ، تمائم اور تولہ شرک ہیں]

اس حدیث میں موجود لفظ ''رقی'' رقية کی جمع ہے جو منتر کو کہتے ہیں۔ اس سے وہ منتر مراد ہیں جن میں بتوں اور شیاطین کے نام ہوتے ہیں نہ کہ وہ جن میں کوئی آیت قرآنیہ وغیرہ ہو، كذا في فتح الودود. اس منتر کا بھی یہی حکم ہے جس میں نیک مخلوق کا نام پکارا جائے، کیونکہ اس میں غیر اللہ سے استغاثہ یا استعانت پائی جاتی ہے۔

---

① مسند أحمد (٤/١٥٦)

② تفسير ابن أبي حاتم (٧/٢٢٠٨)

③ مسند أحمد (١/٣٨١) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٨٣)

امام نووی رحمہ اللہ نے امام مازری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سارے دم جائز ہیں بشرطیکہ وہ کتاب اللہ یا ذکر اللہ پر مشتمل ہوں اور وہ منتر ممنوع ہیں جو عجمی زبان میں ہوں یا جن کے معانی معلوم نہ ہوں، کیونکہ ممکن ہے اس میں کفریہ الفاظ شامل ہوں۔[1]

''تمائم'' کا واحد تمیمہ ہے، یہ اس چیز کو کہتے ہیں جو گلے میں یا بدن پر لٹکائی جائے، تاکہ اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو اور نقصان ٹل جائے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ یہ کام کیا کرتے تھے۔

''تِوَلَہ'' ایک قسم کا ہار ہے جس کے پہننے یا پہنانے کا مقصد بیوی کو اس کے خاوند کی نگاہ میں محبوب بنانا ہوتا ہے۔ قاموس وغیرہ میں ایسے ہی ہے۔[2] اس کو بھی زمانہ جاہلیت کے لوگ موثر جانتے تھے۔

⑤ ذاتِ انواط:

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر کر دیں، جس طرح ان لوگوں (مشرکوں) کا ذاتِ انواط ہے۔ ''ذاتِ انواط'' ایک بیری کا درخت تھا جس پر (بابرکت بنانے کے لیے) مشرک لوگ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ! قُلْتُمْ وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ كَمَا قَالَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ اِجْعَلْ لَنَا إِلٰهاً كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ»

[اللہ اکبر! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے بھی وہی بات کہی جو بنی اسرائیل نے کہی تھی کہ ہمیں بھی ان کے معبودوں کی طرح کا ایک معبود بنا دو]

(اسے ترمذی نے ابن ابی واقد لیثی سے روایت کیا اور صحیح کہا ہے)[3]

⑥ غیر اللہ کی قسم کھانا:

غیر اللہ کی قسم کھانے سے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»[4] (رواه الترمذي و حسنه، و الحاكم و صححه)

[جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی بلاشبہہ اس نے کفر کیا یا شرک کیا]

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (١٤/ ١٦٨)

[2] القاموس المحيط (ص: ١٢٥٥)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٨٠)

[4] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٣٥) مستدرك الحاكم (١/ ٥٢)

اسی طرح بخاری و مسلم میں مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفاً فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ وَ إِلَّا فَلْيَصْمُتْ» (متفق عليه)[1]

[یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں منع کرتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ۔ جو شخص قسم اٹھانا چاہتا ہو وہ صرف اللہ کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے]

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

«لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِيْ وَلَا بِآبَائِكُمْ» (رواه مسلم)[2]

[بتوں کی اور اپنے باپوں کی قسم نہ اٹھاؤ]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِالْأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا» (رواه أبو داود بإسناد صحيح)[3]

[جس نے امانت کی قسم کھائی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے]

مذکورہ بالا احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی چیز اور کسی شخص کی قسم کھانا کفر یا شرک ہے، خواہ بت کی قسم کھائے یا باپ کی۔ اسی طرح پیغمبر، پیر، شہید، کعبہ، بیت المقدس اور مدینے یا کسی جن، پری، بھوت، شیطان، اپنے سر، جن، یا گل وگلزار و بہار اور اس طرح کی دیگر اشیا کی قسم کھانا ہے۔

⑦ قبر کو سجدہ گاہ بنانا:

کسی قبر کو مسجد ٹھہرانا بھی شرک ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَناً يُعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ» (رواه مالك في الموطأ)[4]

[اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے، اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہوا اس قوم پر جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد ٹھہرالیا]

---

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٥٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٤٦)

② صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٤٨)

③ سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٢٥٣)

④ موطأ الإمام مالك (١/ ١٧٢)

لہٰذا جب نبی و پیغمبر کی قبر جائے نماز نہیں ہو سکتی اور جو اسے مسجد ٹھہرائے اس پر اللہ کا غضب ٹوٹ پڑے اور وہ قبر ایک بت ٹھہرے تو پھر کسی اور ولی، پیر اور شہید کی کیا ہستی ہے کہ اس کی قبر مسجد ٹھہرائی جائے؟

⑧ عیافت، طِرق اور طیرہ:

ابو قبیصہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالطَّرْقَ وَالطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ»

(رواه أحمد و أبو داود و النسائي و ابن حبان)[1]

[یقیناً عیافت (پرندوں کے ذریعے اچھا یا برا شگون لینے کا پیشہ)، طرق (پیش گوئی کے لیے کنکریاں پھینکنا) اور طیرہ (نحوست پکڑنا) شرک ہے]

یعنی نحوست اور بد فالی کے قصد سے پرندہ اڑانا اور لکیریں کھینچنا، جیسے خط، رمل اور بد فالی لینا بت پرستی ہے۔

⑨ دھاگے وغیرہ میں گرہیں لگا کر پھونکنا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيهَا فَقَدْ سَحَرَ، وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ» (رواه النسائي)[2]

[جس شخص نے دھاگے وغیرہ میں گرہ لگائی، پھر اس میں کچھ پڑھ کر پھونکا تو اس نے گویا جادو کیا اور جس نے جادو کیا وہ مشرک ہو گیا]

کچھ لوگ ناڑی پر آیات قرآنیہ پڑھ کر گرہ لگاتے ہیں اور اسقاطِ حمل وغیرہ سے بچاؤ کی خاطر یہ باندھنے کو دیتے ہیں۔ گو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن سلف صالحین میں یہ طریقہ مروج و معروف نہیں تھا، لہٰذا احتیاط ہی بہتر ہے۔

⑩ کاہن اور عراف سے غیب کی خبریں پوچھنا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

---

① مسند أحمد (٥/ ٦٠) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٠٧) سنن النسائي الكبرى (٦/ ٣٢٤) صحيح ابن حبان (١٣/ ٥٠٢)

② سنن النسائي (٣٥٤٢) اس کی سند میں "عباد بن میسرۃ" راوی ضعیف ہے اور سند میں انقطاع بھی ہے۔

«مَنْ أَتىٰ كَاهِناً أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلىٰ مُحَمَّدٍ ﷺ» (رواه أهل السنن و الحاكم و صححه)[1]

[جس شخص نے کاہن یا عراف کے پاس جا کر اس کی (بتائی ہوئی خبر کی) تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر اتری ہوئی چیز (قرآن و حدیث) کا کفر کیا]

کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب کی خبر بتائے، جیسے برہمن سے کچھ دریافت کرنا، اسی طرح عراف وہ ہے جو چوری یا کسی گم شدہ چیز کا پتا بتائے۔

⑪ بارش کو کسی ستارے کی طرف منسوب کرنا:

زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

ایک رات بارش ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: ''جانتے ہو کہ تمھارے رب تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟'' لوگوں نے عرض کی: ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

« أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ وَ مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ» (رواه الشيخان)[2]

[میرے بندوں میں سے کوئی تو مجھ پر ایمان لانے والا اور کوئی کفر کرنے والا بن گیا ہے، لہٰذا جس نے تو یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ ہم پر بارش ہوئی ہے، وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کے ساتھ کفر کیا، رہا وہ جس نے کہا فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا]

اکثر لوگ بارش کے نزول کو ستاروں کا کارنامہ قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ کفریہ عقیدہ ہے، کیونکہ بارش برسانا یا نہ برسانا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر اس نے بارش برسا دی تو یہ اس کا فضلِ محض ہے اور اگر نہ برسائی تو یہ اس کا عدل و انصاف ہے۔ ستارے کا اس میں کوئی دخل و اختیار نہیں ہے۔

---

① سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٣٩٠٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٣٩) سنن النسائي، رقم الحديث (١٣١) مستدرك الحاكم (٨/١)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٤٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧١)

⑫ عمل میں شرک اختیار کرنا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے:

«يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ مَعِيَ فِيْهِ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»[1]

[اللہ عزوجل فرماتے ہیں: میں تمام شرکا سے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کیا تو میں اسے اور اس کے شرک کو ترک کر دوں گا]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کام میں غیر اللہ کی شرکت ہوتی ہے وہ کام اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا ہے۔

غیر کا جس دل میں کچھ بھی ربط ہے
بندگی سب حبط اس کو خبط ہے

⑬ عمل میں ریاکاری اور دکھلاوا کرنا:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ؟ قَالُوْا: بَلٰى، قَالَ: اَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ، يَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ» (رواہ أحمد)[2]

[کیا میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کا مجھے تمھارے متعلق مسیح دجال (کے فتنے) سے بھی زیادہ خدشہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: کیوں نہیں! (ضرور بتائیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شرکِ خفی ہے۔ آدمی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ کسی آدمی کے دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز کو خوب بنا سنوار کر ادا کرتا ہے]

کلیدِ درِ دوزخ ست آن نماز
کہ در چشم مردم گزارے دراز

---

① صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٦)

② مسند أحمد (٢/ ٣٠)

[وہ نماز دوزخ کے دروازے کی چابی ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لیے لمبی ادا کی جائے]

ریاکاری کا شرک، شرکِ خفی صرف نماز ہی میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ تمام عبادات اور اعمالِ صالحات میں اس کا حکم جاری ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاکاری اور دکھلاوے کی غرض سے عمل کرنے کو شرک کے حکم میں شامل کیا ہے۔ اس قسم کے شرک سے ہزاروں میں سے کوئی ایک شخص ہی محفوظ رہتا ہوگا۔

⑭ کسی کو اللہ کا ہمسر ٹھہرانا:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

"مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ" [جو اللہ چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں] آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟ قُلْ: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ»[1] (رواه النسائي)

[کیا تو نے مجھے اللہ کا ہمسر بنا دیا؟ بلکہ یوں کہہ: جو اللہ اکیلا چاہے]

⑮ بدشگونی کی وجہ سے کسی کام سے رک جانا:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَةٍ فَقَدْ أَشْرَكَ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاكَفَّارَةُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: أَنْ يَقُوْلَ أَحَدُكُمْ: اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ»[2] (رواه أحمد)

[بدشگونی نے جسے کام کرنے سے روک دیا تو یقیناً اس نے شرک کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا کفارہ یہ ہے کہ تم (یہ کام ہو جانے کے بعد) کہو: اے اللہ! تیری طرف سے ملنے والی بھلائی ہی اصل بھلائی ہے اور بدفالی بھی تیری ہی طرف سے ہے اور تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے]

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی کام کرنے کے لیے روانہ ہو اور بدشگونی لینے کے لیے اڑائے ہوئے پرندے کو مطلوبہ اور مزعومہ سمت میں نہ اڑتے دیکھ کر کام کیے بغیر واپس پلٹ آیا تو وہ شرک کے ارتکاب کی وجہ سے مشرک ہوگیا۔

---

① سنن النسائي الكبرى (٦/٢٤٥) حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أخرجه النسائي في الكبرى بإسناد حسن" (تخريج أحاديث الإحياء: ١٢٨/٣)

② مسند أحمد (٢/٢٢٠)

مذکورہ باب اور موضوع پر کثرت سے احادیث مروی ہیں جو کسی قدر رسالہ ''در نضید''[1] میں لکھ دی گئی ہیں۔ یہاں صرف شرک کی بعض وہ اقسام مطلوب و مقصود ہیں جن پر لفظِ شرک کا اطلاق ہوا ہے اور ان میں ایک طرح کا خفا ہے، جس کا مفہوم سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ شرکِ اکبر ہے یا شرکِ اصغر۔

پس جو شخص شرک کی ان اقسام میں سے کسی قسم میں یا ان سے مشابہ کسی قسم میں براہِ جہل گرفتار ہو گیا ہے تو یقیناً وہ شریعت کا علم حاصل کرنے اور اس مسئلے کے متعلق کسی عالم سے سوال کرنے میں کوتاہی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے خطا کار ہے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے اور اسے خدمتِ دین کے لیے چن لیا ہے، اس کے ذمے واجب ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جس چیز کو مشروع قرار دیا ہے اور مذکورہ شخص کو اس کا علم نہیں ہے بلکہ اس کا علم مخفی ہے تو اس عالم کو چاہیے کہ وہ جاہل کے سامنے خوب اچھی وضاحت کے ساتھ وہ چیز بیان کر دے، تاکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بیانِ علم اور عدمِ کتمانِ حق سے متعلق جو عہد لیا تھا، وہ پورا ہو جائے۔

پھر اگر یہ جاہل اس وضاحت و بیان کے بعد گمراہی سے باز آ گیا تو اس عالم نے تعلیم و تبلیغ کا پورا حق ادا کر دیا جو اس کے ذمے واجب تھا اور اس جاہل نے تعلم (سیکھنے اور پڑھنے) کا اپنا حق ادا کر دیا جو اس کے ذمے واجب تھا۔ لیکن اگر اس جاہل نے اس عالم کی بات نہ مانی اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہا تو اب اس عالم کے ذمے یہ واجب ہے کہ وہ دعوت کے نرمی والے طریقے سے سختی والے طریقے کی طرف رجوع کرے، اگر اس پر بھی وہ جاہل اپنے عمل پر اصرار و استکبار کیے جائے اور اپنی گمراہی و بے راہ روی پر اڑا رہے تو وہ جس کام میں مبتلا ہو گیا ہے اور اس کے حق میں جھگڑا کرتا ہے وہ شرک اکبر ہے جو اپنے مرتکب کو مسلمانوں کے زمرے سے نکال کر مشرکوں کے زمرے میں شامل کر دیتا ہے۔ اب تلوار کے ذریعے سے اس کی گردن اڑانا ہی اس کے حق میں عدل و انصاف والا فیصلہ ہو گا۔

کفرِ عملی اور کفرِ جحودی کا حیلہ:

اگر کوئی کہے کہ بعض اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے مشرکوں کی طرح بتوں کے پاس

[1] یہ امام شوکانی رحمہ اللہ کا رسالہ ہے، جس کا مولف رحمہ اللہ نے "إخلاص التوحید للحمید المجید" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ رسالہ بھی زیرِ نظر مجموعے میں شامل ہے۔

اعتکاف و مجاورت کرنے، انھیں اللہ کے ساتھ پکارنے، ان سے استغاثہ کرنے اور جو چیز ان کی قدرت میں نہیں ہے، ان سے وہ چیز مانگنے کی طرح ان قبر پرستوں اور پیر پرستوں کا قبر پر اعتکاف و مجاورت کرنے کا کفر، کفرِ عملی ہے کفر جحودی نہیں۔ ان اہلِ علم نے اپنے اس موقف کے حق میں ان احادیث کو بطور دلیل ٹھہرایا ہے جو تارکِ نماز، تارکِ حج اور اس طرح کے دیگر لوگوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب الإیمان" میں ایک عنوان قائم کیا ہے: "باب كفر دون كفر" اور اس کفر کے متعلق یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ کفر ایمان کی ضد اور اس کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح کا موقف علامہ ابن القیم رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا گیا ہے، مگر ان اہلِ علم کا یہ قول درست نہیں ہے۔

دور حاضر کے مشرک زمانہ جاہلیت کے مشرکوں سے ایک قدم آگے ہیں:

کیونکہ جو شخص کسی فوت شدہ مردے کو پکارتا ہے، سختی کے وقت اس کے نام کی دہائی دیتا ہے، اس کی قبر کا طواف کرتا ہے اور اس سے وہ چیز مانگتا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے تو اس شخص کے مذکورہ افعال اسی عقیدے کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو عقیدہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا اپنے بتوں سے متعلق تھا۔

اب اگر یہ شخص اس فوت شدہ مردے سے اسی انداز میں کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اس کی یہ طلب بالکل اسی انداز کی ہے جو اہلِ جاہلیت اپنے بتوں سے کرتے تھے، یعنی وہ بتوں کو اللہ کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ بناتے تھے، لہٰذا اِن مشرکوں اور اُن مشرکوں میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔

اگر یہ شخص اس فوت شدہ بزرگ سے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ایسی چیز کے طلب میں مستقل حیثیت رکھتا ہے جس چیز کے عطیے پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے تو یہ وہ کام ہے جو اہلِ جاہلیت نے بھی نہیں کیا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت سے لوگوں کے متعلق اسی قدر بیان کیا ہے کہ وہ یہ بات کہتے تھے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [الزمر: ۳]

[ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں]

انھوں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا تھا کہ ہمارے یہ بت مطلوبہ چیز کے عطا کرنے میں مستقل حیثیت اور قدرت رکھتے ہیں، بلکہ دورِ جاہلیت میں اور رسولوں کی بعثت سے پہلے وہ اس عقیدے کے

اقراری تھے کہ پیدا کرنا، رزق دینا، موت سے ہمکنار کرنا، زندگی بخشنا اور اس طرح کے دیگر کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، وہی ان چیزوں کی مستقل ملکیت رکھتا ہے، جیسا کہ قرآن کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

رہی وہ بات جو مذکورہ موقف کے قائل نے حافظ ابن القیم رحمہ اللہ سے نقل کی ہے تو وہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا کلام ان کی کتابوں میں اس موقف کے بالکل خلاف ہے۔

چنانچہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "شرح منازل" میں لکھا ہے کہ گور پرست جو کام کرتے ہیں شرک ہے۔ پھر انھوں نے شرک کی دو قسمیں: شرک اکبر اور شرک اصغر بنا کر لکھا ہے:

"و من أنواعه ـ أي الشرك الأكبر ـ طلب الحوائج من الموتیٰ، والاستغاثة بهم، والتوجه إليهم، وهذا أصل شرك العالم... الخ"[1]

[شرک اکبر کی اقسام میں سے مردوں سے حاجات طلب کرنا، ان سے استغاثہ کرنا اور ان کی طرف متوجہ ہونا ہے اور یہی دنیا کے شرک کی اصل اور بنیاد ہے]

ہم نے اپنی کتاب "الدر النضید" میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اور دیگر تمام اہلِ علم کے اقوال ان کی مشہور تالیفات سے نقل کر دیے ہیں اور ان کے اتفاق کا تذکرہ کر دیا ہے کہ وہ سب ہماری بات اور موقف کی موافقت کرنے والے ہیں۔ میری کتاب "اخلاص التوحید" میں مذکورہ اقوال کے تراجم موجود ہیں۔

توحیدِ باری تعالیٰ کے اثبات کے لیے اقوالِ رجال کی ضرورت نہیں:

توحید کو اللہ عزوجل کے لیے خالص کرنا، شرک کے تمام ذرائع اور اسباب کو قطع کرنا؛ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ اس کے لیے لوگوں کے اقوال نقل کیے جائیں یا دلائل سے استدلال کیا جائے، کیونکہ اخلاصِ توحید تو وہ مسئلہ ہے جس کے لیے سارے رسول مبعوث ہوئے اور تمام کتابیں نازل ہوئیں۔ مسئلہ توحید کو سمجھنے کے لیے لمبی چوڑی تفصیل کے بجائے اتنی سی مختصر بات جان لینا ہی کافی ہے۔ لیکن جس شخص کو اس بات میں کوئی شک و شبہہ ہو تو وہ قرآن مجید میں غور و فکر کرے، اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اثباتِ توحیدِ باری تعالیٰ ہی نزولِ قرآن کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

[1] مدارج السالكين (١/٣٤٦)

اگر اسے غور و فکر کے بعد بھی سمجھ نہ آئے تو وہ قرآن مجید کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت میں نظر و فکر کرے۔ اگر وہ مجھ سے پوچھے کہ تم ہی کوئی ایسی سورت بتا دو جس میں میں تمھارے کہنے کے مطابق غور و فکر کروں تو ہم کہتے ہیں کہ باقی سورتوں کو چھوڑو، ہم اس لمبی مسافت کو قریب کرتے اور اس مشکل کو آسان کیے دیتے ہیں۔ لو! یہ سورت فاتحہ موجود ہے جس کو ہر نمازی ہر نماز میں بار بار تلاوت کرتا ہے، اسی سورت سے کتاب اللہ کی تلاوت کا آغاز کرتا ہے اور طالب علم بھی سب سے پہلے اسی سورت کو سیکھتا ہے، اس ایک سورت میں تیس جگہوں پر اخلاصِ توحید کو بیان کیا گیا ہے۔ ذرا غور فرمائیے!

① ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ میں توحید:

علماے معانی و بیان نے کہا ہے کہ ﴿بسم اللہ﴾ میں "با" جارہ اور لفظِ ﴿اللہ﴾ اس کے مجرور کا متعلق جو بھی ہو، وہ اس کے بعد مقدر ہے، جس سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ آغاز و ابتدا اللہ کے نام کے ساتھ خاص ہے، کسی غیر کے نام سے نہیں۔ اس معنی و مفہوم میں جو اخلاصِ توحید ہے، وہ بالکل پوشیدہ نہیں ہے۔

②، ③ نام مبارک ﴿اللہ﴾ میں توحید:

خالقِ کائنات اور معبودِ کائنات کا اسم شریف مقدس اور مبارک لفظ "اللہ" ہے۔ علماے تفسیر و بیان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اسم مبارک واجب الوجود سے عبارت ہے، جو تمام تعریفوں کے ساتھ خاص ہو۔ اس مفہوم میں اخلاصِ توحید کی طرف دو اشارے ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کا واجب الوجود ہونے کے ساتھ متفرد اور تنہا ہونا، دوسرا تمام تعریفوں کے ساتھ اس کا مختص ہونا۔ تو نامِ مبارک ﴿اللہ﴾ سے جس کی طرف لفظ "اسم" مضاف ہے، یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

④ ﴿الرحمن﴾ لفظ کے معرف باللام ہونے میں توحید:

لفظ ﴿الرحمن﴾ کے لامِ تعریف سے آراستہ و پیراستہ ہونے میں بھی توحید پنہاں ہے، کیونکہ یہ لام ادواتِ اختصاص میں سے ہے، خواہ وہ موصولہ ہو، جس طرح اس آلہ تعریف کی شان اور اس کا یہ مقام ہوتا ہے جب یہ مشتقات پر داخل ہوتا ہے، یا صرف تعریف کے لیے ہو، جیسے یہ اسما و صفات پر داخل ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اہلِ بیان نے اس کی خوب وضاحت کی ہے جس سے

زیادہ وضاحت ممکن نہیں ہے۔

⑤ ﴿الرحیم﴾ کے معرف باللام ہونے میں بھی توحید:

وہ لامِ تعریف جو "الرحیم" پر داخل ہے، اس پر بھی وہی کلام ہے جو "الرحمٰن" کے معرف باللام ہونے سے توحید کے ثبوت میں ابھی گزرا ہے۔

⑥ ﴿الحمد﴾ کے لامِ تعریف میں توحید:

وہ لامِ تعریف جو "الحمد لله" پر داخل ہے، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حمد صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے، اس کے سوا کوئی اس میں شریک نہیں۔

حمد را با تو نسبتی ست درست

بر در ہر کہ رفت بر درِ تست

[حمد تیرے ہی لیے سزاوار اور درست ہے، جس کسی کی بھی تعریف کی گئی انجام کار وہ تیری ہی حمد بنی]

اس میں اخلاصِ توحید پر دلالتِ عظمیٰ ہے۔

⑦ نامِ مبارک ﴿اللہ﴾ کے لامِ تعریف میں توحید:

نامِ مبارک لفظِ "اللہ" پر جو لامِ اختصاص داخل ہے، اس میں بھی توحید کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہ بات طے ہو چکی کہ "حمد" اس زبانی ثنا وتعریف کو کہتے ہیں جو کسی کے اچھے اختیاری عمل پر تعظیم کے قصد و ارادے سے کی جائے۔ تو اب ثابت ہوا کہ ثنا صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور عمل جمیل صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے، تو تعظیم بھی صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ لہٰذا اس میں اخلاصِ توحید کی بہت بڑی دلیل ہے۔

⑧، ⑨، ⑩، ⑪، ⑫ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں اخلاصِ توحید:

فرمانِ باری تعالیٰ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں لفظ "رب" لغوی معنی کے اعتبار سے اخلاصِ توحید کا مکمل پتا دیتا ہے۔ یہ مفہوم لفظ "رب" کے افرادی معنی سے نکلتا ہے نہ کہ اضافی معنی سے۔ پھر اس کے اضافی معنی میں ایک اور دلالت پائی جاتی ہے، کیونکہ رب العالمین ہونا اس پر بڑی بلیغ دلالت کرتا ہے۔

پھر "عالمین" میں ایک تیسرے معنی پائے جاتے ہیں، اس لیے کہ عالم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کا نام ہے تو جو چیز بھی اللہ کے سوا ہے، وہ اس میں داخل ہے، اب اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں ہے اور جو کچھ اس کے سوا ہے وہ سب اسی کا پروردہ ہے۔ پھر ﴿العالمین﴾ کے معرف باللام ہونے میں ایک چوتھا معنی پایا جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ معرف باللام الفاظ میں مذکور ہوا ہے، کیونکہ یہ لامِ تعریف زیادتِ اختصاص کا فائدہ دیتا ہے اور یہاں پر لامِ تعریف اس مفہوم کی تقریر کرتا ہے۔ پھر "عالمین" کے صیغۂ جمع میں تاکید وتقریر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ پانچواں معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ جب عالم اللہ کے سوا کا نام ٹھہرا تو اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ لانا اس میں مزید تاکید اور تقریر کا فائدہ دیتا ہے۔ اگر فرض کریں کہ اس پر لامِ تعریف نہ ہو پھر بھی اس معنی کا مفہوم اس سے دور نہیں ہوتا ہے، جو اصل جمع سے حاصل ہوتا ہے۔

⑬، ⑭ ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ کے تکرار میں اخلاصِ توحید:

ان دونوں پر کلام کی تقریر پہلے گزر چکی ہے، اب ان کے تکرار میں اخلاصِ توحید کو پھر موکد کیا گیا ہے، گویا تکرار اخلاصِ توحید کی ایک مستقل دلیل ہے۔

⑮، ⑯ ﴿مالك یوم الدین﴾ میں اخلاصِ توحید:

لفظ ﴿مالك﴾ اضافی معنی سے قطع نظر اپنے افرادی معنی کے اعتبار سے اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اخلاصِ توحید اللہ تعالیٰ ہی کا استحقاق ہے۔ پھر اس کی ﴿یوم الدین﴾ کی طرف اضافت سے ایک اور معنی ثابت ہوتا ہے، وہ یہ کہ جس ذات کے لیے ایک ایسے دن کی مِلک اور بادشاہی ہے، جس دن تمام بندوں کو جزا سزا دی جائے گی اور اس دن ساری مخلوق اول تا آخر، سابق تا لاحق، جن و انس اور ملائکہ سب ہی اس کے ہاں جمع ہوں گے تو اس سے ثابت ہوا کہ وہی اخلاصِ توحید کا استحقاق رکھتا ہے۔

⑰ لفظ "دِین" میں توحید:

لفظ "دِین" کے اضافی معنی سے قطع نظر بذات خود اس لفظ سے توحیدِ باری تعالیٰ ثابت ہوتی ہے۔

⑱ لفظ ﴿الدین﴾ کی تعریف میں توحید:

لفظ "الدین" کے معرفہ ہونے سے بھی مفہومِ توحید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اس میں

احاطہ وشمول کی زیادتی پائی جاتی ہے، کیونکہ جب یہ مِلک ایسے دن کا ہے جو دن جزا کا دن ہے اور ہر قسم کے بدلے پر مشتمل ہے تو جس کے مِلک میں یہ چیز ہو، وہ یقیناً اسی لائق ہے کہ بندے اسی کے لیے توحید کو خالص کریں اور تنہا اسی کی عبادت بجالائیں، جس طرح کہ وہ اس عظیم الشان دن کی مِلک میں تنہا ہے۔ پھر اگر کوئی کہے کہ لفظ ''دین'' سے تم نے باعتبار لفظ اور باعتبار تعریف کے جو دو معنی نکالے ہیں، یہ تو اس کے اضافی معنی کے زمرے میں بیان ہو چکے ہیں، جیسا کہ تم نے پہلے ذکر کیا ہے، تو ہم کہیں گے: "لا تزاحم بین المقتضیات" [ایک سے زیادہ مقتضا میں مخالفت نہیں ہوا کرتی] کسی لفظ پر کبھی اس کے افرادی معنی کے اعتبار سے اور کبھی اس کے اضافی معنی کے اعتبار سے نظر کرنا کوئی عجیب کام ہے نہ یہ ممنوع ہی ہے۔ خصوصاً اس شخص کے نزدیک جو علمِ دقائق اور اسرارِ عربیت کے علم سے بہرہ مند ہو، یعنی وہ علمِ معانی و بیان کا عالم ہو۔

⑲، ⑳، ㉑ ﴿إیاك نعبد﴾ میں اخلاصِ توحید:

فرمانِ الٰہی ﴿إیاك نعبد﴾ میں ﴿إیاك﴾ ضمیر منصوب کو عامل فعل سے منفصل مقدم کر دیا گیا ہے، لہٰذا جہاں پر ایسی ضمیر کو، جو مابعد فعل کی معمول ہے، مقدم کر دیا گیا ہو، وہ اختصاص کا فائدہ دیتی ہے، تو ﴿إیاك نعبد﴾ سے ثابت ہوا کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے اور اللہ جو مختص بالعبادۃ ٹھہرا وہی اخلاصِ توحید کے بھی لائق ہے۔ پھر ﴿نعبد﴾ فعل کا مادہ ایک دوسرے معنی کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر اس کو جمع متکلم کے صیغے سے تعبیر کرنا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ یہ کلام من جملہ عابدین کے ہر عبادت کو قائم کرنے والے سے صادر ہوتا ہے اور اس سے ایک تیسرے معنی کا ثبوت ملتا ہے۔ تو اس پورے جملے سے تین دلالتیں حاصل ہوئیں: ① ایک دلالت لفظ ﴿إیاك﴾ میں اس کے مابعد فعل سے قطع نظر کرنے سے۔ ② دوسری دلالت مادۂ ﴿نعبد﴾ سے حاصل ہوئی، اس بات کو ملاحظہ کرتے ہوئے کہ یہ مادہ اس کے لیے واقع ہوا ہے جس سے یہ ضمیر عبارت ہے اور اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ③ تیسری دلالت ﴿نعبد﴾ کے نون جمع سے ان دو امروں کا ملاحظہ کرتے ہوئے حاصل ہوئی جن کا ابھی ذکر ہوا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ مقتضیات میں کوئی تضاد نہیں ہوتا ہے۔

㉒، ㉓، ㉔ ﴿إیاك نستعین﴾ میں اخلاصِ توحید:

ایک معنی تو اسی ضمیر ﴿إیاك﴾ سے ثابت ہوا جو اپنے مابعد فعل کی معمول ہے۔ پھر مادہ فعل

﴿نستعین﴾ سے توحید کا دوسرا معنی ثابت ہوا، کیونکہ جو شخص ایسا ہو کہ اس کے غیر سے استعانت نہ کی جائے تو ایسا کب ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو؟ بلکہ اس کا عبادت میں تنہا ہونا اور اس کے لیے توحید کا خالص ہونا واجب ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس شخص کا وجود، جس سے مدد نہیں لی جاتی ہے، عدم کی طرح ہے۔ ﴿إياك نستعين﴾ سے تین دلالتوں پر کلام ﴿إياك نعبد﴾ پر کلام کی طرح ہے، یہاں دوبارہ اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

㉕، ㉖، ㉗ ﴿إهدنا الصراط المستقيم﴾ میں اخلاصِ توحید:

صرف اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرنا، اس اعتبار سے کہ یہ فعل ﴿إهدنا﴾ ان دو فعلوں کے بعد واقع ہوا ہے جن کا معمول ان پر مقدم تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا حکم انھی کے حکم کی طرح ہے، اگرچہ فی الجملہ ﴿إهدنا الصراط المستقيم﴾ میں کلام کا اسلوب بدل گیا ہے۔ "نستهدي أو نطلب الهداية" نہیں کہا ہے کہ یہ بات صحیح ہو جاتی کہ یہ ضمیر مقدم و منصوب تقدیراً اس فعل کی معمول ہے، لیکن اس میں مخاطبت کے بقا اور عدم خروج کے مقتضا کے باوجود اس ضمیر سے نظر او جھل نہیں جو اس صورت میں واقع ہوئی ہے۔ اس لیے کہ ﴿إهدنا﴾ فعل اور مسند الیہ کے درمیان متوسط ہے۔ پھر ضمیر جمع میں ایک اور معنی پایا جاتا ہے جو اخلاصِ توحید کے حق تعالیٰ کے ساتھ اختصاص کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ اسی وجہ کے اعتبار سے ہے جو سابقہ دونوں فعلوں ﴿إياك نعبد﴾ اور ﴿إياك نستعين﴾ میں گزر چکی ہے۔ پھر اس ہدایت کے صراطِ مستقیم کی ہدایت ہونے میں کہ حقیقت میں یہی ہدایت ہے اور یہی ہدایت صراطِ استقامت کی طرف معتبر ہے، ایک تیسرا معنی پایا جاتا ہے جو اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

㉘ ﴿صراط الذين أنعمت عليهم﴾ میں توحید پر دلالت:

جو ایسی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہو، جو راہ انعام یافتہ لوگوں کی راہ ہو تو وہ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ کوئی اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ مصروف نہ ہو اور اس کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے، کیونکہ راہ راست پر چلنے سے مقصود اور تمام حرکات سے مراد یہی ہے کہ وہ نعمتوں کے حصول کے راستوں تک پہنچ جائے، اور یہ نفسِ نعمت کی طرف پہنچنے سے کنایہ ہوتا ہے، اس لیے اگر اس

کی راہ تک تو وصول ہوا ہے مگر خود نعمت تک وصول نہیں ہوا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے، تو اب صراطِ مستقیم پر ہدایت کا وقوع تنہا اور الگ ایک نعمت ہے، کیونکہ جب سیدھی راہ سے بھٹک جانے کے تصور کے وقت اس پر استقامت کا تصور ہوتا ہے، تو اس اعتبار سے اس میں ایک طرح کی راحت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ راہِ حق سے کنایہ ہو پھر تو اس کا پوچھنا ہی کیا؟ پھر اس کا کیا ذکر ہے کہ وہ انعامات الٰہیہ کی طرف پہنچانے کا ایک برحق ذریعہ ہو۔

㉙ ﴿غیر المغضوب علیهم﴾ کی توحید پر دلالت:

کبھی نعمت کا وصول و حصول غضب اور کدورت کے ساتھ ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ منعم کی طرف سے منعم علیہ پر غصہ اور ناراضی ہوتی ہے، پھر جب یہ وصول کدورت سے صاف ہو اور اس نعمت کے حصول میں کامیابی کے ساتھ ایک اور کامیابی بھی آ ملی جو عارفین کے موقف کے اعتبار سے احسن اور متقین کے ہاں اس کا صدور عظیم قدر و منزلت والا ہے، اور وہ ہے رب العالمین کی رضا و خوشی، تو اس سے وہ لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ اب اس کی حقیقت سے واقفیت حاصل ہو سکتی ہے نہ اس کے معنی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ جب اس نعمت کا عطا کرنے والا اور فضل فرمانے والا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ٹھہرے اور غیر اللہ کو اس پر کچھ قدرت ہو نہ وہ کسی اور کے امکان میں ہو، تو پھر وہی اللہ اخلاصِ توحید اور عبادت کا تنہا مستحق ٹھہرا۔

㉚ ﴿ولا الضالین﴾ میں اخلاصِ توحید:

وہ اس طرح کہ رضا کے ساتھ نعمت کا حاصل ہونا کبھی گمراہی کے ساتھ اور مخالفت و عدم ہدایت کے ساتھ آلودہ ہوتا ہے۔ یہ منعم بہا کی رضا کے ساتھ نعمت تک وصول کے اعتبار سے ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ منعم علیہ کا گمراہی پر ہونا سلب ہو جائے، نہ اس نعمت خاصہ کے اعتبار سے جو منعم جل جلالہ کی طرف سے ہے۔ جب اصل بات یوں ہے، تو اب جو نعمت منعم کی طرف سے منعم علیہ کو باوجود رضائے منعم کے پہنچی ہے، اس میں وہ غاصب نہیں ہے، جبکہ اس وصول میں وہ منعم علیہ فی نفسہ ضلالت اور گمراہی پر ہو اور ایسے شخص کی طرف وصولِ نعمت سے قاصر ہو جو وصول الی النعم اور منعم علیہ کی رضا کے ساتھ کامیابی کا جامع ہے اور اس آلودگی سے خالص ہے، جو فی نفسہ گمراہی پر ہو۔

لہٰذا اس اعتبار سے اخلاصِ توحید پر دلالت کی تقریر ویسی ہی ہے جس اعتبار سے ماقبل میں دلالت کی تقریر تھی۔

یہ مکمل تیس دلیلیں ہیں جو سورت فاتحہ سے ترکیبات عربیہ کے افادے کے اعتبار سے اور دقائق و اسرارِ علوم الٰہیہ کے ملاحظے کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔ مذکورہ الفاظ کے مقتضیات میں تفسیر سے قطعِ نظر، حسبِ مادہ وہیئت وصورت اس معنی کے ساتھ خاص کر کے، جس کو بعض سلف نے بیان کیا ہے، اور بعض خلف نے اس پر وقوف کیا ہے، داخل ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ تم نے اس سورت سے جو دلیلیں نکالیں اور انھیں تیس کے عدد تک پہنچا دیا، ہم نے اس میں نہ تو تمھارا کوئی سلف پایا ہے اور نہ کسی اور نے اس میں تم سے سبقت کی ہے، تو ہم کہیں گے: "وتلك شكاة ظاهر عنك عارها" [تمھارا یہ شکوہ بے جا اور یہ اعتراض بے موقع ہے]

اس لیے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور وہ دلیلیں جو ہم نے سورت فاتحہ سے نکالی ہیں، یہ بھی لغتِ عرب اور ثقہ لوگوں کے مدونہ علوم کے تقاضے کے مطابق ہیں، جن کے راوی عادل اور ثقات تھے، نیز سورت فاتحہ پر یہ تقریر خالی رائے زنی نہیں ہے، جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے، بلکہ یہ تو کتاب اللہ کا وہ مفہوم ہے جو کسی شخص کو عطا ہو جاتا ہے، جس طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مشہور کلام میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[1]

لہٰذا جو بات اس قبیل کی ہوتی ہے وہ سلف کے ذکر کرنے یا نہ کرنے کی محتاج نہیں ہوتی، اس کے لیے عربی زبان اور سلف کے علوم مدونہ و محققہ ہی کافی ہوتے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٨٢)

بحث سوم

گذشتہ امتوں کے شرکیہ اقوال و افعال

بعض اہلِ علم کی تصانیف میں شرک کا در آنا:

یہ سوال کہ پہلے گزرے ہوئے وہ لوگ جن کے اقوال و افعال میں شرک تھا، ان کا کیا حال ہے؟ تو قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب عرض کریں، ہمیں یہ بات جان لینا چاہیے کہ ہر زمان و مکان میں اہلِ علم لوگوں کی ہمیشہ توحید کی طرف راہنمائی کرتے رہے ہیں اور ہر قسم کے شرک میں مبتلا ہونے سے انھیں نفرت دلاتے رہے اور اپنی مشہور و معروف تصنیفات میں توحید و شرک کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔

لیکن صادق و مصدوق ﷺ کے فرمان کے مطابق کہ شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی اور پوشیدہ ہے،[1] یہ شرک اکثر اہلِ علم پر مخفی رہا اور وہ براہِ غفلت بعض امورِ شرک میں پھنس گئے، پھر یہ غفلت ان کی تحریر اور اشعار میں بھی سرایت کر گئی، خصوصاً ان لوگوں کے اشعار جو رسول اللہ ﷺ کے مداح ہیں اور پھر ان لوگوں کے اشعار جو بعض خلفاے راشدین اور ملوک و سلاطین کی مدح کرنے والے ہیں۔ ان اشعار کے کہنے والوں سے بعض حالات میں ایسی بات بھی صادر ہوتی رہی جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل لرز جاتے ہیں۔ ڈر لگتا ہے کہ کہیں ان اشعار کے پڑھنے والوں پر اللہ کا غضب نہ ٹوٹ پڑے، تو ان شرکیہ اور شرکیہ گفتار کے کہنے والوں کا کیا حال ہوگا؟ بہر حال اس کا سبب وہی بھول ہے جس کے ساتھ کبھی غفلت اور جہالت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

شرک کی راہیں کھولنے والا خناس ابلیس ہے:

پھر ان کے ساتھ وہ چیز بھی شامل ہوگئی، جس نے شرک کا دروازہ مزید کھول دیا، یعنی وسوسہ ڈالنے والے ابلیس نے ان لوگوں کی نگاہ میں اس بات کو آراستہ کر دیا کہ قبریں پختہ اور بلند ہوں، ان

[1] مسند أحمد (٤/٤٠٣)

پر قبے اور گنبد بنائے جائیں، عمدہ پردوں سے انھیں آراستہ کیا جائے، وہاں چراغ روشن ہوں، ان قبروں پر مجاورت اختیار کی جائے، ان کے سامنے عاجزی و انکساری ظاہر کی جائے اور قبروں والوں سے حاجتیں اور تہ دل سے دعا مانگی جائے۔

ناخلف لوگوں کا شرک پھیلانے میں کردار:

پھر بعد والے لوگ پہلے لوگوں کے وارث بنے اور بعد والوں نے پہلوں کی پیروی اختیار کی، بعد والوں نے پہلوں کی اقتدا کی تو مصیبت اور سخت ہوگئی، شر مزید بڑھ گیا اور سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، ہر ملک بلکہ ہر شہر بلکہ ہر گاؤں کے زندہ لوگ مردوں کی ایک جماعت کے معتقد ہو گئے، ان کی قبروں پر اعتکاف کرنے لگے، ان مردوں کی طرف اپنی نسبت کرنے لگے، وہ اس کام سے مانوس ہو گئے اور اب صورت حال یہ بن چکی ہے کہ ان کے دل اس سے خوش ہوتے ہیں، ان کی عقلیں اس بات کو قبول کرتی ہیں اور ان کے ذہن اس کو اچھا جانتے ہیں۔

والدین شرک کے پودے کو پانی دیتے ہیں:

ان کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں سوجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں یہی آواز پڑتی ہے کہ اس کے ماں باپ وغیرہ کسی مردے کو پکارتے ہیں۔ اس طرح اس بچے کو جب کبھی ٹھوکر لگتی ہے اور وہ گر پڑتا ہے تو وہ اس مردے کا نام لے کر چیختا ہے، جس مردے کے وہاں کے لوگ معتقد ہوتے ہیں۔

پھر جب وہ بچہ بیمار پڑتا ہے تو اس مردے کی نظر کرنے کی مالی منت مانتا ہے، بوقتِ ضرورت و حاجت اس صاحبِ قبر کا وسیلہ پکڑتا ہے، اس کے علاوہ وہ کچھ مال بطور رشوت کے مجاوروں، حیلہ گروں اور قبر کے خادموں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ پھر جب وہ بچہ سن شعور کو پہنچتا ہے تو اس کی فکر اور سوچ میں وہی عقیدہ پختہ ہو جاتا ہے اور جو کام اس نے اپنے والدین کو کرتے ہوئے دیکھا تھا، وہی کام اس کے ہاں پختہ اور پکا ہو جاتا ہے، کیونکہ بچے کی طبیعت میں اثر پذیری کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَ يُمَجِّسَانِهِ»[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٨٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٥٨)

[ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں]

صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ حدیث میں جو راز پوشیدہ ہے، اسے سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ بچے کی طبیعت پر اسی شخص کا امر نقش ہوتا ہے جو شخص اس کی تربیت کا متولی ہوتا ہے اور ماں باپ کے اخلاق اس میں سرایت کر جاتے ہیں، اگر ماں باپ کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں تو بچے کے اخلاق بھی اچھے ظاہر ہوتے ہیں اور اگر ان کے اخلاق میں بگاڑ ہوتا ہے تو بچے کے اخلاق بھی بگڑ جاتے ہیں۔

عوام کالانعام کا لوگوں کو شرک پر پکا کرنا:

پھر جب یہ بچہ اپنے ماں باپ سے جدا ہوتا ہے اور جس آشیانے میں اس نے پرورش پائی تھی، وہاں سے الگ ہو کر لوگوں کو دیکھتا اور سنتا ہے کہ وہ بھی وہی کام کرتے ہیں جو اس کے والدین کرتے تھے اور اپنی جائے پیدائش کے بعد اس کی پہلی جگہ من جملہ قبروں کے کوئی قبر یا ان مشاہد اور مزاروں میں سے کوئی مشہد اور مزار ہوتا ہے، جس میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں، تو یہ اس قبر یا مشہد کے پاس لوگوں کا رش، ان کا چیخنا چلانا اور اپنے باپ یا اپنے برابر کے آدمی یا اپنے سے بڑی عمر کے آدمی کا وہاں پر پکارنا دیکھتا ہے تو وہ اعتقاد، جس کی تلقین اس کے والدین نے کی تھی، اس کے اندر اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔

خصوصاً جب وہ اس قبر پر یہ ٹھاٹھ دیکھتا ہے کہ اس پر رنگا رنگ کی نفیس عمارتیں بنی ہوئی ہیں، ان میں قیمتی پردے لگے ہوئے ہیں، ہر طرف سے عطر و عود کے بھبوکے اٹھتے ہیں، قبر کے ہر گوشے میں چراغوں، قندیلوں اور شمعوں کی روشنی ہو رہی ہے، قبر کے مجاور اور حیلہ گر پجاری اس کی تعظیم میں مصروف ہیں، لوگوں کے دلوں میں اس کا رعب اور ہیبت ڈال رہے ہیں، زائرین کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو دھکے دیتے ہوئے لے جاتے ہیں، ان تمام مناظر کو دیکھ کر اس بچے کا اعتقاد اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

پھر جب وہ اس قبر میں دفن مردے کی عظیم قدر و منزلت اور اس کے بلند درجات کا ذہن میں تصور لاتا ہے، جن کا وہ اس مردے کو مستحق سمجھتا ہے، تو اس کا ذہن تنگی محسوس کرنے لگتا ہے اور اس وقت وہ ایسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے جس سے اس کا دل سوائے اللہ کی توفیق و ہدایت یا

پھر تلوار کے بغیر اس بلا سے چھٹکارا نہیں پا سکتا، جو اس کا آخری اور نفع مند علاج ہے۔

نام نہاد اہلِ علم ...شرک کے داعی:

پھر وہ شخص، جس نے مذکورہ والدین کی تربیت اور شرکیہ ماحول میں نشو ونما پائی ہے، جب طلبِ علم میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اکثر نام نہاد اہلِ علم کو اسی مردے کا معتقد پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ لوگ میت کی تعظیم کرتے ہوئے مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں اور اس کی محبت کو اللہ کے ہاں نیکیوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ سمجھتے ہیں۔ جو شخص کسی باطل عمل میں ان کی مخالفت کرتا ہے تو یہ اس پر طعنہ زنی کرتے ہیں کہ یہ اولیا کا معتقد نہیں اور اسے نیک لوگوں سے محبت نہیں ہے، پھر وہ اس پر ہر طرح کی سنگ باری کرتے ہیں اور اس پر ہر عیب کی تہمت لگاتے ہیں۔ نام نہاد اہلِ علم کی اس روش سے مذکورہ شخص کو اس مردے سے اور زیادہ محبت ہو جاتی ہے اور اس کے حق میں اس کا اعتقاد اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

حق شناس علما کا حق بیان نہ کرنا:

فرض کیجیے! اگر ان اہلِ علم میں سے کوئی عالم ایسا ہو کہ اللہ اسے درست بات کا الہام کر دے اور حق کی طرف اور شارع سے منقول بات کی طرف اس کی راہنمائی کر دے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو بلند کرنے اور انھیں پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے، ان پر کچھ لکھنے اور چراغ جلانے سے روکا ہے، بلند قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا ہے، قبر کو بت اور سجدہ گاہ بنانے پر زجر وتوبیخ فرمائی ہے۔ نیز اس عالم کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ دعا عبادت ہے، اسی طرح خوش حالی اور تنگ حالی میں غیر اللہ کو پکارنا، اللہ کے سوا کسی کی تعظیم بجا لانا اور خیر وشر میں اس سے التجا کرنا، وہ کوئی ہو اور کہیں بھی ہو، خواہ وہ انبیا ہوں، خلفائے راشدین ہوں، صحابہ وصالحین ہوں اور خواہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ہو، ان سے التجا کرنا عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے۔

مگر اس کی سمجھ میں یہ سب باتیں آنے کے باوجود، وہ اس چیز کے اظہار کو چھپاتا ہے جس کے بیان کا اسے بہ حیثیت عالمِ دین حکم دیا گیا ہے، وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ یا تو اسے کوئی مجبوری ہوتی ہے یا وہ اس فریضۂ الٰہی میں یوں ہی کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے، کیونکہ وہ سلامتی چاہتا ہے اور راحت وآرام کی طرف مائل ہے اور وہ چاہتا ہے کہ عوام الناس میں اور لوگوں کے ہجوم میں اس کی عزت وآبرو باقی رہے۔

لہٰذا ایسے شخص کا علم اس کے لیے مصیبت اور عذاب ہے اور اس کا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلکہ اس کا عالم ہونا اس کے ضرر ونقصان میں اضافہ کرتا ہے، کیوں کہ ایسا عالم کبھی مذکورہ قبر پرستوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے موافقت کا اظہار کرتا ہے، جس پر وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ عالم انھی کے ساتھ ہے اور انھی کی جماعت اور پارٹی کا ایک فرد ہے، پھر وہ اس جیسے دیگر علما سے مذکورہ افعال کا انکار قبول نہیں کرتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دیکھو یہ عالم ہمارے موافق ہے!!

ایسے اہلِ علم جو حق کے لیے کوفت اٹھائیں اور فریضہ بیان کی ذمے داری کو ادا کرنے پر کمر بستہ ہوں، بہت کم ہیں۔ اسی کتمانِ علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے علم سے برکت اٹھا لیتا ہے اور اسے ایسا مٹاتا ہے کہ پھر کبھی وہ مراد کو نہیں پہنچتا۔

حق بیان کرنے والے علما خال خال ہیں:

وہ شخص جو بیانِ حق کے درپے ہو اور اپنے ذمے واجب بیان پر کمر بستہ ہو، وہ بڑے شہروں میں اور دور دراز علاقوں میں خال خال ہوتا ہے، پھر یہ کہ ایسا شخص شکستۂ خاطر اور عوام الناس کی طرح کے خواص سے مغلوب اور دبا ہوا ہوتا ہے۔ کبھی اس ایک فرد کے وعظ اور بیان سے بعض سمجھ دار لوگوں پر اثر ہوتا ہے اور وہ اخلاصِ توحید کے خلاف امور میں سے کسی امر میں اصلاح کر لیتے ہیں اور کبھی اس سے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

اہلِ علم کے شرک میں مبتلا ہونے کا سبب اور ہمارا ان سے متعلق رویہ:

ایسے حالات میں بعض اہلِ علم پر یہ امورِ شرک مخفی رہ گئے اور اسی وجہ سے ان کی تالیفات اور اشعار میں وہ چیزیں آگئیں جو اخلاصِ توحید کے خلاف ہیں۔

یہ اہلِ علم اور شعرا منوں مٹی کے نیچے جا سوئے اور جو خیر وشر انھوں نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے، وہ اس کے پاس جا پہنچے۔ اب ہم ان سے کلام کر سکتے ہیں نہ انھیں نصیحت کر سکتے ہیں، اس لیے ہم ان کے معاملے کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو، ان کے ایسے شرکیہ اقوال و اشعار کی تاویل کرتے ہیں اور ان کے دفاع میں عذر پیش کرتے ہیں، بشرطیکہ فہم اس کو رد نہ کرے اور عقل اس کا انکار نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے سوا کسی چیز کا مکلف نہیں ٹھہرایا ہے۔

لیکن ہمارے ذمے یہ واجب ہے کہ جس مسئلے میں وہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور جہاں ان

کی تالیفات اور اشعار میں شرک پایا جائے، ہم اس کا رد کریں، اسے باطل قرار دیں اور زندہ لوگوں پر اس بطلان اور ناحق کو خوب واضح کریں کہ فلاں شخص نے اپنی کتاب میں جو قصیدہ لکھا ہے، یہ شریعت الٰہیہ کے خلاف اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہے، جو شخص اس پر عمل کرے گا، وہ شرک کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہو جائے گا اور اقسامِ شرک میں سے ایک قسم میں مبتلا ہو جائے گا۔

نیز ہمارے ذمے یہ واجب ہے کہ ہم جو رسائل اور کتب تحریر کریں، ان میں اس باطل کی بنیادیں اکھاڑنے کے عمل کو اپنا ہدف بنائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ واجب قرار دیا ہے کہ ہم اس شرک کو بیان کر کے لوگوں کو اس طرح کے افعال سے بلیغ کلام کرتے ہوئے خبردار کریں اور واضح بیان کے ذریعے اس سے زجر و توبیخ کریں، تاکہ لوگ کسی قول اور تالیف کے نقص سے واقف ہو کر اس میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں اور انھیں حق کی طرف پلٹ آنے کی راہ میسر آجائے۔ بالفرض وہ حق کی طرف رجوع نہ بھی کریں، تو بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے اور ایسا کرنے والا عالم اپنے فرض کی ادائی سے سبک دوش ہو جائے، اس کا عذر ظاہر ہو جائے اور وہ شرک میں مبتلا ہونے والے ان لوگوں سے بری الذمہ ہو جائے۔

مجھے اس امت کے لوگوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ جس بات سے ان کے پیغمبر نے انھیں منع کیا ہے، جیسے قبر کو بلند کرنا، اس پر چراغ جلانا، اس کو پختہ بنانا اور اس طرح کے دیگر افعال؛ انھوں نے اس کے الٹ ہی کام کیا اور نبی کا اتباع جو ان کے ذمے واجب تھا، انھوں نے اس کے برخلاف عمل کیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں آخری کلام یہی کیا تھا:

«لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي مَسْجِداً»[1] [میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا]

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»[2]

[اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے، جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا]

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلىٰ قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ»[3]

[اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ٹوٹا، جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنا لیا]

---

[1] مسند أحمد (۲/۳٦۷)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۲٦۵) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۵۲۹)

[3] موطأ الإمام مالك (۱/۱۷۲)

اس امت نے سب سے پہلے سنت صحیحہ مطہرہ کے خلاف اور اس کے برعکس جو کام کیا، وہ یہ تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی قبرِ منور، مرقدِ مطہر، مشہدِ معطر اور تربتِ مقدس پر یہ عمارت بنائی اور اس کام کا آغاز خیر القرون کا دور ختم ہونے سے پہلے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ختم ہونے کے بعد ہوا۔ پھر اس کے بعد تو روے زمین کے تمام اطراف میں گویا شر اور شرک کا دروازہ ہی کھل گیا اور اس شرک نے مشرق و مغرب اور دیہات و شہر؛ ہر جگہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ فإنا للہ وإنا إلیه راجعون.

قبروں کی آرائش شرک کی بنیاد ہے:

رسول اللہ ﷺ اس مسئلے کا بڑا اہتمام فرماتے کہ کوئی بلند قبر نہ چھوڑی جائے، بلکہ ایک بالشت سے بلند قبر کو برابر کر دیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو، جو آپ ﷺ کے اہلِ بیت میں سے تھے، اس کام پر مامور کیا تھا، پھر علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے داماد ابو الہیاج اسدی کو اس کام کے لیے مقرر کیا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری ایک جماعت سے اس مسئلے سے متعلق احادیث مروی ہیں، جن کو ہم نے اپنی بہت سی تالیفات میں مکمل طور پر بیان کیا ہے۔

یہ بدعت عظمیٰ اور فتنہ کبریٰ، جو روے زمین کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیل چکا ہے، امت کے سلف و خلف اس میں گرفتار ہیں اور مُردوں کے حق میں ان کا عقیدہ اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ اس سے ایمان کا چہرہ مخدوش اور اسلام کا دست راست مجروح ہو چکا ہے۔ اس بدعت کی جڑ اور بنیاد یہی قبروں کو پختہ بنانا، ان پر خوش نما قبے تعمیر کرنا، ان قبروں کے زائرین کو قبروں سے دہشت زدہ کرنا، ان کے دلوں میں مردوں کی ہیبت ڈالنا اور ان کی تعظیم کروانا ہے۔

کوئی عقل مند انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مذکورہ افعال ہی فاسد اور غلط اعتقادات کو جنم دینے اور اخلاصِ توحید کے مخالف مصائب میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ جس شخص کو اس بات میں شک ہو اور اس کی عقل باور نہ کرے اور اس کا دل اس کا انکار کرے تو اسے چاہیے کہ وہ تفتیش کرے، جس کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ وہ عام لوگوں سے پوچھ گچھ کرے اور ان کے عقیدے کو ٹٹول کر دیکھے، تو لازمی طور پر اسے افرادِ عامہ میں سے ہر فرد کے پاس سے یہ اعتقاد و بدعت ملے گی۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٩٦٩)

ایک واقعہ:

یہ تحریر لکھتے وقت مجھے ایک واقعہ یاد آیا، جسے بعض مورخین نے کسی عباسی خلیفہ سے نقل کیا ہے کہ دور دراز کے ممالک سے ایک قاصد آیا تو خلیفہ نے اعیانِ مملکت اور اکابرِ سلطنت کو جمع کر کے دربار لگایا، پھر ان امرا کو درجہ بہ درجہ ان مقامات پر بٹھایا جہاں سے اس قاصد نے گزرنا تھا، پھر بہت سے خواص اور خدام کو بہت بڑے ایوان میں کھڑا کیا، فرشوں کو خوب سجایا اور تمام چیزوں کو خوشنما بنانے میں خوب مبالغہ کیا، پھر وہ خود ایک ایسی بلند جگہ پر، جہاں سے سارا ایوانِ کبیر نظر آئے، پوری دہشت اور تعظیم کے ساتھ براجمان ہوا۔ وہ قاصد ایک جگہ سے دوسری جگہ میں آتا اور ایک ایک جماعت پر اس کا گزر ہوتا، حتی کہ وہ دیوانِ خاص اور ایوانِ کبیر میں پہنچا، اس نے اس جگہ کو ان تمام جگہوں سے، جن پر سے وہ گزر کر آیا تھا، بڑا عمدہ پایا، بنا بریں وہ بے چارہ رعب و ہیبت سے ایسا لبریز ہو گیا کہ اسے ہر طرف سے اسبابِ دہشت نے گھیر لیا اور موجباتِ جلالت نے اس پر غلبہ پا لیا۔

پھر دو خادموں نے اسے پکڑ کر دیوان خانۂ خاص میں کھڑا کر دیا اور اس کے بازو پکڑے، ابھی اس کی سانس ٹھہری تھی نہ گلے سے تھوک نیچے اترا تھا کہ اس جگہ کی کھڑکیاں کھلنے لگیں، جس جگہ خلیفہ بیٹھا ہوا تھا، اس کے ساتھ ہی ان کھڑکیوں سے چاندی، سونے اور جواہرات کے بنے ہوئے روشنی کے آلات نظر آنے لگے اور شاہانہ عطریات اور عود کی خوشبوئیں آنے لگیں، خلیفہ نے نفیس لباس زیب تن کیا تھا اور نہایت خوش نمائی میں اپنا چہرہ ظاہر کیا، جب اس مسکین قاصد کی نگاہ خلیفہ کے سراپا تزیین و آرایش تخت پر پڑی تو اس نے ان دونوں خادموں سے، جو اس کے بازو تھامے ہوئے تھے، یہ بات کہی: "أھذا اللہ؟" [کیا یہ اللہ ہے؟] ان خادموں نے جواب دیا: "لا بل ھذا خلیفة اللہ" [نہیں! بلکہ یہ اللہ کا خلیفہ ہے]

اس بے چارے قاصد کے دہشت زدہ ہونے اور اس کے دل میں پیدا ہونے والی خلیفہ کی تعظیم کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ وہ اس حد تک پہنچ گئی کہ اس نے ایک انسان کو اللہ قرار دیا اور پھر اس حکمت بلیغہ پر نظر دوڑانا چاہیے، جس سے شارع علیہ السلام نے قبروں کو بلند کرنے، ان کو پختہ بنانے، ان پر چراغ جلانے اور اس طرح کی دیگر بدعات سے زجر و توبیخ کی ہے۔

بحث چہارم

گمراہ فرقے اور ان کی گمراہی کے اسباب

غیر عربی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر کرنا، اللہ کی آیتوں میں ایک طرح کی غلط تاویل کرنا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کا کسی عجمی زبان میں ترجمہ نہ کرے، کیونکہ عربی معنی کے مطابق ترجمہ کرنا جائز ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کے کسی عربی لفظ کی اس طرح تفسیر کرے کہ اس کے معنی لغتِ عرب سے باہر ہو جائیں، جس طرح کہ مطلق طور پر فرقہ رافضہ، غالی قسم کے صوفیہ اور پھر فرقہ اشعریہ کرتے ہیں۔ یہ رافضی سب سے زیادہ برے اور قابل نفرت ہیں۔ اس معاملے میں قواعدِ کلام کے سبب سے اشعریہ کے قدم پھسل گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [یوسف: ۲]

[بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھو]

قرآن مجید میں یہ بیان لفظاً اور معناً مکرر اور سہ کرر آیا ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴾ [الشعرآء: ۱۹۵] [واضح عربی زبان میں]

مزید فرمایا:

﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [الزخرف: ۳]

[بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنایا، تاکہ تم سمجھو]

رہے رافضہ اور متصوفہ تو یہ باطنی فرقے ہیں جو گمراہی میں بہت نیچے گرے ہوئے ہیں، جیسے اسماعیلیہ اور دوسرے بے شمار فرقے ہیں۔ جو شخص ان کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے، اسے تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ ان کے مذاہب کی بنیاد زندقت اور بے دینی پر ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اثنا عشریہ سب سے زیادہ گمراہی میں گرے ہوئے ہیں اور ان کی تفسیر بھی

باطنی فرقوں جیسی تفسیر ہے، چنانچہ انھوں نے عربی زبان کے محاورے کو پھینک دیا اور ان کے مذاہب کے افترا پرداز عصمتِ ائمہ کے اثبات میں مختلف راہوں پر چل نکلے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم کلامِ معصوم کو قبول کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ ائمہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جس کے باطل ہونے میں کوئی عقل مند شک نہیں کرتا ہے، حالانکہ وہ عصمتِ ائمہ کے اثبات میں دلیل نہ ہونے، بلکہ ائمہ کی عصمت کے عدم پر دلیل ہونے کی وجہ سے دروغ گو اور جھوٹے ہیں۔ اللهم إنا نشهد بكذبهم.

ان کے سلف اور اوائل نے اسلام کے ساتھ فریب اور دغا بازی کرنے کا ارادہ کیا تھا اور متاخرین نے اپنے حسنِ ظن کی وجہ سے ان کی تقلید اختیار کی۔ ان اَسلاف کی خواہش ان اَخلاف کے دلوں میں گھر کر گئی، ان کی ہوائے نفس ان کے نفس میں اثر انداز ہوگئی اور یہ ان لوگوں میں شمار ہو گئے جن سے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ [الكهف: ١٠٣، ١٠٤]

[کہہ دے کیا ہم تمھیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں]

یہ سب فرقِ باطنیہ میں شمار ہوتے ہیں، کیونکہ انھوں نے عربی زبان کو ترک کر دیا اور کہنے لگے کہ مفہومِ لسان مراد نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ مزید کئی فرقوں میں بٹ گئے، اس سے صرف وہی شخص بچ سکا جس نے اس زبانِ عربی کو جوں کا توں لیا اور جس جگہ کچھ اشتباہ لاحق ہوا، اس کو اللہ کی طرف لوٹا کر کہا:

﴿ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾ [آل عمران: ٧]

[ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے]

چنانچہ سورت ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾ [ابراهيم: ٤]

[اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کرے]

یہ آیت پکار کر کہتی ہے کہ رافضی اور صوفی اور وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن و حدیث فقط رموز ہیں اور ان رموز کا حل ائمہ اور اولیا کے پاس ہے، نیز ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اپنی لغوی دلالت پر نہیں ہیں، بلکہ ظاہری مفہوم کے علاوہ ان کا ایک باطنی مفہوم ہے۔ یہ سب دروغ گو، جھوٹے اور مکار ہیں، اسی لیے ان کا نام باطنیہ ٹھہرا ہے۔

ان کا نام جو باطنیہ رکھا گیا ہے تو یہ نام ایک قدرِ مشترک ہے ان لوگوں کے درمیان جن کا ظاہر اسلام ہے، جیسے امامیہ فرقہ اور متصوفہ، اور ان لوگوں کے درمیان جو امامیہ اور متصوفہ کے دونوں ناموں میں پوشیدہ ہیں، بہر حال یہ تمام لوگ دین کے دشمن اور شریعت مطہرہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں قدرِ مشترک یہی ان کی واضح گمراہی ہے، جس نے تمھیں پریشان کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی لگائی ہوئی آگ کو بجھائے اور ان کی سازشوں کو ناکام کرے۔

یہ لوگ قرآن مجید میں، مقتضاے وضع کے مطابق مدلولاتِ الفاظ میں اور مجاز کی شرط کے مطابق حقیقت یا مجاز میں تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے کہ دوسرے لوگ جو ایک دوسرے کے کلام سے سمجھتے ہیں، وہی بات یہ بھی سمجھیں اور تراکیبِ صحیحہ کا ادراک کریں اور مبسوط عبارت سے جو معنی حاصل ہوتے ہیں، ان کو مختصر عبارت میں ادا کریں۔ صحیح تفسیر اسی کا نام ہے اور یہی تفسیر مقبول ہے، کیوں کہ اسی تفسیر کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے اور ہر صحیح نظر و فکر رکھنے والے شخص کے ہاں یہ بات معلوم و معروف ہے، کیونکہ نزولِ قرآن کا یہی فائدہ ہے اور یہی بات حدیثِ نبوی ﷺ میں بھی بیان ہوئی ہے اور تفسیر نبوی کا طریقہ مقبولہ ہے۔ مگر باطل فرقوں کے یہ پیرو کار ایسا نہیں کرتے ہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ [محمد: ٢٤]

[تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟]

ان لوگوں میں یہ بات عام کہی اور سنی جاتی ہے کہ احکام کو کتاب و سنت سے اخذ کرنا ممتنع ہے، حتی کہ ان کے بعض لوگوں نے یہ تک کہا ہے کہ ائمہ کے دور کے بعد ابنِ جریر کے سوا کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ تو یہ ان کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کے دلوں پر مضبوط تالا لگا ہوا ہے، اسی لیے ان کو واضح کذب بیانی کی جرات ہوتی ہے۔ نسأل الله العافية.

"أدب الطلب و منتهى الأرب" میں لکھا ہے:

"شریعت مطہرہ ان اوامر و نواہی اور ترغیبات و ترہیبات سے عبارت ہے، جن پر کتاب و سنت مشتمل ہے، اسی طرح ہر وہ چیز جس کو مکلّف بنانے میں کسی ابہام اور پیچیدگی کے بغیر دخل ہے اور اس میں افادۂ ظاہر کے خلاف کا ارادہ بھی نہیں ہے، ترکیب اس پر دلالت کرتی ہے اور عربی زبان دان اس کو سمجھتا ہے۔

"اب جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کتاب و سنت کے حروف میں سے کوئی حرف ایسا ہے کہ اس سے اس کا حقیقی معنی اور اس کا واضح مدلول مراد نہیں ہے تو وہ شخص گویا اللہ و رسول پر ایسا گمان کرتا ہے جو اس لفظ کے مخالف ہے، جو لفظ ہمارے پاس اللہ و رسول کی طرف سے آیا ہے۔ اگر یہ گمان کسی مناسب شرعی وجہ سے ہے جس پر صحتِ شرعیہ یا عقلیہ، جو عقلاً متفق علیہ ہو، موقوف ہے نہ کہ اہلِ مذاہب و فرق کے محض عقلی دعوے جو ان کے تعصب کے مطابق ہے، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں ہے، ورنہ مجاز و تجوز کا یہ دعویٰ مردود ہے اور دعویٰ کرنے والے کے منہ پر دے مارنا چاہیے۔

"اس بات کو سمجھنے کی حرص کرنا لازمی اور ضروری ہے، کیونکہ مذکورہ معنی سے رسول وغیرہ کی تصریح کے پیش نظر اگرچہ کسی علاقے اور قرینے کے سبب اصالتِ معنی حقیقی اور عدمِ جوازِ انتقال پر اتفاق ہو چکا ہے، لیکن کتب تفسیر و حدیث و فقہ میں عمل اس کے برخلاف ہے۔ اس بات کو وہی شخص جانتا ہے جو تدبر کرتا ہے اور اپنی فکر سے کام لیتا ہے اور کسی کی قیل وقال پر موارد و مصادر کی تحقیق کے بغیر جامد نہیں ہے۔ ہم نے بہت سے ایسے متعصب دیکھے ہیں جو محض اپنے مذہب کی حمایت کرتے ہیں اور کتاب و سنت کی نصوص کے مقابلے میں اپنے مذاہب پر ڈٹے رہتے ہیں، جب کوئی ایسی نص ان کے سامنے آتی ہے جس سے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں ہوتا ہے تو وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مجاز ہے اور اس کے تجوز کے لیے ایسا علاقہ بیان کرتے ہیں جو انتہائی بعید ہوتا ہے، اور ایسا قرینہ بتاتے ہیں جس کا اس جگہ وجود بھی نہیں ہوتا ہے۔ تعصب پرستوں نے ان کی اعانت کی اور ان کو قرائن و علائق کی بہت سی قسمیں بتا دیں جن کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے، حتی کہ ان لوگوں نے تضاد کو بھی ایک علاقہ ٹھہرایا ہے۔ اس تلاعب

اور کھلواڑ کو دیکھنا چاہیے کہ یہ ایک مستقل علم ٹھہر گیا ہے!!"[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ﴾ [فصلت: ٤٠]

[بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات کے بارے میں ٹیڑھے چلتے ہیں، وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں کہا ہے:

"هو أن يوضع الكلام في غير موضعه"[2]

یعنی آیات میں الحاد کا مطلب یہ ہے کہ کلام کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے، اس میں اس شخص کا رد ہے جو قرآن مجید کی ایسی تفسیر کرتا ہے جس پر جو ہر لفظ دلالت نہیں کرتا، جس طرح کہ باطنیہ، اتحادیہ، ملاحدہ اور غالی متصوفہ کا حال ہے۔

امام علی خواص رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"إياك أن تؤول أخبار الصفات فإن في ذلك وسوسة من الشيطان ليفوت المؤمن الإيمان بعين ما أنزل الله تعالىٰ، قال تعالىٰ: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٨٥] و هذا المؤول ما آمن حقيقةً إلا بما أوله بعقله، ففاته الإيمان بعين ما أنزل الله تعالىٰ فليتأمل"

[صفات والی اخبار (نصوص) کی تاویل کرنے سے بچو! یقیناً اس میں شیطان کی طرف سے ایک ایسا وسوسہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مومن کا ایمان بعینہ اس چیز کے ساتھ ایمان نہیں رہتا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٨٥] [رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی جانب سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور مومن بھی] اور جو تاویل کرنے والا ہوتا ہے وہ حقیقت میں صرف اسی تاویل پر ایمان لاتا ہے جو اس کی عقل کرتی ہے، تو اس کا ایمان اس طرح نہیں رہتا جس طرح کا ایمان مذکورہ ارشاد

[1] أدب الطلب ومنتهى الأرب للشوكاني (ص: ١٩٢)

[2] تفسير ابن جرير (٤٧٨/٢١)

ربانی میں مطلوب ہے، اس پر خوب غور کرو!]

اس رسالے میں یہ بحث شوکانی رحمہ اللہ کے کلام سے زائد ہے۔[1]

مسئلہ خلقِ افعال:

خط میں مذکورہ سوالات میں سے ایک سوال مسئلہ خلقِ افعال کی بابت بھی تھا کہ افعال کا حسن و قبح اور خیر و شر اللہ کی طرف سے بطور اختراع و ابداع کے ہے، یا یہ سب کچھ بندے کی اپنی طرف سے ہے؟ اس کے جواب میں امام ربانی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ اس مسئلے کا دامن بہت وسیع ہے اور اس میں لوگ کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس مسئلے میں کل چودہ اقوال ہیں، جن میں سے چار قول اہلِ سنت اور اشعریہ کے ہیں اور آٹھ قول معتزلہ اور دو قول جبریہ خالص کے ہیں۔ اس جگہ ان تمام کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ سارے اقوال فن کی کتابوں میں مذکور ہیں اور محققین کی ایک جماعت نے اس مسئلے پر تالیفات مرتب کی ہیں۔ ایامِ شباب میں جب مجھے قیل و قال پر نظر کرنے کا شوق تھا تو میں نے بھی اس سے متعلق ایک تالیف جمع کی تھی۔

لیکن مذکورہ سوال میں سائل نے صرف راجح قول کے متعلق سوال کیا ہے، اس لیے یہاں صرف راجح قول ہی لکھا جاتا ہے۔ تو سنیے! میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ اس مسئلے میں سکوت کرے اور اس مسئلے میں جو دلالت مطابقی یا تضمنی یا التزامی کے ساتھ دلائل اس باب میں آئے ہیں، ان کو اسی طرح جاری کرے جس طرح وہ وارد ہوئے ہیں، ان مباحث سے کچھ تعرض کرے نہ تاویل ہی کے تکلف کو اختیار کرے کہ ان کو حقیقی معنی سے نکال باہر کرے۔

اس مسئلے میں سکوت اختیار کرنے کو، جسے میں نے راجح قرار دیا ہے، بعض متکلمین نے جہل شمار کیا ہے، لیکن میں اس جہل پر راضی ہوں اور بہت سی جگہوں میں تکلفِ علم سے جہل بہتر ہوتا ہے۔ ایسی الجھنوں میں داخل ہونے سے، جس کا اللہ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو مکلف و متعبد نہیں ٹھہرایا ہے، جہل بہتر ہے۔ لیکن جس کو وہ چیز گنجایش فراہم نہ کرے جس نے خیر القرون اور ان کے بعد والے لوگوں کو اس مسئلے میں، اور اس جیسے دیگر مسائل میں گنجایش دی تھی، تو اللہ بھی اس کو گنجایش نہ دے!

---

[1] یعنی اگرچہ یہ کتابچہ امام شوکانی رحمہ اللہ کے رسالے "العذب النمیر" کا ترجمہ ہے، لیکن بحث چہارم والا تمام کلام امام شوکانی رحمہ اللہ کے رسالے سے زائد اور مترجم کا اضافہ کردہ ہے۔

میں نے اس مسئلے میں توقف اختیار کرنے کو ایسے ہی ترجیح نہیں دے دی، بلکہ میں نے اسی طرح کے مسائل میں اپنی عمر کا ایک حصہ اور کچھ وقت برباد کیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں بنیادی مسائل کو ایک علاحدہ تالیف میں لکھا ہے اور ہر مسئلے میں ایک قول کو راجح قرار دیا ہے اور حسب قدر ان مذاہب میں سے اسی ایک مذہب کی نصرت و تائید کی ہے جس پر دلیل ظن کی دلالت کے ساتھ غالب رجحان ہوا اور کسی بھی جگہ میں طریقۂ انصاف سے دور نہیں ہٹا اور جس کو حق جانا اس سے خروج نہیں کیا۔ میں نے اپنے آپ کو مذہبِ خاص، قولِ خاص اور عالمِ خاص کے تعصب سے پاک کیا۔

اب جب مجھے ان ساری بحثوں اور ان مسائل کی تحریر سے، جن کے متعلق مجھے یہ گمان ہے کہ یہ بہت سی تصانیف متقدمہ پر فائق ہیں، فراغت حاصل ہوئی تو اب میں اسی دروازے سے داخل ہوتا ہوں، جس دروازے سے صحابہ و تابعین اور تبع تابعین داخل ہوئے تھے اور اپنے کندھے سے ایک بارِ گراں کو گراتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس لمبی تھکاوٹ، بحث مباحثے اور بے فائدہ بے ہودہ گوئی سے راحت عطا کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہ دروازہ کھول دیا جسے میں اب نصب کر رہا ہوں اور اس دروازے سے میں اس گھر کے اندر آیا، جس میں یقین کی ٹھنڈک اور اطمینانِ حق ہے۔

اب وہ چیتان مجھ سے دور ہو کر وہاں چلے گئے ہیں جہاں کتے بھونکتے ہیں۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

وكيف ترى ليلى بعين ترى بها
سواها و ما طهرتها بالمدامع

[تو اس آنکھ سے لیلیٰ کو کیسے دیکھ سکتا ہے جبکہ اس آنکھ سے تو اس کے غیر کو دیکھتا ہے اور تو نے اسے آنسوں سے پاک بھی نہیں کیا ہے]

وتلتذ منها بالحديث و قد جرى
حديث سواها في خروة للمسامع

[اور تو اس سے ہم کلام ہو کر کیسے لذت حاصل کر سکتا ہے جب کہ تیرے کانوں کے سوراخوں میں دوسروں کی بات بھی داخل ہوتی ہے]

أجلك يا ليلى عن العين إنما
أراك بقلب خاضع لك خاشع

[اے لیلیٰ! میں تجھے سر کی آنکھ سے دیکھنے سے بالاتر سمجھتا ہوں، میں تو تجھے صرف ایسے عاجز دل کی آنکھ سے دیکھتا ہوں جو صرف تیرا ہی گرویدہ ہے]

کسی دوسرے شخص نے کہا ہے:

ألا إن وادي الجزع أضحى ترابه
من المس كافورا و أعواده رندا

[دیکھو! وادیِ غم کی مٹی کسی کے لمس کی وجہ سے کافور بن گئی ہے اور اس کی عام لکڑیوں نے خوشبودار پودوں کا روپ دھار لیا ہے]

وما ذاك إلا إن هندا عشية
تمشت و جرت في جوانبه بردا

[اور یہ تبدیلی اس وجہ سے آئی ہے کہ اس وادی میں سر شام ہندا نے چہل قدمی کی اور اس کے کناروں میں اپنی چادر کو گھسیٹا ہے]

مترجم رسالہ کی صاحبِ رسالہ سے علمی مماثلت:

ترجمانِ رسالہ ہذا عرض کرتا ہے کہ صاحبِ رسالہ ایک واسطے سے میرے شیخِ سنت ہیں۔ میں نے بھی جوانی میں عمر کا ایک حصہ ابنائے زمانہ میں متداول فنون میں صرف کیا، بلکہ ضائع کیا۔ پھر اللہ کی رحمت نے میرا ہاتھ تھاما اور کشاں کشاں مجھے روضۂ رضوان کتاب و سنت کے علوم میں داخل فرما دیا اور اہلِ سنت مطہرہ کے مذہب میں مجھے پختہ قدم کر دیا اور قرآن و حدیث کے الفاظ اور مشائخِ علوم حقہ کی عبارات میں وہ حلاوت ولذت بخشی جس کے سامنے ساری جسمانی لذات وشہوات ہیچ ہیں۔

میں نے بھی جناب شیخ رحمہ اللہ [امام شوکانی] کی اقتدا میں کتاب وسنت کے علوم میں سے ہر مسئلے اور باب میں مستقل تالیف کی ہے۔ ان میں سے بعض عجمی زبان میں ہیں اور کچھ عربی زبان میں۔ ان تالیفات میں مَیں نے کسی بھی جگہ اس حق کا دامنِ ترجیح ہاتھ سے نہیں چھوڑا، جو حق اتباع کے لائق ہے اور نہ میں نے اپنے خیال میں کسی مذہب، کسی قول اور کسی عالم کے ساتھ تعصب کا مظاہرہ کیا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، بلکہ اپنا یہی عقیدۂ حقہ اور ایمانِ کامل ساتھ جائے گا۔ جب یہ بات طے ہو چکی تو حق کو مخلوق پر ترجیح دینے کے ناتے ہم پر یہ واجب ٹھہرا کہ کوئی خوش ہو یا نا

خوش، ہم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو بانگِ دہل بجالائیں۔ والله لأرمين بها بين أكتافكم.[1]

ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کے طالب ہیں کہ ہمارا خاتمہ توحید وسنت پر ہو۔ زید وعمرو جانیں اوران کا کام جانے۔ وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب.

خاتمہ تالیف:

آج پندرہ شوال ۱۳۰۵ھ بروز منگل یہ ترجمہ دو دن میں مکمل ہوا۔

وفي هذا المقدار كفاية لمن له هداية، والحمد لله أولاً و آخراً، وصلى الله على خير خلقه محمد وآله و صحبه و بارك وسلم.

[1] یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کہ جب انھوں نے ایک حدیث بیان کی اور سامعین نے اس پر عمل کرنے میں سست روی کا اظہار کیا تو انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اس حدیث کو تمھارے کندھوں پر ماروں گا۔'' یعنی ضرور تمھارے سامنے بیان کروں گا۔

إخلاص التوحيد للحميد المجيد

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان حسینی بھوپالی رحمہ اللہ

(۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد لله الرب المفضال المنعام، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد وآله و صحبه ما اختلف الضياء والظلام. أما بعد:

یہ بات معلوم ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک جتنے انبیا مبعوث ہوئے، ان سب کی دعوت یہی تھی کہ لوگ توحید اختیار کریں اور شرک چھوڑ دیں۔

انبیا علیہم السلام نے لوگوں کو شرک ترک کرنے کی دعوت دی، کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم اور سب سے برا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی اور عمل پر اتنا غصہ نہیں آتا جتنا غصہ شرک پر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جتنا یہ شرک نا پسند ہے، اتنی کوئی چیز مبغوض نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے دنیا و آخرت میں جتنی سزا اس شرک پر مقرر کی ہے، وہ کسی اور گناہ پر مقرر نہیں فرمائی، نیز اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ شرک کو کسی طرح سے معاف نہیں کرتا ہے اور اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مشرک نجس و ناپاک ہیں، لہٰذا وہ حرم شریف نہ آنے پائیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشرکوں کے ذبیحے اور ان سے نکاح کو حرام قرار دیا، ان سے دوستی رکھنے کو ممنوع قرار دیا، انھیں اپنا اور فرشتوں کا دشمن ٹھہرایا، موحدین کے لیے ان کے مال، بیویاں اور بچے مباح کر دیے اور انھیں غلام بنانا جائز قرار دیا ہے۔

شرک کی سنگینی کا سبب:

شرک کو سب سے بڑا گناہ اور سنگین جرم اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ اس کا مرتکب حقِ ربوبیت کو برباد کرتا، عظمتِ الوہیت کو توڑتا اور رب العالمین کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ

جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيرًا﴾ [الفتح: ٦]

[اور (تاکہ) ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں گمان کرنے والے ہیں، برا گمان، انھی پر بری گردش ہے اور اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے]

قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہیں کی، چنانچہ فرمایا:

﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ [الأنعام: ٩١][1]

[اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی، جو اس کی قدر کا حق تھا]

جو شخص کسی اور کو اللہ کے برابر اور اس کا ہمسر ٹھہراتا اور اس سے محبت کرتا ہے، اسی سے ڈرتا اور امید رکھتا ہے اور اس کے سامنے عاجزی اختیار کرتا ہے، وہ کیا خاک اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کرے گا اور اس کی عزت و قیمت سمجھے گا۔ ان کے اسی جرم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ [الأنعام: ١]

[پھر (بھی) وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں]

دورِ جاہلیت کے شرک کی نوعیت:

مشرکین نے اللہ تعالیٰ اور اپنے معبودوں کے درمیان جس برابری اور ہمسری کو ثابت کیا تھا، جہنم میں جانے کے بعد وہ اس بات کو جان لیں گے کہ ان کا اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر اور اس کا ہمسر ٹھہرانا ہی ان کی گمراہی تھی، چنانچہ وہ جہنم کی آگ میں اپنے معبودوں سے، جو وہیں ان کے ساتھ ہوں گے، کہیں گے:

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الشعرآء: ٩٧، ٩٨]

[اللہ کی قسم! بے شک ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔ جب ہم تمھیں جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے]

---

[1] نیز دیکھیں: سورۃ الحج (آیت: ٧٤) سورۃ الزمر (٦٧)

حالانکہ ان مشرکوں نے اپنے معبودوں کو ذات و افعال میں اللہ کے برابر نہیں ٹھہرایا تھا اور نہ یہ بات کہی تھی کہ ان کے معبود آسمان و زمین کے خالق ہیں یا وہ مارتے اور زندہ کرتے ہیں، بلکہ یہ برابری محض محبت، تعظیم اور عبادت میں تھی، جس طرح اہلِ اسلام میں مشرکین کا حال ہے۔ دورِ حاضر کے مشرکین، اہلِ توحید کی طرف انبیا و صلحا کی تنقیص اور گستاخی کی نسبت کرتے ہیں، حالانکہ ان موحدین کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ تمام پیغمبروں، نیک لوگوں اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے غلام اور بندے قرار دیتے ہیں اور یہ بات کہتے ہیں کہ یہ تمام لوگ اپنے اور کسی دوسرے کے نفع و نقصان، زندگی و موت اور کسی فوت شدہ کو دوبارہ اٹھانے کے مالک نہیں ہیں۔

شفاعت کا غلط تصور:

مشرکین کا یہ گمان ہے کہ ان کے معبود ان کے لیے شفاعت کریں گے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ اپنے پجاریوں کی ہرگز سفارش نہیں کریں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی سفارش کو حرام کر دیا ہے۔ اسی طرح وہ اہلِ توحید کی بھی شفاعت نہ کریں گے اور اگر وہ شفاعت کریں گے تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ انھیں موحدین کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا، کیونکہ انھیں اپنے طور پر شفاعت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، شفاعت و ولایت کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ کے سوا مخلوق میں سے کوئی کسی کا ولی ہے اور نہ سفارشی۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق مشرکین کا غلط گمان:

مشرک اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت سی بدگمانیاں رکھتا ہے۔ کبھی تو وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا بندوبست اور انتظام کرنے میں کسی مدبر منتظم کا محتاج ہے۔ مشرک اپنے اس نظریے کے ساتھ اللہ تعالیٰ میں نقص ثابت کرتا ہے، کیوں کہ اس سے بڑا اور نقص کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں غنی اور بے پروا ہو اور پھر وہ اپنے علاوہ دوسروں کا محتاج ہو۔ کبھی مشرک یہ گمان کرتا ہے کہ جب تک کسی واسطے کے ذریعے سے بتایا نہ جائے، اللہ تعالیٰ کو کوئی بات معلوم نہیں ہوتی، یا جب تک وہ واسطہ سفارش نہ کرے، اللہ تعالیٰ رحم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ میں یہ نقص اور عیب ثابت کرنے کے لیے وہ یہ مثال بیان کرتے ہیں کہ جس طرح مخلوق، مخلوق کے پاس سفارش کرتی ہے، اسی طرح اللہ کے پاس سفارش چلتی ہے۔
مشرک کا یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ جب تک بندہ کسی واسطے سے عرض معروض نہ کرے کہ تم

میری حاجت اس تک پہنچا دو، اللہ تعالیٰ اس بندے کا سوال قبول نہیں کرتا۔ اس کی مثال وہ یوں بیان کرتا ہے کہ جس طرح دنیا کے بادشاہوں کا حال ہے کہ وہ واسطے کے بغیر کسی کی عرض قبول نہیں کرتے۔

اسی طرح کبھی مشرک یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت دور ہونے کی وجہ سے کسی بندے کی دعا نہیں سنتا تو اس تک بندے کی دعا پہنچانے کا ذریعہ یہ ہے کہ درمیان میں کچھ واسطے ہوں، جو اللہ تعالیٰ تک یہ دعا پہنچائیں یا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ کسی مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حق کی قسم دے کر کام نکلوا دیتا ہے، جس طرح لوگ بادشاہوں کے پاس اکابر اور امرا کا وسیلہ پکڑتے ہیں، کیوں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بادشاہ کے ہاں فلاں امیر اور اس کے وزیر کی بڑی عزت ہے اور بادشاہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے۔

مشرکین کی مذکورہ بالا بدگمانیاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں انتہائی درجے کی کمزوری ثابت کرتی ہیں، لہٰذا حکمتِ الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ شرک کو ہرگز معاف نہ کرے اور مشرک کو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے۔

مذکورہ بالا تمہیدی کلمات سے معلوم ہوا کہ انسان کے ایمان اور نجات کا دارو مدار اس پر ہے کہ وہ شرک کو چھوڑ کر توحید اختیار کرے۔ پس جب یہ بات واضح ہوگئی تو صحتِ ایمان کے لیے مراتبِ توحید کو جاننا اور مطالبِ شرک کا معلوم کرنا لازم اور ضروری ٹھہرا۔

رسالہ ''اخلاص التوحید'' کی تحریر کا مقصد اور اس کی ترتیب:

اس رسالے میں توحید کے بعض مقاصد اور شرک کے بعض مدارج لکھے جاتے ہیں، تاکہ ایک خدا پرست مومن ان دونوں چیزوں کا فرق سمجھ کر اعتقاداً و عملاً انواعِ شرک سے بچے اور توحید باری تعالیٰ سے آراستہ ہو کر اپنے آپ کو رحمت اور مغفرتِ الٰہی کا مستحق بنائے۔ مگر یہ بات اسی وقت تک ممکن ہے جب تک حالتِ نزع میں انسان کے حلق میں جان نہیں پہنچی۔ خدانخواستہ اگر حالتِ شرک میں جان نکل گئی، گو بغیر علم کے جہالت کی بنا پر ہی ہو، تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ رسالہ ایک مقدمہ، چند فصلوں اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کلمہ توحید اور اخلاص پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ اللهم ربنا آمين.

مقدمہ

ذیل میں بعض ان الفاظ کا بیان کیا جاتا ہے جن سے بعض عقدی امور میں اختلاف و التباس پیدا ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ چار الفاظ ہیں:

① **استغاثہ:**

استغاثہ کا مطلب ہے فریاد رسی چاہنا، یعنی بندے کو جو تکلیف ہے وہ دور ہو جائے، جیسے "استنصار" یعنی مدد مانگنا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جن کاموں پر مخلوق کو قدرت حاصل ہے، ان کاموں میں مخلوق سے استغاثہ کرنا جائز ہے۔ اس کے جواز پر چنداں استدلال کی ضرورت و حاجت نہیں ہے، کیونکہ یہ بات نہایت واضح ہے اور یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں کسی کا اختلاف ہو۔ اس استغاثے کے جواز میں یوں تو بہت سے دلائل ہیں، لیکن بہ طورِ مثال قرآن مجید کی چند آیات پیش خدمت ہیں۔

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ﴾ [القصص: ۱۵]

[تو جو اس کی قوم سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد مانگی جو اس کے دشمنوں سے تھا]

② نیز فرمایا:

﴿ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ ﴾ [الأنفال: ۷۲]

[اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے]

③ اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ﴾ [المائدۃ: ۲]

[اور نیکی اور تقوے پر ایک دوسرے کی مدد کرو]

مخلوق سے استغاثے کی مثال یوں سمجھو کہ مظلوم کسی شخص سے کہے: مجھ پر ظلم ہوا ہے، تم اس کام میں میری مدد کرو۔ جیسے اسرائیلی نے قبطی کے خلاف مدد طلب کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔

یا بیمار آدمی حکیم سے کہے: تم میری دوا اور علاج کا بندوبست کرو۔ اسی طرح کسی شخص کا پتھر اٹھانے میں، کسی کافر دشمن سے مقابلہ ہو جانے کی صورت میں، یا کسی درندے اور چور کو بھگانے میں اور اس طرح کے دیگر کاموں میں، مدد چاہنا درست ہے، کیوں کہ اس طرح کا استغاثہ کرنا منع نہیں ہے۔

رہے وہ کام جن پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے، تو ان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے استغاثہ کرنا حرام اور شرک ہے، جیسے گناہ بخشنا، ہدایت دینا، بارش برسانا، رزق دینا، بیمار کو شفا بخشنا اور گم شدہ شخص کو واپس لے آنا وغیرہ۔ اس طرح کے کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ [آل عمران: ۱۳۵]

[اور اللہ کے سوا اور کون گناہ بخشتا ہے]

ایک جگہ فرمایا:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [القصص: ٥٦]

[بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے]

نیز فرمایا:

﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ﴾ [الفاطر: ۳۵]

[کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے، جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟]

مزید ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ [الشعرآء: ۸۰]

[اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے]

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک منافق تھا جو مسلمانوں کو تنگ کیا کرتا تھا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: آؤ رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي، وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ » (رواه الطبراني)[1]

[1] جامع المسانيد لابن كثير (٥٧٧٨، من طريق الطبراني) مجمع الزوائد (١٠/ ٢٤٦) اس حدیث کی سند میں "ابن لهيعة" ضعیف ہے۔ یہ روایت دیگر الفاظ کے ساتھ مسند احمد (۵/ ۳۱۷) میں بھی مروی ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رواه أحمد، وفيه راو لم يسم، وابن لهيعة" (مجمع الزوائد: ٨/ ٤٠)

[مجھ سے استغاثہ نہیں کیا جاتا، استغاثہ تو صرف اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں]

نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو بات بندے کی قدرت میں نہ ہو، اس میں اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد رسی کرنی چاہیے۔

اہلِ علم نے کہا ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ یہ بات جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔ مطلق طور پر فریاد رسی اللہ ہی کے پاس ہے۔ اگر اتفاقاً کسی غیر کے ہاتھ پہ کوئی بات حاصل ہو تو وہ مجاز ہے، حقیقت نہیں ہے، کیونکہ حقیقت اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی کا نام غیاث اور مغیث ہے۔

امام حلیمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"الغیاث هو المغیث" [غیاث، مغیث ہی کا دوسرا نام ہے] چنانچہ اکثر کہا جاتا ہے:

"یا غیاث المستغیثین" یعنی بندے کو سختی میں بچانے والا، اس کی دعا قبول کرنے والا اور اسے تکلیف سے رہائی دینے والا صرف اور صرف اللہ ہے۔[1]

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعا میں کہا تھا:

«اَللّٰھُمَّ أَغِثْنَا»[2] [اے اللہ! ہماری فریاد رسی فرما (کر بارش نازل فرما)]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ [الأنفال: ۹]

[جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے تو اس نے تمھاری دعا قبول کر لی]

گویا لفظ "مغیث" کے معنی مجیب و مستجیب کے ہوئے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اغاثہ کا لفظ افعال کے ساتھ مناسب ہے اور استغاثہ اقوال کے ساتھ، لیکن کبھی ایک لفظ کا اطلاق دوسرے لفظ پر ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"استغاثہ بایں طور کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے وہ بات چاہے جو ان کے منصب کے لائق ہے، اس میں کسی مسلمان کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ جو شخص اس میں جھگڑے، وہ کافر ہے یا خطا کار اور گمراہ ہے۔ رہا اس لفظ کا وہ معنی جس کی رسول اللہ ﷺ نے نفی فرمائی ہے تو اس کی نفی کرنا واجب ہے، کیوں کہ جو شخص غیر اللہ کے لیے ایسی بات ثابت کرے،

---

[1] دیکھیں: مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (۱/۱۱۱)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۰۱٤) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۹۷)

جو اللہ کے سوا کسی کے لائق نہیں ہے تو وہ بھی کافر ہے، جب اس پر ایسی حجت قائم ہو جائے کہ اس حجت کا تارک کافر ٹھہرے۔ اسی لیے ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا کسی ڈوبنے والے سے استغاثہ کرے۔ یا جس طرح ابو عبداللہ قرشی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسا ہے جیسے کوئی قیدی کسی قیدی سے استغاثہ کرے۔"[1]

② استعانت:

استعانت کا مطلب ہے مدد کا طالب ہونا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امورِ دنیا میں مخلوق سے مدد طلب کرنا جائز ہے، جیسے یہ کہنا: ہمارا سامان لا دو۔ ہمارے جانور کو کھانا کھلا دو، یا ہمارا پیغام پہنچا دو یا ہمارا گھر بنا دو۔ رہے وہ کام جن پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے تو ان کاموں میں اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور سے مدد چاہے تو یہ حرام یا شرک ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ [الفاتحة: ٤]

[ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں]

مذکورہ آیت میں مفعول مقدم آنے والی ترکیب حصر کا فائدہ دیتی ہے۔

③ تشفع:

تشفع کا مطلب ہے مخلوق سے سفارش چاہنا۔ اس میں بھی مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن دنیوی امور میں بندوں کو قدرت ہے، ان امور میں ان سے سفارش لی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ جائز ہے۔ سنتِ متواترہ اور تمام امت کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شافع و مشفع ہیں اور قیامت کے دن مخلوق کی سفارش کریں گے۔ وہ اس طرح کہ لوگ آپ ﷺ سے طالبِ شفاعت ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کر دیجیے۔[2] اس مسئلے میں اگر اختلاف ہے تو اس نقطے پر کہ یہ شفاعت گناہ گاروں کے گناہ مٹانے کے لیے ہوگی یا فرماں برداروں کے ثواب میں اضافے کی خاطر ہوگی؟ لیکن مسلمانوں میں سے نبی اکرم ﷺ کی

---

① مجموع الفتاویٰ (١/١١٢)

② دیکھیں: صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٣٤٠) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٣٢٧)

شفاعت کی نفی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

"إنا نستشفع بالله عليك و نستشفع بك على الله"

[ہم اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے پاس بطور سفارشی لاتے ہیں اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے پاس سفارشی بنا کر لے جاتے ہیں]

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«شَأْنُ اللّٰهِ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ، إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِهِ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهِ»[1]

[اللہ کی شان اس سے بلند اور بڑی ہے کہ اللہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے]

آپ ﷺ نے اس کی اس بات کو برقرار رکھا کہ وہ آپ ﷺ کو اللہ کے ہاں سفارشی ٹھہرائے۔ اس اجمال کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

④ توسل:

توسل کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو مطلب برآری کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ٹھہرانا۔

کیا نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ ڈالنا جائز ہے؟

امام عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"إنه لا يجوز التوسل إلى الله تعالىٰ إلا بالنبي ﷺ إن صح الحديث فيه"[2]

[اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ ڈالنا جائز ہے اگر اس بارے میں حدیث صحیح ہے]

اس عبارت میں امام عز الدین رحمہ اللہ کا اشارہ شاید اس حدیث کی طرف ہے جسے امام نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے کہ ایک نابینے آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں اندھا ہو گیا ہوں، لہٰذا آپ میرے لیے دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو دو رکعت نماز ادا کر اور کہہ:

---

① سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٧٢٦) اس کی سند میں "جبیر بن محمد" ضعیف ہے۔

② مجموع الفتاویٰ لابن تيمية (١/٣٤٧)

« اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ أَشْفَعُ بِكَ فِيْ رَدِّ بَصَرِيْ، اَللّٰهُمَّ شَفِّعِ النَّبِيَّ فِيَّ »[1]

[اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد ﷺ کے ذریعے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ اے محمد! میں آپ کے ساتھ اپنی نظر لوٹانے کی سفارش کرتا ہوں۔ اے اللہ! نبی ﷺ کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما]

نیز آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اگر تجھے کوئی حاجت اور ضرورت ہوا کرے تو اسی طرح کیا کرو۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے اسے بینا کر دیا۔

حدیث کا مطلب:

اس حدیث کے متعلق اہلِ علم کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ وہی توسل ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور فرمایا تھا:

”كنا إذا أجدبنا نتوسل بنبينا إليك فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا“[2]

[جب ہم خشک سالی میں مبتلا ہوتے تھے تو اپنے نبی کو تیری طرف وسیلہ بنایا کرتے تھے، پس تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں]

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی حیات میں استسقا کے لیے رسول اللہ ﷺ سے توسل کرتے تھے اور پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے یہ توسل کرتے تھے۔ اس توسل کا مقصد اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ سب لوگ عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دعا کرتے، گویا عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا وسیلہ تھے اور وہ ایسی صورت میں ان کے سفارشی اور داعی ہوا کرتے تھے۔

اہلِ علم کا دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں، آپ ﷺ کی وفات کے بعد، آپ ﷺ کے سامنے اور آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں توسل ہو سکتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کے ساتھ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ توسل کرنا

---

[1] مسند أحمد (١٣٨/٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٧٨) سنن ابن ماجه (١٣٨٥) سنن النسائي الكبرىٰ (١٦٩/٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٠١٠)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اجماع، اجماع سکوتی تھا، اس لیے کہ کسی صحابی نے عمر رضی اللہ عنہ کے اس امر کا انکار نہیں کیا تھا کہ آپ نے عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کیوں کیا؟

توسل کی حقیقت:

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شیخ عزالدین رحمہ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کے خاص ہونے کے قائل ہیں، لیکن میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جس کے دو سبب ہیں۔ ایک سبب تو اجماعِ صحابہ ہے اور دوسرا یہ کہ اہلِ فضل اور اہلِ علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توسل پکڑنا درحقیقت ان کے اعمال صالحہ کے ساتھ توسل پکڑنا ہے، کیوں کہ ہر فاضل شخص کی فضیلت اور برتری اس کے اعمال اور اس کی خوبیوں سے ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب کسی نے کہا:

"اللهم إني أتوسل إليك بالعالم الفلاني"

[اے اللہ! میں فلاں عالم کے ساتھ تیری طرف وسیلہ پکڑتا ہوں]

تو اس متوسل کا یہ قول اس عالم کے علم و فضل کے اعتبار سے ہوا۔

صحیحین میں تین آدمیوں کا قصہ منقول ہے کہ وہ ایک غار میں بند ہو گئے تھے، ان میں سے ہر آدمی نے اپنے رب سے اپنے نیک عمل کے ساتھ توسل کیا تو غار کے منہ سے وہ پتھر ہٹ گیا تھا۔[1] اگر اعمال فاضلہ کا توسل جائز نہ ہوتا یا ایسا کرنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قصے کو بیان فرمانے کے بعد خاموشی اختیار کرتے۔

مانعینِ توسل کے دلائل:

جو لوگ انبیا و صلحا سے توسل کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

① پہلی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ٣]

[ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا]

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٢٧٢) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٧٤٣)

② دوسری دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ١٨] [پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو]

③ تیسری دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ [الرعد: ١٤]

[برحق پکارنا صرف اسی کے لیے ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی دعا کچھ بھی قبول نہیں کرتے]

مانعینِ توسل کے مذکورہ دلائل کا رد:

مانعینِ توسل کا مذکورہ دلائل سے استدلال کرنا محلِ نزاع سے بعید ہے، اس لیے کہ یہاں متوسل ان انبیا وصلحا کی عبادت کر رہا ہے نہ ان سے دعا، بلکہ وہ تو محض ان کے علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ توسل کر رہا ہے۔ ہاں! اگر وہ توسل میں یوں کہتا: ''باللہ یا فلاں'' تو یہ توسل ضرور شرک ہوتا۔

مانعینِ توسل کے بقیہ استدلال کا بھی کچھ یہی حال ہے، جیسے وہ اس ارشادِ خداوندی سے استدلال کرتے ہیں:

﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ [الانفطار: ١٩]

[جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا]

اس آیت میں یہ ذکر ہوا ہے کہ قیامت کے دن ہر امر کا اختیار اکیلے اللہ کو ہوگا۔ مگر ان کا استدلال غلط ہے، اس لیے کہ نبی اور عالم کے ساتھ توسل کرنے والا یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ اس دن کے امر میں نبی یا عالم اللہ تعالیٰ کا شریک ہے، بلکہ جو اس طرح کا اعتقاد رکھے گا، خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی، صریح گمراہ ہے۔

مانعینِ توسل کی چوتھی دلیل اور اس کا جواب:

مانعینِ توسل اس آیت کریمہ سے بھی استدلال کرتے ہیں:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ [آل عمران: ١٢٨]

[تیرے اختیار میں اس معاملے سے کچھ بھی نہیں]

حالانکہ اس آیت میں تو اپنے لیے اور غیر کے لیے نفع وضرر کی عدمِ ملکیت کا ذکر ہے، توسل کی ممانعت کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ جب کہ اس کے برعکس یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مقامِ محمود یعنی شفاعت عظمیٰ کا مقام و منصب عطا کیا ہے اور مخلوق کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اس مقام کا سوال کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے طالب بنیں۔ خود اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سے فرمائے گا:

«سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ»[1]

[(اے محمد ﷺ!) مانگیے! آپ ﷺ کو دیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے! آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی]

ہاں! شفاعت کے متعلق قرآن مجید میں یہ شرط بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں ہوگی اور شفاعت بھی صرف اسی کی ہوگی جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے گا۔

مانعینِ توسل کی پانچویں دلیل اور اس کا جواب:

مانعینِ توسل ایک دلیل یہ بھی دیا کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعرآء: ٢١٤]

[اور اپنے سب سے قریبی رشتے داروں کو ڈرا]

تو رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک کو پکار کر یہ کہا:

«لَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»[2]

[میں تمھارے لیے کسی چیز (کے نفع ونقصان) کا مالک نہیں ہوں]

اس حدیث میں صرف اتنی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ ضرر کا ارادہ کرے گا، رسول اللہ ﷺ اسے نفع نہیں پہنچا سکتے اور جس کے ساتھ اللہ نفع کا قصد کر لے، آپ ﷺ اسے ضرر نہیں دے سکتے، چنانچہ آپ ﷺ جب اپنے رشتے داروں کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں تو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٣٤٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٧١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٦)

دوسروں کا ذکر ہی کہاں؟ مگر ہر مسلمان یہ بات جانتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں نفیِ توسل کی کوئی تصریح نہیں ہے۔

متوسل تو صرف اتنا کام کرتا ہے کہ وہ کسی چیز کی طلب سے پہلے اجابت و قبولیت کے سبب کو آگے کر دیتا ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ یہ طلب کس سے کرتا ہے؟ تو وہ اسی کے سامنے یہ طلب پیش کرتا ہے جو عطا و منع کے ساتھ منفرد ہے اور جزا و سزا کے دن کا مالک ہے، لہٰذا اس کی یہ طلب صرف اسی سے ہوتی جو صاحب امر و نہی ہے، نہ کہ کسی اور سے۔

میں کہتا ہوں: یہ بات درست ہے کہ مذکورہ دلائل سے توسل کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ان سے شرک کی نفی ثابت ہوتی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ سد ذریعہ کے لیے جوازِ توسل کے دلائل کو ان کے جائے ورود پر ہی منحصر کرنا ضروری اور لازمی ہے، اس لیے کہ خیر القرون میں اس توسل کا شیوع اور رواج نہیں تھا اور جہاں تک شخصی فیصلوں کا تعلق ہے تو ان پر کسی چیز کو قیاس نہ کرنا ہی احوط و اولیٰ ہے۔ ایک بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ جواز اور چیز ہے اور اس کو ضروری سمجھ کر اس کا التزام کرنا ایک دوسری چیز ہے۔

توسل سے بڑی ایک مصیبت:

محض توسل و تشفع سے بڑی مصیبت اور سخت بلا وہ امر ہے جس میں عوام و خواص گرفتار ہیں۔ وہ امر یہ ہے کہ اہلِ قبور اور زندہ نیک لوگوں کے حق میں لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جو قدرت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے، وہ کام یہ بھی کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ یہ بات ان کے دلوں سے نکل کر ان کی زبان پر بھی آ گئی، چنانچہ کوئی تو انھیں اللہ کے ساتھ پکارتا ہے اور کوئی مستقل طور پر انھیں ہی پکارتا ہے۔ کوئی ان کے نام کی دہائی دیتا ہے اور مالکِ نفع و ضرر جیسی ان کی تعظیم کرتا ہے اور دعا میں جتنا خضوع اللہ کے لیے نہیں کرتا، اس سے زیادہ خشوع و خضوع ان کے لیے کرتا ہے۔

اب غور فرمایئے! اگر یہ شرک نہیں تو پھر ہم نہیں جانتے کہ شرک کیا ہے؟ اور اگر یہ کفر نہیں ہے تو پھر دنیا میں کفر موجود ہی نہیں ہے۔

قرآن و حدیث میں تو ان امور سے بھی منع کیا گیا ہے جو ان باطل معتقدات سے کہیں کم تر

ہیں اور بعض کے متعلق تصریح کی گئی ہے کہ وہ شرک ہیں، حالانکہ مذکورہ اعتقادات و اعمال کی نسبت وہ بہت حقیر و یسیر ہے۔ اس کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

1. سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا دیکھا تو فرمایا: ''یہ کڑا کس لیے ہے؟'' اس نے کہا: یہ واہنہ (ایک بیماری) کی وجہ سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اتار دو، یہ تمھاری بیماری میں اضافہ کرے گا اور اگر تو اس کو پہنے ہوئے فوت ہو گیا تو تو فلاح نہیں پائے گا۔ (رواہ أحمد بإسناد لا بأس به)[1]

2. سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے ''تمیمہ'' لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کو پورا نہ کرے اور جس نے ''ودعہ'' لٹکایا، اللہ تعالیٰ اسے شفا نہ دے۔[2]

3. ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''جس نے تمیمہ لٹکایا تو اس نے شرک کیا۔''[3]

''تمیمہ'' طومار اور تعویذ وغیرہ کو کہتے ہیں اور ''ودعہ'' ایک سفید چیز ہے جو سمندر سے نکلتی ہے اور بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے ان کے گلے میں لٹکاتے ہیں۔

4. سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ہاتھ میں دھاگا بندھا ہوا دیکھا، جو اس نے بخار کے لیے باندھا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے توڑ ڈالا اور یہ آیت پڑھی:

﴿ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ [يوسف: ١٠٦]

[اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں] (رواہ ابن أبي حاتم)[4]

5. صحیح بخاری میں سیدنا ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ کسی اونٹ کے گلے میں تانت اور دھاگے کا کوئی قلادہ دیکھیں تو اسے کاٹ ڈالیں۔[5]

---

[1] مسند أحمد (٤/٤٤٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٥٣١) اس کی سند میں امام حسن بصری اور صحابیِ رسول عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

[2] مسند أحمد (٤/١٥٤) المستدرك للحاكم (٤/٢١٦)

[3] مسند أحمد (٤/١٥٦)

[4] تفسير ابن أبي حاتم (٧/٢٢٠٨) تفسير ابن كثير (٢/٥١٢)

[5] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٠٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١١٥)

6 سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ منتر کرنا، تمیمہ لٹکانا اور ''تولہ'' شرک ہے۔ (أخرجه أحمد و أبوداود)[1]

''تولہ'' وہ تعویذ ہے جو میاں بیوی کے درمیان محبت پیدا کرنے کے لیے بنایا جائے۔

7 سیدنا عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے کوئی چیز لٹکائی، اسے اسی کی طرف سونپ دیا گیا۔ (رواه أحمد و الترمذي)[2]

8 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا رویفع رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''شاید تیری عمر دراز ہو، تو تو لوگوں سے کہہ دینا کہ جس شخص نے ڈاڑھی کو گرہ لگائی یا گلے میں تانت اور دھاگے کا پٹا ڈالا یا گوبر اور ہڈی سے استنجا کیا تو یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (رواه أحمد)[3]

جب تعویذ گنڈے شرک ہیں تو غیر اللہ کو پکارنا شرک کیوں نہیں؟

اب ذرا دیکھو اور غور کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعویذ گنڈے کو محض اس لیے شرک قرار دیا ہے کہ اس میں اس اعتقاد کا خیال ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو شفاے مریض اور محبت و بغض پیدا کرنے کی قدرت اور طاقت حاصل ہے، تو پھر وہ شخص کتنا بڑا مشرک ہوگا جو غیر اللہ کو پکارتا اور اس سے وہ مراد مانگتا ہے جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگنا چاہیے اور اس غیر کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ مستقل تاثیر رکھتا ہے یا وہ ایسی تاثیر میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے۔ ایسے اعتقاد کا مالک تو یقیناً مشرک ہے۔

سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف روانہ ہوئے، ہم کفر کو چھوڑ کر نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ وہاں پر مشرکین کا ایک بیری کا درخت تھا جس پر وہ اعتکاف کرتے تھے اور اس پر [با برکت بنانے کے لیے] اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ وہ اس درخت کو ''ذات انواط'' کہتے تھے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیجیے جس طرح ان کا ذات انواط ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! واللہ! تم نے تو وہی بات کہی جو بنو اسرائیل نے کہی تھی:

---

[1] مسند أحمد (۱/۳۸۱) سنن أبي داود، رقم الحديث (۳۸۸۳)

[2] مسند أحمد (٤/۳۱۰) سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۰۷۲)

[3] مسند أحمد (٤/۱۰۸)

«اِجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، قَالَ: إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ»

[ہمیں بھی اس طرح کا کوئی الہ ومعبود بنا دیجیے جس طرح ان کے الہ ومعبود ہیں۔ فرمایا: تم تو نرے جاہل لوگ ہو]

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی پہلے لوگوں کے راستے پر چل پڑو گے۔''[1]

اب ذرا غور کیجیے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فقط اتنی بات چاہی تھی کہ ہتھیار لٹکانے کے واسطے ہمارے لیے ایک درخت مقرر ہو جائے، جس طرح اہلِ جاہلیت کا ایک درخت تھا۔ ان کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ ہم اس درخت کو پوجیں یا گور پرست جو چیز اہلِ قبور سے مانگتے ہیں وہ ہم اس درخت سے مانگیں، لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتایا کہ یہ کام شرکِ صریح کے برابر اور غیر اللہ کو معبود ٹھہرانے کے مترادف ہے۔

غیر اللہ کے لیے ذبیحہ اور نذرانہ شرک ہے:

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے، جو غیر اللہ کے لیے کوئی جانور ذبح کرے، اور اس پر جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرے، اور اس پر جو کسی بدعتی کو جگہ دے، اور اس پر جو زمین کے نشان کو بدل ڈالے۔'' (رواہ مسلم)[2]

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جنت میں اور ایک شخص جہنم میں چلا گیا۔ پوچھا: وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا، جن کا ایک بت تھا۔ جب تک کوئی شخص اس بت پر کسی چیز کا چڑھاوا نہ چڑھاتا تو وہاں سے گزر نہ پاتا۔ انھوں نے دو گزرنے والوں میں سے ایک شخص سے کہا: اس بت کے نام کا نذرانہ پیش کرو، خواہ ایک مکھی ہی ہو۔ ایک شخص نے ایک مکھی چڑھائی تو انھوں نے اسے جانے دیا، پس وہ اس عمل کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گیا۔ پھر انھوں نے دوسرے سے کہا کہ نذرانہ پیش کرو۔ اس نے کہا: میں کسی صورت بھی غیر اللہ کے لیے کوئی نذرانہ نہیں دوں گا۔ تو

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٨٠)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٧٨)

انھوں نے اس کی گردن مار دی اور وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (رواہ أحمد)①

اب ذرا دیکھو اور غور کرو! رسول اللہ ﷺ نے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے اور غیر اللہ کا قرب چاہنے والے کے لیے آگ میں جانے کی خبر دی ہے، حالانکہ اس عمل میں صرف اس تعظیم کا تصور ہے جو تعظیم اللہ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں ہے، تو پھر جو شخص خالص شرک کرے اس کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟

اہلِ علم نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جانوروں کا خون بہانا عبادت ہے، کیونکہ جانوروں کا خون بہانا ہدی یا اضحیہ یا نسک کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح کسبِ حلال جانتے ہوئے جانور ذبح کر کے ایسے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کرنا جو اسے غیر اللہ کی نذر کریں، ایسی عبادت ہے جو اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہوتی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الأعراف: ٥٩] [اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں]، ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ [الفاتحة: ٤] [ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں]، ﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ [بني إسرائيل: ٢٣] [اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو] ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة: ٥] [اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے ہوں]

غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے:

رسول اللہ ﷺ نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا اور فرمایا: ''جسے قسم اٹھانا ہو وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے۔''②

مزید فرمایا: ''جس شخص نے اسلام کے سوا کسی ملت کی قسم اٹھائی (تو سمجھ لو کہ) وہ صحیح سلامت اسلام کی طرف نہیں لوٹے گا۔''③

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو لات وعزیٰ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''لا الٰہ الا اللہ پڑھو!''④

① كتاب الزهد (٨٤) حلية الأولياء (٢٠٣/١)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٦٤٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٤٦)

③ سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٢٥٨)

④ صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٤٧)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی تو اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ (رواه الترمذي)[1]

یہ جملہ احادیث دواوینِ اسلام [کتبِ احادیث] میں موجود ہیں۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اس لیے کہ کسی چیز کی قسم اٹھانے میں اس کی تعظیم کا تصور پایا جاتا ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے تو غیر اللہ کو اللہ کے برابر ٹھہرانا کیا ہے؟

جب محض غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے تو پھر اس خالص شرک کا کیا حال ہوگا جس میں جلبِ منفعت اور دفعِ ضرر کے لیے خالق و مخلوق کے درمیان برابری کی جاتی ہے، بلکہ کبھی تو خالق سے بڑھ کر مخلوق کی تعظیم کی جاتی ہے، جیسے اکثر نابکار اور نکمے قسم کے لوگ کیا کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جو جلبِ نفع اور دفعِ ضرر اہلِ قبور سے ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں ہوتا۔ تعالیٰ الله عن ذلك علوا كبيرا.

اگر کسی شخص کو ہماری اس بات میں کلام ہو تو اسے پیر پرستوں اور گور پرستوں کے احوال پر غور کرنا چاہیے کہ ان کی حالت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کی ہے:

﴿ وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ [الزمر: ٤٥]

[اور جب اس اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب ان کا ذکر ہوتا ہے جو اس کے سوا ہیں تو اچانک وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں]

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت:

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد ٹھہرایا۔''[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے اس عمل سے منع کر رہے تھے۔

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٣٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٣١)

سیدنا جندب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

''تم سے پہلے لوگ اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے، لہٰذا تم ایسا نہ کرنا، میں تمھیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔'' (رواہ مسلم)[1]

سیدنا عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمانِ نبوی ہے:

''لوگوں میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں۔''

(رواہ أحمد بسند جید و أبو حاتم)[2]

اس موضوع پر بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ اس شخص پر لعنت ہے جو کسی قبر کو سجدہ گاہ ٹھہرائے، حالانکہ وہ اللہ کو پوجتا اور اس کی عبادت بجا لاتا ہے، لیکن قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے اس لیے منع کیا گیا ہے تاکہ شرک کے ذریعے کو ختم کیا جائے اور وسیلہ تعظیم کو قطع کیا جائے۔ اس پر یہی دلیل وارد ہوتی ہے کہ قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بت پرستی کرنے کے برابر ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»[3]

[اے پروردگار! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کو پوجیں۔ بہت بڑا غضب اللہ کا ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنا لیا]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعظیمِ قبور کے ذریعے سے شرک کا دروازہ کھلنے کے باب میں اس قدر مبالغہ فرمایا کہ قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائراتِ قبور پر لعنت فرمائی، نیز ان لوگوں پر جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور چراغ جلاتے ہیں۔ (رواہ أھل السنن)[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کے حوالے سے عورتوں پر لعنت فرمانے میں شاید اس وجہ

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٥٣٢)

[2] مسند أحمد (١/٤٠٥) صحیح ابن حبان (٦/٩٤)

[3] موطأ الإمام مالك، رقم الحدیث (٨٥) مسند أحمد (٢/٢٤٦)

[4] سنن أبي داود، رقم الحدیث (٣٢٣٦) سنن الترمذي، رقم الحدیث (٣٢٠) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (١٥٧٥) نیز دیکھیں: إرواء الغلیل (٣/٢١٣) السلسلة الضعیفة، رقم الحدیث (٢٢٥)

سے تخصیص کی ہے کیوں کہ عورتوں کی طبیعتوں میں نقص اور کمزوری ہوتی ہے، بنا بریں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ زیارت انھیں میت کی عقیدت اور تعظیم تک پہنچا دے، کیونکہ یہ عورتیں معمولی شبہہ سے بہک جایا کرتی ہیں۔

قبروں کی تعظیم سے ممانعت کی حکمت:

بہر حال اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ قبروں کو مسجد ٹھہرانے، ان پر چراغ جلانے، انھیں اونچا اور پختہ بنانے اور ان کی تزیین اور آرایش سے منع فرمانے کی علت یہ ہے کہ ان حرکات سے فاسد اعتقادات پیدا ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ مومن مشرک بن جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرزمین حبشہ کے ایک گرجا گھر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں تصویریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بناتے اور تصویریں بناتے، ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔[1]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معبد کی تزیین اور آرایش کرنا نصاریٰ کی عادت ہے، لہٰذا دینِ اسلام میں مساجد کی تشیید و زخرفت سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ مشبہہ، مشبہہ بہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ نے آیت: ﴿أَفَرَءَيْتُمُ اللَّتَ وَالْعُزَّى﴾ [النجم: ١٩] [پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟] کی تفسیر میں فرمایا: یہ "لات" اور "عزیٰ" حاجیوں کے لیے ستو گھولتے تھے، جب یہ مر گئے تو ان کی قبروں کی پوجا ہونے لگی۔[2] ہر عقل مند اس بات سے آگاہ ہے کہ قبروں کی تزیین اور آرایش، ان پر پردے لٹکانے، ان پر چراغ روشن کرنے اور ان کی سجاوٹ میں خوب تکلف کرنے سے اکثر عوام کی طبیعتوں پر گہرا اثر ہوتا ہے اور اس سے غلط تعلیمات اور باطل اعتقادات جنم لیتے ہیں۔

ایسے ہی جب لوگوں کے دلوں میں زندہ لوگوں میں سے کسی کی عظمت پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے باطل عقیدہ پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے کئی اشخاص کے حق میں الوہیت اور معبودیت کا اعتقاد رکھ لیا۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٢٧) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٥٢٨)

[2] تفسیر ابن جریر (٥٨/٢٨)

حکایت:

ہم نے بعض تاریخ کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ کسی بادشاہ کا ایک قاصد عباسی خلیفہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے اپنے رعب ودبدبے سے اسے دہشت زدہ کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ خلیفہ کے اعوان وخدام قاصد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے، یہاں تک کہ جب وہ اس مجلس اور برج میں پہنچا جو خاص خلیفہ کی نشست کے لیے تیار کیا گیا تھا اور وہ جگہ نہایت آراستہ تھی، وہاں پر خلیفہ کی اولاد اور اعیانِ مملکت بیٹھے ہوئے تھے، جب خلیفہ نے اس برج سے اس قاصد کی طرف جھانک کر دیکھا تو اس ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر اس بیچارے کا دل گھبرا گیا۔ جب خلیفہ پر اس کی نظر پڑی تو وہ ہاتھ تھامنے والے امیر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: کیا یہ اللہ ہے؟ امیر نے جواب دیا: نہیں! بلکہ یہ خلیفۃ اللہ ہے۔

غور کریں کہ اس تزیین اور آرایش نے اس بیچارے مسکین کی کیا حالت بنائی؟

ایسے ہی ایک شخص امام احمد بن حسین کے قبے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک عالی شان عمارت ہے، اس پر پردے لٹکے ہوئے ہیں، اس کے اردگرد چراغ روشن ہیں اور ہر طرف خوشبوئیں سلگ رہی ہیں، دروازے پر پہنچ کر وہ کہنے لگا: "أمسيت بالخير يا أرحم الراحمين!"

[اے ارحم الرحمین! تو خیریت کے ساتھ شام کرے!]

تعظیمِ صلحا شرک کی بنیاد ہے:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ:

﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾

[نوح: ٢٣]

[تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ کبھی وڈ کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو]

کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس آیت میں ذکر کردہ بتوں کے نام نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں، جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے قومِ نوح علیہ السلام کو یہ پٹی پڑھائی کہ جس جگہ یہ لوگ بیٹھتے تھے تم وہاں پر کچھ پتھر کھڑے کرو اور انھیں بزرگوں جیسا ان کا نام رکھو، چنانچہ قوم نے ایسا ہی کیا، لیکن ان کی پوجا وپرستش نہ کی۔ جب وہ قوم گزر گئی اور بعد والوں کو یہ بات بھول گئی اور انھیں

اصل بات کا علم نہ رہا تو پھر ان کی پوجا ہونے لگی۔[1]

بہت سے سلف کا کہنا ہے کہ قومِ نوح علیہ السلام کے ان لوگوں کے مرنے کے بعد قومِ نوح ان کی قبروں کی مجاور بن گئی اور اصل بت پرستی یہیں سے شروع ہوئی۔

علم نجوم کے ذریعے سے نحوست پکڑنا شرک ہے:

قبیصہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ عِیافت، طرق اور طیرہ [نحوست پکڑنا] جادو اور کہانت میں سے ہیں۔ (رواہ أحمد بإسناد جید)[2]

یعنی پرندے کو اڑا کر شگون لینا، کنکری ڈالنا اور فال لینا شرک ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس نے علمِ نجوم کے کسی شعبے کا انتخاب کیا، گویا اس نے جادو سیکھا۔ (رواہ ابو داوٗد بسند صحیح)[3]

اس حدیث سے علمِ نجوم کا حرام اور شرک ہونا ثابت ہوا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس شخص نے کوئی گرہ لگائی، پھر اس میں پھونکا تو اس نے جادو کیا، اور جس نے جادو کیا وہ مشرک ہوا، اور جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد کر دیا گیا۔ (أخرجه النسائي)[4]

علم نجوم اور بدفالی لینے کو اس لیے جبت اور شرک قرار دیا گیا ہے کہ ان میں تعظیم کا تصور پایا جاتا ہے اور ان سے فاسد اعتقاد جنم لیتا ہے۔

کاہن کو سچا جاننا کفر ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی کاہن یا عراف کے پاس آیا تو اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہوئی چیز (شریعت) کے ساتھ کفر کیا۔

(أخرجه أهل السنن و الحاكم، و قال: صحيح على شرطهما)[5]

---

[1] صحيح البخاري (٦٦٧/١)

[2] مسند أحمد (٤٧٧/٣) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٠٧) اس حدیث کی سند میں "حیان أبو العلاء" راوی مجہول ہے۔

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٠٥)

[4] سنن النسائي، رقم الحديث (٤٠٧٩) اس کی سند میں "عباد بن میسرۃ" ضعیف ہے۔

[5] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٠٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٥) سنن ابن ماجه (٦٣٩)

مسند ابو یعلی میں جید سند کے ساتھ مرفوعاً یوں مروی ہے کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا اور پھر اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر اتری ہوئی چیز کا انکار کیا۔[1] امام طبرانی نے بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ ایسی ہی روایت ذکر کی ہے۔[2]

اب ذرا دیکھیے کہ جس چیز اور علت نے مذکورہ شخص کے حق میں کفر کو واجب کیا ہے، وہ کاہن اور عراف سے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں شرکت کا اعتقاد ہے، حالانکہ کاہن وعراف کے پاس آنا اکثر اس اعتقاد کے بغیر بھی واقع ہوتا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص چراہ گاہ کے ارد گرد پھرتا ہے، وہ اس میں جا گرتا ہے۔

ستاروں کی تاثیر پر ایمان ایک کفریہ عقیدہ ہے:

سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے کہ لوگ یہ کہیں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا کہنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں کے ساتھ ایمان لانے والا ہے۔'' (رواہ الشیخان بطولہ)[3]

حدیث میں مذکورہ اعتقاد پر کفر کا حکم لگانے کی علت یہ ہے کہ اس اعتقاد میں مشارکت کا گمان اور وہم پایا جاتا ہے، پھر اس شخص کے کفر کا کیا پوچھنا جو کسی تکلیف کے پہنچنے پر یہ فریاد اور دعا کرتا ہے: ''یا اللہ و یا فلان'' کیوں کہ یہ تو دو معبودوں کا عابد اور دو خداؤں کو پکارنے والا ہے۔

پھر جس نے یہ کہا: «مُطِرْنَا بِنَوءِ كَذَا»[4] [ہم فلاں ستارے کے ساتھ بارش دیے گئے ہیں] وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس ستارے نے پانی دیا ہے، بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ اس ستارے کے ذریعے سے پانی ملا ہے۔ ان دونوں باتوں میں فرق صاف ظاہر ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی قدسی حدیث میں فرمانِ خداوندی ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ» (أخرجه مسلم)[5]

---

[1] مسند أبي یعلیٰ (۹/ ۲۸۰) یہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

[2] المعجم الکبیر للطبراني (۱۰/ ۷۶) میں یہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے موقوفاً مروی ہے۔ واللہ أعلم.

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۸٤٦) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۱)

[4] مصدر سابق

[5] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۸۵)

[میں شرک والوں کے شرک سے بے پروا ہوں، جو آدمی میرے لیے کوئی ایسا کام کرے جس میں میرے علاوہ کوئی میرا شریک بنائے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں]

ریا کاری شرک اصغر ہے:

سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کیا میں تمھیں اس چیز کی خبر نہ دوں، جس کا مجھے تم پر مسیح دجال کے فتنے سے بھی زیادہ ڈر ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے۔ بندہ نماز میں کھڑا ہو کر اس لیے اپنے آپ کو سنوارتا ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ (رواہ أحمد)[1]

اس سے مراد عمل میں ریا کاری ہے اور ریا کاری شرکِ خفی ہے، اس کا فتنہ دجال کے فتنے سے زیادہ خوف ناک ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ [الكهف: ١١٠]

[پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے]

اس آیت میں شرک سے مراد ریا کاری ہے۔ جب اطاعتِ الٰہی کے کسی عمل میں محض ریا کاری شرک ٹھہرتا ہے، اس لیے کہ اسے کسی دوسرے کا اس عمل کو دیکھنا محبوب ہے اور وہ اس کی ثنا اور تحسین چاہتا ہے تو پھر جو کام خالص شرک ہے، اس کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

مشیتِ الٰہی میں شرک کی ایک صورت:

ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر [بطور اعتراض] کہا: تم یوں کہتے ہو: "ماشاء الله و شئت" [جو اللہ اور تم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہو] نیز تم کہتے ہو: "والكعبة" [کعبہ کی قسم!]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ یوں کہا کریں: «وَرَبِّ الْكَعْبَةِ» [کعبہ کے رب کی قسم!] اسی طرح یہ الفاظ استعمال کیا کریں: «مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ مَا شِئْتَ» [جو اللہ چاہے، پھر جو آپ چاہیں] (أخرجه النسائي)[2]

---

[1] مسند أحمد (٣/ ٣٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٢٠٤)

[2] سنن النسائي، رقم الحديث (٣٧٧٣) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أخرجه النسائي، وسنده صحيح" (الإصابة: ٨/ ٧٨٤)

نسائی کی ایک دوسری روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا: "مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ" [جو اللہ چاہے اور جو آپ (محمد ﷺ) چاہیں] آپ ﷺ نے فرمایا: «أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا، قُلْ: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ» [کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا ہمسر ٹھہرا دیا ہے؟ یوں کہہ! جو اکیلا اللہ چاہے][1]

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں چند یہودیوں کے پاس آیا ہوں اور میں نے ان سے کہا: تم لوگوں کے کیا کہنے اگر تم یہ نہ کہتے: "عزير ابن الله" [عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں] انھوں نے جواب میں کہا: تمھارے بھی کیا کہنے اگر تم یہ نہ کہتے: "ماشاء الله و شاء محمد" [جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو محمد (ﷺ) چاہیں] پھر چند نصرانیوں پر میرا گزر ہوا تو میں نے کہا: تم اچھے ہو اگر تم "مسیح ابن الله" [مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں] نہ کہتے، انھوں نے جواباً کہا: تم بھی اچھے تھے اگر تم "ماشاء الله و شاء محمد" [جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو محمد (ﷺ) چاہیں] نہ کہتے۔ جب میں صبح بیدار ہوا تو میں نے لوگوں کے سامنے اس خواب کا ذکر کیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کو بیان کیا، آپ ﷺ نے دریافت کیا: تم نے کسی اور سے بھی یہ بات ذکر کی ہے؟ میں نے عرض کی: ہاں! آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم سے اس کا ذکر کیا، تم نے ایک ایسا کلمہ کہا جو مجھے اس بات سے روک رہا تھا کہ میں تمھیں اس سے منع کروں، تم یہ نہ کہو: «مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ» بلکہ یوں کہا کرو: "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ" (رواہ ابن ماجہ)[2] اس موضوع پر اور بھی احادیث مروی ہیں۔

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ اور رسول کو یا اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کو مشیت میں شریک کرنا ایک قسم کا شرک ہے اور اس شرک کو یہود و نصاریٰ کے اس شرک کی طرح ٹھہرایا گیا ہے جس میں وہ [عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو] اللہ کا بیٹا ثابت کرتے ہیں۔

شرک کا شائبہ بھی نا قابل برداشت ہے:

ایک خطیب نے خطبہ پڑھتے ہوئے کہا: "من يطع الله و رسوله فقد رشد و من يعصهما فقد غوى" [جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پا

[1] عمل اليوم والليلة (٩٨٨)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢١١٨)

جائے گا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا] یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بِئْسَ الْخَطِيبُ أَنْتَ» [تو برا خطیب ہے] تو نے مجھے اور اللہ تعالیٰ کو لفظ "یعصھما" میں شریک کر دیا ہے۔ (یہ روایت صحیح میں آئی ہے)[1]

حالانکہ اس خطیب نے یہ الفاظ محض عربی محاورے کے طور پر بولے تھے، شرکیہ اعتقاد کی بنا پر نہیں، مگر آپ ﷺ نے شرک کے خدشے کی بنا پر اس عبارت کی ترکیب کو بہتر نہ سمجھا، الغرض آپ ﷺ کو احتمالی شرک کی نفی اور انواعِ شرک کے ذرائع کو بند کرنے کا اہتمام ملحوظِ خاطرِ عاطر رہتا تھا۔

شرک خفی کی چند صورتیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ [البقرۃ: ۲۲] [پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ] کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: "أنداد" یعنی شرک جو رات کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر چلنے والی چیونٹی کی چال سے بھی مخفی تر ہے، مثلاً کوئی شخص کہے: "واللہ، و حیاتك یا فلان، و حیاتي" [قسم ہے اللہ کی، قسم ہے تیری جان یا میری جان کی] یا یوں کہے: ''اگر اس شخص کی کتیا نہ ہوتی تو چور آ جاتا، یا اگر گھر میں یہ بطخ نہ ہوتی تو چور آ جاتا، یا یوں کہے: جو اللہ چاہے اور تو چاہے۔'' یا یوں کہے: ''اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتا تو یوں ہوتا۔'' یہ سب اقوال شرک کے زمرے میں آتے ہیں۔[2] انتھیٰ

غرض کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کا ذکر ملایا وہ مشرک ہو گیا، کیونکہ اس نے غیر اللہ کو اللہ کا ہمسر ٹھہرایا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمانِ رسول ﷺ ہے:

«لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، أَرْضِ رَبَّكَ، وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي وَ أَمَتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلَامِي» (أخرجه البخاري)[3]

[تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو کھانا کھلا، اپنے رب کو راضی کر، نیز تم میں سے کوئی شخص میرا بندہ یا میری لونڈی نہ کہے، بلکہ وہ میرا لڑکا اور میری لڑکی اور میرا غلام کہے]

اس طرزِ تخاطب سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ غلام کا آقا کے ساتھ یہ انداز اللہ سے مخاطب

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸۷۰)

[2] تفسیر ابن أبي حاتم (۱/۶۲)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۵۵۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۴۹)

ہونے کے مشابہ ہے، اگر چہ اس میں یہ مقصود نہ ہو۔ اس کے علاوہ ان تمام الفاظ کا یہی حکم ہے، جن الفاظ میں اس قسم کی گفتگو ہو، جیسے کسی کو خداوند یا غریب پرور یا ولیِ نعمت یا مالک کہنا اور اپنی نسبت بندگی، عبودیت اور پرستدگی کا لفظ بولنا، کیوں کہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

تصویر سازی کی ممانعت اور مصور کے لیے وعید:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح پیدا کرنے چلا ہے، وہ ایک ذرہ یا گندم یا جو کا ایک دانہ پیدا کر کے تو دکھائے!'' (رواہ الشیخان)[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تصویر بنانا ایک طرح کا شرک ہے۔ ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ مرفوعاً مروی ہیں: ''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی مخلوق کی طرح بناتے ہیں۔'' (رواہ الشیخان)[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ہر مصور آگ میں ہوگا، اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے عوض ایک نفس بنایا جائے گا جس کے ساتھ اسے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔'' (رواہ الشیخان)[3]

ایک دوسری روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں: ''جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی، اسے [قیامت کے دن] اس میں روح پھونکنے کی تکلیف دی جائے گی اور وہ پھونک نہ سکے گا۔'' (رواہ الشیخان)[4]

ابو الہیاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا: ''کیا میں تجھے اس کام پر روانہ نہ کروں جس کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روانہ کیا تھا؟ (اور فرمایا) ہر تصویر کو مٹا دے اور ہر (ایک بالشت سے) اونچی قبر کو (زمین کے) برابر کر دے۔'' (رواہ مسلم)[5]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٥٥٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١١١)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٥٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٠٧)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٢٢٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١١٠)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٦٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١١٠)

[5] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦٩)

مصورین کے لیے وعید شدید کا سبب:

مذکورہ احادیث میں مصورین کے حق میں جو سخت وعید وارد ہوئی ہے، اس پر ذرا غور کرنا چاہیے۔ یہ وعید اس لیے ہے کہ انھوں نے وہ کام کیا جو خالق کے فعل سے مشابہت رکھتا ہے، اگرچہ یہ مشابہت ان کا مقصود نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض مشابہت بھی کفر و شرک کے حکم میں ہوتی ہے، یہ صرف اعتقاد و عقیدے پر موقوف نہیں ہے۔

پھر ان گور پرستوں کا کیا حال ہوگا کہ انھوں نے اللہ کی بعض مخلوق کو اللہ کا شریک، اس کا ہمسر اور اس کی مانند ٹھہرا کر اس سے استغاثہ کرنا شروع کر دیا ہے اور ان سے اپنی وہ حاجات مانگنے کا آغاز کر دیا ہے جو اللہ کے سوا کسی سے استغاثہ کرنا اور مانگنا لائق نہیں تھا، اور پھر طرفہ یہ کہ انھوں نے یہ کام [غلطی اور نسیان کے ساتھ نہیں] قصد و ارادے کے ساتھ کیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بنو عامر کے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے آپ ﷺ کو کہا: ''آپ ﷺ ہمارے سید ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سید اللہ تعالیٰ ہے۔'' ہم نے کہا: ''آپ ﷺ مہربانی اور کرم میں ہم میں افضل و اعظم ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لفظ یا اس طرح کا کوئی اور لفظ کہو! مگر یاد رکھو کہیں تم کو شیطان بہکا نہ دے۔'' میں محمد (ﷺ) ہوں اور اللہ کا بندہ و رسول ہوں، پھر فرمایا:

«مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُوْنِي فَوْقَ مَنْزِلَتِيَ الَّتِيْ أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ»

(رواه النسائي بسند جيد)[1]

[میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے اس مرتبے سے بڑھاؤ جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے]

شرک کے ذرائع منقطع کرنے اور شرک تک پہنچانے والی ہر چیز کو منہدم کرنے سے متعلق شریعت میں جو دلائل وارد ہوئے ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں۔ اگر میں ان سب کا احاطہ کرنا چاہوں تو اس کے لیے ایک بہت بڑی کتاب درکار ہے، لہٰذا یہاں جس قدر بیان کیا ہے، یہی بہت ہے۔ اب قبر پرستوں کے افعال پر کچھ کلام کیا جاتا ہے۔

[1] عمل اليوم والليلة (٢٤٥) نیز دیکھیں: مسند أحمد (٤/ ٢٤) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٠٦)

پہلی فصل

توحید فی العبادۃ کا بیان اور شرک فی العبادۃ کی مختلف شکلیں

بعثتِ انبیا کا مقصد:

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر مبعوث کیے اور جتنی کتابیں نازل فرمائیں، وہ صرف اس لیے نہیں تھیں کہ وہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق و رازق ہے، کیونکہ اس بات کا اقرار تو پیغمبروں کے آنے سے پہلے ہر مشرک بھی کرتا تھا، چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اس عقیدے کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

① ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴾ [الزخرف: ۹]

[اور بلا شبہہ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ضرور کہیں گے کہ انھیں سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے نے پیدا کیا ہے]

② ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [الزخرف: ۸۷]

[اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ انھیں کس نے پیدا کیا تو بلاشبہہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں بہکائے جاتے ہیں؟]

③ ﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ [یونس: ۳۱]

[کہہ دے کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندے کو مردے سے نکالتا اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو ضرور کہیں گے "اللہ" تو کہہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟]

④ ﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴾

[المؤمنون: ۸۴۔۸۹]

[کہہ یہ زمین اور اس میں جو کوئی بھی ہے کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کہہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ضرور کہیں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ کہہ کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کے لیے ہے۔ کہہ پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟]

قرآن مجید میں کفار کو مخاطب کر کے مخلوق کے خالق کی شان کے متعلق جو سوال کیے گئے ہیں، وہ استفہام تقریر کے معنی میں ہیں، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ [الفاطر: ۳]

[کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے، جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟]

② ﴿اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [إبراهيم: ۱۰]

[اللہ کے بارے میں کوئی شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟]

③ ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [الأنعام: ۱۴]

[کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوست بناؤں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟]

④ ﴿فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ [لقمان: ۱۱]

[تو تم مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے، جو اس کے سوا ہیں، کیا پیدا کیا ہے؟]

اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں، وہ اخلاصِ توحید کے لیے اور اللہ تعالیٰ کو عبادت کا اکیلا حق دار ثابت کرنے کے لیے اتاریں، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

۱ ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الأعراف: ٥٩]

[اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں]

۲ ﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ [هود: ٢] [یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو]

۳ ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ [نوح: ٣]

[کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو]

۴ ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ [الأعراف: ٧٠]

[انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اس اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟]

۵ ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [المؤمنون: ٣٢]

[کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں]

۶ ﴿فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ [العنكبوت: ٥٦] [پس تم میری ہی عبادت کرو]

اخلاصِ توحید:

توحیدِ خالص اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نفع کے حصول اور شر سے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے، اسی کو پکارا جائے، اسی سے استغاثہ کیا جائے اور اسی سے امید باندھی جائے۔ یعنی بندہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارے، جیسے اُس کا فرمان ہے:

① ﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ [الرعد: ١٤]

[برحق پکارنا صرف اسی کے لیے ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی دعا کچھ بھی قبول نہیں کرتے]

② ﴿ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [إبراهيم: ١٢]

[اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ بھروسا کرنے والے بھروسا کریں]

③ ﴿ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [المائدة: ٢٣]

[اور اللہ ہی پر پس بھروسا کرو، اگر تم مومن ہو]

دورِ جاہلیت کے شرک کی نوعیت:

یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن مشرکوں کی طرف خاتم الرسل ﷺ کو بھیجا، ان کا شرک یہ تھا کہ وہ اپنے انداد اور شرکا کو نفع دینے والے، نقصان پہنچانے والے، مقرب الی اللہ اور اللہ کے ہاں اپنے لیے سفارشی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ معترف تھے کہ ان انداد کا خالق، وارث، رازق، زندہ کرنے والا اور مارنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ہم جو ان کی عبادت کرتے ہیں تو وہ صرف اس لیے ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ٣]

[ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا]

اللہ نے فرمایا:

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٢]

[پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو]

یعنی تم اس بات سے آگاہ ہو کہ کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔ جہنم میں جانے کے بعد خود مشرکین یہ بات جان کر اپنے شرکا سے کہیں گے:

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الشعرآء: ٩٧، ٩٨]

[اللہ کی قسم! بے شک ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔ جب ہم تمھیں جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے]

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [یوسف: ١٠٦]

[اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں]

مشرکین کا عقیدہ تھا:

﴿هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ [یونس: ۱۸]

[یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں]

وہ اپنے تلبیے میں کہا کرتے تھے:

"لبيك لا شريك لك إلا شريكا هو لك تملكه وما ملك"[1]

[(اے اللہ!) میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے سوائے ایک شریک کے، وہ تیرا ہے۔ تو اس کا اور اس کی مملوکہ اشیا کا مالک ہے]

قبر پرستوں اور بت پرستوں کا شرک ایک ہے:

جب یہ بات بہ خوبی طے ہو چکی تو اب اس میں کوئی شک باقی نہ رہا کہ جو شخص کسی مردے یا زندے کے حق میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ مستقل طور پر یا اللہ کا شریک ہو کر نفع دے سکتا ہے یا نقصان پہنچا سکتا ہے، پھر اس اعتقاد کے ساتھ اسے پکارے، یا اس کی طرف متوجہ ہو، یا کسی ایسے کام میں اس سے استغاثہ کرے، جو مخلوق کی قدرت میں نہیں ہے تو ایسے شخص نے توحید کو اللہ کے لیے خالص کیا اور نہ یہ اکیلے اللہ کا عبادت گزار بنا، اس لیے کہ طلبِ خیر اور دفعِ ضرر کے لیے غیر اللہ سے دعا کرنا عبادت ہی کی ایک قسم ہے۔

اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ یہ شخص اللہ کے سوا یا اللہ کا شریک ٹھہرا کر جسے پکارتا ہے وہ پتھر ہو یا درخت، فرشتہ ہو یا شیطان، جنھیں اہلِ جاہلیت پکارا کرتے تھے، یا وہ کوئی مردہ انسان ہو یا زندہ، جیسے پیر شہید جسے آج کے دور کے (نام نہاد) مسلمان پکارا کرتے ہیں۔

موجودہ اور گذشتہ دور کے شرک کی علت ایک ہی ہے:

ہر عالم اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ ان دونوں شرکوں کی علت ایک ہے۔ غیر اللہ کو پوجنا اور اسے اللہ کے ساتھ شریک کرنا، جس طرح حیوان کے حق میں ہوتا ہے، اسی طرح جماد کے لیے ہوتا ہے۔ کسی زندہ اور مردے کو پوجنے اور شریک ٹھہرانے کا حکم بھی ایک ہی ہے۔

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں شکلوں میں اس طرح فرق ہے کہ گذشتہ دور کے مشرک کا اعتقاد وثن اور بت کے حق میں تھا کہ وہ نافع و ضار ہے اور جو بات اللہ کے بس کی نہیں، وہ اس

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۱۸۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (۱/۱۵۶)

کے اختیار میں ہے، جبکہ موجودہ دور کے مشرک کا اعتقاد زندہ پیر یا مردہ پیر کے حق میں ہے، تو یہ فرق کرنے والا شخص واضح طور پر سخت غلطی میں مبتلا ہے اور اپنے نفس کے حق میں بہت بڑی جہالت کا معترف ہے۔

شرک کی حقیقت:

جو اشیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، ان میں غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے۔ غیر اللہ کے حق میں ایسی قدرت کا اعتقاد رکھنا، جس کی فی الحقیقت اسے قدرت نہیں ہے، یہ بھی شرک ہے، نیز غیر اللہ کی طرف ایسی چیز کے ساتھ قرب حاصل کرنا، جس کے ساتھ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف تقرب نہیں کیا جا سکتا، بھی شرک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے مشرکوں نے غیر اللہ کا نام صنم، وثن اور آلہہ رکھا تھا اور آج کے دور کے مشرکوں نے اس پر یہ زیادتی کی کہ غیر اللہ کا نام ولی، قبر، مشہد، پیر، شہید، امام اور امام زادہ رکھا ہے۔ آج کے دور کے بہت سے جھوٹے اور جعلی مسلمان یہی نام لیتے ہیں۔

اعتبار نام کا نہیں کام کا ہوتا ہے:

گزشتہ وضاحت کے پیش نظر ثابت ہوا کہ محض نام کے فرق سے فرق ثابت نہیں ہوتا، بلکہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے، کیونکہ موجودہ دور کے مشرک کا کسی ولی اور قبر کے متعلق وہی اعتقاد ہے جو اس دور کے مشرک کا اعتقاد صنم اور وثن کے حق میں تھا، لہٰذا شرک محض بعض اسما کا بعض مسمیات پر اطلاق کا نام نہیں ہے، بلکہ شرک تو اس کا نام ہے کہ غیر اللہ کے ساتھ وہ کام کیا جائے جو بالخصوص اللہ کے ساتھ کرنے کا ہے، خواہ اس غیر پر وہ لفظ بولا جائے، جس کا اطلاق زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا یا اس کی جگہ کوئی اور نام استعمال میں لایا جائے، اس لیے کہ نام کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ جو شخص اس بات کو نہیں پہچانتا ہے وہ سخت جاہل اور بے وقوف ہے اور وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس سے یوں مخاطب ہوا جائے جیسے اہلِ علم سے محوِ گفتگو ہوا جاتا ہے۔

دورِ جاہلیت اور دورِ حاضر کے مشرکین میں مماثلت:

ہر عالم اس بات کو جانتا ہے کہ اصنام و اوثان کے حق میں کفار کی عبادت یہ تھی کہ وہ حصولِ نفع اور دفعِ ضرر کے اعتقاد کے ساتھ ان کی تعظیم کرتے تھے اور وقتِ ضرورت ان سے فریاد رسی چاہتے تھے اور بعض حالات میں اپنے مال کا ایک حصہ ان کی نذر و نیاز میں خرچ کرتے تھے، اب یہی سب

کام ان گور پرستوں سے قبر کے حق میں سرزد ہوتے ہیں۔

زمانہ حال کے مشرک ایک ہاتھ آگے:

آج کے دور کے قبر پرست قبروں کی اتنی تعظیم کرتے اور ان کا اتنا ادب بجا لاتے ہیں جو اللہ کے سوا کسی کے لائق نہیں ہے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عاصی اور نافرمان جب کسی ایسے مشہد میں یا اس کے پاس ہوتا ہے جس کا وہ معتقد ہے، تو وہ فوری گرفت اور سزا کے ڈر سے وہاں معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا، مبادا وہ میت اسے کوئی نقصان پہنچا دے اور اگر وہ اللہ کے حرم یا کسی مسجد میں یا مسجد کے قریب ہو تو کبھی اس گناہ کو ترک نہ کرے۔ بلکہ بعض غالی قسم کے مشرک اللہ کی جھوٹی قسم تو کھا لیتے ہیں، مگر اس میت کی جھوٹی قسم نہیں کھاتے جس کے وہ معتقد ہوتے ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں اس میت کی نسبت نفع وضرر کا اعتقاد نہ ہوتا، تو ان میں سے کوئی بھی کسی مردہ یا زندہ کو حصولِ نفع اور دفعِ ضرر کے قصد و ارادے سے یوں نہ پکارتا کہ اے فلاں! میرا یہ کام اور وہ کام کر دے، نیز وہ "علی اللہ و علیك" [اللہ پر اور تجھ پر میرا بھروسا ہے] یا "أنا باللہ وبك" [میں اللہ تعالیٰ اور تمھاری مدد کے سہارے پر ہوں] نہ کہتا۔

جہاں تک ان مشرکین کے مردوں کے ساتھ قرب کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں قبروں پر چڑھنے والے چڑھاوے اور نذرانے دیکھنے چاہییں، جو اکثر محلات وقصبات اور بلاد و دیہات میں جاری ہیں۔ اگر کوئی اس گور پرست اور پیر پرست سے کہے کہ تو اپنا کچھ مال اللہ کے لیے خرچ کر تو وہ ہرگز نہ کرے گا اور اس کا دل اس کام کے لیے حوصلہ نہیں کرے گا۔ یہ بات معلوم ہے اور اسے ہر وہ شخص جانتا ہے جو قبروں کے معتقدین اور زندوں کے مریدین کے احوال کو پہچانتا ہے۔

دورِ حاضر کے قبر پرستوں کا مردوں پر اعتقاد:

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ گور پرست اور پیر پرست اللہ ہی کو نفع ونقصان کا مالک جانتے ہیں اور خیر وشر کا اسی کے ہاتھ میں ہونا اعتقاد کرتے ہیں، مردوں کے ساتھ ان کا استغاثہ فقط اس لیے ہے کہ جو چیز یہ اللہ سے مانگتے ہیں، وہ ان کے ذریعے سے مل جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ جاہلیت بھی اسی حال پر تھے، وہ بھی یہی کہتے تھے کہ فائدہ اور نقصان، اچھائی اور برائی اللہ ہی

کے ہاتھ میں ہے۔ وہ صرف اس لیے اپنے بتوں کی پوجا و پرستش کرتے تھے، تاکہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں اور اس کے قریب کر دیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جاہلیت کی یہ بات کتابِ عزیز میں بیان فرمائی ہے۔

جو شخص کسی میت کی تعظیم کا ایسا اعتقاد رکھتا ہے جو مخلوق میں سے کسی کے حق میں جائز نہیں ہے اور اس اعتقاد کی بنا پر وہ ذبائح اور نذروں کے ذریعے مردوں کا تقرب چاہتا ہے اور وقتِ حاجت ان سے استغاثہ کرتا ہے، اسے یہ گمان ہے کہ اس سے توسل کے سوا کچھ سرزد نہیں ہوا ہے تو وہ محض توسل کے اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے، کیونکہ اگر وہ مذکورہ جائز توسل کے ذریعے توسل پکڑتا تو اس سے یہ کام ہرگز صادر نہ ہوتا، اس لیے کہ وہ جس کے ساتھ یہ توسل کرتا ہے وہ رشوت یا نذر یا ذبیحے یا تعظیم و اعتقاد کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ اصل مدعو اور مجیب تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں وسیلہ بھی اس کا بنایا گیا ہے جس کو اس معاملے میں کوئی قدرت حاصل نہیں ہے۔ اگر توسل کے لائق کوئی چیز ہے تو وہ عمل صالح ہے۔ پھر اس شخص کو رشوت دینے کا کیا فائدہ ہے جو زمین کے طبقات کے نیچے منوں مٹی کے بوجھ میں جا پڑا ہے؟ یہ کام تو وہی شخص کرے گا جو استقلالاً یا اشتراکاً ان کے اثر انداز ہونے کا معتقد ہوگا۔

انسان اپنی زبان سے جو باطل دعویٰ کرتا ہے، اس کی تکذیب کے لیے اس کے اعضا کے افعال کی گواہی سے بڑھ کر کوئی عادل گواہ نہیں ہے، بلکہ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ اس نے محض توسل کیا ہے اور وہ کسی مردے کو اپنی زبان سے یا فلاں کہہ کر پکارتا ہے تو وہ خود اپنی جان پر دروغ گو اور جھوٹا ہے۔ جو شخص مردوں کو پکارنے اور انھیں مختار جان کر ان سے استغاثہ کرنے کا انکار کرتا ہے، تو وہ ہمیں بتا دے کہ یہ جو یمنی علاقوں میں کہتے ہیں: یا ابن العجیل، یا زیلعی، یا ابن علوان، یا فلان اور یا فلان تو اس کے کیا معنی ہیں؟ کون سا شخص اس کا انکار کر سکتا ہے اور اس میں شک کر سکتا ہے؟ جو لوگ یمن کے علاوہ دوسرے علاقوں کے باسی ہیں، ان میں یہ کام اور بھی زیادہ عام ہے۔ وہ کون سا گاؤں ہے جہاں کوئی مردہ نہیں ہے کہ وہاں کے لوگ اس کے معتقد نہ ہوں اور اسے پکارتے نہ ہوں، بلکہ ہر شہر میں ایک جماعت ہے، حتی کہ خود حرم میں "یا ابن عباس" اور "یا محبوب" پکارتے ہیں، پھر کسی اور جگہ کا تو ذکر ہی کیا؟ یوں لگتا ہے جیسے ابلیس اور اس کے لشکر نے ملتِ اسلامیہ کی غالب اکثریت کو بہلا کر اسلام سے ان کے پاؤں متزلزل کر دیے ہیں، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

دعا اور پکار عبادت ہے:

وہ لوگ کہاں ہیں جو ان آیات کے معانی سمجھیں:

① ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ [الأعراف: ١٩٤]

[بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمھارے جیسے بندے ہیں]

② ﴿ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ [الجن: ١٨] [پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو]

③ ﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ﴾ [الرعد: ١٤]

[برحق پکارنا صرف اسی کے لیے ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی دعا کچھ بھی قبول نہیں کرتے]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں یہ خبر دی ہے کہ دعا عبادت ہے، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ﴾ [الغافر: ٦٠]

[مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عن قریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے]

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ » [یقیناً دعا عبادت ہی تو ہے] پھر آپ ﷺ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ (رواه أبوداؤد و الترمذي و قال: حسن صحيح)[1]

ایک روایت میں نبی مکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ »[2] [دعا عبادت کا مغز ہے]

---

[1] سنن أبي داؤد (١٤٧١) سنن الترمذي (٣٢٤٧، ٣٣٧٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٨٢٩)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٧١) اس کی سند میں "ابن لہیعہ" راوی ضعیف ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

دوسری فصل

عمل کے بغیر کلمہ توحید..؟

بتا تو اور کافری کیا ہے؟

مردوں کے لیے جانور ذبح کرنا ان کی عبادت ہے، اسی طرح مال کا ایک حصہ ان کی نذر کرنا اور ان کی تعظیم و تکریم بجا لانا عبادت ہے، جس طرح قربانی کو ذبح کرنا، مال کا صدقہ نکالنا، خضوع، عاجزی اور انکساری کرنا بلا خلاف اللہ عزوجل کی عبادت ہے۔ جس کو یہ گمان ہو کہ ان میں کچھ فرق ہے تو وہ مہربانی فرما کر ہمیں وہ فرق بتا دے!

جو شخص یہ کہے کہ اس دعا، نحر اور نذر سے اہلِ قبور کی عبادت مقصود نہیں ہے تو اس سے پوچھنا چاہیے کہ تم نے یہ کام کس لیے کیا ہے اور اس کا مقتضا کون ہے؟ کسی بلا و آزمایش میں مبتلا ہو کر مردے کو پکارنا آخر کسی سبب کی بنا پر ہے جو تیرے دل میں ہے، جس کا اظہار تیری زبان سے ہوتا ہے۔ جب تجھے ضرورتیں درپیش ہوتی ہیں اور تو مردوں کی یاد کا ہذیان بکتا ہے، درآں حالیکہ تیرا کہنا ہے کہ تو ان کے متعلق کوئی اعتقاد نہیں رکھتا تو اس صورت میں تیری عقل ماری گئی ہے۔ اسی طرح اگر تو اللہ کے لیے نحر کرتا ہے اور اس کی نیاز کرتا ہے تو پھر یہ کام مردے کے لیے کیوں کرتا ہے اور وہ نذر اس کی قبر پر کس لیے لے جاتا ہے اور اس کی قبر پر نحر کیوں کرتا ہے؟

اگر فقیروں کو دینا ہی مقصود ہے تو روے زمین پر سیکڑوں فقیر موجود ہیں۔ تو نے جو عقلمند ہوتے ہوئے یہ کام کیا ہے، کسی مقصد کے بغیر تو نے نہیں کیا، ورنہ تو پاگل دیوانہ ٹھہرے گا اور مرفوع القلم ہوگا۔ ہم جنونی دعوے پر تب ہی تیرے ساتھ موافقت کریں گے کہ جب یہ افعال و اقوال تجھ سے ان قبور کے علاوہ کسی اور جگہ میں بھی دیوانوں کی طرز پر واقع ہوں گے۔ اگر تو ان کاموں کو عاقلانہ طور پر کرتا ہے تو تُو خود اس جنونی دعوے میں اپنے نفس پر جھوٹ بولتا ہے، خصوصاً اس فعل میں، تاکہ بتوں کے پجاریوں پر جو بات لازم آتی ہے، وہ تجھ پر لازم نہ آئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب عزیز میں ان کے متعلق یہ بیان کیا ہے:

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ [الأنعام: ١٣٦]

[اور انھوں نے اللہ کے لیے ان چیزوں میں سے جو اس نے کھیتی اور چوپاؤں میں سے پیدا کی ہیں، ایک حصہ مقرر کیا، پس انھوں نے کہا یہ اللہ کے لیے ہے، ان کے خیال کے مطابق اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے]

نیز فرمایا:

﴿ وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ [النحل: ٥٦]

[اور وہ ان (معبودوں) کے لیے جن کے بارے میں وہ نہیں جانتے، ایک حصہ اس میں سے مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انھیں دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اس کے بارے میں ضرور ہی پوچھے جاؤ گے جو تم جھوٹ باندھتے تھے]

عمل کے بغیر کلمہ توحید معتبر نہیں:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مشرکین تو کلمہ توحید کا اقرار نہیں کرتے تھے، جبکہ یہ گور پرست اور پیر پرست اس کے اقراری ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ انھوں نے اپنی زبان سے کلمہ پڑھا ہے، مگر ان کے افعال واعمال اس کلمے کے خلاف ہیں، کیونکہ جس نے مردوں سے استغاثہ کیا، یا ان سے ایسی چیز مانگی جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے، یا ان کی تعظیم کی، یا اپنے مال کا کچھ حصہ ان کی نذر کیا، یا ان کے لیے کوئی جانور ذبح کیا تو گویا اس نے ان مردوں کو مشرکین کے معبودوں کے مقام ومرتبے پر ٹھہرایا۔ جو کام وہ اپنے معبودوں کے ساتھ کرتے تھے، وہی کام اس نے مردوں کے ساتھ کیا، تو اس صورت میں یہ شخص "لا إله إلا الله" کے معنی ومفہوم کا معتقد رہا نہ اس نے کلمے پر عمل کیا، بلکہ اعتقاداً اور عملاً وہ کلمے کے مخالف ہو گیا۔

معلوم ہوا مذکورہ شخص "لا إله إلا الله" کہنے میں جھوٹا ہے۔ اس نے تو اللہ کے سوا ایک اور معبود مقرر کر لیا ہے اور وہ اس بات کا معتقد ہے کہ وہ معبود اس کے لیے نافع اور ضار ہے، اسی لیے وہ سختی کے وقت اس کو پکارتا ہے، حاجت کے وقت اسی سے فریاد رسی چاہتا ہے، اسی کے سامنے گڑگڑاتا ہے، اس کی تعظیم کرتا

ہے، اس کے لیے جانور ذبح کرتا ہے اور عمدہ اور قیمتی مال خرچ کر کے اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا عمل کے بغیر خالی کلمہ پڑھنا اسلام کو ثابت نہیں کرتا ہے۔ اگر بالفرض زمانہ جاہلیت کا کوئی شخص یہ کلمہ پڑھے، پھر اپنے بت پر مجاور بن کر اس کی پوجا کرے تو وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو گا۔

کلمہ گو مشرک کے حق میں ایک غلط استدلال اور اس کی حقیقت:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سیدنا عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے مروی لمبی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے قتل سے منع کیا ہے۔ (رواہ أحمد و الشافعي)[1]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو منافق کے قتل سے روک دیا تھا[2] اور اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا جو تو نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر ڈالا؟ (رواہ الشیخان)[3]

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا اور اس کے افعال و اعمال سے کوئی بات خلافِ توحید ظاہر نہیں ہوئی تو وہ مسلمان ہے اور اس کا خون اور مال محفوظ رہے گا، جب تک وہ ان ارکانِ اسلام کو بجا لایا کرے گا جو اس حدیث میں مذکور ہیں:

« أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، وَيَحُجُّوا الْبَيْتَ، وَيَصُوْمُوْا رَمَضَانَ »[4]

[مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے تاوقتیکہ وہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی گواہی دینے لگیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکات ادا کرنے لگیں اور بیت اللہ کا حج کرنے لگیں اور رمضان کے روزے رکھنے لگیں]

اسی طرح جس شخص نے اسلام کی شہادت کے طور پر یہ کلمہ کہا اور اس پر اتنا وقت نہ گزرا کہ اس وقت میں اس پر ارکانِ اسلام میں سے کوئی چیز واجب ہوتی تو ایسی صورت میں اس کو مسلمان سمجھنا اور اس کے زبانی اقرار کا اعتبار کرنا ہی واجب ہے، جس طرح کہ ایک شخص نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو یہ کلمہ کہہ کر

[1] مسند أحمد (٤٣٢/٥) مسند الشافعي (٦٣/١، ٦٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٥١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٧)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٩٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٠٢١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦)

اپنے اسلام کی خبر دی تھی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل پر ڈانٹا تھا۔

رہا وہ شخص جس نے یہ کلمہ توحید پڑھا اور پھر اس توحید کے خلاف افعال و اعمال بجا لایا، جیسے آج کے گور پرستوں کا اعتقاد ہے، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی حالت سے اس کی حکایتِ زبان اور اقرارِ توحید کے خلاف عمل ظاہر ہوا۔

صرف کلمہ نہیں، اعمال بھی ضروری ہیں:

اگر محض کلمہ توحید پڑھنے سے اسلام میں دخول اور کفر سے خروج کا اعتبار ہوتا، کلمہ پڑھنے والا خواہ توحید کے موافق کام کرے یا اس کے خلاف، تو یہودیوں اور نصرانیوں کو بھی اس کلمہ توحید کا پڑھنا، ان کے اس قول کے باوجود کہ عزیر و مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، فائدہ دیتا، اسی طرح یہ کلمہ منافقین کے بھی کام آتا، حالانکہ وہ دین کو جھٹلانے والے ہیں اور زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے حالانکہ یہ تینوں گروہ کلمہ توحید پڑھنے والے ہیں، بلکہ اس کلمہ توحید کا پڑھنا خوارج کے لیے بھی کارآمد نہ ہوا، حالانکہ وہ تمام لوگوں میں اکمل التوحید ہیں اور سب سے زیادہ نیک اعمال کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ « کلاب النار »[1] [دوزخ کے کتے] ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ وہ مشرک ہیں نہ "لا الہ الا اللہ" کے مفہوم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، بلکہ بہت مخلص موحد ہیں۔

مانعینِ زکات کی بھی یہی صورت حال ہے کہ وہ موحد اور غیر مشرک ہیں، لیکن انھوں نے ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن کو ترک کر دیا، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے قتال پر اجماع کیا، بلکہ صحیح اور متواتر دلیل اس پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا: « أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ... الخ »[2] لہٰذا اسلام کے ارکان، ارکانِ خمسہ کے تارک کا خون محفوظ ہے نہ اس کا مال، اس سے بڑھ کر وہ شخص ہے جو معنی توحید کا تارک ہے اور اس کے افعال کلمہ طیبہ کے معنی کے مخالف ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ گور پرست اور پیر پرست زندوں اور مردوں کے حق میں اپنے اعتقاد کو شرک نہیں جانتے ہیں، اگر ان میں سے کسی کو تلوار کی نوک پر بھی رکھا جائے، تب بھی وہ اس بات کا ہرگز اقرار نہیں کرے گا کہ وہ مشرک ہے یا شرک کا کام کرتا ہے، بلکہ اگر اسے تھوڑا سا بھی علم ہو جائے

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٠٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٧٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٩٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠)

کہ یہ کام شرک ہے تو وہ کبھی اس کام کا ارتکاب نہ کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بات یہی ہے جو اس جگہ کہی گئی، لیکن یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ ارتداد کے اسباب میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ ثبوتِ شرک کے لیے علم درکار نہیں ہے، جو شخص کفریہ کام یا کلام کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا، خواہ اسے کفریہ کلام کے معنی معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

دعوتِ توحید کے سلسلے میں علما کی ذمے داریاں:

بہر حال جسے گور پرست اور پیر پرست لوگوں کے ان اقوال و افعال اور مردوں کے متعلق ان کے اعتقاد کا علم ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ حجتِ شرعیہ کو ان تک پہنچا دے اور اللہ نے جس چیز کا حکم دیا ہے، وہ ان کے سامنے بیان کر دے، کیونکہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے علما سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو کھول کر بیان کر دیں اور سنا دیں، اسے پوشیدہ نہ رکھیں۔

جو شخص حاجات کے وقت مردوں سے دعا کرتا ہو، نزولِ مصائب کے وقت ان سے استغاثہ کرتا ہو، ان کی نذر و نیاز مانتا ہو، ان کے لیے جانور ذبح کرتا ہو، ان سے اللہ تعالیٰ جیسی تعظیم و محبت سے پیش آتا ہو، یا کسی زندہ پیر کے ساتھ یہ کام یا اس طرح کا کوئی اور کام کرتا ہو تو علما کی ذمے داری ہے کہ وہ اسے یہ بات کہہ دیں کہ تو یہ جو کام کر رہا ہے، یہ وہی شرک ہے جو اہلِ جاہلیت کا شرک تھا، بلکہ یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی شرک کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث کیا ہے، اپنی کتاب قرآن مجید میں اس شرک کی مذمت نازل کی ہے اور اپنے پیغمبر سے عہد لیا ہے کہ وہ اس کے بندوں کو یہ بات پہنچا دیں کہ وہ تب تک مومن نہ ٹھہریں گے جب تک توحید میں مخلص نہ ہوں گے اور اکیلے اللہ کی عبادت نہ کریں گے۔

جب وہ لوگ اس کو خوب اچھی طرح جان لیں، مگر اس کے باوجود اپنی سرکشی اور رحمان کے ساتھ کفر پر جمے رہیں تو پھر علما پر یہ بات واجب ہے کہ ان سے یہ بات کہہ دیں کہ اگر وہ اس ضلالت سے باز نہ رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ جو چیز لائے ہیں، اس کی طرف رجوع نہ کریں گے تو ان کا خون اور مال حلال اور مباح ہو جائے گا۔

اس سے اگر وہ رجوع کر لیں تو درست ہے، ورنہ ان پر تلوار کا عادلانہ فیصلہ نافذ ہوگا، جس طرح کتابِ مبین اور سنتِ سید المرسلین ﷺ ان کے مشرک بھائیوں سے متعلق بیان کرتی ہے۔

زندوں سے دعا اور سفارش کروانا شرک نہیں ہے:

اگر کوئی کہے: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آکر دعا و استغاثہ کریں گے، پھر نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ محشر ان پیغمبروں کے پاس جا کر یہ درخواست کریں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کرو اور حساب شروع کرا کے ہماری موجودہ صورت حال سے آرام پہنچانے کی دعا کرو، چنانچہ ایسا کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں جائز شفاعت طلب کرنے اور دعا کرانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے دعا کرایا کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے، تو ایک صحابی [عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ] نے عرض کی:

"ادع اللّٰه أن يجعلني منهم"

[اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرما دے]

آپ ﷺ نے اس کی درخواست قبول فرما کر اس کے حق میں دعا کر دی۔ یہ دیکھ کر ایک اور صحابی نے یہی عرض پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ »[1] [اس میں عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے]

اسی طرح ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا تھا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! خَادِمُكَ أَنَسٌ، اُدْعُ اللّٰهَ لَهُ"[2]

[یا رسول اللہ ﷺ! اپنے خادم انس (رضی اللہ عنہ) کے حق میں دعا فرما دیجیے]

ایک عورت [مرگی کے مرض کی وجہ سے] بے ہوش ہو جاتی تھی، اس نے آپ ﷺ سے عرض کی: "أُدْعُ اللّٰهَ لِي"[3] [اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرما دیں] اور آخر کار اس نے یہ سوال کیا کہ یہ دعا کریں کہ مرگی کا دورہ پڑتے وقت میں برہنہ نہ ہوا کروں، چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرما دی۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تم اویس قرنی رحمہ اللہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٤١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٦٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣٣٤)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٧٦)

کو ملو تو اس سے دعا کا مطالبہ کرو۔[1]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے مومن بھائی کے حق میں مومن کی دعا کو بہت موثر قرار دیا ہے۔[2]

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عمرے کے لیے روانہ ہوئے تو خود رسول اللہ ﷺ نے ان سے دعا کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ»[3]

[اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعا میں بھلا نہ دینا]

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی نیک آدمی کے پاس آ کر یہ کہے: تم میرے لیے دعا کرو تو یہ بات اس طرح کی نہیں ہے جو گور پرست کیا کرتے ہیں، بلکہ دعا کروانا ایک سنتِ حسنہ اور شریعتِ ثابتہ ہے، لیکن زندہ شخص سے نہ کہ مردے سے، اور یہی حال اس شخص سے طلبِ شفاعت کا ہے جس کا اہلِ شفاعت ہونا شریعتِ مطہرہ سے ثابت ہے، جیسے انبیا علیہم السلام۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے رسولِ مقبول ﷺ سے ارشاد فرمائے گا:

«سَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ»[4]

[آپ (ﷺ) سوال کریں، آپ کو دیا جائے گا اور سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی]

آپ ﷺ کی یہ سفارش اسی جگہ پر ہوگی جس کا نام مقام محمود ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ زندوں سے حاجات طلب کرنا جائز ہے بشرطیکہ انھیں اس پر قدرت حاصل ہو، جیسے دعا کرانا۔ چنانچہ اس قسم کی مدد چاہنا ہر مسلمان سے نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحب ہے۔ اسی طرح ان اہلِ شفاعت سے شفاعت کا مطالبہ کرنا درست ہے، جن کے حق میں شریعت نے

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٤٢)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٣٣)

[3] مسند أحمد (٢٩/١) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٩٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٦٢) مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٣٤٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٤)

شفیع ہونے کی صراحت فرما دی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اللہ کے اذن و اجازت کے بغیر دعا فائدہ نہیں دیتی ہے اور اس کے ارادے و مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا ہے۔ شفاعت کرنے والے کی شفاعت کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ ہوگی، جس طرح کہ قرآن مجید میں اس شرط کا بیان ہوا ہے۔[1] چنانچہ یہ مطلق کی تقیید ہے، کسی حال میں اس سے انحراف و عدول اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

[1] دیکھیں: سورة يونس (٣) سورة مريم (٨٧) سورة طٰهٰ (١٠٩)

تیسری فصل

عقیدت میں غلو کے نقصانات

موجودہ مشرکین کا ایک باطل شبہہ اور اس کا رد:

مردوں کے معتقد اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے ایک باطل شبہہ کا سہارا لے کر دعوی کرتے ہیں کہ وہ مشرک نہیں ہیں اور کہتے ہیں: کہاں ہم اور کہاں زمانہ جاہلیت کے مشرک! دورِ حاضر کے مشرکین کا کہنا ہے کہ وہ اولیا اور صلحا کے معتقد ہیں، جب کہ اہلِ جاہلیت اوثان و شیاطین کے معتقد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کمزور و ناتواں شبہہ اپنے قائل کی جہالت پر پکار پکار کر گواہی دیتا ہے۔

جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے معتقد تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں معذور نہیں قرار دیا ہے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے، وثن اور بت تھے نہ کچھ اور، پھر بھی نصرانیوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ﴾ [النساء: ۱۷۱]

[اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔ نہیں ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم مگر اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ]

جو لوگ فرشتوں کو پوجتے تھے، ان کے حق میں یوں فرمایا:

﴿وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ [سبأ: ۴۰، ۴۱]

[اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا: کیا یہ لوگ تمھاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے، تو ہمارا دوست ہے نہ کہ وہ]

اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسیٰ اور ملائکہ علیہم السلام ان اولیا اور صالحین سے افضل ہیں۔

عقیدت میں غلو شرک کا دروازہ ہے:

آج کے گور پرست اور پیر پرست اولیا اور صلحا کے حق میں اعتقاد رکھتے ہیں اور اس میں غلو کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اللہ کے ہاں سب سے اکرم اور معزز اور اولادِ آدم کے سردار ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اپنے حق میں غلو کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''جس طرح نصرانیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں غلو کیا ہے، میرے حق میں ویسا غلو نہ کرنا، میں تو بس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''[1]

مگر اس کے باوجود ان گور پرستوں اور پیر پرستوں نے رسول اللہ ﷺ کا کہنا مانا نہ ان آیات ہی کا کچھ پاس لحاظ کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [آل عمران: ١٢٨]

[تیرے اختیار میں اس معاملے سے کچھ بھی نہیں]

﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ أَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ [الانفطار: ١٧۔١٩]

[اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ پھر تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا]

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے متعلق یہ بیان کیا کہ وہ اپنے نفس کے نفع وضرر کے بھی مالک نہیں ہیں۔ [الأعراف: ١٨٨]

نیز ان قبر پرستوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر نہ دی کہ آپ ﷺ نے اپنے قرابت داروں سے کیا کہا تھا، آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے ایک ایک مرد وزن کا نام لے لے کر پکارا اور فرمایا تھا:

«يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا بَنِي فُلَانٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»[2]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤٤٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٧١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٦)

[اے فلاں بن فلاں! اللہ کے پاس میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ اے فلانہ بنت فلاں! اللہ کے ہاں میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ اے بنو فلاں! میں اللہ کے ہاں تم سے کچھ کفایت نہیں کر سکتا]

آپ ﷺ کے اس خطاب میں جگر گوشہ نبوت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی داخل تھیں۔[1]

اندھی عقیدت رکھنے والے قبر پرستوں کے لیے لمحہ فکریہ:

اب ذرا اس ممنوع اور خلافِ قرآن و حدیث غلو پر نظر و فکر کرنا چاہیے، جس میں اس امت کے اکثر لوگ گرفتار ہیں، جیسے صاحبِ قصیدۂ بردہ نے کہا ہے:

یا أکرم الخلق ما لي من ألوذ به
سواك عند حلول الحادث العمم

[اے مخلوقِ خدا میں معزز ترین شخص! حوادث کے وقت تیرے سوا میرے لیے کوئی ہستی نہیں جس کی میں پناہ پکڑوں]

اس شعر میں شاعر نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر پناہ گاہ کی نفی کی ہے، حالانکہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول (ﷺ) ہیں۔ نیز اس شخص نے اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے رب کا ذکر کرنے سے بھی غفلت اختیار کی ہے۔ إنا للہ و إنا إلیه راجعون!

تعظیم میں غلو شرک کا ایک شیطانی جال ہے:

غیر اللہ کی تعظیم و عقیدت میں غلو شرک میں پھنسنے کا وسیع دروازہ ہے۔ شیطان نے اہلِ اسلام کی ایک جماعت کے ساتھ یہاں تک یہ کھیل کھیلا ہے کہ وہ غیر انبیا کو بھی شاعر کے مذکورہ خطاب کی طرح خطاب کرنے لگے اور شرک کے بہت سے دروازوں میں داخل ہو گئے، چنانچہ ایک شاعر نے ابن العجیل کو یوں خطاب کیا ہے:

هات لي منك یا ابن موسیٰ إغاثة
عاجلاً في مسیرها حثاثة

[اے ابن موسیٰ! (ابن العجیل) اپنی طرف سے میری اتنی جلد مدد فرما، جس میں تیزی ہو]

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲٦۰۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰٤)

یہ تو سراسر وہ استغاثہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میت سے درست نہیں اور پھر میت بھی کون جو سالہا سال سے مٹی کے تہوں کے نیچے جا چکی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں شعروں سے متعلق غالب گمان یہ ہے کہ ایسے شعر شاعروں سے غفلت اور عدم تیقظ کے سبب صادر ہوتے ہیں۔ وہ ان شعروں سے صرف نبوت و ولایت کی تعظیم کا قصد و ارادہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی انھیں اس غفلت پر آگاہ کر دیتا تو وہ متنبہ ہو کر ضرور رجوع کرتے اور اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے۔ ہم نے اس طرح کی صورت حال کو بہت دیکھا اور سنا ہے کہ اکثر اہلِ علم وادب اور اہلِ فطنت کو اس قسم کی غفلت لاحق ہوتی ہے۔ نیز صوفی شعرا کے کلام میں بھی اس طرح کی شطحیات اور طامات اکثر ملتی ہیں۔

توحید پرست اہلِ دانش کی ذمے داری:

جو شخص اس طرح کے کام یا کلام سے واقف ہو اور اس کا فاعل و قائل بھی زندہ ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ شرعی دلائل کے ذریعے اس کو ہوشیار کر دے۔ اگر وہ رجوع کر لے تو بہت اچھا، ورنہ پھر وہی حکم ہوگا جو پہلے گزر چکا ہے۔ اگر یہ قائل و فاعل زیرِ زمین جا سویا ہو، تو جو لوگ زندہ ہیں، ان کو ایسے کلام کے خلل ونقص پر آگاہ کر دینا چاہیے۔

قصیدہ بردہ اور قصیدہ ہمزیہ میں اس قسم کا غلو سے لبریز کلام بہت زیادہ ہے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح اور صلحا و ائمہ ہدیٰ کی مدح میں مبالغہ آمیزی کی، ان کے کلام میں تو یہ غلو بے شمار اور غیر محدود ہے، اس جگہ اس کے متعلق زیادہ کلام کرنے کا فائدہ نہیں، فقط تنبیہ کرنا غرض تھی جو کر دی گئی ہے، تاکہ اللہ نے جسے دل و گوش عطا کیا ہے وہ خبردار رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذاريات: ٥٥]

[اور نصیحت کر، کیونکہ یقیناً نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے]

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران: ٨]

[اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے]

اہلِ علم کی تحریروں میں شرک کا سبب:

ہم نے اس جگہ جو بات تحریر کی ہے کہ گور پرستوں کے اکثر افعال شرک ہیں، وہ اکثر اہلِ علم پر بھی مخفی رہتی ہے، اس لیے نہیں کہ وہ فی نفسہ مخفی ہے، بلکہ اس لیے کہ اکثریت نے ان امور پر اتفاق کر لیا ہے اور ہر بچے کی اسی عقیدے پر نشوونما ہوئی، یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا، جوان بڑھاپے کو پہنچا اور وہ اس صورت حال کو دیکھتا اور سنتا رہا، اس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا نہ سنا جو اس امر کا منکر ہوتا، بلکہ سنا تو یہی سنا اور دیکھا تو یہی دیکھا کہ ہر کوئی اسی شرک کی طرف رغبت دلاتا ہے اور لوگوں کو اسی اعتقاد و عمل کی طرف بلاتا ہے۔ اس ترغیب میں وہ عامل بھی شامل ہے جو شیطان نے بعض اموات کی طرف سے حاجات کو پورا کرنے کی بابت بعض گور پرستوں کو سکھایا ہے اور عام لوگ ان مردوں کے معتقد بن گئے۔ حیلہ گروں کی ایک جماعت قبر پر رہتی ہے اور لوگوں کو اس مردے کی جھوٹی حکایتیں سنا کر ان سے نذر و نیاز وصول کرتی ہے، رزق کماتی ہے، قربانیوں کا شکار کرتی ہے اور عوام سے ان کا مال حاصل کرتی ہے، یہی حیلہ گری ان کا کسب و معاش ہے۔

مرگھٹے کے گِدھ ہیں خدامِ گور
کھا رہے مردار ہیں با زور و شور

قبروں کی آراستگی کا فتنہ:

قبروں کے مجاور زائرین کو مرعوب کرنے کے لیے قبروں کو آراستہ کرتے ہیں، تاکہ دیکھنے والے کی نظر میں ان کی عظمت پیدا ہو۔ مشہد پر چراغ و شمع اور فانوس روشن کرتے ہیں اور ان میں خوشبوئیں اور عطر و بخور رکھتے ہیں۔ اس کی زیارت کے لیے انھوں نے ایک خاص موسم مقرر کر رکھا ہوتا ہے، اس وقت لوگوں کا ایک جم غفیر جمع رہتا ہے اور زائرین کے کان لوگوں کے شور اور ان کی فریادوں سے بھر جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں اس ازدحام و اجتماع کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں، ہر شخص میت کے قرب پر حرص کرتا ہے اور قبر کے پتھر اور لکڑی کو چھو کر استغاثہ کرتا ہے۔ وہ فریاد کرتے ہوئے حاجات پوری ہونے اور مطلوبہ چیزوں کے مل جانے کا سوال کرتا ہے۔ بہت خشوع، خضوع اور عاجزی و درماندگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اپنے قیمتی اور عمدہ مال نذر میں پیش کرتا ہے اور طرح طرح کے ذبیحے پیش کرتا ہے، چنانچہ ان تمام امور کی وجہ سے، زمانے بیت جانے اور

صدیوں کے بعد صدیاں گزرنے کے باوجود، انسان اپنی ابتدائی عمر ہی میں یہ گمان کرتا ہے کہ یہی عمل قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ اور اس کی اطاعت کا افضل کام ہے۔

شرکیہ ماحول میں پرورش پانے والے کو علم بھی فائدہ نہیں دیتا:

شرک میں ڈوبے ہوئے معاشرے میں پرورش پانے والا شرک کے مذکورہ بالا اعتقاد کے بعد جب علم سیکھتا ہے تو وہ بھی اسے چنداں فائدہ نہیں دیتا، بلکہ ہر شرعی حجت سے، جو اس کام کے شرک محض ہونے پر دلالت کرتی ہے، وہ شخص غافل ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ کسی شخص کو سنتا ہے کہ وہ اس کام کو شرک کہتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے اور اسے سننا ہی نہیں چاہتا۔ مزید برآں اس کا دل تنگ ہوتا ہے، اس لیے کہ ذہن کا یک بارگی ایک ہی وقت میں ایک ایسی چیز سے، جسے وہ سب سے بڑی اطاعت اعتقاد کرتا ہے، کسی دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا، جسے وہ سب سے بڑی حرام، سب سے زیادہ بری اور سب سے بڑی باطل چیز سمجھتا ہے، نہایت مشکل اور بعید ہوتا ہے۔

گمراہ اسلاف کی تقلید اخلاف کی گمراہی کا باعث ہے:

جب کسی قوم کے اسلاف گمراہ کن عقیدے پر گزرے ہوں تو اخلاف کے لیے ان کی راہ کو ترک کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، پھر اخلاف بھی اسی راہ پر چلتے ہیں۔ ایک جہان کو اس کی عادت پڑ چکی ہے اور ایک عالم اسی میں لگا ہوا ہے۔ ہر اس چیز کا یہی حال ہوتا ہے، جس میں لوگ اسلاف کی تقلید کیا کرتے ہیں۔

گمراہی میں پختگی راہِ صلاح میں رکاوٹ ہوتی ہے:

اب لوگوں کی عادتیں پختہ ہو گئی ہیں۔ اس شیطانی ذریعے اور طاغوتی وسیلے کی بدولت زمانہ جاہلیت کے مشرک اپنے شرک پر، یہودی اپنی یہودیت پر، نصرانی اپنی نصرانیت پر اور بدعتی اپنی بدعت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اب صورت حال یہ بن چکی ہے کہ معروف منکر اور منکر معروف بن چکا ہے۔ امت نے بہت سے شرعی مسائل کو غیر شرعی مسائل سے بدل ڈالا ہے۔ وہ انھی سے مانوس ہو گئے ہیں اور نفوس اس کے خوگر بن گئے ہیں، دل نے اسے قبول کر لیا ہے اور اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہے۔

اصلاحِ احوال میں داعیِ حق کی مشکلات:

نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر وہ شخص، جو امت کی راہنمائی اور اصلاح کے درپے ہے،

چاہے کہ میں غیر شرعی مسائل کے پیروکار لوگوں کو مسائل شرعیہ اور واضح احکام دینیہ پر، جن کو انھوں نے بدل ڈالا ہے، گامزن کروں تو یہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور ان کی طبیعتیں اس کی بات کو قبول نہیں کرتیں، بلکہ اس راہبر اور مصلح کے ساتھ ہر برائی کرتے ہیں اور اپنی زبان سے اس کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہر فرقے میں کثرت سے موجود ہے۔ وہی شخص اس کا انکار کرسکتا ہے جو ان کے حالات سے غافل ہو۔

تقلید کی تباہ کاریاں:

یہ امت اللہ کے دین میں مردوں کی تقلید کرتی ہے، حتی کہ ایک گروہ کے لوگ جمیع مسائل میں علمائے مسلمین میں سے ایک ہی عالم کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ وہ غیر کا قول قبول کرتے ہیں نہ غیر کی بات انھیں پسند آتی ہے۔ کاش! بات اتنی ہی ہوتی کہ اگر غیر کا قول قبول نہیں کیا تھا اور وہ اس پر راضی نہ تھے تو اسی پر توقف کر لیتے، لیکن وہ تو حد سے آگے بڑھ گئے اور مسلمانوں کے تمام علما پر تنقید کرنے لگے، ان کی شان کو حقیر ٹھہرایا، انھیں گمراہ و بدعتی کہا، لوگوں کو ان سے نفرت دلانے لگے، پھر اس پر بھی بس نہ کی، بلکہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے انھیں فاسق اور کافر قرار دیا۔ پھر یہ شر یہاں تک پھیلا کہ ہر مذہب والا ایک مستقل ملت کی مانند بن گیا۔ گویا اس کا اپنا ایک مستقل پیغمبر ہے اور اس پیغمبر سے مراد وہی عالم ہے، جس کی اس نے تقلید اختیار کی ہے، جو اس عالم نے کہہ دیا ہے وہی شریعت ہے، اس کے سوا اور کوئی دین نہیں ہے۔

تقلید شخصی گمراہی کی انتہا ہے:

مقلدین نے تقلید شخصی میں اتنا مبالغہ کیا کہ انھوں نے اس شخص کے قول کو، جس کے وہ مقلد بن بیٹھے ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قول پر مقدم کر دیا۔ کیا اس فتنے اور آزمایش کے بعد بھی کوئی فتنہ اور آزمایش باقی رہ جاتے ہیں۔

تو فتنہ زمانہ شدی ورنہ روزگار
بودست پیش ازیں قدری آرمیدہ تر

[تو تو زمانے کا فتنہ بن کر رہ گیا ہے، ورنہ اس سے پہلے جو ایام تھے، وہ قدرے آسودگی اور آرام والے تھے]

یہ حقیقت ہے:

اگر کوئی شخص اس امر کا انکار کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ان مقلدوں کو دیکھے جو روے زمین پر موجود ہیں اور سارے بلادِ اسلامیہ ان سے بھرے پڑے ہیں، پھر وہ ہر مذہب میں نظر کرے اور اس مذہب کے مسائل کو دیکھے، جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہیں، پھر وہ اس مذہب کے لوگوں کو یہ ہدایت کرے کہ وہ ان مسائل سے رجوع کر کے "قال اللّٰہ" اور "قال الرسول" کی طرف آجائیں، تب معلوم ہوگا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ یہ گمان نہیں ہوتا کہ ان کے شر سے نجات اور ان کے لڑائی جھگڑے سے امن حاصل ہو سکے، بلکہ وہ تو تیرے خون و مال کو حلال کر لیں گے اور ان میں سب سے بڑا پرہیز گار تیری عزت آبرو اور عقوبت وسزا کو جائز ٹھہرائے گا۔ جس شخص کو فطرت سلیمہ اور صحیح فکر نصیب ہوئی ہے، اس کے لیے اتنا بیان ہی کافی ہے۔

دنیا میں ائمہ اربعہ سے بھی بڑے علما موجود ہیں:

مقلدین نے بعض علماے مسلمین کو خاص کر کے مسائل دینیہ میں ان کی اقتدا اختیار کی ہے اور باقی اہلِ علم کو چھوڑ دیا ہے اور اس حد تک تجاوز کر گئے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: اجماع چار علما سے منعقد ہو جاتا ہے اور ان ہی کے ساتھ حجت قائم ہو جاتی ہے، حالانکہ ان چار علما میں سے ہر ایک کے سوا زمانے میں ایسے لوگ بھی تھے جو علم میں اس سے زیادہ اور فضل میں اس سے بڑھے ہوئے تھے، پھر اس زمانے کے کیا کہنے جو زمانہ اس سے متقدم یا متاخر ہے۔ اشخاص و رجال کے احوال کو جاننے والا ہر شخص اس سے بہ خوبی آگاہ ہے۔

دنیا میں صرف ائمہ اربعہ ہی مجتہد نہ تھے:

مقلدین حضرات نے ایک اور حد پھلانگی اور یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ ان چاروں اماموں کے سوا کوئی مجتہد نہیں ہے، بلکہ اجتہاد کرنا انھی پر مقصور و محصور ہے، گویا یہ شریعت خاص انھیں کے لیے ہے، ان کے غیر کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ نے جو فضل ان پر کیا تھا وہ اپنے دوسرے بندوں پر نہیں کیا۔

ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است:

ہر عقلمند یہ بات جانتا ہے کہ یہ فضائل اور خوبیاں جو ان ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے لیے ٹھہرائی گئی ہیں، اگر اس اعتبار سے ہیں کہ ان کا علم بہت زیادہ تھا اور وہ دوسروں سے زیادہ دانا تھے تو یہ بات ائمہ اربعہ

اور غیر ائمہ اربعہ کے احوال سے واقف کار شخص کے نزدیک مردود ہے، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے پیچھے آنے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو معاند اور جاہل ہو۔ جب ان ائمہ کے متبعین میں ان سے بڑے عالم موجود ہیں تو ان لوگوں کا کیا ذکر جو ان سے پہلے تھے یا ان کے ہم عصر تھے یا ان کے بعد دنیا میں آئے؟!

اگر ائمہ اربعہ کی یہ خوبی کثرت ورع وعبادت کے اعتبار سے ہے تو بھی وہی بات ہے، کیونکہ ان کے معاصرین، متقدمین اور متاخرین میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عبادت و ورع میں ان سے آگے ہیں۔ وہی شخص اس بات کا انکار کر سکتا ہے جو تاریخ اور رجال کے تراجم کی کتابوں سے واقف نہیں ہے۔ اگر ائمہ مذکورین کی خوبی کچھ اس بنا پر ہے کہ ان کا زمانہ متقدم ہے تو صحابہ وتابعین ان سے بھی پہلے زمانے میں تھے اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے، تو اس اعتبار سے وہ بہ نسبت ان لوگوں کے، جو ان کے بعد آئے ہیں، اس مزیت وخوبی کے زیادہ حق دار ٹھہریں گے، جس کی دلیل یہ فرمانِ مصطفی ﷺ ہے:

«خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ»[1]

[زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا ہے، پھر ان کا جو ان کے بعد ہیں، پھر ان کا جو ان کے بعد ہیں]

اگر ان چار اماموں کی خوبی کسی عقلی چیز کی وجہ سے ہے تو براہِ کرم اسے بیان کرنا چاہیے اور اگر کسی شرعی امر کے سبب سے ہے تو بتایا جائے کہ وہ امرِ شرعی کیا ہے؟

تعصب کی مذمت:

ہمیں اس بات کا ہرگز انکار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ائمہ موصوفین کو علم و ورع عطا کیا تھا، وہ دین میں صلابت رکھتے تھے اور فضائل میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے، لیکن گفتگو تو اس تعصب میں ہے جو ان کے اُتباع ان کے لیے ظاہر کرتے اور کہتے ہیں کہ ان کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی ان سے اختلاف کرے تو اس کا اختلاف قابلِ اعتبار و لائقِ اعتماد نہیں ہو سکتا ہے اور کسی مسلمان عالم کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ ان کی تقلید سے باہر رہے، اگرچہ وہ عالم بذات خود کتاب وسنت کا عارف کیوں نہ ہو اور قرآن وسنت سے مسائل کا استنباط و استخراج کرنے کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٥٢) صحيح مسلم (٢٥٣٣) ولفظه: «خير الناس قرني...»

قدرت رکھتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام پر عمل کر سکتا ہو۔

مذکورہ بالا بیان سے ہمارا مقصود اس شخص کے حال پر تعجب کرنا ہے جو عقل صحیح اور فکر رجیح رکھتا ہے۔

ہماری غرض اعتقادِ اموات کی بابت کلام کو آسان کر کے پیش کرنا ہے، تا کہ ایک عقل مند شخص باطل پرستوں کی کثرت اور غفلت کے اس طویل عرصے اور مہلت سے کسی قسم کا دھوکا نہ کھائے کہ اگر یہ بات حق کی دلیل ہوتی تو ان گور پرستوں اور پیر پرستوں کا اعتقاد حق ٹھہرتا اور معتقدینِ اموات جو کچھ کرتے ہیں وہ سب بجا ہوتا۔ یہ بات، جو بطور جملہ معترضہ ہے، تمثیلاً کہی گئی ہے، یہاں اس پر تفصیلاً بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔

مشرک کی اصلاح کا طریقہ کار:

جب اہلِ علم میں سے کسی پر اسبابِ خفا میں سے کسی سبب کی بنا پر یہ بات مخفی رہے، جو ہم نے معتقدینِ اموات کے متعلق بیان کی ہے اور قرآنی اور عقلی دلائل ان کی سمجھ میں نہ آئیں، تو پھر اس سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ تو ہی بتا شرک کیا ہے؟ اگر وہ جواب میں یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود بنانا شرک ہے، جس طرح زمانہ جاہلیت کے لوگوں نے اللہ کے ہمراہ بتوں کو معبود ٹھہرایا تھا، تو پھر اس سے اگلا سوال یہ پوچھنا چاہیے کہ اچھا یہ بتاؤ: دور جاہلیت کے لوگ ان بتوں کے ساتھ کیا کرتے تھے، جس کی بنا پر وہ مشرک ٹھہرے؟ اگر وہ یہ جواب دے کہ وہ بتوں کی تعظیم کرتے تھے، نذر و نیاز چڑھاتے تھے، ان سے فریاد رسی چاہتے تھے، حاجات کے وقت ان کو پکارتے تھے، ان کے لیے جانور ذبح کرتے تھے اور اسی طرح کے دیگر کام کرتے تھے جو عبادت کے زمرے میں آتے ہیں، تو اس جواب پر اس سے دریافت کرنا چاہیے کہ وہ یہ کام کس لیے کرتے تھے؟ اگر وہ کہے کہ اس لیے کہ وہ ان بتوں کو خالق، رازق زندہ کرنے اور مارنے والا جانتے تھے تو یہ بات غلط ہے۔ اگر یہ جواب دے کہ وہ انھیں اللہ کے قریب کرنے والا اور سفارشی سمجھتے تھے، تو اب وہ بات ثابت ہوگئی جو قرآنی دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے، اور وہ یہ کہ پہلے دور کے مشرک ان بتوں کو اس لیے پوجتے تھے کہ وہ ان کو اللہ کے نزدیک کر دیں اور ان کے سفارشی بن جائیں، اس کے سوا کسی اور مطلب کے لیے انھیں نہیں پوجا جاتا تھا۔ اگر وہ اس بات کا بھی معتقد ہے کہ اللہ کا کلام سچا ہے تو لا محالہ وہ اس بات پر تمھارے ساتھ موافقت کرے گا۔

اب جب وہ تیرا موافق بن جائے تو اس پر یہ بات واضح کرنا چاہیے کہ جو لوگ قبروں کے

معتقد ہیں وہ بھی تو یہ سارے یا ان میں سے بعض افعال بجا لاتے ہیں، جیسا کہ ہم کئی بار اسے ثابت کر چکے ہیں۔ اگر اس شخص میں کچھ بھی انصاف، علم کی کرن اور عقل کی رتی باقی ہے تو لامحالہ وہ تیرے ساتھ اتفاق کرے گا، اس کی آنکھ پہ پڑا ہوا یہ پردہ اٹھ جائے گا، اس کے دل سے ابرِ غفلت چھٹ جائے گا اور وہ اس بات کا اقرار کرلے گا کہ میں توحید کے معنی مفہوم سے متعلق پردے میں تھا، وہ توحید جو کتاب وسنت میں ہے، میں اسے پہچانتا ہی نہیں تھا۔

اگر وہ حق سے منحرف ہو کر عناد اور جھگڑا کرے، کوئی شبہہ اور اشکال پیش کرے تو اس کے شبہے کو اسی تقریر سے، جو ہم کر چکے ہیں، دور کر دو، کیونکہ کوئی مدعی جس شبہے کا بھی دعوی کر سکتا ہے، ہم نے اس کی وضاحت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

بگڑے ہوؤں کا علاج:

اگر وہ اس میں کوئی شبہہ پیش نہ کرے، محض جھگڑے اور تعصب پر اکتفا کرے تو داعی کو چاہیے کہ وہ زبان سے قرآن وسنت کی حجت بیان کرنے کے بعد سیف وسنان کے استعمال کی طرف رجوع کرے، کیونکہ "آخر الدواء الكي و آخر الحيل السيف" [آخری علاج داغ لگانا اور آخری حربہ تلوار ہے]

یہ علاج تب ہے جب اس سے کم درجے کی سزا سے اس کا دفع کرنا ممکن نہ ہو، جیسے مار پیٹ، قید اور تعزیر ہے۔ اگر یہ علاج ممکن ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے ان فرامین پر عمل کرتے ہوئے ہلکی سزا کو سخت پر مقدم کرنا چاہیے، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ [طٰه: ٤٤]

[پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے]

نیز ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [المؤمنون: ٩٦] [اس طریقے سے برائی کو ہٹا جو سب سے اچھا ہو]

چوتھی فصل

کفر عملی اور کفر اعتقادی

گور و پیر پرستوں کے کفر سے متعلق بعض اہلِ علم کی ٹھوکر:

بعض اہلِ علم کو یہ شبہہ بھی لاحق ہوا ہے کہ موجودہ دور کے گور پرستوں اور پیر پرستوں کا کفر عملی ہے، جحودی اور انکاری نہیں ہے۔ پھر اپنے دعوے کے حق میں وہ مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

1. تارکِ نماز کے کفر سے متعلق صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔[1]

2. تارکِ حج کے کفر سے متعلق فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ٩٧]

[اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پروا ہے]

3. اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے کے کفر سے متعلق اس آیت کو بھی بہ طور دلیل کے پیش کرتے ہیں:

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدة: ٤٤]

[اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں]

4. زانی اور چور کے حق میں آنے والی دلیلیں یا اس شخص کے حق میں وارد ہونے والے دلائل جو حائضہ سے یا عورت کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں وطی کرتا ہے، یا کسی کاہن اور عراف کے پاس جاتا ہے یا اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے۔

یہ کفر کی وہ اقسام ہیں جو دراصل کبیرہ گناہ ہیں، جن پر شارع نے کفر کا اطلاق کیا ہے۔ یہ گناہ بندے کو ایمان سے خارج کرتے ہیں نہ وہ ان کے ارتکاب کے سبب ملت اسلامیہ سے باہر نکلتا ہے، نیز اس فعل سے اس کا خون و مال حلال ہوتے ہیں اور نہ اس کے اہل و عیال مباح ہوتے ہیں، جس طرح یہ اس شخص کا گمان ہے جو ان دونوں کفروں کے درمیان کوئی فرق کرتا ہے

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٢)

نہ ان دونوں امروں میں تمیز کرتا ہے۔

5 اس کے بعد بہ طور دلیل کے یہ ذکر کیا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الایمان'' میں ''کفر دون کفر'' کا عنوان قائم کیا ہے۔

6 علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ فیصلہ کرنا اور نماز ترک کرنا عملی کفر ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ کفر دو طرح کا ہوتا ہے، ایک کفرِ عمل و فساد، اور دوسرا کفرِ جحود و عناد، چنانچہ کفر جحود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لائے ہیں، بندہ ہٹ دھرمی اور عناد کی بنا پر اس کا انکار کرے۔ یہ کفر ہر لحاظ سے ایمان کی ضد ہے۔ رہا کفرِ عمل تو وہ دو طرح کا ہے، ایک تو وہ جو ایمان کے مخالف اور اس کی ضد ہے، جبکہ دوسرا ایمان کے مخالف نہیں ہوتا ہے۔

7 علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد علامہ محمد بن اسماعیل الامیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عملی کفر میں سے ایک اولیا کو پکارنا، شدائد کے وقت ان کی دہائی دینا، ان کی قبروں کا طواف کرنا، ان کی دیواروں کو چومنا اور ان کے لیے کچھ مال نذر کرنا ہے، چنانچہ گور پرستوں اور پیر پرستوں کے یہ افعال و اعمال کفر عملی ہیں نہ کہ کفر اعتقادی، کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن شیطان نے ان کی نظر میں اس بات کو مزین کر دیا ہے کہ یہ مردے اللہ کے نیک بندے ہیں، نفع وضرر دے سکتے اور شفاعت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ جاہلیت کا بتوں کے حق میں جو اعتقاد تھا، ویسا ہی اعتقاد ان قبر پرستوں کا اولیا کے بارے میں ہے، فرق اتنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات کرتے ہیں اور اولیا کو معبود نہیں جانتے، جبکہ کفار نے رسول اللہ ﷺ کی توحید کی طرف دعوت کا انکار کیا اور یہ کہا تھا:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾ [صٓ: ٥]

[کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا ڈالا؟]

ان مشرکین نے تو سچ مچ اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرائے تھے اور تلبیے میں وہ یہ کہتے تھے:

''لبيك لا شريك لك إلا شريكا هو لك تملكه وما ملك''[1]

[اے اللہ! میں حاضر ہوں، سوائے ایک شریک کے تیرا کوئی شریک نہیں ہے، وہ بھی تیرا

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٨٥)

ہی ہے، تو اس کا اور اس کی ہر مملوکہ چیز کا مالک ہے]

غرض کہ انھوں نے اپنے بتوں کو رب الانام کا شریک بنا دیا تھا، اگرچہ ان کی مذکورہ گمراہ کن عبارت اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اس شریک اور اس کی مِلک کا مالک ٹھہرا، تو حقیقت میں وہ اللہ کا شریک نہ ہوا، بلکہ اس کا مملوک ہوا۔ بہر حال بت پرست وہ لوگ تھے جو اللہ کے ہمسر ٹھہراتے تھے اور انھوں نے اللہ کے سوا اور شریک مقرر کر لیے تھے، وہ ان شرکا کو اپنا سفارشی اور اللہ کے قریب کرنے والا جانتے تھے، جب کہ دور حاضر کے یہ جاہل مسلمان، جو اپنے اولیا کے حق میں نفع وضرر کا اعتقاد رکھتے ہیں، ان کو اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے، یہ تنہا اسی کو اللہ جانتے ہیں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں، رہی اولیا کی وہ تعظیم جو ان سے سرزد ہوتی ہے تو یہ عملی کفر ہے، کفر جحودی نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو وعظ کرنا، انھیں ان کا جہل بتلا دینا، زجر وتوبیخ کرنا، خواہ تعزیراً ہی ہو، واجب ہے۔ جس طرح ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ زانی، شرابی اور چور پر، جو عملی کفر کے مرتکب ہیں، حد نافذ کریں، یہ سب حرام برے کام اور اعمالِ جاہلیت ہیں اور من جملہ کفر عملی سے ہیں۔

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ امت جاہلیت کے کچھ کام کرے گی جو عملی کفر میں شامل ہیں، جیسا کہ یہ حدیث ہے:

«أَرْبَعٌ فِيْ أُمَّتِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِيْ الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِيْ الْأَنْسَابِ، وَالِاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ، وَالنِّيَاحَةُ»

(أخرجه مسلم من حديث أبي مالك الأشعري)[1]

[چار باتیں میری امت میں زمانہ جاہلیت کی ایسی ہیں کہ وہ ان کو نہ چھوڑیں گے۔ اپنے حسب پر فخر اور نسب پر طعن کرنا، ستاروں سے پانی (بارش) طلب کرنا اور نوحہ کرنا]

چنانچہ اس حدیث میں مذکورہ اعمال عملی کفر سے تعلق رکھتے ہیں، ان اعمال کے ارتکاب سے کوئی ملتِ اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ جاہلیت کے ان خصائل کو اختیار کرنے کے باوجود انھیں اپنی طرف منسوب کیا اور فرمایا: «مِنْ أُمَّتِيْ» [میری امت سے]۔

اگر کوئی کہے کہ اہلِ جاہلیت اپنے بتوں کے حق میں یہ کہتے تھے کہ وہ اللہ کی طرف ہمارے مقرب ہیں، جس طرح گور پرست کہتے ہیں اور وہ یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں،

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٣٤)

جس طرح کہ یہ گور پرست کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہیں، اس لیے کہ گور پرست توحید کا اثبات کرنے والے اور "لا إله إلا الله" پڑھنے والے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس مطالبے پر ان کی گردن مارنے کے لیے کھڑا ہو جائے کہ یوں کہو کہ ولی، اللہ ہے تو یہ اللہ کے ہوتے ہوئے اس ولی کو ہرگز اللہ نہیں کہیں گے، بلکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ولی، اللہ کا مطیع ہے، اطاعت کے سبب اللہ کے ہاں عزت و آبرو رکھتا ہے، اس کی سفارش قبول ہوتی ہے اور اس سے نفع کی امید ہے، نہ یہ کہ وہ اللہ کے ہوتے ہوئے ایک دوسرا اللہ ہے، برخلاف بت پرست کے کہ وہ "لا إله إلا الله" کہتا ہی نہیں ہے، اس کی گردن ماری جائے، کیونکہ اس کا یہ اعتقاد ہے کہ اس کا وثن اور بت اللہ کے ساتھ اللہ ہے اور اس نے اپنے وثن اور بت کا نام رب اور الٰہ رکھا ہے، چنانچہ یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿ءَ أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [يوسف: ٣٩]

[کیا الگ الگ رب بہتر ہیں یا اللہ، جو اکیلا ہے، نہایت زبردست ہے؟]

اس میں ان کے معبودوں کا نام "ارباب" اس لیے رکھا گیا کہ وہ اپنے اوثان اور بتوں کو رب کہتے تھے۔ اسی طرح ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿هَٰذَا رَبِّي﴾ [الأنعام: ٧٦، ٧٧، ٧٨] [یہ میرا رب ہے] چنانچہ انھوں نے اپنی قوم کی فہمایش کے لیے تین آیات میں تین بار یہ لفظ استعمال کیا اور ان کی غلطی اور خطا پر کلام کیا تھا، کیونکہ وہ کواکب کو "ارباب" کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے کہا تھا: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ [ص: ٥] [کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا ڈالا؟] جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿مَنْ فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا﴾ [الأنبياء: ٥٩] [ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟]

نیز انھوں نے کہا: ﴿ءَ أَنْتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ [الأنبياء: ٦٢] [کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے اے ابراہیم!؟] ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ﴾ [الصافات: ٨٦] [کیا تم اللہ کو چھوڑ کر گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟]

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کو الوہیت اور ربوبیت کا اقرار نہ تھا جس طرح بعض لوگوں کو مندرجہ ذیل آیت سے یہ وہم ہوا ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ [الزخرف: ٨٧]

[اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ انھیں کس نے پیدا کیا تو بلاشبہہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے]

اس آیت میں ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور رازقیت وغیرہ کا اقرار ہے، اس میں توحیدِ الوہیت کا اقرار نہیں ہے، کیونکہ کفار اپنے اوثان کو ارباب ٹھہراتے تھے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ لہٰذا یہ جاہلی کفر، کفرِ اعتقاد ہے اور اس سے عملی کفر لازم آتا ہے، برخلاف اس شخص کے جو اولیا کے حق میں نفع وضرر کا اعتقاد رکھتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ موحد ہے اور اللہ، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والا ہے، لہٰذا یہ کفرِ عمل ہے، کفرِ اعتقاد نہیں ہے۔ پس یہ انتہائی درجے کی تحقیق ہے اور کمی وبیشی کے بغیر حق کی وضاحت ہے۔

مذکورہ بالا اعتراضات کا جواب:

اب میں کہتا ہوں کہ جب مذکورہ کلام کی تحقیق کی جائے تو وہ ''تحقیق بالغ'' نہیں بلکہ کلام متضاد ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفر دو قسم کا ہے، ایک کفرِ اعتقاد اور دوسرا کفرِ عمل، لیکن یہ دعوی کہ ان گور پرستوں کے افعال و اعمال کفرِ عمل کی جنس سے ہیں، نہایت غلط ہے، کیونکہ اسی بحث میں مدعی نے یہ بات ذکر کی ہے کہ اولیا کے معتقد کا کفر، کفرِ عملی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ اولیا کے معتقد کے کفر کا نام اعتقاد رکھا ہے، پھر اسی کو کفرِ عمل کہا ہے، یہ تو محض تناقض بحث ہے۔

اب دیکھو کہ بحث کے آغاز میں یہ ذکر کیا تھا:

''جو شخص اولیا کو پکارتا ہے اور سختی کے وقت ان کی دہائی دیتا ہے، ان کی قبروں کا طواف کرتا ہے، ان کی دیواروں کو چومتا ہے اور کچھ مال ان کی نذر کرتا ہے، اس کا کفر عملی ہے۔''

کاش! مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کو کس چیز نے اس دعا، استغاثہ، دیواروں کو چومنے اور نذریں ماننے پر آمادہ کیا ہے؟ کیا اس کا یہ کام کسی عقیدے اور نظریے کے بغیر محض لعب وعبث ہے؟ کیونکہ یہ کام وہی کرے گا جو دیوانہ ہوگا۔ اگر اس کام کا حامل اور باعث اعتقادِ میت ہے تو پھر یہ کفرِ اعتقاد کیوں نہیں ہوگا؟ کیونکہ اگر اعتقاد نہ ہوتا تو اس سے یہ افعال ہرگز صادر نہ ہوتے۔ پھر یہ اعتراف کرنے کے بعد کہ یہ کفرِ عملی ہے نہ کہ اعتقادی، خود ہی یہ بھی کہا ہے:

''شیطان نے اس کی نظر میں یہ بات اچھی کر دکھائی ہے کہ اللہ کے یہ نیک بندے نفع

پہنچاتے ہیں، نقصان سے بچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کا یہ اعتقاد، اہلِ جاہلیت کے اصنام کے حق میں اعتقاد کی مانند، جہالت پر مبنی ہے۔"

اب ذرا غور اور تامل کرنا چاہیے کہ اس جگہ یہ حکم لگایا ہے کہ یہ کفر اہلِ جاہلیت کے کفر کی مانند کفر اعتقاد ہے، پھر اس اعتقاد کو ثابت کر کے ان کی طرف سے یہ معذرت کی ہے کہ یہ اعتقاد جہل ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس اعتقاد کے جہل ہونے میں کیا فائدہ نکلا؟ کیونکہ کفر کے سارے گروہوں اور تمام اہلِ شرک کو اس کفر، دفعِ حق اور باطل پر حامل اور ابھارنے والا یہی اعتقادِ جہل ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ اعتقاد، اعتقادِ علم ہے؟ تا کہ ان کے گور پرست بھائیوں کے لیے اعتقادِ جہل عذر بن سکے۔ پھر اس معذرت کو یوں مکمل کیا ہے کہ مردوں کے یہ معتقد مثبتِ توحید ہیں...الخ۔

مگر یہ بات مخفی نہیں کہ یہ عذر بالکل باطل ہے، کیونکہ ان کا توحید کو ثابت کرنا اگر فقط زبان سے ہے تو یہود ونصاریٰ، سارے مشرک اور منافق اس اثبات میں ان کے شریک ہیں، اگر ان کا یہ اثبات افعال کے ساتھ ہے تو گزارش یہ ہے کہ مردوں سے متعلق ان کا وہی اعتقاد ہے جو اہلِ جاہلیت کا بتوں کے حق میں تھا۔

پھر اس بات کو مکرر ذکر کر کے کہا ہے کہ یہی سبب ہے کہ ان پر تلوار نہیں اٹھائی جا سکتی، حالانکہ یہ بھی باطل ہے اور اس کی مثل جو چیز اس بات پر مرتب ہو، وہ بھی باطل ہے۔ اس کی تردید میں ہم لمبی چوڑی بحث نہیں کریں گے، مردوں کے حق میں ان گور پرستوں اور پیر پرستوں کا عقیدہ اس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ ویسا اعتقاد مشرکوں کا بھی بتوں کے حق میں نہیں ہے، کیونکہ اہلِ جاہلیت کو جب کوئی نقصان پہنچتا تو وہ اکیلے اللہ کو پکارتے تھے اور ان کا اپنے اصنام کو پکارنا مصائب اور حوادث کے علاوہ عام حالات میں ہوا کرتا تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے متعلق بیان کیا ہے:

﴿وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ [الإسراء: ٦٧]

[اور جب تمھیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے سوا تم جنھیں پکارتے ہو، گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمھیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ہمیشہ سے بہت ناشکرا ہے]

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [الأنعام: ٤٠]

[کہہ دے کیا تم نے دیکھا اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے، یا تم پر قیامت آ جائے تو کیا اللہ کے سوا غیر کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو]

ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْ اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ [الزمر: ٨]

[اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے، اس حال میں کہ اس کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اس (مصیبت) کو بھول جاتا ہے، جس کی جانب وہ اس سے پہلے پکارا کرتا تھا]

مزید فرمایا:

﴿وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [لقمان: ٣٢]

[اور جب انھیں سائبانوں جیسی کوئی موج ڈھانپ لیتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ دین کو اس کے لیے خالص کرنے والے ہوتے ہیں]

مگر ان گور پرستوں اور پیر پرستوں کو جب سختیاں آ گھیرتی ہیں تو یہ مردوں ہی سے استغاثہ کرتے ہیں، ان ہی کی نذر و منت مانتے اور ان ہی کی نیاز دیتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس حال میں اللہ سے استغاثہ کریں، چنانچہ جو شخص ان لوگوں کے احوال سے تفتیش کرتا ہے، وہ ان کے اس فعل کو بہ خوبی جانتا ہے۔

ایک واقعہ:

ایک شخص پانی کے راستے سفرِ حج پر روانہ ہوا، اس نے مجھے خبر دی کہ سمندر میں شدید طوفان آ گیا، جہاز میں سوار، کیا ملاح اور کیا دیگر سوار، سبھی لوگ مردوں کو پکارنے اور ان سے استغاثہ کرنے لگے، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ سنا گیا کہ وہ اللہ کا ذکر کرتا ہو اور اس کا نام لیتا ہو۔ اس شخص کا بیان ہے کہ مجھے

اس صورت حال میں ڈر لگا کہ اللہ کے ساتھ اس شرک کے سبب کہیں یہ جہاز ڈوب نہ جائے۔

میں [نواب صاحب رحمہ اللہ] کہتا ہوں: جب ۱۲۸۵ھ میں میرا سفرِ حج پر جانا ہوا تو ممبئ سے روانہ ہوتے ہی تھوڑی دور جا کر جہاز رک گیا اور پھر اسے بادِ مخالف نے آگھیرا، اس وقت میں نے اپنے کان سے سنا اور آنکھ سے دیکھا کہ جہاز کا کپتان اور عملہ ان الفاظ سے "یا محي النفوس" عیدروس کو پکارتے اور اس سے استغاثہ کرتے تھے۔ واللہ! مجھے بھی یہی خوف ہوا کہ کہیں یہ جہاز غرق آب نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے کافروں سے متعلق تو یہ بیان کیا ہے کہ وہ دریا اور سمندر میں شدت و اضطراب کی حالت میں اکیلے اللہ کو پکارتے تھے، جبکہ یہ نام نہاد اور جھوٹے مسلمان، کلمہ پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے کے باوجود، ایسے نازک وقت اور خوف ناک حالت میں غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں۔ یہ تو اعتقاد و عمل میں کفار و مشرکین سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ جب میں نے اس صورت حال کا مشاہدہ کیا تو استغفار اور اعترافِ ذنوب کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے جوں توں کر کے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا اور پیر پرستوں اور گور پرستوں کے شرک کے ضرر سے بچا دیا، وللہ الحمد.

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صنعا سے متصل ایک بستی کے لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ ان گور پرستوں میں سیکڑوں آدمی ایسے ہیں کہ جب ان کے گھر اولاد ہوتی ہے تو وہ اپنے مال کا ایک حصہ ان مردوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جن مردوں کے وہ معتقد ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بچے کو فلاں میت سے اتنے داموں میں خرید لیا ہے، جب وہ بچہ بڑا ہو کر با اختیار اور سمجھ دار ہو جاتا ہے تو وہ منت مانا ہوا مال قبر کے ان مجاوروں اور پجاریوں کو دیتا ہے، جو وہاں اس حیلے سے مال کمانے کے لیے بیٹھے رہتے ہیں۔

سید رحمہ اللہ [امیر صنعانی] نے اپنی بحث میں توحید ظاہری کے اقرار کی طرف نظر کر کے کلمہ توحید کے محض تلفظ کو معتبر جانا ہے، حالانکہ مردوں سے متعلق ان سے جو یہ افعال و اعمال صادر ہوتے ہیں، وہ توحید کے بالکل مخالف ہیں، چنانچہ ان کا یہ اعتبار قابل اعتماد نہیں ہے اور نہ اس لائق ہے کہ اس کی طرف التفات کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے اور اعتقاد کے ساتھ جو افعال صادر ہوتے ہیں ان کی طرف نظر کرتا ہے۔ محض الفاظ کی طرف نظر نہیں کرتا ہے، ورنہ تو پھر مومن و منافق میں کچھ فرق باقی نہ رہے گا۔

باقی رہا علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ کفر عملی اور کفر اعتقادی، کفر کی دو قسمیں ہیں۔ تو یہ صحیح قول ہے اور جمہور محققین اسی کے قائل ہیں۔ لیکن ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ صفت مذکورہ پر مردوں کا معتقد ہونا کفرِ عملی ہے، بلکہ عنقریب ہم نقل کریں گے کہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ان گور پرستوں اور پیر پرستوں کے افعال کو شرک اکبر قرار دیا ہے، جس طرح خود جناب سید رحمہ اللہ نے ان سے اپنے کلام سابق میں نقل کیا ہے، پھر اس سلسلے میں ہم دیگر اہلِ علم کا کلام بھی نقل کریں گے۔

شرک اکبر:

اب سنو کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے شرح منازل[1] کے باب توبہ میں لکھا ہے کہ شرک دو طرح کا ہے: ایک اکبر اور دوسرا اصغر۔

اللہ تعالیٰ شرک اکبر کو اس وقت تک نہیں بخشتا جب تک انسان اس سے توبہ نہ کر لے۔ شرک اکبر یہ ہے کہ انسان کسی کو اللہ کا ہمسر ٹھہرائے اور اس سے ایسی محبت رکھے جیسے لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں، بلکہ اکثر مشرک اپنے معبودوں کو اللہ سے بھی زیادہ اور بڑھ کر چاہتے ہیں، جب کوئی ان کے مشائخ معبودوں کی شان گھٹاتا ہے تو وہ اس پر غضب ناک ہوتے ہیں، ان کا یہ غصہ اس غصے سے بڑھ کر ہوتا ہے جو رب العالمین کی شان میں گستاخی کرنے والے پر ان کو آتا ہے۔ ہم نے اور دیگر لوگوں نے یہ حال کھلم کھلا دیکھا ہے۔ بعض کو تو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے، گرتے پڑتے اپنے معبود کو یاد کرتا ہے اور وہ اس بات کا انکار نہیں کرتا، بلکہ اس کا اعتقاد ہے کہ یہ اللہ کی طرف حاجت کا ایک دروازہ ہے اور وہ معبود اللہ کے ہاں اس کا سفارشی ہے، یہی حال بت پرستوں کا ہے، کسی فرق کے بغیر یہ بات ان کے دلوں میں قائم ہوگئی ہے۔ معبودوں کے اختلاف کے ساتھ انھیں مشرکین سے یہ چیز وراثت میں ملی ہے۔ فقط اتنا فرق ہے کہ انھوں نے پتھر اپنے معبود ٹھہرائے اور ان دوسروں نے بشر معبود بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسلاف سے متعلق یہ خبر دی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴾ [الزمر: ٣]

[1] مدارج السالكين لابن القيم (١/ ٣٨٩-٣٨٠)

[اور وہ لوگ جنھوں نے اس کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔ یقیناً اللہ ان کے درمیان اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو، بہت ناشکرا ہو]

بالکل یہی حال اس شخص کا ہے جس نے اللہ کے سوا کسی اور کو ولی ٹھہرایا ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ ولی اسے اللہ سے ملا دے گا اور اس کے نزدیک کر دے گا۔ وہ لوگ جو اس بلا سے محفوظ ہوں، بہت کم ہیں، بلکہ جو اس کام کے منکر کو ناپسند نہ کریں، وہ اور بھی زیادہ کم یاب ہیں۔ ان مشرکوں کے دلوں میں جو یہ بات قائم ہو گئی ہے کہ وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں، عین شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس بات کا انکار کیا اور اس شفاعت کو باطل فرمایا اور کہہ دیا ہے کہ ساری شفاعت اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اجازت میں ہے، چنانچہ سورت سبا میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾

[سبأ: ۲۲- ۲۳]

[کہہ دے پکارو ان کو جنھیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اور نہ سفارش اس کے ہاں نفع دیتی ہے مگر جس کے لیے وہ اجازت دے، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہتے ہیں حق (فرمایا) اور وہی سب سے بلند، بہت بڑا ہے]

پھر اس آیت کی تفسیر پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''قرآن مجید اس طرح کی آیات سے بھرا پڑا ہے، لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ یہ واقعہ اس کے تحت داخل ہے، بلکہ انھیں یہ گمان ہے کہ جس قوم کے حق میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں، وہ قوم چل بسی اور اس نے اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ لہٰذا یہی باطل

گمان انسان کے دل اور فہم قرآن کے درمیان حائل ہوتا ہے، جب کہ اسلام میں ایسا شخص بھی پیدا ہوتا ہے جو جاہلیت کو نہیں پہچانتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے شرک کو نہ پہچانا اور قرآن مجید میں جس چیز کی مذمت بیان ہوئی ہے اور اسے عیب ٹھہرایا گیا ہے، اس کو نہ جانا تو وہ اس میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کا اقرار کر کے دوسرے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے، پھر اس کو درست قرار دے کر اسے آراستہ بنا کر پیش کرتا ہے اور یہ نہیں پہچانتا کہ یہ تو وہی کام ہے جو اہلِ جاہلیت کیا کرتے تھے یا اس کام کے مثل یا اس سے بھی بدتر ہے یا کمتر ہے، پس اس سے اسلام کی رسی کے بل ٹوٹتے جاتے ہیں اور معروف منکر اور منکر معروف، اور بدعت سنت اور سنت بدعت بنتی چلی جاتی ہے، پھر یہ کسی شخص کے محض اخلاصِ ایمان اور توحیدِ خالص پر اس کی تکفیر کرتا ہے اور کسی کو رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے اور خواہشات وبدعات کے ترک کرنے پر بدعتی ٹھہراتا ہے۔ جس کسی میں بصیرت موجود ہے اور وہ زندہ اور سلیم دل رکھتا ہے، وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، واللہ المستعان۔"[1]

شرک اصغر:

جہاں تک شرک اصغر کا تعلق ہے تو اس کی بہت سی اقسام ہیں، جیسے مخلوق کے لیے ریا اور تصنع کرنا اور غیر اللہ کی قسم کھانا، چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ»[2]

[جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا]

کسی سے یہ کہنا: "ماشاء اللّٰه وشئت" [جو اللہ چاہے اور جو تم چاہو] یا یہ کہنا: "هذا من اللّٰه و منك" [یہ اللہ کی طرف سے اور تمھاری طرف سے ہے] یا یوں کہنا: "أنا باللّٰه وبك" [میں تو اللہ (کی مدد) کے ساتھ اور تیرے ساتھ ہوں] یا یہ کہنا: "ما لي إلا اللّٰه و أنت" [میرے لیے تو اللہ اور تم ہی ہو] یا یوں کہنا: "أنا متوكل على اللّٰه و عليك" [مجھے اللہ پر اور تجھ پر بھروسا ہے] یا یوں کہنا: "لو لا أنت لم يكن كذا و كذا" [اگر تم نہ ہوتے تو یوں اور یوں نہ ہو جاتا]

---

[1] مدارج السالكين (١/٣٨٣)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٣٥)

اس قسم کے مضامین پر مشتمل جملے اردو زبان میں بھی مستعمل ہیں اور جاہل مسلمان بے تکلف ان الفاظ کو ادا کرتے ہیں، حالانکہ یہ الفاظ اور مضامین کبھی قائل کے حال اور مقصد کے مطابق شرک اکبر بن جاتے ہیں۔[1]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اسی کتاب[2] میں شرک، خواہ اکبر ہو یا اصغر، کے ذکر اور اس کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد یہ فرمایا ہے:

''شرک کی اقسام میں سے ایک قسم مرید کا اپنے شیخ کو سجدہ کرنا اور شیخ کے واسطے توبہ کرنا ہے، جو شرکِ عظیم ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کی نذر ماننا، غیر اللہ پر توکل کرنا، غیر اللہ کے لیے عمل کرنا، غیر اللہ کی طرف رجوع کرنا، خاکساری و خواری کرنا، غیر اللہ سے رزق کی جستجو کرنا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا، مردوں سے حاجات طلب کرنا، ان سے فریاد رسی چاہنا اور ان کی طرف توجہ کرنا، یہ سارے جہان کے شرک کی اصل اور بنیاد ہے، اس لیے کہ مردے کا عمل تو منقطع ہو چکا، وہ تو اب اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہ رہا، پھر کسی مدد مانگنے والے یا قضائے حاجت کا سوال کرنے والے یا اللہ تعالیٰ کی طرف شفاعت کا سوال کرنے والے کا کیا مالک ہوگا؟ اس قسم کا نظریہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شافع اور مشفوع کی حیثیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے اِذن اور اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا ہے۔ اللہ نے اس شخص کی استعانت اور سوال کو اجازت کا سبب نہیں ٹھہرایا ہے، بلکہ اجازت کا سبب کمالِ توحید ہے، یہ مشرک جو کچھ لایا ہے، وہ منعِ اذن کا سبب ہے نہ کہ اذن کا۔ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ کوئی آدمی اپنی کار برآری کے لیے ایسی چیز سے مدد لے جو اس کے حصول کو روکنے والی ہو۔ بالکل یہی حال ہر مشرک کا ہے۔ وہ بے چارہ مردہ خود اس بات کا محتاج ہے کہ کوئی اس کے لیے دعا کرے، اس پر رحم فرمائے اور اس کے لیے استغفار کرے، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وصیت کی ہے کہ جب ہم قبورِ مسلمین کی زیارت کریں تو ان پر رحم کر کے اللہ تعالیٰ سے ان کی عافیت و مغفرت کا سوال کریں۔[3]

---

[1] مدارج السالکین (۱/۳۸٤)

[2] مدارج السالکین (۱/۳۸٥)

[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۷٥)

جب کہ مشرکوں نے اس کے برعکس کر ڈالا۔ انھوں نے اپنی حاجات پوری کروانے اور مدد حاصل کرنے کے لیے قبروں کی زیارت کو زیارتِ عبادت بنا دیا، ان کی قبروں کو بت بنا کر پوجنا شروع کیا اور ان کی زیارت کے قصد کا نام حج رکھا، وہاں پر وقوف کرنے لگے، سر منڈوانے لگے اور اس حرکت بے برکت کی وجہ سے انھوں نے معبود حقیقی کے ساتھ شرک، دین میں تبدیلی اور اہلِ توحید کے ساتھ دشمنی جیسے بڑے بڑے گناہ اکٹھے کر لیے۔ اسی طرح وہ موحدین پر فوت شدگان کی تنقیص اور گستاخی کی تہمت لگانے لگے، حالانکہ وہ خود اس شرک کے سبب خالق کی تنقیص کرتے ہیں اور ان اولیاے موحدین کی تنقیص کرتے ہیں جنھوں نے کبھی کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کیا تھا، مگر یہ ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان سے عداوت رکھتے ہیں۔ جن لوگوں کے یہ معتقد ہیں اور ان کے ساتھ یہ شرکیہ افعال بجا لاتے ہیں، ان کی بھی تنقیص کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ انھیں یہ گمان ہے کہ انھوں نے ان کو اس کام کا حکم دیا ہے اور وہ ان کاموں کے سبب ان مشرکوں سے محبت رکھتے ہیں۔

بہر حال اس طرح کے لوگ ہر جگہ اور ہر دور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہی رہے ہیں اور اکثر لوگ انھی کی بات قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خلیل جلیل علیہ السلام کو جزاے خیر عطا فرمائے، انھوں نے کیا خوب دعا کی تھی:

﴿وَ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾

[إبراهيم: ٣٥۔٣٦]

[اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔ اے میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا]

اس شرک اکبر سے صرف اسی شخص نے نجات پائی جس نے اکیلے اللہ کا قرب چاہا۔ انتہیٰ.[1]

اب دیکھو! علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس عبارت میں کیسے یہ وضاحت کی ہے کہ گور پرستوں کے یہ افعال شرک اکبر ہیں، بلکہ اہلِ دنیا میں یہ شرک کی اصل اور بنیاد ہیں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ان کے ساتھ عداوت رکھنا چاہیے، بہت اچھی بات ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] مدارج السالكين (١/٣٨٧)

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾
[المجادلة: ۲۲]

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔''

ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾
[الممتحنة: ۱-٤]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمھیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمھارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تمھیں پائیں تو تمھارے دشمن ہوں گے اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تمھاری طرف برائی کے ساتھ بڑھائیں گے اور چاہیں گے کاش! تم کفر کرو۔

قیامت کے دن ہرگز نہ تمھاری رشتے داریاں تمھیں فائدہ دیں گی اور نہ تمھاری اولاد، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔ یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہوگیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ]

شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ "إقناع" میں یوں رقم طراز ہیں:

"إن من دعا ميتا، و إن كان من الخلفاء الراشدين فهو كافر، وإن من شك في كفره فهو كافر"

[یقیناً جس کسی نے میت کو پکارا اور اس سے دعا کی، چاہے وہ میت خلفاے راشدین میں سے کوئی ہو، تو وہ کافر ہے اور جس شخص نے اس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے]

ابو الوفا ابن عقیل رحمہ اللہ نے ''فنون'' میں تحریر کیا ہے کہ جب جاہلوں اور سرکشوں پر شرعی احکام گراں بار ہوئے تو وہ شریعت کے طریقوں کو چھوڑ کر ان طریقوں کی تعظیم کی طرف آئے جن کو خود انھوں نے وضع اور ایجاد کیا تھا، چنانچہ یہ طور طریقے ان پر سہل اور آسان ہوگئے، کیونکہ وہ کسی اور کے حکم کے ماتحت نہ رہے، چنانچہ میرے نزدیک یہ لوگ مندرجہ ذیل ان امور کے سبب کافر ہیں، جیسے قبروں کی تعظیم کرنا، اپنی حاجات میں مردوں سے خطاب کرنا اور انھیں پکارنا، اپنی تحریروں کو ان الفاظ کے ساتھ لکھنا: ''اے میرے مولی! ایسے اور ایسے کر'' اسی طرح لات و عزیٰ کے پجاریوں کی اقتدا میں لباس کے ٹکڑے اور پارچے درخت پر لٹکانا۔ انتھی

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "إغاثة اللهفان" میں قبروں کی تعظیم کے انکار میں یہ کہا ہے کہ ان مشرکوں کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کے بعض غالیوں نے ایک کتاب تیار کی ہے جس کا نام "مناسك المشاهد"[1] [مشاہد و قبور کے مناسک اور عبادات] ہے۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ایسا کرنا دینِ اسلام سے الگ ہونا اور بتوں کے پجاریوں کے دین میں شامل ہونا ہے۔[2] انتھیٰ.

---

[1] یہ کتاب پانچویں صدی ہجری کے ایک غالی شیعہ "ابن المفيد الشيعي" کی ہے۔

[2] إغاثة اللهفان (۱/ ۲۸۸)

جس کی طرف شیخ ابن القیم رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ اس نے مذکورہ کتاب لکھی ہے، وہ شخص "ابن المفید" ہے۔

''نہر فائق'' میں لکھا ہے کہ شیخ قاسم نے "شرح درر البحار" میں لکھا ہے کہ یہ جو اکثر عوام نذر مانتے ہیں کہ وہ صلحا میں سے کسی کی قبر کے پاس آ کر کہتے ہیں: اے فلاں سید! میرے گم شدہ کو واپس لا دے یا بیمار کو شفا دے، میں تجھے اتنا سونا چاندی دوں گا یا تیری قبر پر چراغ یا تیل چڑھاؤں گا، ایسا کرنا چند وجوہ سے اجماعاً باطل ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ من جملہ اس کے ایک گمان یہ ہے: "إن المیت یتصرف في الأمر، و اعتقاد ھذا کفر" [فوت شدہ معاملات میں تصرف کرتا ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے] انتھیٰ.

مذکورہ بالا کلام کا قائل ائمہ حنفیہ میں سے ہے۔ ذرا غور کریں، انھوں نے غیر اللہ کی نذر و نیاز کے باطل ہونے پر اجماع کا ذکر کیا ہے اور اس اعتقاد کے ساتھ نذر ماننے کو کفر ٹھہرایا ہے۔

صاحبِ ''روض'' فرماتے ہیں: "إن المسلم إذا ذبح للنبي ﷺ کفر" انتھیٰ. [جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے لیے کوئی جانور ذبح کرتا ہے، وہ کافر ہو جاتا ہے] یہ قائل ائمہ شافعیہ میں سے ہے۔ جب اس قائل کے نزدیک سید الرسل ﷺ کے لیے جانور ذبح کرنا کفر ٹھہرا تو پھر ان ذبائح کا کیا ذکر ہے جو تمام فوت شدگان کے لیے قربان کیے جاتے ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''شرح اربعین'' میں لکھا ہے:

"من دعا غیر اللہ فھو کافر" انتھیٰ.

[جس شخص نے غیر اللہ سے دعا کی اور اسے پکارا وہ کافر ہو گیا]

شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رسالہ سنیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص کسی نبی یا مرد صالح کے حق میں غلو کرتا ہے اور اس میں کسی طرح کی الوہیت ٹھہراتا اور کہتا ہے:

"یا سیدي فلان أغثني أو انصرني أو ارزقني أو اجبرني أو أنا في حسبك"

[اے فلاں سید! میری مدد کر یا میری نصرت کر یا مجھے رزق عطا کر یا میرا نقصان پورے کر دے یا میں تیرے رحم و کرم پر ہوں]

یا اس طرح کے دیگر اقوال کہے تو یہ سب شرک اور گمراہی ہے۔ ان کے قائل سے توبہ کروائی

جائے، اگر تو وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں، ان کا مقصد یہی تھا کہ اکیلے اللہ کی عبادت کی جائے، اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ اور معبودوں کو بھی پکارتے ہیں، جیسے مسیح، ملائکہ اور بت، وہ اس بات کے معتقد نہ تھے کہ یہ مخلوقات کو پیدا کرنے والے یا بارش نازل کرنے والے یا نباتات کو اگانے والے ہیں، بلکہ یہ لوگ ان کی یا ان کی قبروں اور تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس لیے ان کی پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں اور اس کے پاس ہمارے سفارشی بن جائیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے اور انھوں نے اس بات سے منع کیا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو پکارا جائے، خواہ انھیں عبادت کے طور پر پکارا جائے یا استغاثے کے لیے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ﴾

[الإسراء: ٥٦۔ ٥٧]

[پکارو ان کو جنھیں تم نے اس کے سوا گمان کر رکھا ہے، پس وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ بدلنے کے۔ وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں، وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں]

سلف کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ایک قوم والے مسیح، عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کو پکارتے تھے۔[1]

پھر اسی کتاب میں شیخ رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اصل دین یہی اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت ہے اور یہی وہ توحید ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو دے کر اس دنیا میں مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

[النحل: ٣٦]

[اور بلاشبہہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو]

---

[1] مجموع الفتاوىٰ (٣/٣٩٥)

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الأنبياء: ٢٥]

[اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو]

خود رسول اللہ ﷺ اسی توحید کو ثابت کرتے اور اپنی امت کو سکھاتے تھے، یہاں تک کہ جب ایک شخص نے یہ کہا: "ماشاء اللّٰه وشئت" [جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں] تو آپ ﷺ نے اسے جواب دیا: «أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟ قُلْ: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ»[1] [تو نے تو مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے، یہ کہو: جو اکیلا اللہ چاہے]۔

آپ ﷺ نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے بھی منع فرمایا اور اس قسم کو شرک ٹھہرایا۔ اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»[2] [اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا] آپ ﷺ نے ان کے اس فعل سے اپنی امت کو خبردار کیا اور فرمایا: «اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ»[3] [اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنا دینا کہ اس کی عبادت ہونے لگے] آپ ﷺ نے اس سلسلے میں مزید فرمایا: «لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا، وَلَا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَ صَلُّوْا عَلَيَّ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ»[4] [میری قبر کو عید (میلہ وغیرہ) نہ بنا لینا اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بنا لینا (کہ تم ان میں قرآن نہ پڑھو) تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، تمھارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے] یہیں سے ائمہ اسلام نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ قبروں پر مساجد تعمیر کرنا اور ان مساجد میں نماز ادا کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ بت پرستی کا بڑا سبب یہی قبروں کی تعظیم کرنا تھا، لہٰذا اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص

---

1. اس کی تخریج گزر چکی ہے۔
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٣١)
3. موطأ الإمام مالك (١/ ١٧٢)
4. مسند أحمد (٢/ ٣٦٧) سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٠٤٢)

رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس سلام کرتا ہے تو وہ آپ ﷺ کے حجرے میں زمین پر لوٹ پوٹ ہو نہ اسے بوسہ دے، کیونکہ یہ اعمال کعبۃ اللہ کے ارکان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کے گھر کو خالق کے گھر کے مشابہ نہیں کرنا چاہیے، یہ سب کچھ اسی لیے کہا ہے کہ وہ توحید جو اصلِ دین اور اصلِ ایمان ہے، اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں کرتا ہے اور کسی عمل کرنے والے کو بخشتا ہے نہ اس کے تارک کی مغفرت فرماتا ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ [النساء: ٤٨]

[بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا]

وہ صرف اور صرف یہی توحید خالص ہے۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ کلمہ توحید افضل و اعظم کلام ہے اور قرآن عظیم میں بڑے رتبے والی آیت، آیت الکرسی ہے:

﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾

[البقرة: ٢٥٥]

[اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اسے کچھ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ کوئی نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے، مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے اور اسے ان دونوں کی حفاظت نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے]

ایک حدیث میں فرمانِ مصطفی ﷺ ہے:

«مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ» (رواہ أبو داؤد)[1]

[جس کا آخری کلام "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" ہوگا؟ وہ جنت میں جائے گا]

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کی عبادت کو دل چاہے اور وہی ہے جس سے فریاد رسی کی جائے اور اسی سے امید اور اسی کا ڈر اور اجلال و اکرام ہو ...الخ۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "کتاب اقتضاء الصراط المستقیم" میں آیت کریمہ: ﴿وَ مَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [بقرۃ: ۱۷۳] [جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے] کی تفسیر میں کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"إن الظاهر أنه ما ذبح لغير اللّٰه سواء لفظ به أولم يلفظ، و تحريم هذا أظهر من تحريم ما ذبحه، وقال فيه: باسم المسيح و نحوه كما أن ما ذبحناه متقربين به إلى اللّٰه كان أزكى مما ذبحناه للحم، وقلنا عليه باسم اللّٰه"[3]

[یقیناً یہ بات ظاہر ہے کہ جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے، خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام زبان سے ادا کیا جائے یا نہ کیا جائے، بہر حال اس کی حرمت اس جانور کی حرمت سے زیادہ ظاہر اور سخت ہے جس کو ذبح کرتے وقت مسیح وغیرہ کا نام لیا جائے، جیسے وہ جانور جسے ہم اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کریں، وہ زیادہ پاکیزہ ہوگا اس جانور کی نسبت جس پر ہم اللہ کا نام لے کر گوشت کھانے کے لیے ذبح کریں]

اس لیے کہ نماز اور ذبح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا کاموں کے آغاز میں اللہ کے نام سے استعانت سے برتر ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا غیر اللہ کی استعانت سے برتر ہے۔ لہٰذا اگر غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیا ہے اور اس سے مقصود اس غیر اللہ کا تقرب ہے تو یہ ذبح حرام ہے، اگرچہ اسے ذبح کرتے "بسم اللہ" پڑھی ہو، جس طرح کہ اس امت کے منافقوں کا ایک گروہ یہ کام کرتا ہے۔ یہ لوگ مرتد ہیں، کسی صورت ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

دوسری جگہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ قبروں کے پاس نماز ادا کرنے سے ممانعت کی علت یہ

---

[1] سنن أبي داؤد، رقم الحديث (۳۱۱۲)

[2] مجموع الفتاوی (۳/ ۴۰۰)

[3] اقتضاء الصراط المستقیم (۲/ ۵۶۵)

ہے کہ یہ نماز شرک تک پہنچاتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اصحابِ احمد و مالک رحمہ اللہ جیسے ابوبکر اثرم رحمہ اللہ نے یہی علت بیان کی ہے۔ انتھی[1]

دیگر علما کی طرح اس باب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام نہایت وسیع ہے۔ ائمہ اہلِ بیت میں سے ایک جماعت نے اس مسئلے میں کافی و شافی کلام کیا ہے، یہاں پر اس کے ذکر کی گنجایش نہیں ہے۔

امام مہدی عباس بن حسین بن قاسم رحمہ اللہ کے ہاتھوں ان گور پرستوں اور قبور غیر شرعیہ پر بہت بڑی مصیبت آئی۔ امام موصوف نے لوگوں کی گمراہی اور فتنے کا سبب بننے والی قبروں کو جڑوں سے کھود کر پھینک دیا اور عاکفینِ قبور کی ایک جماعت کو اس کام سے روک دیا۔ اس وقت کے اکابر علما نے اس کے اس کارنامے کو سراہتے ہوئے اسے مبارک بادی کے خطوط لکھے، جنھوں نے اسے نصرتِ دین پر مزید برانگیخت کیا اور اس نے قبر پرستوں کے بتوں کو منہدم کر دیا۔

ہم نے یہاں پر قرآن وسنت کے جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے بطور تقویت اور تائید کے کسی عالم کے قول کو پیش کرنے کی حاجت وضرورت تو نہ تھی، لیکن سائل کی مطابقت کی غرض سے بعض اہلِ علم کے اقوال کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

اخلاصِ توحید کی اہمیت وضرورت:

یہ اخلاصِ توحید وہ چیز ہے جس کی خاطر سارے پیغمبر مبعوث ہوئے اور تمام کتابیں نازل ہوئیں۔ اخلاصِ توحید کا یہ اجمالی بیان اس کی تفصیل سے مستغنی کرنے والا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مسئلے پر قرآن وحدیث میں موجود تمام مواد کو یکجا جمع کرنا چاہے تو اس کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

سورت فاتحہ اور اخلاصِ توحید:

اخلاصِ توحید کے عنوان پر کچھ جاننے کے لیے سورت فاتحہ پر نظر کرنا چاہیے، جسے ہر شخص ایک نماز میں بار بار پڑھتا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا اسی سورت سے کتاب اللہ کو شروع کرتا ہے۔ اس سورت میں کئی جگہ اخلاصِ توحید کی طرف راہنمائی کی گئی ہے، ان میں سے ایک ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ہے۔ علماے معانی و بیان کہتے ہیں کہ اس جگہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کا متعلق

[1] اقتضاء الصراط المستقيم (٢/٧٧٦)

مقدر اور موخر ہے۔ اس سے اللہ کے نام سے نہ کہ کسی غیر کے نام سے ابتدا کرنے کا اختصاص سمجھ میں آتا ہے اور اس میں جو اخلاصِ توحید ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پھر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ میں لفظ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں تعریف نے یہ فائدہ دیا کہ حمد اللہ ہی پر مقصور ہے۔ اسی طرح ﴿لِلّٰهِ﴾ کا ''لام'' حمد کے اللہ کے لیے خاص ہونے کو مفید ہے اور اس کا تقاضا یہ ہوا کہ غیر کے لیے اصلاً حمد نہیں ہے اور جو حمد غیر کے لیے واقع ہو، وہ عدم کے حکم میں ہے۔ یہ بات مقرر ہے کہ جمیل اختیاری پر تعظیم کے قصد سے زبان سے کی جانے والی ثنا کو ''حمد'' کہتے ہیں، چنانچہ ثابت ہوا کہ ثنا صرف اللہ پر، جمیل صرف اللہ کی طرف سے اور تعظیم صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس جملے میں جو اخلاصِ توحید ہے، توحید کے بیان میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

لفظ ﴿لِلّٰهِ﴾ توحیدِ الوہیت کے لیے مفید ہے اور لفظ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ توحیدِ ربوبیت کے بیان کا فائدہ دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحیدِ الوہیت اور توحیدِ ربوبیت ہر دو اللہ کے لیے خاص ہیں نہ کہ کسی اور کے لیے۔ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی کوئی مِلک نہیں ہے، تو اب اکیلے اللہ ہی کا تصرف نافذ رہا۔ ساری مخلوق میں سے کسی کا کوئی تصرف نہ ہوا۔ اس سلسلے میں نبی مرسل، مقرب فرشتے اور نیک بندے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔
اسی طرح مذکورہ جملے کی قراءت ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ حکم صرف اللہ ہی کا ہے نہ کہ کسی اور کا اور امر اسی کا امر ہے نہ کہ کسی غیر کا، جس طرح کہ دنیا میں بادشاہانِ زمین کے ہوتے ہوئے کسی کا حکم وامر نہیں ہوتا ہے تو اللہ تو وہ ذات ہے جس نے اپنے متعلق یہ فرمایا: ﴿وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ [النحل: ٦٠] [اور اللہ کے لیے سب سے اونچی مثال ہے]

اللہ تعالیٰ نے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کے معنی کی تفسیر قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ پر یوں کی ہے:

﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ [الانفطار: ١٧۔١٩]

[اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ پھر تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار

نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا]

جو شخص کلامِ عرب کو سمجھتا ہے اور اس کے دقائق کو جانتا ہے، اسے یہ ایک آیت دوسرے دلائل سے کفایت کرتی ہے اور اس آیت سے اس کا شبہہ دور ہو سکتا ہے۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں ضمیر کو مقدم کیا گیا ہے۔ ائمہ معانی و بیان اور ائمہ تفسیر نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ مفیدِ اختصاص ہے۔ معلوم ہوا کہ عبادت خاص اللہ ہی کے لیے ہونی چاہیے، اس کا غیر اس میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ عبادت ہی کا مستحق ٹھہر سکتا ہے، جبکہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ استغاثہ، دعا، تعظیم، ذبح اور تقرب عبادت کی اقسام ہیں۔ ﴿اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں بھی تقدیمِ ضمیر نے اختصاص کا فائدہ دیا، جس کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں استعانت کے لیے اللہ کا شریک نہیں ہے، خاص طور پر ایسے امور میں جن پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے۔

سورت فاتحہ کے یہ پانچ مقام ایسے ہیں کہ ہر مقام اخلاصِ توحید کے بیان کا فائدہ دیتا ہے، جب کہ سورت فاتحہ صرف سات آیات پر مشتمل ہے۔ پھر ساری کتاب عزیز کا اس جگہ کیا ذکر ہے۔ ہم نے سورت فاتحہ کے جو پانچ مقام ذکر کیے ہیں، وہ اس بات کی دلیل کے طور پر ہیں کہ قرآن مجید میں اس طرح کے دلائل بہت زیادہ ہیں، جن کے شمار اور احاطہ کرنے میں طوالت کا خدشہ ہے۔

میں [نواب صاحب رحمہ اللہ] کہتا ہوں: میں نے اپنی کتاب ''دین خالص'' میں سورت فاتحہ سے اخلاصِ توحید پر تیس دلیلیں نکال کر بیان کی ہیں اور میری کتاب ''فتح ربانی'' اور ''فتح البیان'' میں بھی وہ دلائل مذکور ہیں، یہاں پر بس ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وللہ الحمد۔[1]

سورت فاتحہ کا چھٹا مقام جو گذشتہ پانچ مقامات کے ساتھ ذکر کرنے اور ملائے جانے کے لائق ہے، وہ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کے الفاظ ہیں، کیونکہ لغت و شرع میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز کو عالم کہتے ہیں۔ معانی و بیان اور تفسیر و اصول کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حصر کے صیغوں کی تعداد تیرہ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ جس کسی کو اس میں شک ہو وہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی تفسیر ''الکشاف'' کا مطالعہ کرے، وہاں اسے یہ چیز مل جائے گی۔[2] معانی و بیان

[1] زیر نظر مجموعے میں شامل رسالے "النصح السديد لوجوب التوحيد" میں سورت فاتحہ میں موجود ان تیس دلائلِ توحید کی تفصیل مرقوم ہے۔ یہ رسالہ بھی امام شوکانی رحمہ اللہ کی کتاب "العذب النمير" کا ترجمہ ہے۔

[2] الكشاف (۵/۲۹۶)

کی کتابوں میں ان اعداد کا ذکر نہیں ہے، مثلاً ایک ان میں سے قلب ہے، جس کو مقتضیاتِ حصر سے ٹھہرایا گیا ہے، شاید انھوں [زمخشری] نے لفظ "طاغوت" کی تفسیر میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی محصرات ہیں جن کے بسط و تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ جب حصر کے صیغوں کا احاطہ کر لیا جائے گا تو وہ دلائل جو اخلاصِ توحید پر دلالت کرتے ہیں اور تمام اقسام کے ساتھ ابطالِ شرک پر حجت بالغہ ہو سکتے ہیں، کثرت سے پیدا ہو جائیں گے۔

پانچویں فصل

صاحبِ قبر کے توسل سے دعا کرنا

زیارتِ قبور کے آداب:

جب کوئی شخص کسی مشہور صالح مسلمان کی قبر کا قصد کرے تو زیارت کر کے وہاں کھڑے ہو کر اسمائے حسنیٰ اور اس قبر والے کی قدر و منزلت کے وسیلے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو کیا یہ بدعت اس قبر والے مردے کی عبادت شمار ہوگی؟ کیا اس پر یہ بات صادق آئے گی کہ اس نے غیر اللہ کو پکارا اور رحمٰن کے سوا کسی اور کو پوجا؟ اس سے ایمان کا لفظ سلب ہو گیا اور اس قبر پر وثن اور بت ہونا صادق آیا؟ اس دعا کرنے والے پر مرتد ہو جانے کا حکم لگا؟ اس کی بیوی اس سے جدا ہو گئی؟ اس کا مال مباح ٹھہرا اور اس کے ساتھ اہلِ ردت جیسا معاملہ کرنا چاہیے یا نہیں یا وہ شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب یا مکروہ کام کا فاعل ہوا ہے؟

اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ کسی نبی یا ولی یا عالم کے ساتھ توسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] اب یہ شخص جو قبر کے پاس آیا اور اس نے قبر کی زیارت کی اور اکیلے اللہ کو پکارا اور اس قبر والے سے توسل کیا، مثلاً یوں کہا:

”اللهم إني أسالك أن تشفيني من كذا، وأتوسل إليك بما لهذا العبد الصالح من العبادة لك، أو المجاهدة فيك، أو التعلم، و التعليم خالصاً لك“

[اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں بیماری سے شفا عطا فرما اور میں تیری طرف اس صاحبِ قبر نیک آدمی کی اس عبادت کا، جو اس نے تیری عبادت کی اور

---

[1] توسل کا یہ طریقہ صحابہ و تابعین اور ائمہ سلف میں مروج نہیں تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة لابن تيمية والتوسل، أنواعه وأحكامه للألباني.

تیرے لیے جو مجاہدہ کیا اور خالصتاً تیرے لیے تعلیم و تعلم کا کام کیا، توسل اختیار کرتا ہوں]
تو اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا اٹھ کر قبر کے پاس جانا کس مقصد کے لیے ہے؟ اگر تو محض زیارت کے لیے ہے اور قصدِ زیارت کی تجرید کے بعد دعا و توسل کا قصد و ارادہ ہے تو یہ ممنوع نہیں ہے، کیونکہ اصل میں وہ محض زیارت کے لیے آیا تھا اور رسول ﷺ نے قبروں کی زیارت کی اجازت دے رکھی ہے، جس کی دلیل یہ حدیث ہے:

« كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ أَلَا فَزُورُوهَا » (رواه البخاري)[1]

[میں نے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، لیکن سن لو! اب تم لوگ قبور کی زیارت کرو]

آپ ﷺ خود بھی گھر سے نکلے، قبرستان کی زیارت کی، مردوں کے لیے دعا کی اور امت کو اس بات کی تعلیم دی کہ قبروں کی زیارت کے وقت یوں کہا کرو:

« اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ دَارِ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا بِكُمْ۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ لَاحِقُوْنَ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ »[2]

[اے گھر والے مومنو! تم پر سلام ہو اور ہم ان شاء اللہ تمھیں ملنے والے ہیں، تمھارے پاس وہ چیز آگئی جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے، ہم اپنے لیے اور تمھارے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں]

اس صورت میں اس زائر نے وہی کام کیا جس کی اسے اجازت تھی اور وہ کام مشروع اور جائز تھا، لیکن اس شرط سے کہ وہ عزمِ سفر نہ کرے، کیونکہ زیارتِ قبور کی عدمِ سفر کے ساتھ قید وارد ہوئی ہے، چنانچہ فرمانِ رسول ﷺ ہے: « لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا لِثَلَاثٍ... الخ »[3]

لہٰذا قبروں کی مطلق زیارت اس حدیث کے ساتھ مقید ہے، پھر چند مخصصات کو اس سے مخصوص کر لیا ہے، ان ہی میں سے ایک زیارتِ قبر شریف ہے اور اس میں علما کا اختلاف ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٧٧)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٧٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٥٤٧) مسند أحمد (٥/ ٣٥٣)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٨٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٩٧)

یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں اختلاف طویل ہے اور ان کے اصول مشہور و معروف ہیں۔ بعض علما اس مسئلے کی بابت بڑی مشقت میں پڑے۔ بہر حال یہاں پر اس کا ذکر کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔

توسل کے لیے اشارہ کرتے ہوئے قبر کی طرف جانے کا حکم:

قبر کی زیارت کرنے والے اس شخص کا مقصود محض زیارت نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ اس قبر کے پاس جا کر فقط دعا کرے، اس نے زیارت کو اس قصد کا تابع بنایا ہے، یا وہ زیارت اور دعا دونوں کی غرض سے قبر پر گیا ہے تو اسے اسی قدر کافی تھا کہ اسی جگہ اللہ کی طرف میت کے اعمال صالحہ کے ساتھ توسل کرتا، قبر تک جانے کی اسے کیا ضرورت تھی؟ اگر وہ کہے کہ میں وہاں اس لیے گیا کہ توسل کے وقت اس کی طرف اشارہ کروں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جو پوشیدہ اور مخفی چیزوں کو جاننے والا ہے، انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے، دلوں کی پوشیدہ باتوں تک کو جاننے والا ہے اور جس کے سامنے ساری مخفی اور پوشیدہ چیزیں آشکار ہیں، اس اشارے کا محتاج نہیں ہے جس کے لیے تو چل کر قبر تک گیا ہے۔ تجھے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ تو اس میت کا نام لے کر یا کسی ایسی صفت کا ذکر کر کے وضاحت کر دے جو صفت اسے غیر سے متمیز کر دیتی۔

ہم تو یہ نہیں سمجھتے کہ تو محض اشارے کے لیے قبر تک گیا ہو، اس لیے کہ تو جس کو پکارتا ہے وہ ہر جگہ ہر انسان کے ساتھ ہے، بلکہ تو اس لیے گیا ہے کہ تو اپنا توسل کرنا اس میت کو سنائے اور اس کے دل کو اپنے اوپر مہربان کرے اور اس قصد و زیارت اور دعا و توسل کا اس قبر والے پر احسان رکھے۔ اگر تو اپنے نفس کی طرف رجوع کر کے یہ بات اس سے دریافت کرے گا تو عجب نہیں ہے کہ وہ تیرے سامنے اس بات کا اقرار کرے اور تیری حالت کی تصدیق کرے۔

اگر تمھیں اپنے نفس کی طرف سے یہ بات مل جائے جو تیرے قبول کرنے کے لائق ہے تو پھر تو جان لے کہ جو بات گور پرستوں اور پیر پرستوں سے تعلق رکھتی ہے، وہی بات تیرے دل میں بھی آئی اور اس میں پیوست ہوگئی، لیکن اصل بات یہ ہے کہ تو نے اس خبیث نفس کو مجبور کر رکھا ہے، وہ تجھے یہ بات نہیں کہہ سکتا اور نہ اس محبت، اعتقاد، تعظیم اور استغاثے کا قبر کے ساتھ ذکر کر سکتا ہے، تو پھر تو اس حیثیت سے اس کا مالک اور وہ اس حیثیت سے کہ تجھ کو تیری جگہ سے اٹھا کر قبر تک لے گیا،

تیرا مملوک ہے۔ اگر تو نے اس کے بعد اپنے نفس کا تدارک کر لیا تو خیر ورنہ وہ تجھ پر قابض ہو کر تصرف کرے گا اور تیری ساری خواہشات سے کھلواڑ کرے گا۔ وہ خناس جو لوگوں کے سینوں میں وسواس ڈالا کرتا ہے، وہ تجھے بھی وسوسے ڈالتا رہے گا۔

اگر تو کہے گا کہ میں نے اپنے نفس کی طرف رجوع کیا اور اس کی جستجو کی، مگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ پائی، بلکہ اس کدورت اور گندگی سے اسے صاف پایا، تو تیرے اس دعوے کے ہمراہ اس خیال کے سوا کوئی اور امر تجھے اس فعل پر ابھارنے والا معلوم نہیں ہوتا کہ تو نے لوگوں کو کچھ کرتے اور کہتے سنا تو تو بھی وہی کچھ کرنے اور کہنے لگا، چنانچہ تیری توحید کی بندشوں میں سے یہ پہلی بندش اور رکاوٹ ہے اور تیری تقلید کی مصیبتوں میں سے یہ پہلی مصیبت ہے، اب تو توبہ کر لے اور رجوع کر لے، تجھے اجر وثواب ملے گا، مزید پیش قدمی نہ کر، ورنہ تو برباد ہو گا، کیونکہ وہ تقلید جس نے تجھے اس بے کار اور غلط روش پر آمادہ کیا، یہ تجھے اس طرح کے اور کاموں پر بھی آمادہ کرے گی۔ پہلے تو شرک کے دروازے پر کھڑا ہو گا، پھر اس کے اندر جائے گا، پھر وہاں رہنے بسنے لگے گا اور ان سب حرکات وسکنات میں تیرا قول یہی ہو گا: میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہی کچھ کہا اور میں نے انھیں جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے بھی وہی کچھ کیا۔

قبر کے پاس دعا کے ارادے سے جانے والے کے احوال:

اگر تو یہ بات کہے کہ میں اپنے علم وعمل میں بصیرت پر ہوں اور ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو پہلے شخص کی مانند اپنے نفس کی خواہشات کے مطیع ومنقاد ہوتے ہیں، اور نہ میں ان میں سے ہوں جو نفس کو مجبور کر کے دوسرے شخص کی طرح لوگوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر تو اس بات کا دعوے دار ہے کہ تو صاف ستھرے قلب وضمیر کا مالک ہے، خالص اعتقاد رکھنے والا، قوی یقین رکھنے والا، صحیح توحید، عمدہ تمیز، کامل معرفت رکھنے والا قرآن وسنت کا عالم ہے، خواہشاتِ نفس کا تابع ہے نہ تو تقلید کے گڑھے میں گرا ہوا ہے تو پھر اللہ کے لیے ذرا مجھے بھی بتا دے کہ تو نے جو گور پرستوں کے ساتھ مشابہت اختیار کی اور صحیح وسالم دلوں اور سینوں والوں کو تو نے دھوکا دیا تو تجھے اس پر کس چیز نے آمادہ کیا؟، کیونکہ تجھے تو ہر جاہل، بے عقل اور علم وتمیز سے بے خبر دیکھتا ہے اور تیرا پیرو بن کر تجھ سا ہی کام کرتا ہے، اس بچاری کو بھلا تیری سی بصیرت اور دین میں قوت کہاں حاصل ہے۔ وہ بہ ظاہر تیرے

فعل کی نقل کرتا ہے اور حقیقت میں تیرے فعل کی مخالفت کرتا ہے، وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ تو جو قصد و ارادہ کر کے اس قبر کے پاس گیا ہے، یہ کسی امر سے خالی نہیں ہے اور ابلیس لعین تیرے اس پیرو اور تیری چال چلنے والے مسکین غریب کو غنیمت جان کر درجہ بدرجہ اتار کر اسے اپنی مراد تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ اس بندے پر رحم کرے جو تقلید کے فتنوں سے بھاگ کر حمید مجید کی خالص عبادت کرتا ہے۔

بہر حال اس تقسیم سے مجموعی طور پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جو شخص دعا کا قصد و ارادہ لے کر کسی قبر کے پاس جاتا ہے، وہ تین حال سے خالی نہیں ہے:

① اگر تو خالی زیارت کے لیے ہے اور اسے دعا کرنی ہے اور اس دعا سے کسی اور دھوکے میں گرفتار نہ ہو تو یہ جائز ہے۔

② اگر صرف دعا کے قصد سے گیا ہے یا دعا و زیارت دونوں کے لیے اور اس کا اعتقاد وہی ہے جو اوپر گزر چکا تو وہ شرک میں گرفتار ہونے کے خطرے میں ہے، پھر عاصی ہونے کا وہاں کیا ذکر ہے۔

③ اگر میت کے حق میں اس کا اعتقاد صفت مذکورہ پر نہیں ہے تو وہ عاصی اور گناہ گار ہے اور یہ اس کی کم ترین حالت ہے۔

خاتمہ ترجمہ:

اس جگہ امام شوکانی رحمہ اللہ کا رسالہ "الدر النضيد في إخلاص التوحيد" ختم ہو گیا۔ اس رسالے میں کسی جگہ ان کے رسالے پر کچھ زیادتی اور اضافہ بھی ہو گیا ہے۔

چھٹی فصل

موحدین اور مشرکین کی زیارتِ قبور میں فرق

اب میں کہتا ہوں کہ موحدین اور مشرکین کی زیارت میں فرق یہ ہے کہ موحدین کی زیارتِ قبور کا مقصود تین چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک آخرت کی یاد، دوسری میت کے ساتھ احسان کرنا، تا کہ اسے ایک مدت تک چھوڑ کر بھول نہ جائے، جس طرح ایک شخص مدت دراز تک ایک زندہ شخص سے ملاقات نہیں کرتا تو اسے بھول جاتا ہے، فوت شدہ اس کا زیادہ مستحق ہے، اس لیے کہ وہ ایسے گھر میں چلا گیا ہے جہاں اپنے بھائیوں سے جدا ہے، چنانچہ جب یہ زائر دعا کا تحفہ و ہدیہ یا استغفار کا صدقہ بھیجتا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے جس طرح کہ ایک زندہ شخص دوسرے زندہ شخص کی ملاقات اور اس کے ہدیے اور تحفے سے خوش اور مسرور ہوتا ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے زائرِ قبور کے لیے یہ مشروع قرار دیا ہے کہ وہ اہلِ قبور کے لیے دعاے مغفرت کرے اور ان کے لیے اللہ سے عافیت کا سوال کرے۔ اس زائر کے لیے یہ بات مشروع نہیں کہ وہ خود ان مردوں کو پکارنے لگے اور قبروں کے پاس نماز ادا کرے۔ تیسری چیز موحد کی زیارتِ قبور سے یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے ساتھ احسان کرے اور وہ اس طرح کہ اتباعِ سنت کا مظاہرہ کرے اور رسول اللہ ﷺ نے جس بات کو مشروع قرار دیا ہے، اسی حد پر ٹھہرا رہے۔

جہاں تک شرکیہ زیارتِ قبور کا تعلق ہے تو یہ بت پرستوں سے لی گئی ہے اور ان سے سیکھی گئی ہے۔ بتوں کے پجاریوں کا کہنا ہے کہ جس میت کی روح کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب حاصل ہوتا ہے اور اس کی قدر و منزلت ہوتی ہے، اس پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ہوتی رہتی ہیں اور بھلائیوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ جب زیارت کرنے والے کی روح کو اس سے تعلق پیدا ہوتا ہے تو مزور (جس کی زیارت کی گئی ہے) کی روح سے وہ مہربانیاں اس زیارت کرنے والے کی روح پر برستی ہیں، جیسے صاف آئینے سے سورج کی چمک جسمِ مقابل پر پڑتی ہے۔ اس زیارت کی تکمیل یوں ہوتی ہے کہ زائر

اپنی روح اور دل کے ساتھ میت کی طرف متوجہ ہو اور اس پر ہمت جمع کر کے یوں وقوف کرے کہ پھر غیر کی طرف اس کا التفات وتوجہ بالکل باقی نہ رہے۔ پھر جس قدرِ جمع ہمت وقلب زیادہ ہوگا، اتنا ہی فائدہ زیادہ اور جلد حاصل ہوگا۔

ابن سینا اور فارابی وغیرہ نے بھی اسی طرز پر اس زیارت کا ذکر کیا ہے اور ستارہ پرستوں نے بھی اپنی عبادت میں اس زیارت کی تصریح کر کے یہ بات کہی ہے کہ نفسِ ناطقہ کا جب ارواحِ علویہ سے تعلق ہو جاتا ہے تو اس پر نور کا فیضان ہوتا ہے، اسی وجہ سے ستاروں کی پرستش کی گئی، ان کی شکلیں بنائی گئیں اور دعائیں تصنیف ہوئیں اور بت تیار کیے گئے۔ یہ بعینہ وہ چیز ہے جس نے گور پرستوں کے لیے قبروں پر میلے لگانا، ان پر پردے لٹکانا، ان پر چراغ جلانا اور ان پر مساجد تعمیر کرنا واجب کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی کو باطل کرنے اور اس ذریعے کو بند کرنے کا قصد فرمایا اور مشرکوں نے اس راہ میں کھڑے ہو کر آپ ﷺ کے مقصد کا مقابلہ کیا۔

پھر انھوں نے قبروں کی زیارت کے بارے میں جو ذکر کیا ہے، یہ وہی شفاعت ہے جس کی نسبت ان مشرکوں کا یہ گمان ہے کہ ان کے معبود ان کو نفع پہنچائیں گے، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ جب اس زائر کی روح، فوت شدہ کی روح سے لگاؤ پیدا کر لیتی ہے تو ان دونوں کے درمیان ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کے سبب سے وہ چیز جو اسے اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے، اس کا ایک حصہ اسے بھی ملتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جو شخص کسی ایسے صاحبِ مرتبہ کی خدمت بجا لاتا ہے جو بادشاہ کے نزدیک عزت وآبرو والا ہے تو اسے بھی اس تعلق اور خدمت کے بقدر سلطان سے کچھ انعام مل جاتا ہے، حالانکہ اول سے تا آخر قرآن مجید ان اقوال کے رد سے بھرا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رد کرنے کے لیے اپنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، ان اقوال کے قائلین کو کافر قرار دیا ہے، ان پر لعنت فرمائی ہے، ان کے خون و مال اور ان کی اولاد کو گرفتار کرنا مباح کر دیا ہے اور جہنم کی آگ کو ان پر واجب کر دیا ہے۔ اس سے متعلق دو آیات درج ذیل ہیں:

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ [الزمر: ٤٣-٤٤]

[یا انھوں نے اللہ کے سوا کچھ سفارشی بنا لیے ہیں۔ کہہ دے کیا اگرچہ وہ کبھی نہ کسی چیز کے مالک ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔ کہہ دے شفاعت ساری کی ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے]

ان آیات میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ شفاعت کا اختیار اسی کو حاصل ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ خود وہی اپنے پاس شفاعت کرتا ہے، تاکہ بندے پر رحم کرے اور جس کو چاہے یہ اجازت دے دے کہ تو اس کی شفاعت کرے۔

شفاعت صرف اللہ کے اختیار میں ہے:

معلوم ہوا کہ شفاعت حقیقت میں اللہ کے پاس ہے اور جو کوئی اس کے ہاں کسی کی شفاعت کرے گا، وہ اس کی اجازت سے کرے گا اور اسی وقت کرے گا جب اس شفاعت کا حکم ملے گا، اور اللہ تعالیٰ تب ہی اجازت دے گا جب اس بندے پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے گا، چنانچہ یہ شفاعت شفاعت کفریہ کی ضد ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے باطل ٹھہرایا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ [البقرة: ١٢٣]

[اور اس دن سے بچو جب نہ کوئی جان کسی جان کے کچھ کام آئے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی]

مزید فرمایا:

﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ﴾ [البقرة: ٢٥٤]

[اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش]

ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ﴾ [السجدة: ٤]

[اس کے سوا تمھارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا]

لہٰذا اللہ نے جس شفاعت کا رد کیا ہے وہ یہی شفاعتِ شریک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس شفاعت کو ثابت کیا ہے، وہ شفاعت ایسی ہے جو اللہ کی طرف سے مامور شخص شفاعت کرے گا اور اجازت کے بغیر اپنے مالک کے سامنے نہ جا سکے گا۔ ان دونوں سفارشیوں میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا شریک اور بندۂ مامور کے درمیان فرق ہے۔

شفاعت سے بہرہ مند ہونے والے اہلِ توحید خالص:

قیامت کے دن سب سے زیادہ اس شفاعت حقہ کا حق دار اور سعادت مند وہ شخص ہوگا جو اہلِ توحید خالص ہے اور مشرک نہیں ہے، لہٰذا سارا اختیار اکیلے اللہ کا ٹھہرا۔ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سے سب سے اعلیٰ و اکرم اس کے رسول اور مقرب فرشتے ہیں اور یہ سب محض غلام و بندے ہیں، کسی بات میں اس پر سبقت کرتے ہیں نہ کوئی کام اس کی اجازت کے بغیر بجا لاتے ہیں۔

شفاعت کا غلط تصور:

مشرکین نے اللہ کو چھوڑ کر مذکورہ لوگوں کو اپنا سفارشی مقرر کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کا گمان یہ ہے کہ جب ہم ان کے ساتھ یہ معاملہ کریں گے تو یہ آگے بڑھ کر ہمارے سفارشی بن جائیں گے، چنانچہ یہ اہلِ شرک اپنے رب تعالیٰ کے حق سے ناواقف ہیں، جو بات اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور جو امر اس پر ممتنع ہے، اس کو بالکل نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرنے کا دھوکا:

اہلِ شرک نے اللہ تعالیٰ کو بادشاہوں اور بڑے لوگوں پر قیاس کیا ہے کہ کوئی شخص اپنا کام کروانے کے لیے ان بادشاہوں کے ہاں کسی خاص شخص کو اپنا سفارشی بناتا ہے، اس لیے کہ یہ خاص شخص اس بادشاہ کا شریک، معاون اور مددگار ہے اور اس بادشاہ کا کام اسی سے چلتا ہے، اگر اس طرح کے خاص لوگ نہ ہوں تو یہ بادشاہ بے بس ہو جائے، اس لیے بادشاہ خوشی و ناخوشی کے ساتھ ان کی شفاعت و سفارش کو قبول کر لیتا ہے، مگر وہ جو اپنی ذات کے لحاظ سے غنی ہے، آسمان و زمین کی ساری مخلوق اس کے پرستار، غلام و بندے اور اس کے قہر سے مقہور ہیں، وہ زبردست ہے اور یہ زیردست ہیں، ان کے سارے افعال اس کے حکم اور اجازت کے پابند ہوں گے۔ مشرک جب ان

کو شریک بنائے گا، انھیں اپنا سفارشی ٹھہرائے گا اور اس گمان پر اللہ کو چھوڑ دے گا کہ جو کام شرکائے بشر سے نکلتا ہے، وہ کام ان سے بھی نکل جائے گا، مگر وہ اپنے اس قیاس میں خطا کار اور سخت غلطی پر ہے، اس نے خالق و مخلوق کے درمیان کچھ فرق نہیں کیا اور عبد و رب اور غنی و فقیر کا کوئی امتیاز نہ رکھا، ایک غلامِ محض اور بندے کو، جو اپنے مالک کے اذن کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے، شریک، معاون اور مددگار ٹھہرا لیا اور اسی قیاس پر یاروں نے بتوں کو اور گور و پیر پرستوں نے اہلِ قبور اور مشائخ کو پوجا۔

اللہ تعالیٰ سے متعلق مذکورہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے:

جو شخص مخلوق میں سے کسی کی طرف سفارش کرتا ہے، وہ سفارش محض خالی ایک سبب ہے جو مشفوع الیہ کو اس کام کی تحریک دے دیتا ہے جس کی بابت وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کبھی مشفوع الیہ کے پاس اس امر کا معارض موجود ہوتا ہے، مثلاً مشفوع فیہ امر اس کے نزدیک مکروہ ہوتا ہے، لہٰذا جب وہ شفاعت اس معارض سے قوی تر ہوتی ہے تو قبول ہو جاتی ہے اور اگر معارض قوی تر ہو تو وہ مقبول نہیں ہوتی ہے۔

پھر کبھی یہ ہوتا ہے کہ مشفوع الیہ کے نزدیک دو امر متعارض ہوتے ہیں اور وہ قبول اور رد میں متردد ہو جاتا ہے، جیسے محبت، رغبت و رہبت اور عدم رغبت و رہبت۔ یہ حالت اس شفاعت کے برخلاف ہے، جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگی، کیونکہ اس میں تو کسی اور چیز کے بغیر خود اللہ تعالیٰ سفارشی کا محرک ہوگا، کیونکہ سفارشی ایک مامور اور مطیع بندہ و غلام ہے، بر خلاف اس سفارشی کے جو مخلوق کے پاس کسی کی سفارش کرتا ہے کہ یہ سفارشی مشفوع الیہ کا محرک ہوتا ہے، کیونکہ اس کا کام رکا ہوا ہے اور یہ اس سے نفع اور معاونت کا حصول اور ضرر کا دفاع چاہتا ہے، مثلاً سفارش کرنے والا اس سے عطا وغیرہ کا طالب ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے، تو وہ حقیقت میں اس کا شریک ہوا، اگرچہ مشفوع الیہ کا مملوک یا بندہ کیوں نہ ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس راز کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، اس پر توحید و شرک کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ ومن لم یجعل اللہ له نورا فما له من نور.

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "إغاثة اللهفان"[1] میں زیارت و شفاعت کا یہ مضمون

[1] إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان (١/ ٢٢١)

درج فرمایا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعتِ وجاہت، شفاعتِ محبت اور شفاعتِ شرکت نہ ہوگی۔ یہ شفاعتیں اسی دنیا میں مخلوق کے سامنے ہوتی ہیں۔ صاحبِ "تقوية الإيمان"[1] نے شفاعت کے ذکر میں اس اجمال کا بہت خوب اور عام فہم ذکر کیا ہے۔ جزاه الله عنا و عن جميع المسلمين الجزاء الأوفى.

[1] زیر نظر مجموعے میں "تقوية الإيمان" کی تلخیص واضافے پر مشتمل نواب صاحب رحمہ اللہ کا تالیف کردہ کتابچہ "الانفكاك عن مراسم الإشراك" شامل ہے، اسی طرح شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "تذكير الإخوان" کا ترجمہ وتلخیص بھی "دعوة الداع إلى إيثار الاتباع على الابتداع" کے نام سے نواب صاحب رحمہ اللہ نے رقم کیا تھا، جو اس مجموعے میں موجود ہے۔

خاتمہ[1]

اللہ کے سوا کسی کو پکارنا شرکِ اعظم ہے:

ہم جس چیز کے معتقد ہیں اور اسے اللہ کا دین سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جس نے کسی نبی یا ولی یا کسی اور شخص اور چیز کو اللہ کے سوا پکارا اور اس سے قضاے حاجات اور تفریجِ کربات کا سوال کیا تو یہ وہی شرکِ اعظم ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو کافر ٹھہرایا ہے، کیونکہ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اولیا اور شفعا کو پکڑا تھا اور اپنے اعتقاد میں ان سے حصولِ نفع اور دفعِ ضرر کے طالب ہوتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸]

[اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ انھیں نفع دیتی ہیں اور کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں]

کافر و مشرک کا مال اور خون حلال ہے:

جو شخص انبیا و اولیا کو، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما یا محجوب ابی طالب یا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ یا سید معین چشتی رحمہ اللہ یا شیخ قطب الدین کاکی رحمہ اللہ یا بدیع الدین رحمہ اللہ مدار وغیرہ ہیں، وسائط ٹھہرا کر ان سے دعا کرے اور ان پر بھروسا کر کے ان سے جلبِ نفع کا سوال کرے اور یہ خیال و اعتقاد رکھے کہ ہم تو ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ لوگ اللہ سے سوال کرتے ہیں۔ جس طرح دنیا کے واسطے بادشاہوں کے ہاں لوگوں کے کام نکال دیتے ہیں، کیونکہ وہ بادشاہوں کے مقرب ہیں۔ لوگ بادشاہ سے سوال کرنے میں ادب کا خیال رکھ کر ان واسطوں کو بادشاہوں کا مقرب سمجھ کر انھیں سے سوال

[1] یہ مبحث علامہ سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ کی کتاب ”كشف غياهب الظلام عن أوهام جلاء الأوهام“ (ص: ۴۵۔۵۴) سے ماخوذ ہے۔

کرتے ہیں، لہٰذا ایسا شخص جو اس طرح کے واسطے ٹھہراتا ہے، کافر، مشرک اور حلال الدم والمال ہے، جیسا کہ علما نے اس کی صراحت کی ہے اور اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

اقناع اور اس کی شرح میں لکھا ہے:

"من جعل بينه وبين الله وسائط يتوكل عليهم ويسألهم ويدعوهم كفر إجماعا، لأن ذلك كفعل عابدي الأصنام، قائلين: ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى"[1] انتهى.

[جس شخص نے اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے ٹھہرائے، ان پر بھروسا کیا اور انھیں پکارا تو یہ کفر ہے اور اس پر اجماع ہے، کیونکہ یہ تو ان بت پرستوں جیسا فعل ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو ان کی عبادت اسی لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں]

امام ابو الوفا رحمہ اللہ کی یہ عبارت پہلے تحریر کی جا چکی ہے:

"هم عندي كفار بهذه الأوضاع، مثل تعظيم القبور و إكرامها وإلزامها بما نهى عنه الشرع من إيقاد النيران وتقبيلها و تحليتها وخطاب الموتىٰ بالحوائج، و كتب الرقاع فيها: يا مولاي افعل كذا وكذا، وأخذ تربتها تبركا، وإفاضة الطيب على القبور، وشد الرحال إليها، وإلقاء الخرق على الشجر، إقتداءا بمن عبد اللات و العزىٰ"[2]

[میرے نزدیک ان معاملات کی وجہ سے وہ کافر ہیں، مثلاً قبروں کی تعظیم و اکرام کرنا، ان پر ایسی چیزوں کا اہتمام کرنا جن سے شریعت نے منع کیا ہے، جیسے قبروں پر (چراغوں وغیرہ کی شکل میں) آگ جلانا، انھیں چومنا چاٹنا، انھیں آراستہ کرنا، مردوں کو مخاطب کر کے اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرنا اور ان پر اس طرح کی عرضیاں لکھ کر رکھنا: اے میرے آقا! اس طرح اور اس طرح کرو، ان کی مٹی کو تبرکاً اٹھا کر لے جانا، قبروں پر عطر پاشی کرنا، ان کی طرف رختِ سفر باندھنا اور لات و عزیٰ کے پجاریوں کی اقتدا میں (قبروں کے) درختوں پر کپڑوں کے ٹکڑے اور پرزے باندھنا]

---

[1] كشاف القناع عن متن الإقناع (٦/١٦٨)

[2] تلبيس إبليس لابن الجوزي (ص: ٣٥٤) إغاثة اللهفان لابن القيم (١/١٩٥)

امام بکری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

”وكانت الكفار إذا سئلوا: من خلق السموات والأرض؟ قالوا: الله، فإذا سئلوا عن عبادة الأصنام قالوا: ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى، لأجل طلب شفاعتهم عند الله وهذا كفر“[1]

[اور کفار سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو وہ کہتے ہیں: اللہ نے۔ پھر جب ان سے بتوں کی عبادت کا (سبب) پوچھا جاتا تو وہ کہہ دیتے: ہم تو صرف اس لیے ان کی عبادت کرتے ہیں، تا کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، (ہم تو) اللہ کے ہاں ان کی شفاعت طلب کرنے کے لیے (ان کی عبادت کرتے ہیں) تو یہ سب کفر ہے]

مندرجہ بالا عبارتوں میں مردوں سے حاجات طلب کرنے کو کفر ٹھہرایا گیا ہے۔ یہی حقِ صریح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے:

”إنما يحملهم على عبادتهم لهم أنهم عمدوا إلى أصنام اتخذوها على صور الملائكة المقربين في زعمهم فعبدوا تلك الصور تنزيلا لذلك منزلة عبادتهم الملائكة ليشفعوا لهم عند الله في نصرهم ورزقهم وما ينوبهم من أمور الدنيا، فأما المعاد فكانوا جاحدين له كافرين به“[2]

[ان بت پرستوں کو ان کی عبادت پر اس چیز نے برانگیخت کیا کہ یقیناً انھوں نے ان بتوں کا قصد کیا جو انھوں نے اپنے گمان میں سوچی ہوئی مقرب فرشتوں کی شکلوں پر بنا رکھے تھے، پھر اپنی عبادت کو فرشتوں کی عبادت کا مرتبہ و مقام دیتے ہوئے ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے، تا کہ وہ مدد، رزق اور دنیاوی معاملات میں اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں، رہی آخرت تو اس کے وہ ویسے ہی منکر تھے اور اس کا انکار کرتے تھے]

[1] امام بکری رحمہ اللہ کا نام ”محمد بن محمد بن عبد الرحمن الشافعي الصديقي“ (المتوفی: ۹۵۲) ہے اور یہ قول ان کی غیر مطبوع تفسیر ”تسهيل السبيل في فهم معاني التنزيل“ سے ماخوذ ہے۔ اگلے صفحات میں امام بکری رحمہ اللہ سے منقول اقوال کا ماخذ بھی یہی غیر مطبوع تفسیر ہے۔ یہ کتاب جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض، سعودی عرب میں تحقیق کے مراحل سے گزر چکی ہے، لیکن تا حال غیر مطبوع ہے۔

[2] تفسير ابن كثير (٤/٥٩)

پھر امام ابوالفدا حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''ان کا یہ شبہہ وہی پرانا شبہہ ہے جس پر نئے اور پرانے دور میں مشرکین نے اعتماد کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا رد کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو اس سے منع کیا اور انھیں تنہا اللہ کی عبادت کی طرف بلایا۔ پس یہ شرک ایک ایسی چیز ہے جسے مشرکوں نے اپنی طرف سے نکالا ہے، اللہ نے اس کی اجازت دی ہے نہ اس پر وہ راضی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے، اسی لیے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ کیا مقربین اور کیا ان کے سوا آسمانوں کے سارے ہی فرشتے اللہ کے غلام ہیں اور اس کے لیے خاکساری و خضوع کرنے والے ہیں، یہ اللہ کے ہاں کسی کے سفارشی نہ بن سکیں گے، مگر جسے وہ پسند کر کے اسے اجازت دے، ان کی حیثیت بادشاہوں کے ہاں امرا جیسی نہیں ہے کہ وہ بادشاہوں کے محبوب و مبغوض کے حق میں ان کی اجازت کے بغیر شفاعت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے طرح طرح کی مثالیں نہ دیا کرو، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔'' انتھی[1]

امام بکری شافعی رحمہ اللہ نے آیت کریمہ: ﴿مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ [یونس: ۳۱] [کون ہے جو تمھیں آسمان سے رزق دیتا ہے] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جب یہ لوگ اللہ کے خالق، رازق، محیی اور ممیت ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو پھر بتوں کو کیوں پوجتے ہیں؟ تو ہم یہ جواب دیں گے کہ اس بت پرستی میں ان سب کا عقیدہ یہ ہے کہ ایسا کرنا دراصل اللہ ہی کی عبادت اور اسی کی طرف تقرب کرنا ہے۔ لیکن اس کام میں ان کا طریق کار مختلف ہے۔ ایک فرقے نے کہا: ہمارے اندر اللہ کی عبادت کرنے کی اہلیت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت بہت بڑی ہے، لہٰذا اس کے تقرب کی غرض سے ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں۔ دوسرے فرقے نے کہا: فرشتے اللہ کے ہاں صاحبِ وجاہت و منزلت ہیں، اس لیے ہم نے ان کی تصویریں بنائی ہیں، تاکہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ تیسرے فرقے کا کہنا ہے: ہم نے ان بتوں کو اسی طرح قبلۂ عبادت ٹھہرایا ہے جس طرح کعبہ عبادت کا قبلہ ہے۔ چوتھے فرقے کا اعتقاد یہ ہے کہ ہر بت کے پاس اللہ کے حکم سے ایک شیطان مقرر ہے، جو شخص اچھی طرح اس بت کی پوجا کرتا ہے تو وہ شیطان اللہ کے حکم سے اس کا کام نکال دیتا ہے۔ ورنہ وہی شیطان اللہ کے حکم سے اسے افلاس و بدحالی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ انتھی

ائمہ دین کی مذکورہ بالا عبارتیں پکار پکار کر اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ مشرکوں کا غیر اللہ

[1] مصدر سابق

کی عبادت سے مطلب یہ تھا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو اور وہ معبود اللہ کے ہاں ان کے سفارشی بن جائیں۔

امام بکری رحمہ اللہ نے سورت زمر کی آیت کریمہ [۴۴] کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کفار نے (بتوں کی عبادت سے) صرف حصولِ شفاعت کا قصد وارادہ کیا تھا اور یہ کفر ہے۔

مختارِ شفاعت اللہ اکیلے کی عبادت:

اللہ تعالیٰ نے اس لیے رسول مبعوث کیے اور کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ اکیلے اللہ کی عبادت کی جائے اور لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ شفاعت کا اختیار اللہ کو ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا اور یہ اجازت اسی کے لیے ہوگی جو خالص موحد ہوگا، مشرک نہیں ہوگا اور اللہ اس سفارشی کے قول وعمل کو پسند کرتا ہوگا، چنانچہ شفاعت مذکورہ بالا قیود سے مقید ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾ [الزمر: ٤٤]

[شفاعت ساری کی ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے]

قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت، آیت الکرسی میں ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرة: ٢٥٥]

[کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے]

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ [النجم: ٢٦]

[اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر اس کے بعد کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور (جسے) پسند کرے]

نیز فرمایا: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ [الأنبياء: ٢٨] [اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اسی کے لیے جسے وہ پسند کرے]

مزید فرمایا:

﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ ﴾ [طٰه: ۱۰۹]

[اس دن سفارش نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے رحمان اجازت دے]

جب باوجود قرب و کرامت کے انبیا اور ملائکہ اذن و اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتے تو پھر معبودانِ باطلہ کس شمار و قطار میں ہیں؟ وہ تو خود کندۂ دوزخ ہوں گے۔

صحیحین میں شفاعت کے بارے میں جو طویل حدیث منقول ہے، اس میں بھی اذن وتحدید کی قید لگی ہوئی ہے، اس کے الفاظ ہیں: ((فَيَحُدُّ لِي حَدًّا))[1] [میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی] اس حدیث میں مذکور ہے کہ اذن چار بار بطور تحدید کے ہوگا، تب کہیں شفاعت کے لیے زبان کھلے گی۔ پھر وہ شفاعت بھی ان کے لیے ہوگی جو توحید و ایمان پر فوت ہوئے ہیں نہ کہ ان کی جو قبر پرستی، پیر پرستی، رائے پرستی، دنیا پرستی، جن اور پری پرستی وغیرہ میں رہ کر مرے۔ اگر مشرکین کے لیے اس شفاعت کا عموم کسی قوی یا ضعیف دلیل کے ساتھ ثابت ہے تو براہِ مہربانی اس حجت کا افادہ فرمایا جائے۔

امام بکری رحمہ اللہ آیت کریمہ:

﴿ وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ﴾ [الأنعام: ٥١]

[اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرا جو خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف (لے جا کر) اکٹھے کیے جائیں گے، ان کے لیے اس کے سوا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا]

کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

”نفیٰ الشفاعة، وإن كانت واقعة في الآخرة، لأنها من حيث لا تنفع إلا بإذنه، كأنها غير موجودة من غيره، وهو كذلك لمن جعل ذلك لتبين الرتب، وجملة النفي حال من ضمير ﴿يحشروا﴾ وهي محل الخوف، والمراد به المؤمنون العاصون“ انتهىٰ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٠٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٣)

[اللہ تعالیٰ نے باوجودیکہ آخرت میں شفاعت واقع ہو گی، اس کی نفی کی ہے، کیونکہ شفاعت اس حیثیت سے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر نفع مند نہ ہو گی، ایسے ہی ہے گویا وہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے غیر موجود ہے اور ہے ہی نہیں۔ تاکہ لوگوں کے مرتبے واضح ہوں۔ جملہ نافیہ [لیس لھم من دونه ولي ولا شفیع] ﴿یحشروا﴾ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور اس سے مراد گناہ گار مومن ہیں]

یعنی کسی گناہ گار مومن کو بھی یہ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر اس کی شفاعت ہو گی۔ پس جب ایمان والوں کا یہ حال ہے تو مشرکین، کفار اور فجار کس گنتی میں ہیں؟ ان کی شفاعت تو ہرگز کسی طرح بھی نہ ہو گی، چنانچہ شفاعت کی نفی والی آیات اس پر دلیل ہیں۔

پھر آیت کریمہ: ﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهُ قَوْلًا﴾ [طٰہٰ: ۱۰۹] [اس دن سفارش نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے رحمان اجازت دے اور جس کے لیے وہ بات کرنا پسند فرمائے] کے تحت لکھا ہے:

”دل علی أن الشفاعة تکون للمؤمنین فقط“ انتھیٰ.

[مذکورہ بالا آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے دن صرف مومنوں ہی کی شفاعت ہو گی] یہاں ایمان والوں سے مراد اہلِ توحید خالص ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی اس بات کا انکار کیا ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت سے تقرب و شفاعت کا ارادہ رکھتے ہیں، پھر لکھا ہے:

”قد أرسل رسله من أولھم إلی آخرھم، یزجرھم عن ذلك، وینھاھم عن عبادة ما سوی الله فکذبوھم“[1] انتھیٰ

[اللہ تعالیٰ نے از اول تا آخر اپنے رسول علیہم السلام مبعوث کیے، تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس عقیدے سے ڈانٹ ڈپٹ کریں اور انھیں اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے منع کریں، مگر لوگوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی]

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جن مشرکوں سے قتال کیا تھا، ان مشرکوں کا غیر اللہ کی عبادت سے مطلب فقط اللہ کا قرب حاصل کرنا اور اللہ کے ہاں شفاعت طلب کرنا تھا۔ مردوں

[1] تفسیر ابن کثیر (۲/۶۶۸)

سے حاجات مانگنے اور سختیوں میں ان سے استغاثہ کرنے کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ یہ دونوں مشرک ہونے میں برابر ہیں اور ان کا شرک وہی شرک ہے جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو کافر ٹھہرایا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شفاعت کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، کسی نبی، ولی، فرشتے اور اللہ کے علاوہ کسی معبود کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ جو شفاعت قیامت کے دن واقع ہوگی، وہ بھی صرف اللہ کی اجازت کے بعد ہی ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس شفاعت کی اجازت صرف اس شخص کو دیں گے جس کا کلام اور کام پسند کریں گے اور اسی کو اجازت دیں گے جو موحد ہوگا اور مشرک نہ ہوگا، لہٰذا قیامت کے دن سید الشفعاء (محمد ﷺ) کی شفاعت کی سعادت انہی لوگوں کو حاصل ہوگی، جو اہلِ توحید ہوں گے، جیسا کہ نصوص صحیحہ میں اس کی تصریح ہو چکی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

« أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ » (رواه البخاري)[1]

[قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ فیض یاب وہ شخص ہوگا جو صدق دل سے یا اپنے خالص جی سے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہہ دے]

نیز سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمانِ رسول ﷺ ہے:

« أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا »

(رواه الترمذي وابن ماجه)[2]

[میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھے اختیار دیا کہ میری آدھی امت جنت میں داخل کر دی جائے یا میں شفاعت کر لوں تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا، جو ہر اس شخص کے لیے ہے جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا]

اس سے معلوم ہوا کہ خاتم الرسل ﷺ کی شفاعت کے لیے سب سے بڑا بختاور، صاحبِ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٩٩)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٤١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٣١١)

نصیب، خوش قسمت اور طالع مند وہ ہے جو موحد ہے، اس نے نری توحید کو قبول کیا ہے، اس توحید کو تمام تعلقات شرکیہ سے خالص کیا ہے، اکیلے اللہ کی عبادت کی ہے اور جملہ مخالفات کفریہ سے اس کو پاک صاف رکھا ہے۔ ان کے سوا اور جتنی قسم کے لوگ ہیں، ان کی شفاعت نہ ہوگی، اس لیے کہ ان کے ایمان میں شرک کی آمیزش اور ملاوٹ تھی اور شرک کسی طرح بخشا نہیں جاتا۔ جب شفاعت میں ارتضا اور رضا کی قید آ گئی تو ثابت ہو گیا کہ شرک اللہ کا ناپسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ مشرک کی بات کو پسند نہیں کرتا ہے، تو پھر اللہ شفاعت کرنے والوں کو ان مشرکوں کی شفاعت کرنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟ کیونکہ شفاعت کو دو امروں کے ساتھ معلق کیا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کا مشفوع لہ سے راضی ہونا، دوسرا شفاعت کرنے والے کو اجازت دینا۔ تو جب تک یہ دونوں امر اکٹھے موجود نہ ہوں، تب تک شفاعت کا وجود معدوم ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں شفاعت اللہ کی طرف سے ہے، کیونکہ شفاعت کی اجازت اور اذن دینے والا وہی ہے، کوئی اور نہیں ہے، وہی شفاعت قبول کرنے والا، مشفوع لہ سے راضی ہونے والا، اسے ایسے کام کی توفیق دینے والا ہے جس سے وہ شفاعت کا مستحق ٹھہرے، لہٰذا ثابت ہوا کہ سفارشی بنانے والا مشرک ہے، کوئی اس کی شفاعت کرے گا نہ کوئی شفاعت اس کے لیے کار آمد ہو گی۔ جس شخص نے فقط اپنے رب کو اپنا معبود ٹھہرایا، اسی کے حق میں شفاعت کی اجازت ہو گی۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشرکین کے سفارشیوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ [یونس: ۱۸]

[کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں]

اس آیت میں یہ بات بیان کر دی گئی کہ سفارشی بنانے والے مشرک ہیں اور ان کے سفارشی مقرر کرنے سے شفاعت ان کے ہاتھ نہیں آتی ہے، شفاعت تو صرف اللہ کی اجازت سے ہو گی نہ کہ ان کے زعمِ باطل سے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے دلائل اس پر شاہد ہیں کہ جو شخص ملائکہ، انبیا اور اولیا کے

اللہ سے تقرب کے سبب انھیں اپنے اور اللہ کے درمیان شفاعت کے لیے واسطہ ٹھہراتا ہے، وہ کافر مشرک ہے اور اس کا خون اور مال حلال اور مباح ہیں، اگرچہ وہ کلمہ پڑھے، روزہ رکھے، نماز ادا کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہ مسلمان ہے، بلکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ [الكهف: ١٠٤]

[وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں]

جس شخص نے قرآن مجید میں غور وفکر کیا، اسے صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوگئی کہ جن مشرکوں سے رسول اللہ ﷺ نے قتال کیا تھا، ان سب کو اس بات کا اقرار تھا کہ خالق، رازق اور آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، سب اس کے بندے ہیں اور اسی کے زیرِ قہر اور زیرِ تصرف ہیں، چنانچہ سورت یونس، سورت مومنین اور سورت عنکبوت وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ مشرکین اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو پکارتے تھے، جس طرح سورت سبحان اور سورت مائدہ وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔ اسی طرح وہ فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے جس کا ذکر سورت فرقان، سورت سبا اور سورت نجم میں موجود ہے۔

نیز اس بات کی صراحت ہو چکی ہے کہ مشرکوں کی اس عبادت سے مراد اللہ کا تقرب اور اللہ کے ہاں شفاعت کا حصول تھا، چنانچہ سورت یونس اور سورت زمر وغیرہ میں اس کا تذکرہ ہوا ہے۔

جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ قرآن مجید میں ان تین چیزوں کی صراحت موجود ہے، ایک مشرکین کا رب العالمین کی ربوبیت کا اعتراف کرنا، دوسری ان کا صالح اور نیک بندوں کو پکارنا اور تیسری چیز ان کا ان معبودوں سے تقرب اور شفاعت کا ارادہ رکھنا، تو اب یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ گور پرست اور پیر پرست جو اعمال وافعال کرتے ہیں، یعنی فوائد حاصل کرنے اور سختیاں دور کرنے کا سوال، تو یہ وہی شرک ہے جس کی بنا پر مشرکوں کو کافر کہا گیا تھا۔ ان مشرکوں نے علم، عبادت اور تصرف میں خالق کو مخلوق کے مشابہ اور مخلوق کو خالق کی مانند ٹھہرا دیا۔

ان کے رد میں قرآن مجید اور اہلِ علم کا کلام اس قدر وسیع ہے کہ اس جگہ اس تمام کے بیان کی گنجایش نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور عام بادشاہوں میں فرق:

بادشاہوں اور لوگوں کے درمیان تین طرح کے واسطے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہوں کو لوگوں کے جس حال کی خبر نہیں ہے، یہ لوگ بادشاہوں کو اس کی خبر دیتے ہیں۔ اب جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال کو جاننے اور پہچاننے والا نہیں ہے، جب تک بعض انبیا یا اولیا یا فرشتے وغیرہ اسے خبر نہ دیں تو وہ شخص کافر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مخفی اور پوشیدہ کا عالم اور جاننے والا ہے، آسمان وزمین میں ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں ہے، ساری جزئیات اس کی معلومات ہیں۔

دوسرے یہ کہ بادشاہ تب تک رعایا کی تدبیر اور دشمنوں کے دفع اور دفاع سے عاجز ہے، جب تک اس کے اعوان و انصار اس کی معاونت اور نصرت نہ کریں، تب تک وہ کچھ بندوبست اور انتظام نہیں کر سکتا ہے۔ سو اللہ کا کوئی ولی اور وزیر ہے اور نہ کوئی مشیر وظہیر۔ وجود میں جتنے اسباب ہیں، ان سب کا وہی خالق، رب اور مالک ہے۔ وہ ہر ایک سے غنی ہے اور ہر ایک اس کا محتاج اور فقیر ہے، برخلاف دنیا کے بادشاہوں کے جو اپنے معاونین اور مددگاروں کے محتاج ہوتے ہیں اور حقیقت میں یہ اعیان و انصار اس کے شریک ہیں اور اللہ کا اس کے ملک اور ملکوت اور ناسوت ولاہوت میں کوئی شریک نہیں ہے، بلکہ وہ ”لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيئ قدير“ [اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے] ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا ہے خواہ وہ مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل، تو پھر کسی ولی، پیر، شہید، جن، بھوت، پری، شجر، حجر، آفتاب و ماہتاب وغیرہ کی کیا ہستی ہے کہ دم مار سکیں؟ جو شخص یہ کہے کہ کوئی اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکتا ہے تو گویا وہ حصولِ مطلوب میں اللہ کا شریک ٹھہرا، اس کی شفاعت نے یہ اثر دکھایا کہ طالب کا مطلب نکال دیا، حالانکہ کسی وجہ سے کوئی اللہ کا شریک ہے نہ ہو سکتا ہے۔ تعالیٰ الله عن ذلك علوا كبيرا.

تیسری یہ کہ جب تک خارج میں کوئی محرک نہ ہو، بادشاہ نہیں چاہتا کہ اپنی رعیت کو نفع پہنچائے یا ان کے ساتھ احسان کرے، پھر جب کوئی ناصح اور واعظ اس کو مخاطب کرتا ہے یا جس شخص سے بادشاہ کو خوف و رجا ہے وہ راہنمائی کرتا ہے، تب کہیں بادشاہوں کا رعایا کی حاجات وضروریات کو پورا

کرنے کا ارادہ حرکت میں آتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ ہر چیز کا رب اور مالک ہے اور اپنے بندوں پر اس کا رحم ماں کے بچے پر رحم سے بڑھ کر ہے اور سارے اسباب اسی کی مشیت سے ہوتے ہیں، ماشاء اللہ کان و ما لم یشأ لم یکن.

اسے جب یہ منظور ہوتا ہے کہ بعض بندوں کے ہاتھوں دوسروں کو فائدہ پہنچائے تو ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ احسان کرنے لگتا ہے اور اس کے لیے دعا کرتا ہے اور سفارشی بن جاتا ہے، ان سب اسباب کا خالق وہی اللہ ہے، اسی نے اس محسن کے دل میں احسان و دعا کا ارادہ پیدا کیا ہے۔ عالم وجود میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی مراد کے خلاف مجبور کر سکے یا اللہ تعالیٰ کو وہ بات بتائے جو اسے معلوم نہیں ہے۔

جو لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کریں گے، انھیں اللہ کی اجازت کے بغیر اس شفاعت کی مجال نہیں ہو گی، برخلاف بادشاہوں کے کہ جو لوگ ان کے پاس کسی کی سفارش کرتے ہیں وہ ملک و مال میں اس کے شریک ہیں اور یہ شخص ان بادشاہوں کی ملک داری اور فرمانروائی میں ان کا معاون ہوتا ہے، اس قسم کے سفارشی بادشاہوں کی اجازت کے بغیر ہی اس کے سفارشی بن جاتے ہیں اور بادشاہ چار و ناچار ان کی سفارش قبول کرتا ہے، اس لیے کہ وہ ان کا محتاج ہے یا ان کے کسی احسان کا بدلہ دینا چاہتا ہے، حتی کہ وہ بادشاہ اپنی بیٹی اور بیوی کی شفاعت قبول کرتا ہے، اسی وجہ سے کہ وہ ان کی حاجت رکھتا ہے، اگر اس کی بیگم یا بیٹا روٹھ جائیں تو اسے رنج وضرر پہنچتا ہے، بلکہ اپنے غلام کی سفارش کو بھی قبول کر لیتا ہے، کیونکہ اس سے یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر میں اس کا کہنا نہ مانوں گا اور اس کی شفاعت منظور نہ کروں گا تو یہ میری اطاعت نہ کرے گا۔ بادشاہ اپنے بھائی کی سفارش بھی قبول کر لیتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں وہ میرے ضرر میں کوشش اور سازش نہ شروع کر دے۔

غرض کہ بندوں کی بندوں کے ہاں شفاعت اس جنس سے ہوتی ہے کہ کوئی کسی کی سفارش قبول نہیں کرتا، مگر اسی رغبت یا رہبت کی وجہ سے، جب کہ اللہ تعالیٰ کو کسی سے کوئی امید ہے، کسی کا خوف ہے اور نہ کسی کی طرف کوئی حاجت، بلکہ وہ غنی مطلق ہے اور سب اس کے محتاج اور دست نگر ہیں، وہ کسی کا حاجت مند نہیں ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ اگر سارے جن وانس ملکر کافر ہو جائیں اور مشرک بن جائیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر سب کے سب عابد و موحد بن جائیں تو اسے کوئی فائدہ نہیں

ہے، اسے کسی بات کی کوئی پروا نہیں ہے، اس کی ذات پاک اور بے پروا ہے۔

مشرکین نے مخلوق میں سے اپنے سفارشی ان لوگوں کو ٹھہرایا ہے جن کو یہ پوجتے ہیں اور انھوں نے اپنے ان واسطوں کو اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا ہے، مگر اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے ان وسائط کی نفی فرمائی اور کہہ دیا کہ اس اعتقاد فاسد اور زعمِ کاسد کے ساتھ ان اولیا، انبیا، شہدا اور فرشتوں کا توسط تمھارے لیے کار آمد نہیں ہوگا۔ رہی وہ چیز جو تمھارے لیے نفع مند ہو سکتی ہے تو وہ یہی عبادتِ خالص اور توحیدِ مفرد ہے، جو کلمہ "أشهد أن لا إله إلا الله" اور "أشهد أن محمدا عبده و رسوله" سے ثابت ہے۔ پس جو شخص اس کلمے کے معنی و مفہوم پر عمل پیرا ہوگا اور اس کے تقاضے پورے کرے گا، وہی مومن موحد اور محسن مخلص ہے اور جس کا کوئی قول و فعل اور حال و خیال اس کے معنی و مقتضا کے خلاف ہوگا وہ مشرک کافر ہے یا مبتدع گمراہ۔ واللّٰه أعلم وعلمه أتم وأحكم.

خاتمہ تالیف:

نو شوال بروز بدھ یہ رسالہ شروع کیا تھا اور آج تیرہ شوال ۱۳۰۵ھ بروز اتوار پانچ دن میں بحمدہ تعالی وعونہ ختم ہوا۔

ختم اللّٰه لنا بالحسنىٰ و زيادة، وحشرنا تحت لواء خير خلقه محمد صلى الله عليه وسلم وآله في زمرة أهل السنة. اللّٰهم آمين وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

ملاك السعادة

في

إفراد الله تعالىٰ بالعبادة

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان حسینی بھوپالی رحمہ اللہ

(۱۲۴۸ھ—۱۳۰۷ھ)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي لا يقبل توحيد ربوبيته عن العباد، حتى يفردوه بتوحيد الإلهية كل الإفراد، والصلاة والسلام علىٰ عبده و رسوله سيد ما في عالم الإيجاد، وعلى آله و صحبه الكرام الأمجاد. أمابعد:

ابتدائیہ:

یہ مختصر رسالہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے اور الحاد کی گندگیوں سے عقیدے کی تطہیر کے لیے تصنیف کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ایک مقدمے، چند فصلوں اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔

مقدمہ:

اس میں اصولِ خمسہ (پانچ اصول) کا بیان ہے۔

اصلِ اول:

ضرورت دینیہ میں یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ سب حق ہے باطل نہیں ہے، سچ ہے جھوٹ نہیں ہے، ہدایت ہے گمراہی نہیں ہے، علم ہے جہالت نہیں ہے اور یقین ہے شک و شبہہ نہیں ہے۔ یہ وہ اصل ہے کہ جب تک کوئی شخص اس کا اقرار نہیں کرتا، تب تک اس کا اسلام صحیح اور ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ایک ایسا امر ہے جس پر اجماع ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اصلِ دوم:

آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی نبی اور رسول آئے، از اول تا آخر سب ہی لوگوں کو توحیدِ عبادت کی طرف دعوت دینے کے لیے آئے، چنانچہ ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اپنی قوم کو جو بات کہی، وہ یہی تھی:

﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الأعراف: ٥٩]

[اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں]

نیز انھوں نے اپنی قوم سے کہا:

﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ﴾ [فصلت: ١٤] [اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو]

مزید فرمایا:

﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ [نوح: ٣]

[کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو]

''لا الٰہ الا اللہ'' کا بھی یہی مطلب ہے، یعنی اس ایک ذات پاک کے علاوہ ساری کائنات کا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ رسولوں نے اسی کلمے کی طرف تمام لوگوں کو دعوت دی کہ تم اس کلمے کے مطابق اپنا عقیدہ بناؤ، خالی زبان سے یہ کلمہ پڑھ لینے پر اکتفا نہ کرو۔ اس کلمے کا معنی یہ ہے کہ اکیلے اللہ کو معبود سمجھو اور جو معبود اللہ کے سوا ہیں، ان کی نفی کرو اور ان سے بے زار ہو جاؤ۔ اس اصل کے مضمون میں کسی طرح کا شک وشبہہ نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ایمان نہیں ہے۔

اصلِ سوم:

توحید دو طرح کی ہے:

پہلی قسم:

ایک توحید تو توحیدِ ربوبیت، خالقیت اور رازقیت وغیرہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات کا خالق، پالنے والا اور رزق دینے والا فقط اللہ ہے۔ یہ وہ توحید ہے جس کا کوئی مشرک بھی انکار نہیں کرتا اور نہ اس میں کسی کو اللہ کا شریک بناتا ہے، بلکہ سارے کافر اور مشرک، سوائے دہریوں کے، اس توحید کا اقرار کرتے ہیں۔

دوسری قسم:

توحید کی دوسری قسم توحیدِ عبادت ہے۔ یعنی عبادت کی جتنی بھی قسمیں ہیں، وہ صرف اللہ کے لیے بجا لائی جائیں۔ اسی توحید میں مشرکین نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں۔ خود اسی لفظ ''شریک'' میں سے اللہ تعالیٰ کا اقرار نکلتا ہے۔ بہر حال پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا، جنھوں نے اپنی امتوں کے

پاس آکر توحید کی پہلی قسم کے متعلق تو اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تمھاری یہ توحید درست ہے۔ انھوں نے مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ﴾

[إبراهيم: ١٠]

[کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟ تمھیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمھارے لیے تمھارے کچھ گناہ بخش دے]

مزید فرمایا:

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾

[الفاطر: ٣]

[کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے، جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں]

نیز ان پیغمبروں نے اپنی امتوں کو شرک فی العبادۃ سے منع فرمایا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

[النحل: ٣٦]

[اور بلاشبہہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو]

یعنی ہم نے رسولوں کو یہ مشن دے کر مبعوث کیا کہ وہ اپنی امتوں کو یہ دعوت دیں کہ اکیلے اللہ کی عبادت کرو۔

اس آیت میں مذکور لفظ ﴿فِي كُلِّ أُمَّةٍ﴾ سے ثابت ہوا کہ تمام امتوں کی طرف آنے والے سارے رسول اسی توحید کی طرف بلانے کے لیے آئے، نہ اس لیے کہ وہ لوگوں کو یہ بات بتائیں کہ ساری کائنات کا خالق، رب اور رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگ تو پہلے ہی سے اس بات کا اقرار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر جو آیات نازل ہوئی ہیں، وہ بطور استفہام تقریری کے ہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ﴾ [الفاطر: ٣] [کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟]

نیز فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ﴾ [النحل: ۱۷]

[تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے، اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا؟]

مزید فرمایا:

﴿ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [إبراهيم: ۱۰]

[کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟]

ایک جگہ یوں ارشاد ہے:

﴿ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [الأنعام: ۱٤]

[کہہ دے! کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوست بناؤں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟]

﴿ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ [لقمان: ۱۱]

[یہ ہے اللہ کی مخلوق، تو تم مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے جو اس کے سوا ہیں، کیا پیدا کیا ہے؟]

یوں بھی فرمایا:

﴿ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ [الأحقاف: ٤]

[مجھے دکھاؤ انھوں نے زمین میں سے کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے؟]

یہ آیات ان کے حق میں استفہام تقریری ہیں، کیوں کہ وہ اس کا اقرار کرتے تھے۔

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکوں نے جن بتوں کو معبود بنایا، مسیح، مریم اور فرشتوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، وہ اس لیے نہیں کہ یہ لوگ ان کے یا زمین و آسمان کے خالق ہیں، بلکہ انھوں نے ان کی عبادت اس لیے اختیار کی کہ یہ خدا تک ہماری رسائی کرا دیں گے اور ہمارے سفارشی بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی

الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [يونس: ١٨]

[کہہ دے! کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بلند ہے اس سے جو شریک بناتے ہیں]

اللہ تعالیٰ نے ان کے سفارشی ٹھہرانے کو شرک تصور کر کے اپنے نفس سے اس کی تنزیہ اور پاکیزگی فرمائی، کیونکہ اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کا سفارشی نہیں بنے گا۔ پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کی اجازت کے بغیر انھیں اپنے سفارشی کس طرح بنا سکتے ہیں؟ یہ تو خود اس لائق ہی نہیں ہیں کہ ان کی سفارش کی جائے۔ ان کے بنائے ہوئے سفارشی اللہ کے ہاں ان کے کسی کام نہیں آ سکتے۔

اصلِ چہارم:

جن مشرکوں کے پاس اللہ کے رسول آئے، وہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ ہمارا خالق اللہ ہے۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ [الزخرف: ٨٧]

[اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ انھیں کس نے پیدا کیا تو بلاشبہہ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں بہکائے جاتے ہیں؟]

وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ [الزخرف: ٩]

[اور بلاشبہہ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ انھیں سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے نے پیدا کیا ہے]

وہ یہ بھی مانتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالنا، آسمان کے اوپر سے زمین کا بندوبست کرنا اور انتظام چلانا اور کان، آنکھ اور دل کا مالک ہونا؛ اسی کا کام ہے، کسی اور کا نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ

مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [يونس: ٣١]

[کہہ دے! کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندے کو مردے سے نکالتا اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو ضرور کہیں گے ''اللہ'' تو کہہ! پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟]

نیز فرمایا:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾

[المؤمنون: ٨٤-٨٩]

[کہہ! یہ زمین اور اس میں جو کوئی بھی ہے کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کہہ! ساتوں آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ ضرور کہیں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہہ دے! پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ کہہ! کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کے لیے ہے۔ کہہ! پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟]

یہ ساری آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ مشرکین کو اللہ کی خالقیت، رازقیت، تدبیرِ ارض، مالکیتِ گوش وچشم اور دل وغیرہ کا اقرار تھا۔ فرعون کا کفر میں غلو کرنا، قبیح دعویٰ کرنا اور شنیع کلمے کے ساتھ تکلم کرنا تو معلوم ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اس کی یہ حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾

[الإسراء: ١٠٢]

[اس نے کہا: بلاشبہ یقیناً تو جان چکا ہے کہ انھیں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نہیں اتارا، اس حال میں کہ واضح دلائل ہیں]

ابلیس نے کہا:

﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [الحشر: ١٦]

[بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا رب ہے]

نیز ابلیس نے کہا تھا:

﴿ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ﴾ [الحجر: ٣٩] [اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے]

مزید کہا:

﴿ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ﴾ [الحجر: ٣٦] [اے میرے رب! پھر مجھے مہلت دے]

اسی طرح ہر مشرک کو اس بات کا اقرار ہے کہ اس کا اور آسمان و زمین کا خالق، ہر چیز کا رب اور سب کا رازق اکیلا اللہ ہے، لہٰذا رسولوں نے ان پر یہ کہہ کر حجت قائم کی:

﴿ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ﴾ [النحل: ١٧]

[تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے، اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا؟]

مزید فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ [الحج: ٧٣]

[بے شک وہ لوگ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، ہرگز ایک مکھی پیدا نہیں کریں گے، خواہ وہ اس کے لیے جمع ہو جائیں]

بہر حال مشرکین اس کا اقرار کرتے ہیں، انکار نہیں کرتے۔

اصلِ پنجم:

عبادت کا مفہوم انتہائی درجے کی ذلت اور خاکساری اختیار کرنا ہے۔ اس کا استعمال خضوع للہ کے لیے ہوتا ہے، کیوں کہ سب سے بڑا ولیِ نعمت وہی ہے، لہٰذا غایت درجے کا خضوع کرنا بھی اسی کے لائق ہے نہ کہ کسی اور کے لیے۔ ہر عبادت کی جڑ اور بلندی یہی توحید للہ ہے۔ کلمہ توحید "لا الٰہ الا اللہ" ہی

وہ کلمہ ہے جس کی طرف سارے رسولوں نے مخلوقِ خدا کو دعوت دی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کو معبود سمجھنا چاہیے اور اللہ کے سوا جو بھی معبود ہے، اس سے بے زار ہو جانا چاہیے۔ لہٰذا یہ چیز کلمے کے مطابق عقیدہ بنانے سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ صرف زبانی اقرار کرنے سے۔ یہ بات تو کفارِ عرب بھی جانتے تھے، کیونکہ وہ زبان دان تھے، لہٰذا انھوں نے کہا:

﴿ أَجَعَلَ الْأٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ [صٓ: ٥]

یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس شخص نے تمام خداؤں کو ایک ہی خدا بنا ڈالا ہے!!

پہلی فصل

عبادت کی اقسام

گذشتہ اصول کی معرفت کے بعد تمھیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کی کئی اقسام بیان فرمائی ہیں:

① اعتقادی عبادت:

اعتقادی عبادت تمام انوعِ عبادات کی اساس ہے۔ یعنی بندہ اس بات کا معتقد ہو کہ اکیلا اللہ ہی معبود اور رب واحد ہے۔ ساری مخلوق اسی کی ہے، ہر جگہ اسی کا امر چلتا ہے اور وہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش کر سکتا ہے اور نہ اس کے سوا کوئی سچا معبود ہی ہے۔ اسی طرح الوہیت کے دیگر لوازم کا اعتقاد رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

② لفظی عبادت:

دوسری عبادت لفظی ہے، یعنی زبان سے کلمہ توحید پڑھنا۔ جس شخص نے دل میں مذکورہ اعتقاد تو رکھا، جب کہ زبان سے اس کا اقرار نہ کیا تو اس کا خون اور مال محفوظ نہ ہوگا۔ وہ تو ابلیس کی طرح ہے کہ توحید کا اعتقاد و اقرار تو رکھتا ہے، لیکن اس نے سجدے کی بابت اللہ کے حکم کی بجا آوری نہ کی، اس لیے وہ کافر ہو گیا۔ جس نے کلمہ توحید کو زبان سے تو کہا، مگر دل میں اس کے مطابق اعتقاد نہ رکھا، اس کا خون اور مال محفوظ اور اس کا حساب اللہ پر ہے، لیکن وہ منافقوں کے حکم میں ہے۔

③ بدنی عبادت:

تیسری عبادت بدنی ہے، جیسے نماز میں قیام، رکوع اور سجود۔ روزہ، مناسکِ حج اور طواف بھی بدنی عبادت میں شامل ہیں۔

④ مالی عبادت:

چوتھی عبادت مالی ہے، جیسے اللہ کا حکم بجا لانے کے لیے کچھ مال خرچ کرنا، مثلاً زکات اور صدقہ۔ یوں تو ابدان، اموال، افعال اور اقوال میں واجبات و مندوبات کی کئی قسمیں ہیں، لیکن ان کی بنیادی اقسام یہی ہیں۔

بعثتِ انبیا کا بنیادی مقصد:

اللہ تعالیٰ نے از اول تا آخر سارے پیغمبر اسی لیے بھیجے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کی طرف دعوت دیں۔ انھیں اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے یہ حقیقت ثابت کریں کہ اللہ ان کا خالق اور رازق ہے، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اس کا اقرار کرتے تھے۔ وہ اس کے منکر کب تھے کہ رسول اس دعوت کے لیے بھیجے جاتے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں، لہٰذا انھوں نے انبیا کی دعوت کے جواب میں یہ کہا تھا:

﴿ أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ [الأعراف: ۷۰]

[کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اس اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟]

ان لوگوں کو تو صرف رسولوں کی اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کی طرف دعوت دینے پر اعتراض تھا، نہ کہ اس بات پر کہ کوئی اللہ نہیں ہے اور نہ وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ کی عبادت نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ اللہ کو بھی پوجتے تھے اور غیر اللہ کو بھی، اور یہی ان کا شرک تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّ أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرة: ۲۲]

[پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو]

یعنی تم جانتے ہو کہ اللہ کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں۔

وہ لوگ دورانِ حج کہتے تھے:

«لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكاً هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَ مَا مَلَكَ»[1]

[(اے اللہ!) میں حاضر ہوں، سوائے ایک شریک کے تیرا کوئی شریک نہیں ہے، جبکہ اس

---

① صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۱۸۵)

کا اور اس کی مملوکہ چیزوں کا بھی تو ہی مالک ہے]

غور کریں تو انھوں نے "لا شريك لك" کہہ کر تنہا اللہ ہی کے لیے عبادت کے ہونے کا اقرار کیا ہے۔ کاش! یہ "إلا شريكاً هو لك" نہ کہتے۔ ان کے شریک ٹھہرانے ہی میں اللہ تعالیٰ کا اقرار خود بہ خود ثابت ہوتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ [الأنعام:٢٢]

[کہاں ہیں تمھارے وہ شریک جنھیں تم گمان کرتے تھے؟]

ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ [القصص: ٦٤]

[اور کہا جائے گا اپنے شریکوں کو پکارو۔ سو وہ انھیں پکاریں گے تو وہ انھیں جواب نہ دیں گے]

مزید فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ [الأعراف: ١٩٥]

[کہہ دے تم اپنے شریکوں کو بلا لو، پھر میرے خلاف تدبیر کرو، پس مجھے مہلت نہ دو]

اس سے معلوم ہوا کہ شریک مقرر کرنے میں اللہ تعالیٰ کا اقرار ہے۔ انھوں نے بتوں کی پوجا اور پرستش کی، ان کے سامنے خشوع و خضوع کیا، نذر و نیاز اور ذبح و نحر کے ذریعے ان کا تقرب چاہا تو اسی اعتقاد کی بنا پر کہ وہ انھیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور وہ ان کے سفارشی بن جائیں گے۔ اس پر اللہ نے پیغمبروں کو بھیج کر یہ حکم دیا کہ تم انھیں کہہ دو کہ اللہ کے سوا ہر ایک کی عبادت کرنا چھوڑ دیں، نیز اس بات کو واضح کیا کہ شریکوں کے حق میں انکا یہ اعتقاد باطل اور غلط ہے۔ یہ عقیدہ تو اللہ کے حق میں رکھنا چاہیے نہ کہ اللہ کے سوا کسی معبود باطل کے حق میں۔ یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو جس چیز کی طرف دعوت دی، وہ یہی توحیدِ عبادت تھی۔ وہ توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ توحیدِ ربوبیت یہ ہے کہ اللہ اکیلا خالق اور رازق ہے۔ سب سے پہلے پیغمبر نوح علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔ ہر پیغمبر نے اپنی امت کو جس چیز کی طرف دعوت دی، وہ یہی توحیدِ عبادت ہے، اسی لیے رسولوں نے ان سے یہ بات کہی:

﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ [هود: ٢٦] [کہ تم اللہ کے سوا (کسی کی) عبادت نہ کرو]

مزید فرمایا:

﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الأعراف: ٥٩]

[اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں]

انھوں نے جن مشرکوں سے یہ بات کہی تھی، ان میں سے کوئی تو فرشتوں کو پوجتا تھا اور سختی کے وقت انھیں پکارتا تھا اور کوئی پتھروں کو پوجتا تھا اور ان کے نام کی دہائی دیتا تھا۔ وہ پتھر اصل میں نیک لوگوں کی مورتیاں اور مجسمے تھے، جن سے یہ مشرک محبت رکھتے تھے اور ان کے معتقد تھے۔ جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو انھوں نے دل کی تسلی کے لیے ان کی تصویریں بنا لیں اور ان کو جب کافی مدت گزر گئی تو وہ ان کی پوجا کرنے لگے اور پھر زمانہ دراز کے بعد وہ پتھروں کے پجاری بن گئے۔ ان میں سے کوئی مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتا تو کوئی ستاروں کی اور کوئی خالص چاند کی پوجا کرتا اور کوئی سختی کے وقت غیر اللہ کو پکارتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے انھیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی کہ جس طرح تم توحید ربوبیت کے قائل ہو، اسی طرح توحید عبادت کے بھی قائل بن جاؤ اور "لا الٰہ الا اللہ" کے معنی کے معتقد بن کر اس کلمے کے تقاضوں پر عمل کرو اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ [الرعد: ١٤]

[برحق پکارنا صرف اسی کے لیے ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی دعا کچھ بھی قبول نہیں کرتے]

نیز فرمایا:

﴿ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [إبراهيم: ١٢]

[اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ بھروسا کرنے والے بھروسا کریں]

مزید فرمایا:

﴿ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [المائدة: ٢٣]

[اور اللہ ہی پر پس بھروسا کرو، اگر تم مومن ہو]

یعنی اللہ تعالیٰ پر سچے ایمان کی ایک شرط یہ ہے کہ تم صرف اللہ پر توکل اور اکیلے اللہ ہی پر بھروسا رکھو، اسی طرح دعا اور استغاثہ بھی صرف اللہ سے کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحة: ٤] [ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں] کہو۔ مگر اس کے قائل کی تصدیق تب ہی ہو گی، جب وہ صرف اللہ کی عبادت کرے۔ ورنہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔ زبان سے تو وہ یہ پڑھتا ہے جب کہ اس کے مفہوم کے مطابق عمل نہیں کرتا، کیونکہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ [الفاتحة: ٤] کا مطلب یہ ہے:

"نخصك بالعبادة، و نفردك بها دون أحد"

[ہم تجھے عبادت کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور تجھ ہی کو ہر ایک کے سوا اس عبادت کا تنہا حق دار سمجھتے ہیں]

ان آیات ﴿اِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ اور ﴿اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴾ کا بھی یہی مطلب ہے، جیسا کہ علم بیان میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ایسے لفظ کو مقدم کرنا جس کا حق بعد میں آنا ہوتا ہے، حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور صرف اسی سے ڈرو، جیسا کہ "الکشاف" میں ہے۔[1]

اکیلے اللہ کی عبادت تب ہی ہو سکتی ہے جب دعا و ندا، خوف و رجا، استغاثہ و استعانت، التجا اور عبادات کی جملہ اقسام جیسے خضوع و قیام، رکوع و سجود، طواف، حلق و تقصیر، عام لباس اتار کر خاص لباس احرام پہننا اور اسی طرح کی دیگر عبادات صرف اللہ کے لیے خاص ہوں۔ ورنہ جو شخص ان کاموں میں سے کوئی کام کسی مخلوق کے لیے کرتا ہے، خواہ وہ مخلوق زندہ ہو یا مردہ یا کوئی اور چیز، تو وہ شخص شرک فی العبادۃ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جس کسی کے لیے مذکورہ افعال ادا کیے جائیں، وہ معبود ٹھہرتا ہے، قطع نظر اس کے وہ فرشتہ ہو یا پیغمبر، ولی ہو یا پیر و شہید، بھوت ہو یا پری، درخت ہو یا پتھر، قبر ہو یا استھان یا جن،

[1] تفسير الكشاف للزمخشري (١/ ٥٥)

وہ زندہ ہو یا مردہ؛ بہرصورت مذکورہ شکلوں میں یا اس کے سوا کسی شکل میں عبادت کرنے والا اس مخلوق کا عبادت گزار ٹھہرتا ہے، اگرچہ وہ اللہ کی ذات کا اقرار کرتا ہو اور اللہ کی عبادت بھی کرتا ہو، کیونکہ مشرک بھی اللہ کے وجود اور اس کی طرف تقرب حاصل کرنے کو مانتے تھے، مگر اس سے وہ شرک سے باہر نکلتے ہیں نہ وہ اپنی ہلاکت، اپنی اولاد کی گرفتاری اور اپنے اموال کی بربادی سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ»[1]

[میں تمام شریکوں کی نسبت شرک سے سب سے زیادہ بے پروا ہوں]

وہ ایسے کاموں کو ہرگز قبول نہیں کرتا جن میں کوئی غیر اس کا شریک بنایا جائے۔ ایسا غیر اللہ کا عبادت گزار مومن نہیں ہوتا، خواہ وہ کلمہ پڑھے، نماز و روزہ اور زکات و حج بجا لائے۔

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٨٥)

دوسری فصل

شرک فی العبادۃ کی صورتیں

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مشرکین کا مخلوق میں سے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ اللہ کو بھی ماننا کسی کام کا نہیں ہے اور نہ ان کا یہ اقرار اللہ کے ہاں انھیں کوئی فائدہ ہی دے سکتا ہے۔ ان کا شرک فی العبادۃ یہ تھا کہ وہ غیر اللہ کو نفع اور نقصان کے مالک سمجھتے تھے اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ انھیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں، نیز وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ لہٰذا وہ ان کے لیے جانور ذبح کرتے، انھیں ان کے ارد گرد گھماتے، نذر و نیاز چڑھاتے، منتیں مانتے، ان کے سامنے ذلیل و خوار بن کر با ادب کھڑے ہوتے، انھیں سجدے کرتے اور اس سب کچھ کے باوجود اللہ کی ربوبیت کا بھی اقرار کرتے، اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور زمین و آسمان کا مدبر جانتے، لیکن عبادت میں شرک کے مرتکب ہوتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک قرار دیا اور ان کے اقرارِ ربوبیت کی کچھ حیثیت نہ سمجھی، اس لیے کہ ان کا فعل ان کے قول کے منافی تھا، لہٰذا توحیدِ ربوبیت ان کے کسی کام نہیں آ سکتی، جب تک اس توحیدِ ربوبیت کے ساتھ توحیدِ عبودیت نہ ہو اور جب توحیدِ عبودیت نہ ہو تو ان کا توحیدِ ربوبیت کا اقرار باطل ہے اور وہ پکے سچے مشرک ہیں، جہنم کی آگ کے مختلف طبقات میں پڑے ہوئے ان کو یہ علم ہو جائے گا کہ یقیناً وہ مشرک تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الشعرآء: ۹۷-۹۸]

[اللہ کی قسم! بے شک ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔ جب ہم تمھیں جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے]

حالانکہ انھوں نے اپنے معبودوں کو ہر لحاظ سے اللہ کے برابر ٹھہرایا تھا نہ وہ انھیں خالق اور

رازق جانتے تھے۔ لیکن جہنم کی تہہ میں جا کر انھوں نے یہ بات جان لی کہ توحیدِ عبادت میں ان کے شرک کے ذرات میں سے ایک ذرے کی آمیزش کرنے نے ان کو اس شخص کی طرح کر دیا جس نے اصنام اور رب الانام کو برابر ٹھہرایا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [يوسف: ١٠٦]

[اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں]

یعنی اکثر لوگ جو اللہ کی ربوبیت اور خالقیت کا اقرار کرتے ہیں، مگر بتوں کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اطاعت کے کاموں میں ریا کاری کرنے کو طاعات میں شرک کرنے کا نام دیا ہے، حالانکہ اس طاعت کے فاعل کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے۔ بات صرف یہ ہوئی کہ اس نے اطاعت والا کام کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت پیدا کرنا چاہی۔ ریا کار نے عبادت تو اللہ ہی کی کی تھی، کسی اور کی نہیں، لیکن اس نے اس عبادت میں بندوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت پیدا کرنے کی طلب کی آمیزش کر دی، لہٰذا اس کی وہ عبادت قبول نہ ہوئی، بلکہ وہ شرک ٹھہری۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَ شِرْكَهُ» (رواه مسلم)[1]

[اللہ عزوجل فرماتا ہے: میں شریکوں میں شرک سے سب سے زیادہ بے پروا ہوں۔ جس نے کوئی کام کیا اور اس میں میرے غیر کو شریک کر لیا تو میں اس شخص کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں]

بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو "عبد الحارث" نام رکھنے کو بھی شرک قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ﴾ [الأعراف: ١٩٠]

[پھر جب اس نے انھیں تندرست بچہ عطا کیا تو دونوں نے اس کے لیے اس میں شریک بنا لیے جو اس نے انھیں عطا کیا تھا]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٩٨٥)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب حوا علیہا السلام کو حمل ٹھہرا، جبکہ ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، تو ابلیس نے آ کر کہا: جب تک تم اپنے بچے کا نام عبدالحارث نہیں رکھو گی، تب تک تمھارا کوئی بچہ زندہ نہیں رہے گا۔ حوا علیہا السلام نے وہ نام رکھ لیا تو ان کا وہ بچہ زندہ رہا۔ یہ کام انھوں نے شیطان کی وحی اور وسوسے سے کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور اس عمل کو شرک قرار دیا، کیونکہ حارث شیطان کا نام تھا۔[1] شرک فی التسمیہ کا یہ سارا واقعہ درمنثور وغیرہ میں درج ہے۔[2]

[1] مسند أحمد (۱۱/۵) اس کی سند میں موجود راوی "عمر بن ابراہیم البصری" کے متعلق امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا یحتج به" "وہ قابل حجت نہیں"۔ پھر جیسے کہ دوسری سند سے ثابت ہے کہ یہ روایت سمرہ بن جندب پر موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں حسن بصری رحمہ اللہ مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں۔ نیز حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر مذکورہ تفسیر کے خلاف کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۷۴/۴) اگر ان کے ہاں مذکورہ روایت مرفوع ہوتی تو وہ اسے کبھی نہ چھوڑتے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مسند احمد اور سنن الترمذی کی مذکورہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

[2] تفسیر الدر المنثور (۶۲۳/۳)

تیسری فصل

وسیلے کا شرک

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی شجر و حجر، قبر و مدر، فرشتے و جن اور زندے یا مردے کے متعلق یہ عقیدہ رکھے گا کہ وہ نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے یا وہ اللہ تک میری رسائی کرا دے گا، اس کے پاس میرا سفارشی بن جائے گا اور اللہ سے دنیا کا میرا کوئی کام نکلوا دے گا تو وہ مشرک ہے، اس نے غیر کو اللہ کے ساتھ شریک کیا ہے۔ وہ ایسے اعتقاد کا معتقد بن گیا جو بتوں کے متعلق مشرکین کا اعتقاد تھا اور یہ حلال اور جائز نہیں ہے۔ ہاں ایک حدیث میں آپ ﷺ کے ساتھ توسل کرنے کا ذکر آیا ہے، مگر اس کی صحت پر بہت سا کلام ہے۔[1]

غیر اللہ کی نذر و نیاز:

پھر اس شخص کے مشرک ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے جس نے اپنا مال اور اولاد کسی مردے یا زندے کی نذر کیا؟ اس مردے سے وہ حاجات طلب کیں، جو صرف اللہ سے طلب کی جاتی ہیں، جیسے بیمار کے لیے تندرستی یا لا پتا شخص کی واپسی کا مطالبہ کرنا۔ غرض کہ اس طرح کی کوئی بھی طلب ہو، یہ طلب عین اسی طرح کا شرک اور خالص کفر ہے جس طرح بتوں کے پجاری شرک کیا کرتے تھے۔ اپنا مال کسی مردے کی نذر کرنا، اس کی قبر پر جانور ذبح کرنا، اس کا وسیلہ پکڑنا اور پھر اس سے اپنی حاجتیں مانگنا؛ یہ سارے کام زمانہ جاہلیت کے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں نے اپنے معبودوں کا نام صنم اور وثن رکھا تھا اور ان جھوٹے مسلمانوں نے ان کا نام ولی، قبر، مشہد، مزار، نذر، نیاز، منت اور عرس رکھا ہے۔ نام معانی کو نہیں بدلتے، خواہ وہ معانی لغوی ہوں یا عقلی یا شرعی۔ محض نام بدل دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ ایک شخص نے شراب پی اور اس کا پانی نام رکھا تو اس نے حقیقت میں پانی نہیں پیا، بلکہ وہی شراب پی ہے جو قطعی طور پر حرام تھی اور اسے وہی

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: التوسل، أنواعه وأحكامه (ص: ٧٦)

سزا دی جائے گی جو شراب نوش کرنے والے کی سزا ہے، بلکہ اس کی سزا کچھ زیادہ ہونی چاہیے، کیوں کہ اس نے جھوٹ بولا اور جعل سازی کی ہے۔

تلبیسِ ابلیس:

حدیث میں آیا ہے کہ ایک قوم آئے گی جو شراب پیے گی اور اس شراب کا نام کچھ اور رکھ لے گی۔[1] فرمانِ رسول ﷺ سچ ثابت ہوا کہ اہلِ فسق کا ایک گروہ شراب کا نام نبیذ رکھ کر پیتا ہے۔ سب سے پہلے جس نے اللہ کے غضب اور اس کی نافرمانی والے کام کا اچھا نام رکھا، وہ ابلیس لعین ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿ يَآدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ [طٰہٰ: ۱۲۰]

[اے آدم! کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور ایسی بادشاہی بتاؤں جو پرانی نہ ہو؟]

شیطان نے ان کو دھوکا دیا۔ اللہ نے ابو البشر کو جس درخت کے قریب جانے سے بھی روک رکھا تھا، اس نے تدلیس کر کے اس کا ایک من گھڑت نام رکھا، جس طرح شیطان کے بھائی، جو ابلیس کے مقلد ہیں، انھوں نے حشیشہ (ایک نشہ) کا نام لقمہ راحت رکھا ہے یا جس طرح ظالموں نے اس مال کا نام ادب رکھا ہے جسے وہ اللہ کے بندوں سے ظلم، زیادتی اور تاوان و جرمانے کے طور پر لیتے ہیں۔ اسے وہ ادبِ قتل، ادبِ سرقہ (چوری) اور ادبِ تہمت کہتے ہیں۔ انھوں نے ظلم کے نام کو بدل کر اس کا نام ادب رکھ لیا ہے اور بعض مقبوضہ چیزوں کے نام بدل کر ان میں سے کسی ایک کو ''نفاعہ'' اور کسی کو ''سیاقہ'' اور کسی کو ادبِ مکائیل اور موازین کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے سود کا نام منافع رکھ لیا ہے، حالانکہ ان سب چیزوں کا نام اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلم وستم اور جور و عدوان ہے۔

جس شخص نے بھی کتاب وسنت سے کچھ استفادہ کیا ہے، وہ اسے بہ خوبی جانتا اور پہچانتا ہے۔ ان سب کی کڑیاں تلبیسِ ابلیس سے ملتی ہیں، کیوں کہ اس نے شجرۂ ممنوعہ کا نام ''شجرۃ الخلد'' رکھا تھا۔ اسی طرح اب قبر کا نام مشہد رکھ لینے سے اور مقبور (قبر میں پڑا ہوا شخص) کا نام ولی رکھ لینے سے یہ شخص شرک سے یا وہ مقبور اسم صنم یا وثن سے خارج نہیں ہو جاتا، کیوں کہ اس شخص کا ان چیزوں سے وہی تعلق ہے جو مشرکین کا اپنے اصنام و اوثان سے ناتا تھا۔ ''صنم'' کہتے ہیں خاص مورت وصورت کو

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٦٨٩)

اور ''وثن'' اللہ کے سوا ہر معبود باطل کو کہتے ہیں خواہ وہ مورت ہو یا درخت، پتھر ہو یا استھان، مکان ہو یا قبر یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو۔ پھر یہ لوگ قبروں کے گرد یوں گھومتے اور چکر لگاتے ہیں جس طرح حاجی لوگ اللہ کے گھر کا طواف کرتے ہیں۔ پھر وہ بیت اللہ کے ارکان (رکن یمانی اور حجر اسود) کی طرح ان مشاہد اور قبوں کا استلام (چومنا یا ہاتھ لگانا) کرتے ہیں اور میت کو کفریہ کلمات کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں، جیسے ان کا یہ کہنا: "علی الله ثم علیك" [اللہ پر اور پھر تجھ پر (میں بھروسا کرتا ہوں)] سختیوں میں انھیں ہی پکارتے ہیں اور اس طرح کے دیگر کام کرتے ہیں۔

ہر شہر والوں کا معبود جدا ہے:

پھر ہر قوم کی ایک الگ شخصیت ہے جسے وہ پکارتے ہیں، چنانچہ اہلِ عراق و ہند شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو پکارتے ہیں۔ اہلِ تہامہ نے ہر شہر میں ایک مردہ مقرر کر رکھا ہے جس کے نام کی دہائی دی جاتی اور اسے پکارا جاتا ہے، جیسے ''یا زیلعی''، ''یا ابن العجیل''۔ اہلِ مکہ و طائف ''یا ابن عباس'' پکارتے ہیں۔ اہلِ مصر ''یا رفاعی'' ''یا احمد البدوی'' پکارتے ہیں اور سادات بکریہ اور اہلِ جبال ''یا ابا طیر'' اور اہلِ یمن ''یا ابن علوان'' پکارتے ہیں۔ بالجملہ ہر قریہ اور بستی میں ایک یا چند فوت شدہ لوگ ہیں جن سے ندا کی جاتی ہے اور ان سے حصولِ خیر اور دفعِ ضرر کی امید باندھی جاتی ہے، بہر حال ان مردوں کے ساتھ ان کا یہ عمل بعینہٖ وہی ہے جو مشرکین بتوں کے ساتھ کرتے تھے، جیسے ہم نے "الأبیات النجدیة" میں ذکر کیا ہے:[1]

أعادوا بها معنى سواعا و مثله
يغوث و ود بئس ذلك من ود

[انھوں نے اپنے بتوں کے ساتھ سواع، یغوث اور ود جیسی محبت کی اور یہ بہت بُری محبت ہے]

وقد هتفوا عند الشدائد باسمها
كما يهتف المضطر بالصمد الفرد

[اور سختیوں کے وقت وہ ان کے نام کی دہائی دیتے ہیں جس طرح لاچار اور پریشان شخص

[1] اس سے مراد امام محمد بن اسماعیل امیر یمانی رحمہ اللہ کا قصیدہ "الأبیات النجدیه" ہے جو انھوں نے دعوت نجدیہ اور اس کے امام کی مدح میں کہا تھا۔

اکیلے اور بے نیاز اللہ کو پکارتا ہے]

وکم نحروا في سوحها من بحيرة
أهلت لغير الله جهرا على عمد

[انھوں نے ان کے صحنوں میں کتنے ہی بحیرے ذبح کیے اور ان پر عمداً بلند آواز سے غیر اللہ کا نام پکارا]

وكم طائف حول القبور مقبلا
ويستلم الأركان منهن بالأيدي

[کتنی ہی جماعتیں اور گروہ قبروں کے پاس آتے ہیں اور ہاتھوں کے ساتھ ان کے کونوں کا استلام کرتے ہیں]

ایک باطل دلیل اور اس کا رد:

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والوں میں سے اگر کوئی کہے کہ میں نے تو یہ جانور اللہ کے لیے نحر کیا ہے اور اس پر اللہ ہی کا نام لیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو نے اللہ کے لیے نحر کیا تھا تو اس مخصوص شخص کی قبر کے دروازے پر کیوں ذبح کیا، جس کا تو عقیدت مند اور فضیلت کا قائل ہے؟ کیا تو اس نحر کے ذریعے سے اس کی تعظیم کا ارادہ رکھتا ہے؟ اگر وہ ہاں میں جواب دے تو اسے کہو: یہ غیر اللہ کے لیے نحر ہے، بلکہ تو نے غیر کو اللہ کا شریک بنا دیا، اور اگر یہ اس کی تعظیم کے لیے نہیں ہے تو پھر کیا تیرا مقصد یہ تھا کہ باب مشہد غلاظت آلودہ ہو جائے اور آنے جانے والے نجاست سے ملوث ہو جائیں؟ تجھے یقیناً یہ معلوم ہے کہ تیرا ارادہ یہ ہرگز نہیں تھا، بلکہ وہ پہلے والا امر ہی تیرا مقصود اور تیری مراد تھی۔ تو اپنے گھر سے غیر اللہ کی تعظیم کی غرض سے نکلا ہے۔ بہر حال یہ لوگ جس روش میں مبتلا ہیں، وہ بلا شک وشبہہ واضح شرک ہے۔

یہ بے دین لوگ بسا اوقات بعض فاسق وفاجر زندوں کے معتقد بن جاتے ہیں اور تنگی و آسانی میں انھیں پکارتے ہیں، حالانکہ وہ فاسق و فاجر اپنے گناہوں اور معاصی پر ڈٹا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جن جگہوں پر حاضر ہونے کا حکم دیا ہے، جیسے جمعہ اور باجماعت نماز، وہاں یہ فاسق حاضر نہیں ہوتا۔ کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے نہ کسی جنازے میں شرکت کرتا ہے اور نہ حلال

ذریعہ معاش اختیار کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ غیب دانی اور توکل کا دعوے دار ہے۔ وہ ابلیس ایک ایسی جماعت کو، جن کے دلوں میں اس نے آشیانہ بنا کر انڈے دیے اور بچے نکالے ہیں، کھینچ کر ایسے فاسقوں کے پاس لے آتا ہے، نتیجتاً وہ اس خبیث کی بہتان بازیوں کی تصدیق اور ان کے مرتبے کی تعظیم کرتے ہیں اور اسے اللہ کا ہمسر سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ انگارا شاہ، رتیا شاہ، خاکی شاہ اور اس طرح کے دیگر ناموں سے موسوم ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ ان کے لباس وصورت، اقوال و اعمال اور احوال کو دیکھو تو ان میں صاف طور پر کفر کے صحیح دلائل اور شرک قوی کے براہین موجود ہوتے ہیں۔ اللہ جانے ان لوگوں کی عقل کہاں ماری گئی ہے کہ یہ شرائع کو بھول کر بدائع اور اشراک میں مبتلا ہو گئے ہیں اور یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جن لوگوں کو یہ مانتے اور پکارتے ہیں، وہ تو خود انھیں کی طرح اللہ کے بندے ہیں۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ [الأعراف: ١٩٤]

[بے شک جنھیں اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے بندے ہیں]

قبروں کے پجاری:

قبور و اولیا، اور بد چلن لوگوں کے معتقدین ویسے ہی مشرک ہیں جیسے بتوں کے معتقدین مشرک ہیں، کیونکہ دونوں رب العباد کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں یکساں ہیں، بلکہ ان کا اعتقاد، تسلیم ورضا اور غلامی ان سے کچھ زیادہ ہی ہے، کم نہیں۔ لہٰذا ان میں اور بتوں کے پجاری مشرکین میں کچھ فرق نہیں ہے۔ رہا ان قبر پرستوں کا یہ کہنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور اولیا سے التجا کرنا اور ان کا معتقد بننا شرک نہیں ہے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا: کیوں نہیں! یہ شرک ہے۔

﴿ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران: ١٦٧]

[اپنے مونھوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں]

یہ ان لوگوں کے شرک کے معنی سے محض جہالت اور ناواقفیت کی علامت ہے۔ اس لیے کہ اولیا کی اتنی تعظیم کرنا اور ان کے لیے جانور ذبح کرنا شرک ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ [الکوثر: ٢]

[پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر]

یعنی نحر اور ذبح صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیے، غیر اللہ کے لیے نہیں۔ ظرف کی تقدیم اسی کا فائدہ دے رہی ہے۔

مزید فرمایا:

﴿ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ [الجن: ١٨]

[اور یہ کہ بلاشبہہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو]

یہ نام نہاد مسلمان اپنے اولیا کے ساتھ جو کام کرتے ہیں، یہ بعینہٖ مشرکین کا عمل ہے اور یہ اس فعل کے سبب مشرک ہو گئے ہیں۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ ہم کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناتے، تو یہ محض ان کا زبانی جمع خرچ ہے، کیونکہ ان کا فعل ان کے قول کو جھٹلاتا ہے۔ ان کا اپنے شرک سے عدم اقرار لائقِ التفات نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں کہ وہ اس بات سے بالکل ناواقف ہیں کہ وہ اپنے افعال و اعمال کے ذریعے مشرک بن گئے ہیں تو میں اس کے جواب میں کہوں گا: ان کا یہ جہل ایک عذر لنگ ہے، تبھی تو فقہا نے فقہ کی کتابوں میں ردت کے باب میں یہ تصریح فرمائی ہے:

"من تكلم بكلمة الكفر يكفر، وإن لم يقصد معناها"[1]

[جس شخص نے کلمہ کفر بولا تو وہ کافر ہو جائے گا، اگر چہ اس نے اس کے معنی کا ارادہ نہ کیا ہو]

اس سے ثابت ہوا کہ یہ جاہل اسلام کی حقیقت کو نہیں پہچانتے اور نہ توحید ہی کی ماہیت سے آگاہ ہیں، تب تو یہ اصلی کافر ہوں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر صرف اپنی ہی عبادت کو فرضِ عین قرار دیا ہے، چنانچہ اس کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ [فصلت: ١٤] [اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو]

نیز اس نے اخلاص کا قطعی حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

---

[1] البحر الرائق (٥/١٣٤) حاشية ابن عابدين (٤/٢٢٤)

﴿ وَمَآ أُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ﴾ [البينة: ٥]

[اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے]

جو شخص دن رات ظاہر اور مخفی طور پر خوف و طمع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارے، پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر اللہ کو بھی پکارے تو وہ مشرک فی العبادۃ ہے، کیونکہ دعا و پکار عبادت ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں دعا کا نام عبادت رکھا ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ﴾ [الغافر: ٦٠]

[بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے]

اللہ تعالیٰ کا مذکورہ فرمان اس حکم کے بعد ارشاد ہوا ہے:

﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [الغافر: ٦٠]

[مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا][1]

کیا مشرکین سے جہاد کرنا واجب ہے؟

رہی یہ بات کہ جب یہ لوگ مشرک ہی ٹھہرے تو کیا اب ان سے جہاد کرنا واجب ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں سے جو برتاؤ کیا تھا، وہی برتاؤ ان کے ساتھ کرنا چاہیے یا نہیں؟ ائمہ علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ ہاں ان لوگوں سے جہاد کرنا چاہیے۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ پہلے ان لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دی جائے اور اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ تم ان اولیا کے ساتھ نفع وضرر کا جو اعتقاد رکھتے ہو، وہ اللہ کے ہاں تمھارے کسی کام نہیں آئے گا۔ بلکہ جیسے تم اللہ کے بندے ہو، ویسے ہی وہ اولیا، اللہ کے بندے ہیں۔ ان کے حق میں تمھارا یہ اعتقاد بالکل شرک ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگا، جب تم شرک کو چھوڑ دو گے، اس سے سچی توبہ کرو گے اور اعتقاداً و عملاً صرف اللہ اکیلے کی عبادت کرو گے۔

[1] یعنی دعا کا حکم دینے کے بعد اس سے تکبر کرنے والوں کو عبادت کا منکر قرار دیا ہے۔

علما کی ذمے داری:

اس سلسلے میں علما پر واجب ہے کہ وہ اس بات کی صراحت کر دیں کہ یہ اعتقاد جس کے ساتھ ان قبروں کے لیے نذریں مانی جاتی ہیں، ان کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور ان کا طواف کیا جاتا ہے، یہ شرک اور حرام ہے اور بعینہ بتوں کے پجاری مشرکوں کا فعل ہے۔ جب علما ائمہ وملوک کے سامنے یہ بیان کر دیں تو پھر ائمہ سلطنت پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی طرف سے بندے مقرر کر کے ان لوگوں کے پاس بھیجیں اور انھیں اخلاصِ توحید کی دعوت دیں۔ ان میں سے جو لوگ شرک سے رجوع کریں اور توحید کا اقرار کر لیں تو وہ ان کے خون و مال کو ضائع نہ کریں اور ان کی اولاد کو گرفتار نہ کریں۔ لیکن جو لوگ اس دعوتِ توحید کو قبول نہ کریں اور اپنے کفر و شرک پر ڈٹے رہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے ان مشرکوں سے جو سلوک کرنا مباح اور جائز قرار دیا تھا، وہ ان لوگوں سے بھی مباح و جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ قبل اس کے کہ انھیں ان کی جہالت، گمراہی اور خصلتِ کفر پر آگاہ کیا جائے، کفر اصغر کی وجہ سے کافر ہیں۔ یہ کفر اصغر ان کی جان ومال اور ان کی عورتوں اور بچوں کی گرفتاری کو مباح نہیں کرتا ہے، کیونکہ وہ کفر کی ایسی خصلت کے مرتکب ہیں، جس کا نام علمائے سلف نے "كفر دون كفر" (چھوٹا کفر) رکھا ہے۔

کفر اصغر:

یہ گور پرست اور پیر پرست جس ''کفر اصغر'' کے ساتھ متصف ہیں، یہ بہت بڑی نافرنی ہے۔ جب وہ یہ بات جان لیں کہ وہ گمراہی اور عقیدہ کفر پر گامزن ہیں تو ان پر توبہ کرنا واجب ہے۔ ان کے لیے قبور و اولیا کی عبادت اور شریک بنانے کے اعتقاد سے رجوع کرنا لازم ہے، اگر توبہ کر لیں تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے، لیکن اگر وہ نہ مانیں اور اپنے کفر پر اصرار کریں تو پھر ان سے جہاد کرنا متعین ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے مشرکین کے ساتھ جو سلوک کرنا مباح تھا، وہی سلوک ان کے ساتھ بھی مباح ہے۔

چوتھی فصل

مخلوق سے استغاثہ کرنا

اگر کوئی کہے کہ کسی سے فریاد کرنا تو حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھو قیامت کے دن لوگ سب سے پہلے ابو البشر آدم علیہ السلام سے استغاثہ کریں گے، پھر نوح علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے استغاثہ کریں گے، پھر ہر ایک پیغمبر کے معذرت کرنے کے بعد لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور استغاثہ کریں گے۔[1] اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے استغاثہ کرنا کوئی برا کام نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ صریحاً دھوکا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زندہ مخلوق سے کسی ایسی چیز پر مدد طلب کرنا جس کی وہ قدرت رکھتی ہو، جائز اور درست ہے، اس پر کوئی انکار نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قصے میں، جس میں انھوں نے ایک اسرائیلی اور قبطی کو جھگڑتے ہوئے پایا، ارشاد فرمایا:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ [القصص: ١٥]

[تو جو اس کی قوم سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد مانگی جو اس کے دشمنوں سے تھا]

ہمارے کلام میں اس استغاثے کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے جو گور پرست اور پیر پرست اپنے اولیا سے کرتے ہیں اور ان سے وہ چیزیں مانگتے ہیں جو ان کی قدرت میں نہیں ہیں، جیسے بیمار کی شفا یابی، گمشدہ کی واپسی اور دفعِ بلا وغیرہ، کیوں کہ ان کاموں پر قدرت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، کسی مخلوق میں یہ قدرت نہیں ہے۔ بلکہ یہ قبر پرست اور پیر پرست اپنے پیروں اور شہیدوں وغیرہ کے لیے اپنی اولاد میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں اور ماں کے پیٹ میں حمل خرید لیتے ہیں، تاکہ وہ اولاد زندہ رہے، الغرض ایسے ایسے منکرات بجا لاتے ہیں جو پہلے مشرکوں نے بھی سر انجام نہیں دیے۔ انھوں نے تو شیطان کے بھی کان کتر دیے ہیں۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣١٦٢) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٩٤)

لقد كنت امرءا من جند إبليس فارتقى
بي الحال حتى صار إبليس من جندي

[میں ابلیس کی جماعت کا ایک فرد تھا، پھر میں نے اس قدر ترقی کی کہ ابلیس میری جماعت کا ایک فرد بن کر رہ گیا]

ایک حکایت:

ایک مجاور کا بیان ہے کہ ایک گور پرست کچھ روپے اور زیورات لے کر آیا اور کہنے لگا کہ یہ فلاں صاحب یعنی صاحبِ قبر کے لیے ہے۔ یہ مال میری بیٹی کا آدھا مہر ہے، میں نے اس کی شادی کر دی ہے اور میں نے اس بیٹی کا نصف حصہ اس صاحبِ قبر کے نام کیا تھا۔ یہ ایسا کام ہے جو بت پرست بھی نہیں کر سکے اور اس قوم کے حصے میں آیا ہے۔

روزِ قیامت انبیا سے استغاثہ کرنے کی حقیقت:

وہ استغاثہ جو قیامت کے دن لوگ انبیا علیہم السلام سے کریں گے، وہ تو فقط ایک عرض ہوگی کہ تم اللہ سے یہ درخواست کرو کہ وہ بندوں کا حساب کتاب کر دے، تاکہ وہ اس ہولناک حالت سے آرام حاصل کریں، لہٰذا یہ ممنوع استغاثہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں اللہ سے دعا مانگنے کی ایک استدعا ہے اور یہ جائز ہے۔

مخلوق سے استغاثہ کرنا:

جب عمر رضی اللہ عنہ نے عمرے کے سفر کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا:

«لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ»[1]

[اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں بھول نہ جانا]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی حکم دیا ہے کہ ہم مومنوں کے حق میں دعا کریں اور ان کے لیے بخشش طلب کریں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ [الحشر: ١٠]

---

[1] مسند أحمد (١/٢٩) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٦٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٨٩٤) اس کی سند میں "عاصم بن عبید اللہ" ضعیف ہے۔

[اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی]

ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی:

”خَادِمُكَ اَنَسٌ اُدْعُ اللّٰهَ لَهُ“[1]

[(اے اللہ کے رسول ﷺ!) اپنے خادم انس رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ سے دعا فرمائیں]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی زندگی میں دعا کرواتے تھے۔[2] لہٰذا کسی سے دعا کروانا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ البتہ کسی مردہ یا زندہ سے، جو کسی کے نفع وضرر، موت و حیات اور فوت شدہ کو دوبارہ اٹھانے کا مالک نہیں ہے، کوئی چیز طلب کرنا، جس طرح قبر پرست اور پیر پرست کیا کرتے ہیں اور اس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ہمارے بیمار کو شفا دے دے یا ہمارے گمشدہ کو واپس لا دے، بیوی کو حمل ٹھہر جائے، کھیت بار آور ہو جائے، مویشی دودھ دیں اور انھیں کسی کی نظر بد نہ لگے وغیرہ وغیرہ، ایسے کام ہیں جن پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت ہی حاصل نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٩٧]

[اور جنھیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد کرتے ہیں]

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ [الأعراف:١٩٤]

[بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے بندے ہیں]

بھلا جمادات سے ان چیزوں کو طلب کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ ایسے انسان سے تو جمادات اچھے ہیں، کیونکہ وہ کسی چیز کے مکلف نہیں ہیں۔ یہ تو بعینہ وہی کام ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے ساتھ کرتے تھے اور یہ سراسر غیر اللہ کی عبادت ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٨٤)، صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٨٠)

[2] صحيح البخاري (٥٤٧٤) صحيح مسلم (٢٥٧٦) اس کے علاوہ بھی صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ احادیث میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تھی۔

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیا سے

غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز کا حکم:

مال میں سے کسی ولی، پیر، شہید، امام، پری، بھوت، شیطان اور فرشتے کی نذر مقرر کرنا اور کھیتی میں سے ان کا حصہ نکالنا، جسے یمن کے بعض علاقوں میں "تلم" کہتے ہیں یا جانوروں میں ان کا حصہ نکالنا، بعینہ ان مشرکوں کا فعل ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ [الأنعام: ١٣٦]

[اور انھوں نے اللہ کے لیے ان چیزوں میں سے جو اس نے کھیتی اور چوپاؤں میں سے پیدا کی ہیں، ایک حصہ مقرر کیا، پس انھوں نے کہا یہ اللہ کے لیے ہے، ان کے خیال کے مطابق اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے، پھر جو ان کے شرکا کے لیے ہے سو وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لیے ہے سو وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں]

مزید ارشاد فرمایا:

﴿ وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ [النحل: ٥٦]

[اور وہ ان (معبودوں) کے لیے جن کے بارے میں وہ نہیں جانتے، ایک حصہ اس میں سے مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انھیں دیا]

یہ قبر پرست جو جاہلوں اور گمراہوں زندوں اور مردوں کے معتقد ہیں، یہ ہو بہو مشرکوں کی راہ پر چلتے ہیں۔ جو عقیدہ اللہ کے متعلق رکھنا چاہیے تھا، وہ ان کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اپنے مال کا ایک حصہ ان کے لیے مقرر کرتے ہیں اور اپنے شہروں، قصبوں، گاؤں اور ملکوں سے چل کر ان کی زیارت کو جاتے ہیں، ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان کے سامنے عاجزی، نیاز مندی اور خاکساری کرتے ہیں، انھیں پکارتے ہیں اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں، جیسے سید احمد کی نذر گائے، شیخ سدو کے نام کا

بکرا اور زین خان کا مرغا؛ یہ سب عبادت ہی کی اقسام ہیں۔

غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنا اور اس کے نام کی قسم کھانا:

ہم نے کسی کے متعلق یہ نہیں سنا کہ وہ انھیں سجدہ بھی کرتا ہو۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو ان سے کچھ بعید بھی نہیں۔ ہاں ایک ثقہ راوی نے خبر دی ہے کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اس ولی کے مشہد کے دروازے پر سجدہ کیا، جس کی تعظیم و عبادت کے ارادے سے وہ حاضر ہوا تھا۔ وہ اس ولی کے نام کی قسم بھی کھاتا تھا۔ بلکہ اس کے سامنے اگر کوئی حق دار اللہ کی قسم کھاتا تو وہ ہرگز قبول نہ کرتا اور اگر کسی ولی کی قسم کھاتا تو مان لیتا اور اسے سچا گمان کرتا، بعینہ یہ حال بت پرستوں کا تھا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ [الزمر: ٤٥]

[اور جب اس اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب ان کا ذکر ہوتا جو اس کے سوا ہیں تو اچانک وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں]

کیا غیر اللہ کی قسم کھانا کفر ہے؟

صحیح حدیث میں آیا ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفاً فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»[1]

[جسے قسم کھانا ہو، وہ اللہ کی قسم کھائے، ورنہ چپ رہے]

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»[2]

[جس نے لات و عزیٰ کی قسم کھائی تو وہ "لا الہ الا اللہ" پڑھے]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس حلف کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا، اسی لیے آپ ﷺ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٣٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٤٦)

[2] صحيح ابن حبان (١٣/ ١١) نیز دیکھیں: صحيح البخاري (٤٥٧٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٤٧)

نے اسے تجدیدِ اسلام کا حکم دیا۔

"سبل السلام" اور "منحة الغفار" میں غیر اللہ کی قسم کھانے والے کا کفر ثابت کیا گیا ہے۔[1] رہی یہ بات کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

« أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا »[2]

[مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے حتی کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کی گواہی دینے لگیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکات ادا کرنے لگیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جانیں اور اپنے مال بچا لیں گے، ہاں حق کے ساتھ جان و مال سے تعرض کیا جائے گا]

ایک کلمہ گو شخص کے قتل پر آپ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

« أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ »[3] [تو نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد کیوں قتل کیا؟]

نیز یہ لوگ مشرکین کے برخلاف نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، زکات دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں: آپ ﷺ نے اسی حدیث میں « إِلَّا بِحَقِّهَا » کی قید لگا کر مسئلہ واضح کر دیا ہے۔ اسلام کا حق اکیلے اللہ کو الٰہ ماننا اور اسی کو عبادت کے لیے تنہا جاننا ہے، جبکہ گور پرست اللہ تعالیٰ کو الوہیت اور عبادت میں تنہا نہیں مانتے، لہٰذا ان کا کلمہ شہادت پڑھنا ان کے کسی کام نہیں آ سکتا، جب تک وہ اس کے معنی و مفہوم پر عمل پیرا نہ ہوں۔

کلمہ گو مشرکین کے نیک اعمال کا حکم:

دیکھو! یہودیوں نے بعض انبیا کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، لہٰذا ان کے لیے یہ کلمہ شہادت پڑھنا سود مند نہ ہوا۔ اسی طرح جو شخص غیر نبی کو نبی ٹھہراتا ہے، اسے بھی یہ کلمہ پڑھنا کچھ فائدہ نہیں

[1] سبل السلام للصنعاني (٤/ ١٠١) منحة الغفار حاشية ضوء النهار للصنعاني أيضاً.

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٠٢١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦)

دیتا۔ قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگ کلمہ پڑھتے تھے اور نماز بھی ادا کرتے تھے، لیکن جب انھوں نے یہ بات کہی کہ مسیلمہ نبی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے جنگ کی اور انھیں قیدی بنایا۔ تو پھر اس شخص کا کیا بنے گا جس نے الوہیت کو ولی کا خاصا بنا دیا اور مصائب و مشکلات میں اسے پکارا۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو دیکھو کہ انھوں نے عبداللہ بن سبا کی پارٹی کے لوگوں کو، ان کے کلمہ گو ہونے کے باوجود، آگ میں جلا دیا تھا،[1] اس لیے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو اور مبالغہ کرتے تھے اور ان قبر پرستوں کی طرح ان کے معتقد تھے، تو علی رضی اللہ عنہ نے انھیں وہ سزا دی جو کسی عام عاصی اور نافرمان کو نہیں دی جاتی۔ یعنی گڑھے کھود کر ان میں آگ جلائی اور ان لوگوں کو ان میں پھینک دیا اور کہا:

لما رأيت الأمر أمرا منكرا
أوقدت ناري ودعوت قنبرا

[جب میں نے اتنا ہولناک معاملہ دیکھا تو آگ بھڑکائی اور اپنے غلام قنبر کو بلایا]

یہ واقعہ حدیث اور سیرت کی کتابوں فتح الباری وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔

کلمہ گو کافر کی سزا:

امت کا اس مسئلے پر اجماع ہے کہ جو شخص مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا منکر ہو، وہ کافر اور واجب القتل ہے، گو اس نے کلمہ پڑھ رکھا ہو۔ پھر وہ شخص جو اللہ کا ہمسر اور ساجھی ٹھہراتا ہے، وہ تو بالاولیٰ واجب القتل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ پر جو کلمہ گو شخص کو قتل کرنے پر غصہ کیا تھا، وہ اس لیے تھا کہ جب کافر نے کلمہ پڑھا تو اس کا مال اور خون محفوظ ہو گیا، جب تک اس سے اس قول کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو، جیسا کہ حدیث وسیرت کی کتابوں میں معروف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے محلم بن جثامہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی تھی:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا﴾ [النساء: ٩٤]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو خوب تحقیق کر لو]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں کلمۂ توحید کے قائل کے بارے میں خوب تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ کلمۂ توحید کے معنی ومفہوم پر عمل پیرا ہے تو اس کے لیے وہی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٢٤) التمهيد لابن عبدالبر (٥/٣١٨)

حقوق ثابت ہو جائیں گے جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور اس پر وہی فرائض عائد ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں پر ہیں، لیکن اگر اس سے اس کلمے کے خلاف کچھ ثابت ہو جائے تو محض کلمہ پڑھنے سے اس کا خون اور مال محفوظ نہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص بھی توحید کا اظہار کرے تو اس کے مال وجان سے دست کش ہونا واجب ہے، حتیٰ کہ اس سے کوئی خلافِ توحید بات ظاہر ہو۔ جب اس سے خلافِ توحید کوئی بات ثابت ہوگی تو اسے خالی کلمہ پڑھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ جس طرح خوارج کو اس کلمے نے کوئی فائدہ نہ دیا، حالانکہ یہ خارجی ایسے عبادت گزار تھے جن کے مقابلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی عبادت کو حقیر سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قتل کرنے کا حکم جاری کیا اور فرمایا:

«لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ»[1]

[اگر مجھے وہ لوگ مل گئے تو میں قومِ عاد کی طرح ان کو قتل کروں گا]

اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے بعض خلافِ شریعت کام کیے تھے، جس کے نتیجے میں وہ آسمان کے نیچے بدترین مقتول ٹھہرے، جیسا کہ احادیث میں یہ بات ثابت ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ محض کلمہ پڑھ لینا اس کے پڑھنے والے کے حق میں شرک کے ثبوت سے مانع نہیں ہے، اس لیے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کا مرتکب ہے اور غیر اللہ کی یہ عبادت کلمہ توحید کے مضمون کے خلاف ہے۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩٩٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٠٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٧٦)

پانچویں فصل

غیر اللہ کی عبادت کی مختلف صورتیں

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قبر پرستوں اور زندہ فاسق و جاہل لوگوں کے معتقدین کا کہنا ہے کہ ہم تو ان اولیا کی پوجا نہیں کرتے، ہم تو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم ان اولیا کے لیے نماز، روزہ اور حج کب بجا لاتے ہیں؟

میں کہتا ہوں: اس غلط فہمی کی وجہ محض عبادت کے مفہوم سے جہالت اور ناواقفیت ہے۔ اس لیے کہ عبادت صرف نماز، روزہ اور حج میں منحصر نہیں ہے، بلکہ عبادت کی اساس و بنیاد اعتقاد ہے اور ان لوگوں کے دلوں میں عقیدہ فاسد ہے، اسی لیے تو یہ غیر اللہ سے دعا، ندا، توسل، استغاثہ، استعانت کرتے ہیں، ان کے نام کی قسم کھاتے ہیں اور ان کی نذر و نیاز دیتے ہیں، حالانکہ علما نے کہا ہے:

"من تزيّ بزي الكفار صار كافرا، و من تكلم بكلمة الكفر صار كافرا"

[جس شخص نے کافروں کا حلیہ اختیار کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے کلمہ کفر بولا وہ کافر ٹھہرا]

پھر جو شخص اعتقاداً، عملاً، قولاً اور فعلاً فاسد اعتقاد کے مذکورہ مرتبے کو پہنچ جائے، اس کا کیا حال ہوگا؟

غیر اللہ کی نذر و نیاز ایک باطل عمل ہے:

اگر کوئی شخص پوچھے کہ ان لوگوں کی غیر اللہ کے لیے مانی ہوئی نذروں اور ان کے نام کے دیے ہوئے ذبیحوں کا کیا حکم ہے؟ تو ہم کہیں گے: ہر عاقل یہ بات جانتا ہے کہ مال داروں کے ہاں مال ایک بڑی عزیز اور پیاری چیز ہے، وہ اس کو جمع کرنے کے لیے کتنی کوشش اور تگ و دو کرتے ہیں، چاہے اس میں کسی معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کرنا پڑے اور دشت و بیاباں عبور کر کے دور دراز کا سفر طے کرنا پڑے۔ کوئی آدمی اپنا یہ مال تب ہی خرچ کرتا ہے، جب وہ یہ اعتقاد بنا لے کہ مجھے اس

مال کے ذریعے بہت سا فائدہ حاصل ہوگا یا میری کوئی تکلیف دور ہو جائے گی۔ قبر پرست نے قبر کے لیے جو نذر نکالی ہے، اسی اعتقاد کی بنا پر نکالی ہے اور یہ اعتقاد باطل ہے۔ اگر نذر ماننے والے کو یہ معلوم ہوتا کہ میرا یہ ارادہ اور منت باطل ہے تو وہ ایک درہم بلکہ ایک کوڑی بھی ہرگز نہ نکالتا، کیونکہ مال داروں کے ہاں مال عزیز ترین چیز ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴾ [محمد: ٣٦، ٣٧]

[اور تم سے تمھارے اموال نہیں مانگے گا۔ اگر وہ تم سے ان کا مطالبہ کرے، پھر تم سے اصرار کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمھارے کینے ظاہر کر دے گا]

لہٰذا غیر اللہ کے لیے نذر ماننے والے کو یہ بات بتا دینا چاہیے کہ تمھارا اس قسم کی نذر ماننا مال کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ایسا کرنا تیرے کچھ کام نہیں آ سکتا اور نہ تجھ سے کوئی بلا ٹال سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّذْرَ لَا يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنْ مَالِ الْبَخِيلِ»[1]

[نذر کوئی بھلائی نہیں لاتی، وہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ایک ذریعہ ہے]

غیر اللہ کی نذر کا مال کھانا حرام ہے:

لہٰذا نذر ماننے والے کا مال اسے واپس کر دینا چاہیے۔ اس شخص کے لیے نذر کا یہ مال لینا بالکل حرام ہے اور اگر وہ لیتا ہے تو وہ ناحق بلا معاوضہ نذر ماننے والے کا مال کھاتا ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ [البقرة: ١٨٨]

[اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ]

بلکہ اس سے تو غیر اللہ کی نذر ماننے والے کے شرک اور اس کے برے اعتقاد کی تقریر و تاکید ہوتی ہے جو اس کے شرک پر راضی ہونے کے برابر ہے، جبکہ شرک پر راضی ہونے والے کا حکم کسی سے مخفی نہیں ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٣٩)

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ [النساء: ٤٨]

[بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے]

چنانچہ غیر اللہ کی نذر کا مال ''حلوان کاہن'' (کاہن کی شیرینی) اور ''مہر بغی'' (فاحشہ عورت کی اجرت) کی طرح ہے، کیونکہ اس میں نذر دینے والے پر جعل سازی ہے اور اس کے وہم میں یہ بات ڈالنا ہے کہ ولی اسے نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر منکر کی اور کیا تقریر و تائید ہوگی یا اس سے زیادہ اور کون سی جعل سازی اور تلبیس ہوگی کہ میت کے لیے دی گئی نذر کا مال ہڑپ کیا جائے اور اس سے بڑی کون سی مصیبت ہوگی کہ منکر کو معروف ٹھہرا دیا جائے؟!

قبر پرستوں اور مشرکوں کی نذر و نیاز میں مماثلت:

مشرکین بتوں کے لیے جو نذر مقرر کرتے تھے، وہ ان قبر پرستوں کے اسلوب و طریقے کے مطابق تھی۔ نذر ماننے والے کا یہ عقیدہ ہوتا تھا کہ اس نذر کے ذریعے کوئی بلا ٹل جائے گی اور کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔ اس لیے وہ اپنے مال کا ایک حصہ کسی بت کے سامنے پیش کرتا تھا اور اپنے غلے میں سے ایک حصہ مقرر کر کے مجاوروں کے پاس لاتا تھا، وہ مجاور اس مال کو لیتے اور اس کے وہم و گمان میں اس عقیدے کی حقانیت کو ثابت کرتے۔ اسی طرح وہ جانوروں کو بت خانوں کے دروازوں پر ذبح کرتے، اسی قسم کے افعال و اعمال کو مٹانے اور ان سے روکنے کے لیے انبیا و رسل دنیا میں تشریف لائے تھے۔

غیر اللہ کی نذر و نیاز کے ساتھ وابستہ باطل عقیدہ:

اگر غیر اللہ کے لیے نذر ماننے والا شخص یہ کہے کہ ہمیں تو اس نذر کے ذریعے نفع حاصل ہوا اور تکلیف دور ہوئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بتوں کا بھی یہی حال تھا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔ ان سے اس طرح کی بعض چیزوں کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، جیسے بت کے پیٹ سے آواز آنا اور اس کا بعض پوشیدہ معاملات کی خبر دینا۔ تو کیا یہ ان چیزوں کے حقیقت ہونے کی دلیل بن سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ تو اسلام کو منہدم کرنے اور ارکانِ اَصنام کو مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔

بتوں سے غیر معمولی باتیں ظاہر ہونے کی حقیقت:

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ابلیس اور اس کے لشکر جن و انس کو گمراہ کرنے کی طرف خاص توجہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جسموں میں گھس جانے، سینوں میں وسوسہ ڈالنے اور دل کو اپنی سونڈ کا لقمہ بنانے کی قدرت دے رکھی ہے۔ اسی طرح وہ بتوں کے اندر بھی گھس جاتا ہے اور احمقوں کے کانوں میں کوئی بات پھونک دیتا ہے۔ ان قبر پرستوں اور پیر پرستوں کے ساتھ بھی اس کا یہی برتاؤ ہے، کیونکہ اللہ نے ابلیس کو اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنے سوار و پیادے لے کر اولادِ آدم پر چڑھائی کرے اور ان کے اموال و اولاد میں شریک رہے۔

کاہنوں اور مجاوروں کی غیب دانی کا قصہ:

احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو شیاطین اسے چوری سے سن کر کاہنوں کو پہنچا دیتے ہیں اور وہ کاہن غیب کی خبریں دینے بیٹھتے ہیں اور اس ایک سچ کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔[1] پھر اس جھوٹ اور بہتان کو لے کر شیاطین جن انسانوں کے شیاطین قبروں کے مجاوروں کے کانوں میں پھونک دیتے ہیں۔ وہ قبر پرستوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو ولی نے یہ کہا اور وہ کیا۔ اس طرح کی جھوٹی کہانیاں سنا کر وہ انھیں اولیا کی طرف رغبت دلاتے اور ان سے ڈراتے ہیں۔

حکمرانوں کی طرف سے خانقاہی نظام کی پشت پناہی کے نقصانات:

قبروں کے پجاری عوام الناس جب حکمرانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی ان اولیا کی عزت کرتے ہیں اور نذرانے جمع کرنے کے لیے عامل (اور محکمے جیسے محکمہ اوقاف وغیرہ) مقرر ہوتے ہیں۔ یا جس عالم یا قاضی کے متعلق حسن ظن ہوتا ہے، وہ اس کے مشہد اور مقبرے کا متولی مقرر ہو جاتا ہے تو اس تدبیر کے ذریعے ابلیس کی جعل سازی خوب پھلتی پھولتی ہے اور اس جعل سازی سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٣٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٢٨)

چھٹی فصل

کیا قبر پرستی کا عام ہونا اس کے حق ہونے کی دلیل ہے؟

اگر کوئی کہے کہ یہ بات تو دنیا بھر میں عام ہو چکی ہے۔ چار دانگِ زمین میں ایک عالم اس سے اتفاق کرتا ہے کہ بلادِ اسلام میں وہ کون سا شہر ہے جہاں قبور و مشاہد نہیں ہیں یا زندہ پیر نہیں ہیں جن پر لوگوں کا اعتقاد ہو اور ان کی تعظیم کرتے ہوئے ان کی خدمت میں نذرانے پیش نہ کیے جاتے ہوں؟ ان کے نام کی دہائی نہ دی جائے، ان کی قبر کا طواف نہ ہو اور وہاں چراغ نہ جلایا جائے؟ بلکہ اکثر مساجد قبور و مشاہد سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو قبر مسجد میں ہوتی ہے یا مسجد کے قریب۔ نمازی لوگ نماز کے وقت اس کا قصد و ارادہ کرتے ہیں اور مذکورہ بالا بعض افعال وہاں بجالاتے ہیں۔ تو کیا کوئی عقلمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ امر منکر ہے اور اس میں اس قدر بے ہودگی ہے؟ علمائے اسلام اس سے بالکل خاموش ہیں، حالانکہ انھوں نے دنیا کی تمام جہات کو روند ڈالا ہے؟ تعصب سے بالاتر ہو کر انصاف کے ساتھ اس کا جواب یہ ہے کہ حق وہ ہے جس پر دلیل موجود ہو نہ کہ وہ جس پر عوام نے نسل در نسل اتفاق کر لیا ہو۔

قبر پرستی اور پیر پرستی کے عام ہونے کے اسباب:

یہ امور جن کے انکار کی ہم تگ و دو کرتے اور ان کے شمار کرنے کی دوڑ دھوپ کرتے ہیں، یہ ان لوگوں کے کرتوت ہیں جن کا اسلام آبا و اجداد کی تقلید کرنا ہے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادوں کے طرزِ زندگی کو اپناتے ہوئے رذیل و شریف کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے ہیں۔

ان میں سے کوئی شخص نشو و نما پا کر اپنے شہر یا گاؤں یا قصبے کے لوگوں کو پاتا ہے کہ وہ بچپن ہی میں اسے اس امر کی تلقین کر دیتے ہیں کہ وہ ان کے پیر اور شہید کے نام کی دہائی دے۔ وہ اسے اپنے ساتھ کسی کی قبر پر لے جا کر وہاں کی مٹی لگاتے ہیں اور اسے قبر پر طواف کرواتے ہیں۔ جب وہ ہوشیار اور سمجھ دار ہوتا ہے تو اس کے دل میں اس صاحبِ قبر کی عظمت پہلے ہی سے موثر ہوتی ہے، اسی

عقیدۂ باطلہ پر اس کی نشوونما ہوتی ہے اور اسے اس کا انکار کرنے والا کوئی شخص بھی دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ جو لوگ عالم، فاضل، قاضی، مفتی، مدرس، والی اور امیر کہلاتے ہیں وہ انھیں دیکھتا ہے کہ وہ خود اس صاحبِ قبر کی تعظیم و تکریم میں لگے رہتے ہیں، نذر و نیاز لیتے ہیں اور جو جانور اس قبر پر ذبح کیے جاتے ہیں، ان کو بے تکلف نوش جان فرماتے ہیں۔ وہ غریب یہ گمان کرتا ہے کہ یہی کام دین اسلام اور ایمان کی چوٹی ہے۔ جو شخص نظر و فکر کی اہلیت رکھتا ہے اور کتاب و سنت کے علم کی روشنی کا شناسا ہے، وہ یہ بات خوب جانتا ہے کہ کسی عالم کا منکر کے وقوع پر سکوت اور خاموشی اختیار کرنا اس منکر کے جواز کی دلیل نہیں ہوتی ہے۔

علما کی خاموشی کوئی دلیل نہیں:

اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ یہ ٹیکس جنھیں ''مجابی'' اور ''سائرات'' [محصول چنگی] وغیرہ کہتے ہیں، جن کا حرام ہونا بہ ضرورتِ دین معلوم ہے، تمام ملک اور علاقے اس سے لبریز ہو گئے ہیں۔ ٹیکس کی یہ وصولی ایک ایسا مانوس امر بن چکا ہے کہ کسی کان کو اس کا انکار سننے کو نہیں ملتا، حتیٰ کہ ٹیکس لینے والوں کا ہاتھ روئے زمین کے اشرف خطہ مکہ مکرمہ اور ام القریٰ تک دراز ہو گیا ہے۔ جو شخص حج کے لیے جاتا ہے اس کا مقصد و ارادہ فریضۂ اسلام کو ادا کرنا ہوتا ہے، لیکن اس سے بھی محصول اور ٹیکس لیا جاتا ہے۔ نیز بلادِ حرام میں ہر قسم کا حرام فعل دکھائی دیتا ہے، حالانکہ وہاں کے رہنے والے شرفا، علما اور حکامِ اسلام اس عظیم برائی کا انکار کرنے سے بالکل خاموش ہیں اور اس کے لینے دینے سے کچھ تعرض نہیں کرتے، تو کیا ٹیکس کے جواز پر علما کا یہ سکوت دلیل بن سکتا ہے اور ان کے لینے دینے کو مباح کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جس شخص کو تھوڑی سی بھی سمجھ بوجھ ہو، وہ ایسی بات ہرگز نہیں کہے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ حرم شریف جو دنیا کا سب سے افضل بقاع اور خطہ ہے، اہلِ علم کے اتفاق و اجماع سے وہاں بعض جاہل ملوک چراکسہ نے لوگوں کی عبادت (نماز) کے لیے چار مقام بنا دیے اور ان چار مصلوں نے مسلمانوں کو مختلف ملتوں کی طرح کر دیا۔ یہ ایسی بدعت ہے جس کے ساتھ ابلیس لعین کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور اس نے مسلمانوں کو شیاطین کے لیے ایک مضحکہ بنا دیا۔

اس کے باوجود لوگوں نے اس پر سکوت کیا۔ آفاقِ عالم کے سب ہی علما وہاں حاضر ہوتے ہیں، ہر آنکھ والے نے ان مصلوں کو دیکھا ہے اور ہر کان والے نے یہ حال سنا ہے تو یہ سکوت اور

خاموشی ان مقامات اور مصلوں پر جواز کی دلیل نہیں ہوسکتی ہے۔ جو شخص ان معروف چیزوں سے واقفیت رکھتا ہے، وہ اس اصول کا قائل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کا سکوت انھوں نے ان گور پرستوں اور پیر پرستوں کے افعال و اعمال پر کیا ہوا ہے۔

فتنۂ قبور کی بدعت پر اجماع کالعدم ہے:

اس صورت حال میں اگر کوئی کہے کہ امت نے ضلالت و گمراہی پر اجماع کیا ہے، کیونکہ وہ ایک بڑی جہالت پر انکار کرنے سے خاموش رہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اجماع تو حقیقت میں دورِ نبوت کے بعد مجتہدین امتِ اسلام کا کسی امر پر اتفاق کرنے کا نام ہے۔

فقہاے مذاہب اربعہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد کو محال قرار دیتے ہیں۔ یہ قول اگرچہ باطل ہے اور ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو حقائق سے جاہل اور علوم کتاب وسنت سے بے بہرا ہے۔ بہر حال ان فقہا کے زعم میں ائمہ اربعہ کے بعد ہرگز اجماع نہیں ہوسکتا، تو فتنۂ قبور کی بدعت پر اجماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں یہ بدعت اور فتنۂ قبور ائمہ مذاہب کے دور میں موجود نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اجماع کا وقوع محال ہے، کیوں کہ سارا جہان امت محمدیہ سے بھر چکا ہے، اسلام ہر خطے اور ہر سرزمین میں پہنچ چکا ہے، اس ملت کے علما بے شمار ہیں اور کسی شخص کو ان کے احوال کی معرفت نہیں ہو سکتی، اس لیے اب دین کے پھیلاؤ اور مسلمان علما کی کثرت کے بعد جو کوئی اجماع کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے، جیسا کہ ائمہ تحقیق کا قول ہے۔

فتنۂ قبور پر اجماع کے دعوے کی حقیقت:

اگر فرض کیا جائے کہ ان کو اس منکر کا علم ہوا، لیکن انھوں نے اس کا انکار نہ کیا، بلکہ خاموشی اختیار کی، تب بھی ان کی خاموشی اس منکر کے جواز پر دلیل نہیں بن سکتی، اس لیے کہ قواعدِ شریعت سے یہ بات معلوم ہے کہ انکار کے تین طریقے ہیں۔ پہلا ہاتھ سے انکار کرنا۔ وہ اس طرح کہ اس منکر کو زائل اور ختم کر دے۔ دوسرا زبان سے انکار ہوتا ہے، جبکہ ہاتھ نہ چل سکے۔ تیسرا دل سے انکار ہوتا ہے، جبکہ زبان سے بھی انکار کی قدرت نہ ہو۔ اب ایک قسم کے انکار کی نفی سے دوسری طرح کے انکار کی نفی نہیں ہوسکتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک عالم کا ایک ٹیکس وصول کرنے والے پر گزر ہوا جو مظلوموں سے

بطور ٹیکس مال وصول کرتا ہے۔ اس عالم کو نہ ہاتھ سے اس منکر کے بدلنے کی طاقت ہوئی اور نہ زبان سے، اس لیے کہ اگر وہ انکار کرتا تو اہلِ معصیت اس پر ٹھٹھا کرتے۔ تو اس طرح انکار کی دو شرطیں باقی نہ رہیں، صرف دل سے انکار کرنا، جو کمزور ایمان ہے، باقی رہ گیا۔ اب جو شخص اس عالم کو منکر کا مشاہرہ کرنے کے باوجود اس پر انکار کرنے سے ساکت اور خاموش دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اس عالم کے لیے ہاتھ اور زبان سے اس منکر کا انکار مشکل ہے، لہٰذا اس نے سکوت اختیار کیا اور دل میں وہ ضرور اس منکر کا انکار کرتا ہے، کیونکہ مسلمان اہلِ دین کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے اور جہاں تک ممکن ہو تاویل کرنا لازم ہے۔

جو لوگ حرم شریف میں جاتے ہیں اور ان شیطانی عمارتوں[1] کو، جن کے سبب دین کی جمعیت میں تفرقہ پڑا اور مسلمانوں کی نماز پریشان و پراگندہ ہوگئی، مشاہدہ کرتے ہیں، لیکن وہ اس کے انکار سے معذور ہیں۔ ہاں اندر سے منکر ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کا گزر ٹیکس وصول کرنے والوں اور قبر پرستوں کے پاس سے ہوتا ہے۔

اجماع سکوتی:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ استدلال نے بعض جگہ جو یہ کہا ہے:

"وقع ولم ينكر فكان إجماعاً"

[یہ واقع پیش آیا اور اس پر انکار نہ کیا گیا، لہٰذا اس مسئلے پر اجماع ہو گیا]

ان کے اس کلام میں ایک خرابی ہے، کیونکہ یہ کہنا کہ کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، عدم واقفیت پر مبنی اٹکل پچو ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں نے دل سے ان کا انکار کیا ہوگا، مگر ہاتھ اور زبان کے ساتھ انکار کرنے سے وہ معذور رہے۔

اسی زمانے میں دیکھو کہ بہت سے کام واقع ہوتے ہیں جن پر کوئی شخص ہاتھ اور زبان سے انکار نہیں کر سکتا ہے، حالانکہ اس کا دل منکر ہوتا ہے۔ جاہل جب یہ صورتِ حال دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں شخص نے سکوت کیا۔ تو اس کا یہ کہنا یا تو بطور ملامت ہوتا ہے یا سکوت کے اتباع کے طور پر۔

لہٰذا معرفت رکھنے والا شخص سکوت سے استدلال نہیں کرتا۔ ایسا استدلال وہی شخص کرتا ہے جو استدلال کی کیفیت سے ناواقف ہو۔ اسی طرح بعض لوگوں کا یہ کہنا:

[1] یہ نواب صاحب رحمہ اللہ کے دور کی بات ہے، جب وہاں پختہ قبریں مسمار نہیں کی گئی تھیں۔

"فعل فلان كذا، و سكت الباقون فكان إجماعاً"
[فلاں شخص نے یہ کام کیا اور باقی لوگ خاموش رہے تو یہ اجماع ہوگا]

دو وجہ سے خرابی کا شکار ہے:

پہلی وجہ: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ فلاں کے فعل کی تقریر کے لیے باقیوں کے سکوت کا دعویٰ سکوت کی عدمِ دلالت کو واضح کرتا ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ "فكان إجماعاً" [یہ اجماع ہوگا] کا دعویٰ درست نہیں، اس لیے کہ اجماع تو نام ہے امتِ محمد ﷺ امتِ اسلام کے اتفاق کا، اور خاموشی اختیار کرنے والے شخص کی طرف نہ اتفاق کی نسبت ہوسکتی ہے اور نہ خلاف کی، جب تک کہ وہ اپنی زبان سے کچھ نہ کہے۔

ایک حکایت:

ایک بادشاہ کی مجلس میں حاضرینِ مجلس نے سلطنت کے ایک عامل کی بہت تعریف کی۔ ان میں سے ایک شخص خاموش تھا۔ بادشاہ نے پوچھا: ''تو کیوں نہیں کچھ کہتا، جیسا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''اگر میں کچھ کہوں گا تو وہ ان کے خلاف ہوگا۔'' معلوم ہوا کہ ہر سکوت رضا نہیں ہوتا۔

فتنۂ قبور پر خاموشی اختیار کرنے کا سبب:

ان منکرات کی بنیاد رکھنے والے وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں تلوار اور نیزہ ہے اور لوگوں کے خون اور مال ان کی زبان و قلم کے نیچے ہیں۔ تو پھر اس صورت حال میں بھلا کون شخص انھیں ان کے ارادے سے منع کرسکتا ہے؟ یہ بڑے بڑے قبے، گنبد اور مشہد، جو شرک و الحاد کا ایک بڑا سبب اور ذریعہ ہیں، ان میں سے اکثر کو بنانے والے یہی شیطان صفت بادشاہ اور سلطان ہیں۔

قبر پرستی کی ابتدا:

ہوتا یوں ہے کہ کسی نے اپنے کسی رشتے دار کا مقبرہ بنا دیا، کسی نے اس کا مقبرہ بنا دیا جس کا وہ معتقد تھا، خواہ وہ پیر ہو یا عالم فاضل۔ پہلے پہل تو لوگ وہاں زیارت کرنے آتے تھے اور اپنے اس عمل کو زیارتِ اموات کا نام دیتے تھے، وہ ان مردوں کو وسیلہ ٹھہراتے تھے نہ ان کے نام کی دہائی دیتے تھے، بلکہ صرف ان کے لیے دعا و استغفار کر کے چل دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ صدی

اور زمانہ گزر گیا اور اصل حقیقت کو جاننے والے باقی نہ رہے تو بعد میں آنے والے لوگوں نے کیا دیکھا کہ قبر پر ایک پختہ قبہ اور گنبد بنا ہے، چراغاں ہو رہا ہے، عمدہ عمدہ فرش، غالیچے اور قالین بچھے ہوئے ہیں۔ ان کو یہ گمان ہوا کہ یہ ٹھاٹھ کسی فائدے کے حصول اور کسی تکلیف کے دور کرنے کے لیے ہے۔ پھر قبر کے مجاوروں نے آ کر اس قبر والی میت پر سو جھوٹ باندھے کہ اس نے چنیں اور چناں کیا، فلاں کو یہ فائدہ ہوا اور اس نے فلاں کو یہ نقصان پہنچا دیا، یہاں تک کہ ہر باطل اور جھوٹ ان کے گلے میں اتار دیا اور ہر شرک ان کی جبلت اور طبیعت میں بو دیا۔

علما اور ملوک کی ذمے داری:

یہ ساری خرابی انھیں دنیا دار بادشاہوں اور اَحبار و رہبان کی ہے، ورنہ اہلِ حق ہمیشہ ہر دور میں اس قبر پرستی کا انکار کرتے رہے اور انھوں نے منبروں پر کھڑے ہو کر احکامِ اسلام بیان کیے۔ اب کوئی نہ مانے تو وہ کیا کریں؟ عالم دین کی ذمے داری اسی قدر ہے کہ وہ بیانِ حق کرے اور کتمانِ علم کو روا نہ رکھے، زبان و بیان سے انکارِ منکر پر بہت کم دریغ کیا گیا ہے اور ہاتھ کے ساتھ منکر کے بدلنے اور ختم کرنے کی قدرت ملوک، امرا اور روسا کے علاوہ کسی کو کم ہی میسر آتی ہے۔

قبروں پر چراغاں کرنے اور لکھنے کی ممانعت:

قبروں پر چراغ جلانے اور لکھنے اور عمارت بنانے پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔[1] اس موضوع پر احادیث معروف و مشہور ہیں۔ مذکورہ افعال فی نفسہا ممنوع اور مستوجبِ لعنت ٹھہر چکے ہیں، ان کاموں کے کرنے والوں پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت ہے۔ اس کے علاوہ یہ اعمال اللہ کے ساتھ شرک اور بدعت جیسے بڑے بڑے مفاسد کا ذریعہ اور سبب بنتے ہیں۔

---

[1] قبروں پر چراغ جلانے کی وجہ سے لعنت والی حدیث ضعیف ہے۔ (سنن أبي داوٗد: ٣٢٣٦) لیکن اس عمل کے منکر اور بدعت ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے قبروں پر کوئی عمارت بنانے، انھیں پختہ کرنے اور ان پر کچھ لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم: ٩٧، سنن الترمذي: ١٠٥٢)

ساتویں فصل

گنبد خضرا کی شرعی حیثیت

ایک گناہ دوسرے گناہ کی دلیل نہیں ہوتا:

اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر موجود ہے اور اس پر ایک بڑا قبہ اور گنبد بنا ہوا ہے جس پر بہت سا روپیہ صرف ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قبے کو دلیل بنانا بہت بڑی جہالت ہے، کیونکہ یہ قبہ خود رسول اللہ ﷺ نے بنانے کا حکم دیا ہے نہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی قبر پر قبہ بنوایا ہے۔ قبرِ رسول ﷺ پر بنا ہوا گنبد کسی صحابی نے بنایا ہے نہ امت کے کسی عالم نے، نہ کسی ولی اللہ نے بنایا اور نہ کسی مجتہد اور مجد دِ دین نے، بلکہ یہ قبہ جو سید الانبیا علیہ السلام کی قبر مبارک پر بنا ہوا ہے، اس کو مصر کے بعض متاخر بادشاہوں نے بنایا ہے۔ اس بادشاہ کا نام ''قلاوون صالحی'' تھا اور اس کا لقب ملک منصور تھا۔ اس گنبد کی تعمیر ۶۷۸ھ میں ہوئی، جیسا کہ ''تحقیق النصرة بتلخيص معالم دار الهجرة'' میں مذکور ہے۔[1]

اس طرح کے کام جو ریاستی امور میں سے ہیں، ہرگز دلیل نہیں بنتے۔ یہ وہ کام ہیں جن میں بعد والے لوگ پہلے لوگوں کی پیروی کیا کرتے ہیں۔

یہاں اس مسئلے کا خاتمہ ہوتا ہے جس کے بیان کا ہم نے قصد کیا تھا۔ اس مسئلے میں عام لوگ خواہش پرست بن کر گرفتار ہیں۔ علما پر جس چیز کا انکار کرنا واجب تھا، انھوں نے اس پر چپ سادھ لی ہے اور عوام الناس کی طرح خاموش تماشائی بن گئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں منکر معروف اور معروف منکر بن کر رہ گیا ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ نمایاں لوگوں میں سے کوئی اس سے منع کرتا ہے نہ اس پر زجر و توبیخ ہی کی جرات کرتا ہے۔

---

[1] تحقيق النصرة بتلخيص معالم دار الهجرة للمراغي (ص: ٨١)

آٹھویں فصل

مجاذیب کے خوارقِ عادات امور کی حقیقت

صرف ''اللہ اللہ'' کا وظیفہ کوئی کلام ہے نہ توحید:

اگر کوئی کہے کہ کبھی زندوں یا مردوں کا ایسی جماعت سے ملاپ ہوتا ہے جن سے خوارقِ عادات امور کا ظہور ہوتا ہے جیسے مجاذیب، تو ایسے کاموں کا کیا حکم ہے جبکہ لوگ ان خوارق کو دیکھ کر اس مجذوب کے معتقد ہو جاتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ جن کا نام مجذوب ہے اور یہ لوگ لفظ اللہ کو اپنے منہ سے یوں چباتے ہیں اور اپنی زبان سے اس پاک نام کو اس طرح نکالتے ہیں کہ عربی لفظ ہی باقی نہیں رہتا تو یہ لوگ ابلیس لعین کا ایک لشکر ہیں اور کائنات کے وہ بڑے گدھے ہیں جن کو خوش نما مصنوعی بوریا اور جل پہنا دی گئی ہے۔ لفظ ''اللہ'' کو خبر کے بغیر جیسے ''اللہ، اللہ'' کہنا کوئی کلام ہے نہ کوئی توحید، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بزرگ نام کے ساتھ ایک کھیل تماشا ہے کہ اس کو عربی تلفظ کے طریقے سے خارج کر دیا ہے اور کلمہ توحید کے معانی سے خالی کر دیا ہے۔

اگر کسی شخص کا نام زید ہو اور ایک جماعت زید، زید کہنا شروع کر دے تو لوگ اس کو استہزا و اہانت اور مذاق سمجھیں گے۔ خصوصاً جب کہ اس بکواس کے ساتھ تحریفِ لفظ بھی بڑھا دیں، پھر تو اس مسخرا پن میں کوئی شک بھی باقی نہیں رہتا ہے۔

اب دیکھنا یہ چاہیے کہ کتاب و سنت میں کہیں اللہ جل جلالہ کے نام کو منفرد طور پر تکرار کے ساتھ کہنے اور پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ کتاب و سنت میں بھی ذکر، توحید، تسبیح، تہلیل اور تکبیر مطلوب ہے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذکار اور دعائیں موجود ہیں جو سب اس چیخ چنگھاڑ سے خالی ہیں۔

رہا قرآن مجید کی اس آیت میں ''اللہ'' کہنے کا حکم:

﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ﴾ [الأنعام: ۹۱]

[کہہ اللہ نے، پھر انھیں چھوڑ دے، اپنی (فضول) بحث میں کھیلتے رہے ہیں]

تو یہاں لفظ ''اللہ'' اکیلا نہیں، بلکہ یہ پورا ایک جملہ مقدرہ ہے۔ اوپر سے ظلم یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ مردوں کی ایک جماعت کے نام بھی پکارتے ہیں، جیسے ابن علوان، احمد بن حسین، عبدالقادر اور عید روس۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ صبح اٹھتے ہی بعض لوگ اہلِ ظلم و جور کی قبروں کی طرف جاتے ہیں جیسے علی رومان، علی احمر اور ان کی طرح کے دیگر لوگ۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے رسول اللہ ﷺ اور اعیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان جاہلوں اور گمراہوں کے منہ میں داخل ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ بالجملہ انسانوں کے یہ مجنون شیاطینِ جہل، شرک اور کفر کے جامع بن چکے ہیں۔

مجاذیب کے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ لوگ جو اللہ جل و علا کا نام مبارک چبانے والے ہیں اور اس کے ساتھ بعض آوارہ اور بد چلن لوگوں کے عمل کو شامل کرنے والے ہیں، ان سے بعض خوارق عادات امور اور کرامات کا ظہور ہوتا ہے، جیسے اپنے بدن میں تلوار مارنا، چہرے جھلسا لینا یا سانپ اور بچھو لیے پھرنا یا آگ کھا جانا تو یہ سب کیا ماجرا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب شیطانی احوال و افعال ہیں۔ جو شخص ان چیزوں کو کراماتِ اَموات اور حسناتِ اَحیا سمجھتا ہے، وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے، کیوں کہ وہ ان کا نام لیتا ہے اور ان کو اللہ کا ہمسر ٹھہراتا ہے۔

فرض کرو کہ وہ فوت شدہ لوگ اولیاء اللہ ہیں تو بھلا اللہ کا ولی اس بات پر راضی ہو سکتا ہے کہ کوئی دیوانہ اور پاگل اس کو اللہ کا ہمسر ٹھہرائے؟ اگر ان کے متعلق یہی عقیدہ ہے کہ وہ ایسے تھے تو یہ بہت بری بات ہے، گویا اس نے انھیں مشرک ٹھہرایا اور دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ وہ لوگ ایسے امور سے بری ہیں۔

اگر کوئی شخص ان مجاذیب کی، جو مشرک، ہر باطل کے تابع اور رذائل کے سمندر میں غرق ہیں

جو اللہ کے سامنے سجدہ بجا لائیں اور نہ اس کا ذکر کریں، حرکات کو کرامت سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ مشرکین سے کرامات کا صدور ثابت کر کے قواعد وضوابطِ دین کو گراتا ہے۔

جب ان دونوں کاموں کا بطلان ثابت اور معلوم ہو گیا تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سب شیطانی احوال، طاغوتی افعال اور ابلیسی اعمال ہیں اور یہ گمراہ لوگ ابلیس کے بھائی ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔

شیاطین و جنات کا مختلف روپ دھارنا:

حدیث میں آتا ہے کہ شیاطین و جنات سانپ اور اژدہے کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں[1] اور یہ ایک قطعی امر ہے۔ یہ سانپ جو ان مجاذیب کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور انسان ان کو دیکھتا ہے تو اصل میں یہ شیاطین و جن ہیں، جو یہ شکل اختیار کر کے ان کے ہاتھ میں نظر آتے ہیں۔ کبھی یہ نظر بندی اور جادو کا کرشمہ ہوتا ہے۔

جادو کئی طرح کا ہوتا ہے اور اس کا سیکھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ بلکہ جادو کا دروازہ یہی اللہ کے ساتھ کفر اور اس کے معظمات و شعائر کی اہانت کرنا ہے، جیسے مصحف قرآنی کا پاخانے میں رکھنا اور اس طرح کی دیگر خباثتیں۔ تو اب جو کوئی ان مجاذیب سے ایسے امور کا مشاہدہ کرے اور اس کی آنکھوں میں وہ فارق عظیم نظر آئے تو جان لو کہ جادو کا افعال میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ کچھ لوگ تو جادو کے زور سے اصل چیزوں کو بدل دیتے ہیں۔ دیکھو! فرعون کے جادوگروں نے سانپوں اور اژدہوں سے سارا میدان بھر دیا تھا، یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے، جب کہ اللہ نے اسے سحر عظیم کہا ہے۔ جادو تو اس سے بھی بڑھ کر کام کرتا ہے۔

ابن بطوطہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے بلادِ ہند میں ایک قوم دیکھی جو باریک کپڑے پہن کر ایک بڑی آگ میں گھس جاتے ہیں، پھر اس طرح باہر آ جاتے ہیں، گویا ان کے کپڑوں کو آگ نے بالکل نہیں چھوا ہے۔ بلکہ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ میں نے ہند کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے پاس ایک انسان کو دیکھا کہ اس نے بادشاہ کے سامنے اپنے دو بیٹے پارہ پارہ کر کے پھینک دیے، یہاں تک کہ کسی نے ان اعضا کو نہ دیکھا کہ وہ کدھر گئے، پھر اس شخص نے چیخ ماری اور رویا،

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٣٦)

اتنے میں ہر ایک عضو الگ الگ آ کر باہم جڑ گیا اور اس کا ہر ایک بیٹا اپنی عادت پر جیتا جاگتا کھڑا ہو گیا اور حاضرینِ مجلس کو خبر تک نہ ہوئی کہ یہ کیوں کر ہوا۔

ابن بطوطہ نے ان واقعات کو اپنے سفر نامے میں ذکر کیا ہے۔ یہ سفر نامہ بہت تفصیلی ہے۔ میں نے مکے میں وہ سفر نامہ دیکھا تھا۔ اس واقعے میں مذکور بادشاہ جہانگیر بادشاہ مقصود ہے۔ اس کا قصہ تاریخ جہانگیری میں بھی مفصل لکھا ہے۔

ابو الفرج نے "كتاب الأغاني" میں ذکر کیا ہے کہ ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو گائے کے پیٹ میں گھس جاتا تھا اور پھر باہر نکل آتا تھا۔ جندب رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر اپنے گھر گئے اور اپنی تلوار لے کر آئے، چنانچہ وہ جادوگر گائے کے پیٹ میں داخل ہوا تو انھوں نے کہا:

﴿ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴾ [الأنبياء: ٣]

[تو کیا تم جادو کے پاس آتے ہو، حالانکہ تم دیکھ رہے ہو؟]

پھر گائے کے درمیان میں ایسی تلوار ماری کہ گائے کا پیٹ اور جادوگر دونوں کٹ گئے۔ اس پر لوگ حیران رہ گئے۔ ولید نے ان کو گرفتار کر لیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ قید خانے کا داروغہ ایک نصرانی آدمی تھا، اس نے دیکھا کہ یہ جندب رضی اللہ عنہ رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے ہیں تو کہا: واللہ! جس قوم کا یہ شخص ہے وہ قوم سچی ہے۔ وہ قید خانے کو ایک شخص کے حوالے کر کے کوفے آیا اور پوچھا کہ یہاں کون شخص افضل ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اشعث بن قیس۔ انھوں نے اس کی ضیافت کی، اس نے دیکھا کہ وہ رات کو سوتے اور دن کو کھانا کھاتے ہیں۔ وہ شخص ان کے پاس سے نکلا اور اہلِ کوفہ سے پھر دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ جریر بن عبداللہ۔ اس شخص نے ان کو بھی اسی طرح پایا کہ رات کو سوتے اور دن کو کھاتے ہیں۔ اس شخص نے قبیلے کی طرف منہ کر کے کہا کہ میرا رب وہی ہے جو جندب کا رب ہے اور میرا دین جندب کا دین ہے۔[1]

اس روایت کو سنن بیہقی میں بھی قدرے فرق کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ ولید بن عقبہ عراق میں تھا۔ اس کے سامنے ایک جادوگر کھیل تماشا کرتا تھا۔ وہ کسی شخص کا سر تلوار سے اڑا دیتا، پھر اس کو پکارتا اور وہ اٹھ کھڑا ہوتا تو وہ اس کی گردن پر اس کا سر رکھ دیتا۔ لوگ کہتے: سبحان اللہ! یہ شخص مردے

[1] الأغاني لأبي الفرج الأصفهاني (٥/١٥٧)

کو زندہ کرتا ہے! مہاجرین میں سے ایک مردِ صالح نے یہ منظر دیکھا اور دوسرے دن وہ اپنی تلوار ساتھ لے کر آیا، عین اس وقت جب وہ جادوگر کرتب دکھا رہا تھا، اس شخص نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا سر اڑا دیا اور کہا: اگر یہ سچا ہے تو اب اپنے آپ کو زندہ کر لے۔ ولید نے اسے گرفتار کر لیا۔ انتہیٰ.[1]

اس سے بھی عجیب تر وہ قصہ ہے جسے حافظ ابو بکر نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے کہ ایک عورت نے بابل میں ہاروت و ماروت سے جادو سیکھا تھا۔ اس نے گندم کے کچھ دانے لے کر زمین پر بکھیر دیے اور کہا اُگ جاؤ، وہ دانے اُگ آئے۔ اس نے کہا خوشہ بن جاؤ، وہ خوشہ بن گئے۔ کہا سوکھ جاؤ، وہ سوکھ گئے، کہا آٹا بن جاؤ وہ آٹا بن گئے۔ کہا روٹی بن جاؤ، ان کی روٹی پک گئی۔ غرض یہ کہ وہ جادوگرنی عورت جیسا چاہتی تھی، ویسا ہی ہو جاتا تھا۔[1]

الحاصل شیطانی احوال کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ دجال دکھائے گا سمجھنے کے لیے تو یہی کافی ہے۔ حق و باطل کا معیار کتاب و سنت کا اتباع اور ان کی مخالفت ہے۔ والحمد لله أولاً و آخراً.

خاتمہ:

آج بروز سوموار ساتویں شوال ۱۳۰۵ھ کو سید محمد بن اسماعیل امیر یمنی رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی کتاب "تطهير الاعتقاد من أدران الإلحاد" کا ترجمہ ایک دن میں تمام ہوا۔

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات.

① سنن البیهقي (۸/۱۳٦)

② مصدر سابق

فہرست رسائل اثبات توحید وردّ شرک

- تقوية الإيمان.
- الدين الخالص.
- دعاية الإيمان إلى توحيد الرحمن.
- اللواء المعقود لتوحيد الرب المعبود.
- إخلاص التوحيد للحميد المجيد.
- منهاج العبيد إلى معراج التوحيد.
- نصيحة المسلمين.
- راہِ سنت.
- الانفكاك عن مراسم الإشراك.
- ملاك السعادة في إفراد الله تعالىٰ بالعبادة.
- النصح السديد بوجوب التوحيد.
- التفكيك عن أنحاء التشريك.

فتح الباب لعقائد أولي الألباب

تالیف

امام العصر علامہ نواب محمد صدیق حسن خان حسینی بھوپالی رحمہ اللہ
(۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مقدمہ

ملت محمدیہ ـعلی صاحبها الصلاة والتحیة ـ کے تین رکن ہیں: ایمان، اسلام اور احسان۔ عربی، فارسی اور اردو میں عقائد کے سلسلے میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ سب ایمان کی شرح ہیں۔ احکام، عبادات اور معاملات کے بیان میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، وہ سب اسلام کی شرح ہیں۔ سلوک وتصوف کے باب میں جو کتابیں تصنیف ہوئیں، وہ سب احسان کی شرح ہیں۔ ان تینوں اقسام کی کتابیں اس امت میں صدرِ اسلام سے لے کر اب تک بڑی تعداد میں لکھی جا چکی ہیں، ان میں محدثین کی کتابیں بدر جہا زیادہ ہیں۔ بشر ہونے کے ناتے ہوسکتا ہے ان کی کتابوں میں کچھ رطب و یابس رہ جائے، لیکن ماہرینِ قرآن وحدیث علما ومحدثین سے عام طور پر غلطی نہیں ہوتی اور اگر ان سے غلطی ہو جائے تو وہ اتفاقاً ہوتی ہے، جس پر انھیں اصرار نہیں ہوتا اور اسی زمرہ صادقین کے دوسرے علما اس غلطی کو دور کر دیتے ہیں۔

اس کے برعکس زمرہ تقلید نے قرآن وسنت کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا اور اپنی فکر ونظر، تصنیف وتالیف کی ایک نئی بنیاد ڈالی اور رائے، قیاس، ظن اور تخمین پر کلی اعتماد کیا۔

ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

اس لیے ان کی کتابیں تناقض اور غلطیوں سے بھر گئیں۔ فقہ، عقائد، ایمان اور عمل کا کوئی بھی مسئلہ ہو، مذکورہ اساس پر اس میں اختلاف کی بھر مار ہوگئی اور امام وپیشوا کی کثرت نظر آنے لگی۔ ہر ہر مسئلے کے الگ الگ امام تیار ہو گئے اور اس کے کچھ اَتباع پیدا ہو گئے، جن کا دوسرے امام سے کوئی سروکار نہیں رہا، اس طرح امت فرقوں میں بٹ گئی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو اس امت کی بقا منظور ہے، اس لیے قیامت تک ایک گروہِ حق سلامت

رہے گا۔ عقائد و اعمال میں ان کے اندر ایسے اختلافات رونما نہیں ہو سکتے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہوں۔ یہ وہی گروہ ہے جس کا ذکر اوپر گزرا، یعنی علماے حدیث، اصحاب الحدیث یا محدثین کا گروہ۔ اس گروہ کے تمام علما عقیدہ و عمل میں متفق اللفظ والمعنی چلے آئے ہیں۔ اگر کسی سے کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ جس عالم کی بات قرآن و حدیث کے موافق ہو، اسے وہ قبول کرتے ہیں اور جو قرآن و حدیث کے نص کے خلاف ہو، اسے نہیں مانتے۔ ان کے قبول و عدم قبول کا معیار ہے:

«مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي»[1] [جس پر میں (رسول) ہوں اور میرے صحابہ ہیں]

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهُ﴾ [الزمر: ۸۱]

[میرے ان بندوں کو بشارت دے دو جو بات سنتے ہیں پھر اچھی بات کو مانتے ہیں]

قرآن و حدیث میں انھی لوگوں کی فضیلت و تعریف مذکور ہے۔ ان کے سوا اسلام میں جو دیگر فرقے ہیں، وہ سب کے سب اہلِ بدعت ہیں، خواہ ان کی بدعت ہلکی ہو یا بھاری تر۔ بدعت کا لفظ حدیث میں جہاں کہیں آیا ہے، اس کا ذکر مذمت اور برائی ہی کے ساتھ آیا ہے۔ ایک حرف بھی کسی خبر و اثر میں ایسا نہیں آیا جس سے بدعت کی کچھ تعریف ہوتی ہو۔ دین نے ہر بدعت کو علی العموم گمراہی قرار دیا ہے۔ اس کا یہ قاعدہ کلیہ حدیث میں موجود ہے:

«كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»[2] [ہر بدعت گمراہی ہے]

بدعت صرف عمل ہی میں رونما نہیں ہوتی، بلکہ یہ سب سے پہلے عقائد میں آتی ہے اور جب بدعت عقیدے میں در آتی ہے تو بدعتی ہر بدعت پر عمل کرنے لگتا ہے، پھر اعمال میں بھی فساد رونما ہوتا ہے اور احسان میں بھی ریا کاری اور شو بازی آجاتی ہے۔ ان خرابیوں سے وہی شخص بچا ہوا ہے جس نے قرآن و حدیث کو اپنا پیشوا ٹھہرایا ہے اور زید و عمرو کے فسون و فسانے سے اپنے دل و دماغ اور سمع و بصر کو بچایا ہے۔

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲٦٤١)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (۸٦۷)

بدعات و خرافات کی گرم بازاری اور اختلاف و افتراق اسی وقت عام ہوتا ہے جب اتباعِ کتاب و سنت ترک کر دیا جائے اور لوگ قرآن و حدیث کے مقابلے میں اپنی باتیں پیش کرنے لگیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ٨٢]

[اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« وَمَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَىٰ اخْتِلَافاً كَثِيْراً »[1]

[میرے بعد جو زندہ رہے گا، عنقریب وہ بڑا اختلاف دیکھے گا]

کلامِ الٰہی اور کلامِ نبوی دونوں میں "اختلاف کثیر" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دونوں اس بات پر متحد ہیں کہ جو کچھ ان کے موافق نہیں، وہ "اختلاف کثیر" میں داخل ہے۔

اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے ہر عقیدے و عمل کو میزانِ اعتدال قرآن و حدیث پر تولے۔ اگر اس میزان پر اس کا عقیدہ و عمل پورا اترے تو اپنے آپ کو مومن، مسلمان، محسن اور متبعِ قرآن و حدیث سمجھے اور اگر قرآن و حدیث کے میزان پر اس کا عقیدہ و عمل پورا نہ اترے تو اپنے آپ کو شیطان کے نقش ہائے قدم پر چلنے والا سمجھے، کیونکہ سارے انسان ایک ہی رب کے بندے اور ایک ہی رسول کی امت ہیں اور ان کی ایک ہی کتاب اور سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن و حدیث ہی پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ہر آدمی کا الگ دین ہے۔ یہ تو قرآن میں کفار کے لیے فرمایا ہے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [الكافرون: ٦]

[تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین]

ہر مسلمان کے عقیدے و عمل کی بنیاد قرآن و حدیث ہونا چاہیے۔ کسی کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس فاسد اور رائے پر عمل کرے۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦٠٧)

لیکن مشکل یہ ہے کہ ظن وتخمین کی بنیاد پر اختلافات رونما ہوئے تو فروعی مسائل میں چار مذاہب کوفروغ ملا۔ اصولِ دین یعنی عقائد میں بھی تین گروہ تیار ہوئے: ماتریدی، اشعری اور حنبلی۔ حنفی عقائد میں ماتریدی ہیں۔ شافعیہ اور مالکی اشعریت پر کار بند ہیں۔ حنبلی ماتریدی ہیں نہ اشعری بلکہ ان کا عقیدہ ظاہرِ قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔ حنبلی احباب اتباعِ قرآن وسنت میں پوری امت میں ممتاز ہیں، وہ فروع میں تقلید اور بے بنیاد رائے و قیاس کے قائل ہیں نہ اصولِ عقائد میں کسی کے مقلد ہیں۔ اشعریت اور ماتریدیت سے بعض مسائل میں ان کا اختلاف ہے، تمام مسائلِ عقائد میں نہیں۔

ماتریدیت ابو منصور ماتریدی (ت ۳۳۳ھ) کی طرف منسوب ہے، جنھوں نے مسائلِ عقائد میں ایک خاص طرز اختیار کیا اور بہت سے لوگ ان کے ان افکار کو ماننے لگے۔ ابو منصور ماتریدی اور امام ابو حنیفہ کے درمیان تین واسطے ہیں۔[1]

امام ابو الحسن اشعری (۲۶۰۔۳۲۴ھ) اشعریت کے بانی کہے جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے پرانے خیالات سے رجوع کر لیا تھا، وہ امام احمد کے ہم خیال ہو گئے تھے اور ظاہرِ قرآن و حدیث سے ماخوذ عقائد پر ان کا ایمان تھا۔[2] ان کا سلسلہ نسب دس واسطوں سے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

خراسان و عراق وغیرہ میں اشعری عقائد کا رواج ہوا اور ہندوستان اور ما وراء النہر میں ماتریدیت کے قائل پائے جاتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں بارہ مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے، باقی سب مسائل میں متفق ہیں۔[3]

عقائد کے سلسلے میں اسلاف کرام اور محققین محدثین یا اہلِ حدیث کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ماتریدی کہتے ہیں نہ اشعری بتلاتے ہیں اور نہ حنبلی ٹھہراتے ہیں۔ وہ فقط متبع سنت کہلانا پسند کرتے ہیں۔ جو بات قرآن و حدیث میں آئی ہے، اسی کو اختیار کرتے ہیں، اسی پر وہ ایمان رکھتے

---

[1] ابو منصور ماتریدی کے حالات اور ماتریدیت کے عقائد وافکار کی تفصیل کے لیے دیکھیں: الماتريدية للأفغاني (۱/ ۲۰۷)

[2] دیکھیں: مقدمة كتاب أبي الحسن الأشعري "الإبانة" للشيخ حماد الأنصاري رحمه الله.

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں: الماتريدية للأفغاني (۱/ ۴۱۲)

ہیں اور اسی کی تصدیق کرتے ہیں، خواہ وہ کسی کے موافق ہو یا مخالف۔ یہی طریقہ قدیم سے سلف صالحین کا آج تک رہا ہے کہ وہ اتباعِ سنت کے سوا کسی طرف انتساب پسند نہیں کرتے تھے، حتی کہ حنبلی کہلانا بھی پسند نہیں کرتے تھے اور متفقہ طور پر امامِ اہلِ سنت مانے گئے۔ ہر وہ مسلمان جو یہ پسند کرتا ہے کہ صرف اللہ کا بندہ اور رسول اللہ ﷺ کا امتی اور مقتدی ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام نسبتوں سے آزاد ہو کر صرف محمدی بن جائے۔

علمِ عقائد کو علماے اسلام نے اشرف علوم لکھا ہے، کیونکہ اس سے سعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ یہ تمام اعمال کا سرچشمہ بنتا ہے۔ وہ غیبی علوم جو انسانی دسترس سے باہر ہیں، اس سے ہمیں ان کا علم حاصل ہوتا ہے اور آیات و احادیث قطعیہ اس کی دلیلیں ہیں۔

علمِ عقائد پر نئی پرانی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں موجود ہیں، لیکن اکثر کتابیں مذاہب اربعہ کے مقلدین کی تصنیف کردہ ہیں۔ انھوں نے عقائد کو اپنے اپنے انداز پر بیان کیا ہے۔ عقلی دلیلوں کو عقیدے کے نفی و اثبات میں اہم تسلیم کیا ہے۔ اگر کہیں کسی حدیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے تو اس کی صحت وضعف کی جانچ نہیں کی ہے۔ آیات سے استدلال کیا ہے تو کہیں جمہور مفسرین کے خلاف استنباط کیا ہے۔ اس طرح کی مدون کتابیں ان کا علمِ کلام کہلاتی ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے ہر مخالف عقیدے پر کلام کیا ہے اور اس میں کافی درازنفسی کی ہے۔ شرح مواقف، عقائد نسفی میں کیا کچھ نہیں ہے؟ ان کے بے شمار مسائل قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماے اہلِ حدیث ان پر اعتماد کرنا پسند نہیں کرتے۔

عقائد کے باب میں وہی کتابیں معتمد ہیں، جن کی دلیلیں آیاتِ بینات اور احادیثِ صحیحہ ہوں اور جنھیں محققین محدثین نے تالیف فرمایا ہے، جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم کی کتابیں یا صابونی و سفارینی وغیرہما کی عقائد کی کتابیں۔ ان کتابوں میں عقائد کا بیان قرآن و حدیث سے ہوا ہے۔ ان میں رائے اور قیاس کی آمیزش نہیں ہوئی۔ ان میں انواعِ شرک اور اقسامِ بدعت کی بھی خوب سے خوب توضیح و تردید کی گئی ہے، حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ دیا گیا ہے اور کفر و الحاد کو واضح کر دیا گیا ہے۔ مسئلہ توحید اور صفاتِ الٰہیہ میں ان حضرات کی مستقل کتابیں بھی موجود ہیں۔

زیر نظر رسالے میں معتمد علیہ کتابوں کے طرز پر عقائدِ اسلام کو بیان کیا جائے گا۔ اس میں ہر مسئلہ قرآن و حدیث کی دلیل سے مدلل ہو گا۔ کوشش یہ ہو گی کہ دسیوں دلائل میں سے چند دلیلوں کا انتخاب کیا جائے، کیونکہ مختصر کتاب کی تالیف کا ارادہ ہے۔ جس عقیدے میں اتفاقاً کہیں اہلِ علم کا اختلاف ہوا ہے، وہاں راجح قول یعنی ظاہرِ کتاب و سنت کے موافق کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں سلف صالحین یعنی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے عقائد کو پیش کیا گیا ہے، کیونکہ انھیں کا سمجھا ہوا متفقہ عقیدہ صحیح عقیدہ ہے اور انھیں کے عقائد پر چل کر ہدایت مل سکتی ہے۔

باب اول

رب العالمین کی معرفت

اصحابِ حدیث، اللہ ان کے فوت شدگان پر رحم فرمائے اور زندوں کو محفوظ رکھے، کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ رسولِ رحمت ﷺ اس کے نبی اور رسول ہیں۔ اس میں ذرہ برابر کسی شک و شبہے کی گنجایش نہیں ہے۔ اللہ کے لیے جو صفات قرآن میں آئی ہیں یا رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، وہ سب اللہ کے لیے ثابت ہیں۔ وہ صفتیں ایسی نہیں جیسے کسی مخلوق کی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنے ہاتھ سے کی ہے۔ فرمایا:

﴿ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ﴾ [ص: ۷۵]

[اے ابلیس! تجھے کس شے نے باز رکھا کہ اس کو سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا]

اس جگہ اگر ''ید'' (ہاتھ) کا معنی قدرت و قوت ٹھہرایا جائے تو یہ قرآن میں تحریف ہوگی۔ یہ تحریف معتزلہ اور جہمیہ نے کی ہے۔ اہلِ سنت اس لفظ کو تشبیہ، تعطیل اور تاویل کے بغیر استعمال کرتے ہیں، اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کرتے۔ کسی شخص کو اپنی کیفیت تو معلوم ہی نہیں کہ اس کی فلاں صفت کی کیفیت و ماہیت کیا ہے؟ خالق کی کیفیت بھلا کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟

قرآن کریم اور صحیح احادیث میں رب پاک کے لیے جو الفاظ آئے ہیں، اہلِ حدیث جوں کا توں انھیں اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ اس میں اگر بہ ظاہر کوئی تشبیہ و تمثیل نکلتی ہے تو نکلا کرے، وہ اس کا علاج اس آیت سے کرتے ہیں:

﴿ لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾ [الشوریٰ: ۱۱]

[اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے]

اس ایک جملے نے سارے اگلے پچھلے جھگڑوں کو ختم کر دیا ہے۔ اصحابِ حدیث کا اعتقاد جس

طرح اس ایک صفت ''ید'' (ہاتھ) کے بارے میں ہے، ان کا ایسا ہی اعتقاد ہر صفتِ حق کے بارے میں ہے، خواہ وہ صفات قرآنِ کریم میں مذکور ہوں یا حدیث نبوی میں بیان ہوئی ہوں۔ وہ سب کو ظاہر الفاظ پر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ظاہر لفظ کے مطابق صفات کا اعتقاد رکھتے ہیں اور لفظ و معنی بدلنے کو تحریف و تبدیل اور تاویل جانتے ہیں اور تاویل کو تکذیب کا شاخسانہ سمجھتے ہیں۔ کسی صفت کو مخلوق کی صفت کی طرح نہیں جانتے۔ کمی بیشی، اضافت اور کیفیت کے بغیر سب پر یکساں ایمان لاتے ہیں۔ وہ حدیث یا نص کے لفظ کے شرعی اور لغوی معنی کو ختم کرنا ناپسند کرتے ہیں۔

اگر تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کس کی تاویل کو مانا جائے؟ ہر کس و ناکس تاویل کر رہا ہے۔ ہر شخص ایک نیا مفہوم و مطلب پیش کر رہا ہے۔ آخر ایک کو قبول کریں، دوسرے کو چھوڑ دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہر ایک عالم ہے، کوئی جاہل تو نہیں ہے۔ گویا تاویل کا دروازہ کھولنا حیرانی کا دروازہ کھولنا اور ضلالت میں پھنسنا ہے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ ظاہر لفظ پر اعتقاد ہو اور کیفیت اللہ کو سونپ دی جائے، جیسے فرمایا:

﴿وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [آل عمران: ۷] [اس کا علم صرف اللہ کو ہے]

یہی کمال علم کی دلیل اور عالم و دانشور کا شیوہ ہے۔ رب پاک نے راسخین فی العلم کا شیوہ بتلایا کہ وہ کہتے ہیں:

﴿اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ [آل عمران: ۷]

[ہم اس قرآن پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے]

رب پاک نے ان کے اس جذبہ تسلیم و رضا کی تعریف کی اور انھیں دانشور بتلایا:

﴿وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ۷]

[نصیحت صرف اصحابِ دانش ہی قبول کرتے ہیں]

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ تاویل کرنے والے علم میں رسوخ رکھتے ہیں نہ وہ عقل و شعور ہی کے مالک ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کی تاویل نہیں جانتا تو پھر تاویل کرنا حماقت نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا تاویل کرنے والوں کی تاویل اللہ کو معلوم نہیں تھی کہ موّولین اللہ کو یہ تاویل بتانے چلے ہیں؟ نیز کلامِ پاک کا اعجاز تسلیم شدہ

حقیقت ہے۔ تاویل کرنے والوں کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو یہ قدرت حاصل نہ تھی کہ صفتِ الٰہی کا بیان ایسی عبارت سے کرتا جس میں تشبیہ و تجسیم کی خلل اندازی نہ ہوتی۔ اب وہ ایسی صلاحیت اور قدرتِ بیان لے کر آئے ہیں اور اپنے الفاظ میں صفات الٰہیہ کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ.

تاویل سے تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ عاجز ہے اور اس کی مخلوق قادر ہے۔ رب پاک نے اپنی صفات میں ایسے الفاظ استعمال کیے، جن کا ظاہر و باطن کفر و الحاد ہے اور یارانِ تاویل نے وہ الفاظ تراشے ہیں جن کا ظاہر و باطن سراپا تنزیہ ہے!!

ظاہر ہے یہ کلمات اسی شخص کی زبان سے نکل سکتے ہیں، جس کو حشر و نشر کا اقرار نہ ہو۔ کسی مومن کی زبان سے ایسی بات نہیں نکل سکتی۔

وجودِ باری تعالیٰ:

اصحاب الحدیث اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اس جہانِ فانی کا بنانے والا ایک ہے، جس کو اللہ کہتے ہیں، وہ سب سے اوّل ہے اور یہ عالم حادث ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ [الأعراف: ٥٤]

[بے شک تمھارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دنوں میں پیدا کیا]

نیز فرمایا:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ [الزمر: ٦٢] [اللہ ہر شے کا خالق ہے]

اور فرمایا:

﴿اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [إبراهيم: ١٠]

[کیا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اللہ کے بارے میں شک ہے]

قرآن مجید میں تقریباً پانچ سو آیتیں ایسی ہیں جو وجودِ باری تعالیٰ کی دلیل ہیں۔ دہریوں کے سوا سارے جہان کے اہلِ علم ایک خالق کے قائل ہیں اور دنیا کو حادثِ نو جانتے ہیں۔ جس کا یہ خیال ہو کہ عالم قدیم ہے، وہ کافر ہے۔ اثباتِ صانع کے لیے یاروں نے صدہا عقلی دلیلیں تراشی ہیں، لیکن قرآنی دلائل کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ خالق کو قرآن و حدیث سے پہچاننے کے

بجائے حکمتِ یونان سے پہچاننا ایمان کی سلامتی کی دلیل نہیں ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے بجا فرمایا ہے:

"في فطرة الإنسان وشواهد القرآن ما يغني عن إقامة البرهان"[1]

[انسان کی فطرت اور قرآن کی شہادتوں میں جو کچھ ہے، اس کے بعد دلیل لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے]

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ لفظ "قدیم" اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ اکثر سلف نے اس لفظ سے انکار کیا ہے۔ بعض خلف مثلاً ابن حزم رحمہ اللہ بھی اس کے منکر ہیں۔ شریعت میں "قدیم" کی جگہ پر "اوّل" آیا ہے جو "قدیم" سے بہتر ہے۔ آخر ہمیں ان الفاظ کو چھوڑ کر، جنھیں اللہ نے اپنے اسما کے لیے استعمال کیا ہے، دوسرے الفاظ استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ متکلمین بھی عجیب ہیں۔ یہ لوگ قرآن میں جو الفاظ آئے ہیں یا جو رسول اللہ ﷺ نے بتلائے ہیں، انھیں چھوڑ دیتے ہیں اور انسانی بول چال کے بے معنی الفاظ کا اطلاق اللہ پر کرتے ہیں، مثلاً اللہ کی تعریف میں یہ لکھتے ہیں کہ وہ نہ عرض ہے نہ جوہر ہے نہ جسم ہے نہ کسی چیز کے اندر ہے نہ کسی جہت میں ہے نہ متحرک ہے نہ نازل ہے نہ داخل عالم ہے نہ خارج ہے۔ اس کے برعکس اللہ نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ [سورة الإخلاص]

[کہہ دو وہ اللہ ہے۔ اکیلا بے نیاز اللہ۔ اس نے نہ جنا نہ وہ جنا گیا۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں]

اس سورت اور مذکورہ متکلمین کی تعریف میں اب اگر کوئی زیرک موازنہ کرے تو اسے حقیقت کا اندازہ ہو گا اور اسے دونوں تعریفوں کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ متکلمین کی تعریف اور ان کی عبارت بالکل لغو اور مہمل ہے اور مذکورہ تعریف ربانی یعنی مذکورہ سورت جو وحی منزل ہے، اس کے ہر لفظ کے اندر بہت سے معانی اور مطالب ہیں اور متکلمین کی تعریف میں ہرزہ سرائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

قدیم کی طرح ایک لفظ "واجب الوجود" ہے۔ قرآن و حدیث میں اس لفظ کی جگہ اللہ نے اپنے لیے "آخر" استعمال کیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ ہمیشہ باقی رہے گی۔ جس بات کی وضاحت متکلمین "واجب الوجود" سے کرنا چاہتے ہیں، رب پاک نے "آخر" سے کی ہے۔ پھر ہم ایک

---

[1] إحياء علوم الدين (١/ ١٠٦)

''سخی'' لفظ چھوڑ کر ''بدعی'' لفظ کیوں استعمال کریں؟ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام آئے ہیں۔ یہ اس کے مشہور اسما ہیں۔ ان کے سوا اور بھی الفاظ مدح قرآن و حدیث میں آئے ہیں، جیسے ماہد، منشی، زارع۔ جو الفاظ زبانِ رسالت یا فرمانِ باری تعالیٰ میں مذکور ہیں، انھیں الفاظ کو ثنائے رب میں استعمال کرنا بہتر ہے۔ ان منصوص الفاظ کو بدلنا قطعاً درست نہیں۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں غیر وارد الفاظ کو ثنائے رب میں استعمال کرنا ناجائز سمجھنا چاہیے۔ خواہ ان کے معنی درست ہی کیوں نہ ہوں، جیسے اوّل، آخر اور اللہ کی جگہ واجب الوجود اور خدا کا استعمال۔

صفاتِ باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ وہ معدوم نہیں ہوسکتا۔ جتنی صفاتِ کمال ہیں، خواہ ذاتی ہوں یا فعلی، وہ سب سے متصف ہے، جیسے: علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ تکوین، کلام، رزق رسانی، تخلیق وغیرہ۔ جتنی صفاتِ نقص ہیں، وہ ان سب سے پاک ہے، جیسے: عجز، جہل، کذب، ظلم، موت۔

خلق:

تمام مخلوق کو اسی نے پیدا کیا ہے، جب خلق نہ تھی، تب بھی وہ ازل میں خالق تھا۔ جو کچھ عالمِ ملک و ملکوت میں ہے اور عالمِ لاہوت و ناسوت میں جو چیزیں موجود ہیں، سب کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ وہی سب کا خالق ہے۔ سبھی اس کی مخلوق ہیں۔ انسان، جن، ملائکہ، شیاطین؛ سبھی کو اسی نے پیدا کیا ہے:

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [الزمر: ٦٢] [اللہ ہر شے کا خالق ہے]

خلق کہتے ہیں فعل، تکوین، ایجاد، احداث، اختراع اور ابداع وغیرہ کو۔ مختصراً خلق نام ہے معدوم کو وجود میں لانے کا اور یہ رب پاک کی ازلی صفت ہے۔

علم:

موجودات، معدومات، ممکنات، مستحیلات، جزئیات اور کلیات تمام کا علم اللہ کو ہے۔ وہ زمین کی تہ سے آسمان کی چوٹی تک کی تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ زمین و آسمان کے ذرے ذرے، چیونٹی کی چال اور اندھیری رات میں ٹھوس پتھر پر ذرے کی حرکت کا بھی اسے علم ہے۔ فرمایا:

① ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [الملك: ١٤]

[کیا وہ نہیں جانتا ہے جو باریک بیں خبر دار ہے]

② ﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٥٩]

[اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ صرف وہی انھیں جانتا ہے، وہ بحر و بر کی ساری چیزیں جانتا ہے۔ کوئی پتا بھی گرے وہ اس کو بھی جانتا ہے، زمین کی تاریکیوں خشک و تر میں ایک دانہ بھی ہو تو وہ کتاب مبین میں ہے]

③ ﴿وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ [البقرة: ٢٥٥]

[وہ اس کے کسی علم کا کلی ادراک نہیں کر سکتے مگر صرف اتنا جتنا وہ چاہے]

④ ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ [النساء: ١٦٦] [اسے اپنے علم سے اتارا]

⑤ ﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [حم السجدة: ٤٧] [قیامت کا علم اسی کے پاس ہے]

⑥ ﴿رَبَّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الأعراف: ٨٩]

[ہمارا رب ہر شے کو اپنے علم سے احاطہ کیے ہے]

⑦ ﴿اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [الأحقاف: ٢٣] [یقیناً علم اللہ کے پاس ہے]

موسیٰ علیہ السلام نے جب کہا کہ میں بڑا عالم ہوں تو اللہ نے ان پر عتاب کیا کہ علم اللہ کے سپرد کیوں نہ کیا؟[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیثِ استخارہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

«إِنِّي أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ»[2] [ہم تیرے علم کے ساتھ استخارہ کرتے ہیں]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے مرفوعاً روایت نقل کی ہے، جس میں اللہ کے علم غیب کا بھی ذکر ہے:

«اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ»[3]

[اے اللہ! تیرے علمِ غیب اور قدرتِ خلق کے ساتھ]

فلاسفہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے اور دہریہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی ذات کو

---

① صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٨٠)

② صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٠٩)

③ سنن النسائي، رقم الحديث (١٣٠٥)

نہیں جانتا، لیکن رب پاک نے فرمایا:

﴿ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ [الأنعام: ۱۰۱] [وہ ہر شے کو جانتا ہے]

﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ [الطلاق: ۱۲]

[اور اللہ کو ہر شے کا مکمل علم ہے]

﴿ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ [البقرة: ۲۵۵]

[لوگ اس کے کسی علم کا ادراک صرف اتنا کر سکتے ہیں جتنا وہ چاہے]

فلاسفہ اور دہریہ کی کفریہ باتیں ان کو کافر قرار دیتی ہیں۔ صفتِ علم رب پاک کی تمام صفات سے برتر ہے۔ یہ صفت رب پاک کی ازلی صفت ہے۔

قدرت:

ساری ممکنات پر وہ قادر ہے۔ اس کی قدرت کاملہ سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ اس ازلی صفت کا اثر مقدورات میں اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب قادر ان پر اپنی قدرت کا ظہور فرمائے۔ قادر کے یہ معنی ہیں کہ چاہے وہ ایجاد عالم کرے یا نہ کرے، بہر حال وہ قادر ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [البقرة: ۲۰] [اللہ ہر چیز پر قادر ہے]

② ﴿ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴾ [القيامة: ٤]

[کیوں نہیں؟ (ہم انھیں اکٹھا کریں گے) اس حال میں کہ ہم قادر ہیں کہ اس (کی انگلیوں) کے پورے درست کر (کے بنا) دیں]

③ حدیثِ عثمان رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً مروی ہے:

«اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ»[1]

[میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ مانگتا ہوں]

④ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

«وَ مَنْ عَلِمَ اَنِّيْ ذُوْقُدْرَةٍ فَاسْتَغْفَرَنِيْ غَفَرْتُ لَهٗ بِقُدْرَتِيْ»[2]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۲۰۲)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲٤۹٥)

[جس نے مجھے صاحبِ قدرت جانا، پھر مجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوا تو اپنی قدرت سے میں اسے بخش دوں گا]

⑤ قدرت کو کسی جگہ قوت کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے:

﴿مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً﴾ [القصص: ۷۸]

[کون اس سے قوت میں زیادہ ہے؟]

⑥ ﴿هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ [الذاریات: ۵۸]

[وہ زبردست رزق رساں اور عظیم طاقت والا ہے]

⑦ حدیثِ سجدہ میں آیا ہے:

«شَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَره بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ» [1]

[جس نے آنکھ اور کان کو پھاڑا اپنی طاقت وقوت سے]

فلاسفہ کا یہ خیال کہ اللہ ایک سے زیادہ پر قادر نہیں اور نظام [مشہور معتزلی امام] کا یہ تصور کہ وہ جہل وقبح کی تخلیق پر قدرت نہیں رکھتا، اسی طرح بلخی کا یہ گمان کہ جو بندہ کر سکتا ہے، وہ اللہ نہیں کر سکتا اور عام معتزلہ کا یہ وسوسہ کہ بندے کے نفسِ مقدور پر اسے قدرت نہیں ہے، نہایت باطل اور غلط بات ہے۔ بعض اہل علم کا یہ قول کہ اگر اللہ چاہے تو مثل جبریل علیہ السلام اور محمد ﷺ سیکڑوں بندے پیدا کر سکتا ہے، غلط نہیں ہے، اس لیے کہ قدرت اور چیز ہے اور تکوین اور بات ہے۔ خود ماتریدیہ اس کے قائل ہیں۔ قدرت کا مطلب یہ ہے کہ قادر سے مقدور کا صدور ممکن ہے، یہ اور بات ہے کہ قادر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بالکل امکان کا وقوع بھی بالفعل ہو جائے اور تکوین کا مطلب یہ ہے کہ مکوّن فی الحال موجود ہو جائے۔ فرمایا:

﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ [یٰسٓ: ۸۱]

[کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انھیں کے مثل پیدا کر دے، یقیناً! وہ تو خلاق اور جاننے والا ہے]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۴۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ قدرت کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے نتیجے میں بالفعل مقدور کا خارج میں صدور بھی ہو۔ رب پاک نے رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیا بنایا ہے، اس لیے ان کا مثیل پیدا نہیں ہوگا۔

﴿ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: ٤٠]

[لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں]

حدیث میں آیا ہے:

«وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ»[1]

''میرے ذریعے سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔''

ارادہ:

پوری کائنات اسی کے ارادے سے وجود پذیر ہے۔ سارے حادثات کا وہی ایک مدبر ہے۔ قلیل وکثیر، عسر ویسیر، خیر وشر، نفع وضرر، حلو ومر، ایمان وکفر، عرفان ونکران، فوز وخسران، نقصان وزیادتی، طاعت وعصیان؛ سب کچھ اسی کے ارادے سے ہے۔ وہ جو چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہ ہوگا۔

حدیثِ رسول ﷺ ہے:

«مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ»[2]

[اللہ جو چاہے وہ ہوگا اور جو نہ چاہے وہ نہ ہوگا]

نیز رب پاک کا ارشاد ہے:

1. ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [التكوير: ٢٩]

[رب العالمین کی مشیت ہی تمھاری مشیت ہے]

2. ﴿ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [القصص: ٥٦]

[لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے]

3. ﴿ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾ [الفاطر: ١]

[مخلوق میں اللہ جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے]

4. ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ [البروج: ١٦]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٢٣)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٥٠٧٥) اس کی سند میں ''عبدالحمید مولیٰ بنی ہاشم'' مجہول ہے۔

[جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، وہ اسے بہت زیادہ کرتا ہے]

رسول اکرم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کے لیے گئے تو فرمایا:

«لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»[1]

[کچھ حرج نہیں! اگر اللہ نے چاہا تو گناہوں سے پاک کرنے والا ہوگا]

مشیت و ارادہ ہم معنی ہیں۔ فرمایا:

1. ﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ [البقرۃ: ۲۵۳] [لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے]
2. ﴿يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾ [المائدۃ: ۱] [اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے]
3. ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ [النساء: ۲۶] [اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیے واضح کر دے]
4. ﴿وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ﴾ [النساء: ۲۷]

   [اللہ چاہتا ہے کہ تمھاری توبہ قبول کرے]
5. ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

   «إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ»[2]

   [جب اللہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی]
6. حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

   «مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ»[3]

   [اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین میں فقاہت عطا کرتا ہے]

سمع و بصر:

ساری آوازوں کے حروف اور کلمات کو وہ سنتا ہے۔ سارے جلوہ ہائے کائنات اس کی نگاہ میں ہیں۔ یہ دیکھنا اور سننا رب پاک کی ازلی صفت ہے۔ کوئی مسموع اور دیکھی جانے والی چیز اس پر مخفی نہیں رہ سکتی۔ کوئی چیز خواہ کتنی ہی دور کتنی بھی سخت تاریکی میں ہو اور جس قدر بھی مخفی ہو، وہ اللہ سے مخفی نہیں رہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۰۳۲)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (۱٤۳۸)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۱) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۰۳۷)

سکتی۔ مسموعات اور مبصرات کے سلسلے میں اگر سمع و بصر سے مراد علم لیا جائے تو قرآن و حدیث میں تحریف کے مرادف ہوگا۔ ظاہر ہے جو دیکھتا اور سنتا نہ ہو، اسے سمیع و بصیر نہیں کہا جا سکتا۔

سمع و بصر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشوریٰ: ۱۱] [وہ سننے اور دیکھنے والا ہے]

② ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ [لقمان: ۲۸] [بے شک اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے]

③ ﴿وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾ [المجادلة: ۱] [اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا]

④ ﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ [طٰہٰ: ٤٦]

[میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں]

⑤ ﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ﴾ [الزخرف: ۸۰]

[کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے راز اور سرگوشی کو سنتے نہیں ہیں؟]

⑥ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تَدْعُونَ سَمِيعاً بَصِيراً» [1]

[تم سننے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو]

⑦ نیز فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ» [2]

[بے شک اللہ نے تمھاری قوم کی بات سن لی ہے]

وہ نرالا ہے:

کوئی چیز اس کی ذات اور صفات میں مشابہ نہیں۔ فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ: ۱۱] [اس کی طرح کوئی شے نہیں ہے]

وہ کسی شے کے مشابہ نہیں ہے۔ جہمیہ اہلِ حدیث کو مشبہہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ خود معطلہ ہیں۔ تشبیہ تو اس وقت لازم آتی ہے جب کسی کو اللہ کے مثل یا اللہ کو کسی شے کے مثل مانا جائے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٣٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٥٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٩٥)

اہلِ حدیث سلف صالحین ایسا عقیدہ رکھنا کفر سمجھتے ہیں۔ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ ان صفات کو ماننا تشبیہ نہیں ہے، تشبیہ یہ ہے کہ کہا جائے: اس کا سننا اور دیکھنا مخلوق کے سننے اور دیکھنے کی طرح ہے۔ یہی حکم تمام صفات کا ہے کہ کسی ایک صفت میں بھی تشبیہ جائز نہیں۔[1]

وہ یکتا ہے:

اللہ کی کوئی ضد نہیں ہے، جو اس سے کسی بات میں جھگڑے۔ فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الأنبياء: ٢٢]

[اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا دوسرے معبود ہوتے تو دونوں زمین و آسمان تباہ ہو جاتے]

اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے:

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ [البقرہ: ٢٢] [اللہ کے بہت سے ہمسر نہ بناؤ]

ایک صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا: ”جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: «اَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟» [کیا تو نے مجھے اللہ کا ہمسر ٹھہرا دیا ہے؟][2]

مطلب یہ ہے کہ کوئی اللہ کا مدِ مقابل ہے نہ اس کے برابر ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اثباتِ صفات میں ایسا مبالغہ جو تجسیم تک پہنچا دے اور نفیِ صفات میں ایسا غلو جس سے تعطیل لازم آئے، افراط و تفریط ہے۔ سلف کا طریقہ فقط یہ تھا کہ جو کچھ اللہ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے، وہ اسے ثابت مانتے اور اپنی ذات سے جس کی نفی کی ہے اس کو منفی سمجھتے۔ ان کا قاعدہ کلیہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ تھا۔[3]

وجودِ باری تعالیٰ:

وجوبِ وجود، استحقاقِ عبادت اور خلق و تدبیر میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ کی دلیل رب پاک کا یہ فرمان ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الأنبياء: ٢٢]

[اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے معبود ہوتے تو وہ تباہ ہو جاتے]

---

[1] سنن الترمذي (٣/ ٥٠)

[2] تاريخ بغداد (٨/ ١٠٤) نیز دیکھیں: مسند أحمد (١/ ٢١٤)

[3] التحف في الإرشاد إلى مذهب السلف (الفتح الرباني من فتاوى الشوكاني: ١/ ٢٧٠)

اس آیت کو ''برہانِ تمانع'' کہتے ہیں۔ یہ دلیل اس بات سے روکتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود ہو۔

استحقاقِ عبادت:

استحقاقِ عبادت کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ [النساء: ٣٦]

[اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ]

حقیقتِ خلق:

تیسری بات، خلق و تدبیر، کی صورت یہ ہے کہ ایجادِ عالم میں اللہ کی تین صفتیں کار فرما ہیں۔ ایک صفتِ ابداع یعنی کسی مادے کے بغیر کسی چیز کو عدم سے وجود بخشنا۔ رسولِ رحمت ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے پہلے کیا چیز تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔[1]

دوسری صفت خلق ہے۔ یعنی کسی چیز کو دوسری چیز سے پیدا کرنا۔ مثلاً آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا گیا۔ تیسری صفت تدبیر ہے۔ یعنی سارے جہان کا بندوبست رکھنا اور انتظام کرنا، جیسے ابر سے پانی برسانا، زمین سے غلہ میوہ پیدا کرنا، یا مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو سرد کر دیا گیا اور ایوب علیہ السلام کے لیے ایسا چشمہ جاری ہوا جس سے ان کی ساری بیماریاں دور ہو گئیں یا جیسے رب پاک نے سارے عرب و عجم کو دیکھ کر رسول اکرم ﷺ کی طرف وحی بھیجی۔ انھوں نے لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیا۔ ان تمام صفات کے ہوتے ہوئے اور یہ تمام کارِ کائنات سنبھالنے کے بعد رب پاک کی ذات کے سوا کون عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ یقیناً کوئی اس کے سوا عبادت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

عبادت حد درجہ تعظیم بجا لانے کا نام ہے اور یہ تعظیم صرف رب العالمین کے واسطے زیبا ہے۔ فرمایا:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحة: ٤]

[ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد کے طلب گار ہیں]

اللہ کے سوا کوئی کسی بیمار کو شفا دے سکتا ہے، کسی کو رزق دے سکتا ہے، کوئی اس کے سوا کوئی بلا ٹال سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کی مراد پوری کر سکتا ہے۔ فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٩)

① ﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ [الشعراء: ۸۰]

[جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے]

② ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾ [الذاريات: ۵۸]

[یقیناً اللہ ہی وہ ذات ہے جو رزق رساں ہے، زبردست قوت کا مالک ہے]

③ ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ﴾ [الأنعام: ۱۵۲]

[ہم ہی تمھیں اور انھیں روزی دیتے ہیں]

④ ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ ﴾ [النمل: ٦٢]

[کون ہے جو پریشان حال کی دعائیں سنتا اور پریشانی دور کرتا ہے]

دوسری آیت میں لفظ "رزاق" کے بعد جو یہ فرمایا کہ وہ قوت والا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کسی مخلوق کی پرورش اس کے دشمن سے کرا دیتا ہے۔ اس کی نمایاں مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔ فرعون دشمنِ رسول نے ان کی پرورش کی۔ رب پاک یہ چاروں کام: شفا دینا، روزی دینا، مراد پوری کرنا اور بلا ٹالنا، صرف لفظ "کُنْ" (ہو جا) سے کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ [البقرة: ۱۱۷]

[جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے لیے صرف "کُنْ" (ہو جا) فرماتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے]

یہاں لفظ "کُنْ" سے مطلب یہی ہے کہ صرف فرمایا جاتا ہے۔ خلق و ایجاد کے لیے یہ لفظ مجازاً نہیں استعمال فرمایا ہے کہ سارے کام انجام دینے کو اسی لفظ سے تعبیر فرمایا، بلکہ صرف یہ لفظ رب پاک فرماتا ہے اور سب کچھ ہو جاتا ہے۔

فخر الاسلام بزدوی بھی اسی کے قائل ہیں۔ نیز مذکورہ چاروں کام عام معروف اسباب کے تحت بھی انجام نہیں پاتے، یعنی جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ طبیب نے بیمار کو شفا دی، امیر نے لشکر کو رسد بانٹا، ایسا بھی نہیں بلکہ چاروں کام محض لفظ "کُنْ" سے انجام پا جاتے ہیں۔

اللہ کا کوئی وزیر ہے نہ پشت پناہ، وہ اپنے غیر میں داخل ہے نہ وہ غیر سے مل کر مرکب ہے، وہ ذات وصفت دونوں میں اکیلا و نرالا ہے۔ کوئی حادث اس کی ذات سے وابستہ ہے نہ اس کی ذات

میں کسی طرح کا حدوث ہے۔ جو حدوث نظر آتا ہے تو دراصل وہ صفاتِ باری تعالیٰ کا وہ اثر و تعلق ہے جو متعلق ومتاثر میں ہوتا ہے۔ جب رب پاک کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کی صفات کا اثر ظاہر ہو تو قضاو قدر کے مطابق موثر و متعلق ظاہر ہو جاتا ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اثر و تعلق بھی حادث نہیں ہے، حادث صرف متاثر و متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اثر و تعلق کے احکام موثرات و متعلقات کے تفاوت کی بنا پر مختلف ہوتے ہیں۔ اس کی ذات پاک اور صفات علیا ہر طرح کے حدوث وتجدد اور تغیر وتبدل سے پاک ہیں۔ اس کی صفات جہل و کذب سے منزہ ہیں۔ اس کے وعدہ و وعید کبھی مختلف نہیں ہوتے۔

﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾ [قٓ: ٢٩] [میرے یہاں بات نہیں بدلی جاتی]

محققین یہی کہتے ہیں، مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ وعید کی عدم تکمیل جائز ہے، اس لیے کہ یہ فضل الٰہی ہے۔

﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [السجدة: ٤] [اللہ عرش کے اوپر ہے]

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طٰهٰ: ٥] [وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا]

یہ آیت قرآن کریم میں سات جگہ آئی ہے۔ سلف نے اس کو محکم ٹھہرایا ہے۔ تمام محدثین، ائمہ مجتہدین، علما، محققین اور راسخین فی العلم کا یہی عقیدہ ہے۔ قدریہ، معتزلہ اور جہمیہ استوا کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں۔ قرآن میں ''علی العرش'' اور ''فوق العرش'' کے الفاظ آئے ہیں۔ عرش ساتویں آسمان کے اوپر ہے، اس کے باوجود رب پاک کے علم، سمع اور بصر سے کوئی چیز مخفی نہیں رہتی ہے۔ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیں ہزار یا اس سے زیادہ مرد و زن اور شہری و دیہاتی اطفال موجود تھے۔ سب کے سامنے رسولِ رحمت ﷺ نے انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ کیا تھا اور اللہ کو سب کے اوپر بتایا تھا۔[1] اثباتِ علو پر ''اعلام الموقعین'' میں قرآن کی اٹھارہ دلیلیں مذکور ہیں۔[2] کتاب ''الكافية الشافية'' میں ہے کہ اس کے مصنف نے اس عقیدے کے مخالفین سے مناظرہ و مباہلہ کرنا چاہا تھا، مگر مخالف بھاگ گئے اور اہلِ حق کے مقابلے میں ہار گئے۔ ''الانتقاد الرجيح''[3] میں اس پاکیزہ عقیدے ''اللہ عرش کے اوپر ہے'' پر تفصیل سے دلیلیں مذکور

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢١٨)

[2] إعلام الموقعين، (٢/ ٣٠٠)

[3] یہ مولف رحمہ اللہ کی تالیف ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے رسالے ''الاعتقاد الصحيح'' کی تشریح و توضیح ہے۔

ہیں۔ اس معاملے میں سب سے عمدہ فیصلہ امام دار الہجرہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ کسی نے ان سے سوال کیا تھا: استوا کیا ہے؟ انھوں نے اس کو جواب دیا:

"الكيف غير معلوم، والاستواء غير مجهول، والإيمان به واجب، والسؤال عنه بدعة"

[کیفیت معلوم نہیں، استوا مجہول نہیں، استوا پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے متعلق سوال کرنا بدعت ہے]

پھر سائل سے کہا: مجھ کو ڈر لگتا ہے کہ کہیں تو گمراہ نہ ہو۔ پھر اس کو اپنے پاس سے نکلوا دیا۔[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: استوا مجہول نہیں، کیف قابل فہم نہیں، استوا کا اقرار ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔[2]

امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"نعرف ربنا فوق سبع سمٰوات على العرش استوىٰ، بائنا من خلقه، ولا نقول كما قالت الجهمية: إنه ها هنا"[3]

[سات آسمانوں کے اوپر اپنے رب کو ہم پہچانتے ہیں۔ وہ اپنی مخلوق سے جدا عرش پر مستوی ہے۔ ہم ویسا نہیں کہیں گے، جیسا کہ جہمیہ نے کہا ہے کہ اللہ یہاں (زمین) پر ہے]

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جو شخص عرش پر اللہ کے استوا کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ اس کا خون مباح ہے۔ اس سے توبہ کرائیں گے، اگر توبہ نہ کرے تو فی الفور اس کی گردن ماری جائے گی اور اس کی لاش گندگی میں ڈال دیں گے، تاکہ اس کی بدبو سے اہلِ اسلام اور معاندین کو ایذا نہ پہنچے۔ اس کا مال فے ہے۔ کوئی مسلمان اس کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں ہے:

«لا يرث المسلم الكافر» [مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا ہے][4]

---

[1] العلو للعلي الغفار للذهبي (ص:۱۳۹)

[2] العلو للعلي الغفار للذهبي (ص:۸۱)

[3] العلو للعلي الغفار للذهبي (ص:۱٤۹)

[4] العلو للعلي الغفار للذهبي (ص:۲۰۷)

یہی قول ائمہ سلف و محدثین کا ہے۔

رہ گئیں وہ آیتیں جو قرب و معیت پر دال ہیں تو ان پر بھی ظواہر الفاظ کے مطابق ایمان لانا واجب ہے اور ان کی کیفیت کا علم اللہ کے حوالے کرنا چاہیے۔ اکثر مفسرین نے ان کو علم، مدد اور نصرت پر محمول کیا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہمیں ان کی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں فقط ان کی تصدیق کرنی چاہیے اور ان کی کیفیت خدا کو سونپنا چاہیے، یہی بہتر ہے۔

بعض علما کا یہ کہنا کہ جن راسخین فی العلم کو اللہ نے علم لدنی دیا ہے، وہ استوا و تفوق کی حقیقت کو جانتے ہیں، ایک غیر قانونی آہنگ ہے، کیونکہ اکثر علما کے نزدیک آیت کریمہ ﴿الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ [علم میں ادراک تام رکھنے والے] کلامِ مقطوع ہے، اپنے ماقبل پر معطوف نہیں ہے۔ صحابہ و تابعین کی جماعت کا یہی قول ہے۔ اکثر نحویوں کا بھی یہی خیال ہے۔ اخفش، کسائی اور فرا اسی کے قائل ہیں۔ اکثر مفسرین و محدثین بھی یہی کہتے ہیں۔ سمعانی نے کہا ہے کہ علمِ راسخین کے قائل بہت تھوڑے ہیں۔ ترجمانِ قرآن حبرِ امت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی سمجھا ہے کہ ''واؤ'' استئناف کے لیے ہے۔ اس کے سوا آیت مذکورہ اہلِ زیغ و فتنہ کی مذمت اور مفوضینِ علم الی اللہ کی مدح میں اتری ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا متشابہ کا معنی کسی کو معلوم نہیں اور جو معنی شناسی کا دعویٰ کرتا ہے، وہ صاحبِ زیغ و فتنہ ہے، لیکن جو ٹھوس علم رکھتے ہیں اور راہِ حق پر گامزن ہیں، ان کا یہ مقولہ ہے:

﴿اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ [آل عمران: ۷]

[متشابہ پر ہمارا ایمان ہے، وہ سارا اللہ کی طرف سے ہے]

حضرت انس، ابو امامہ، واثلہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ انھوں نے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا: راسخین فی العلم کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من برت يمينه، وصدق لسانه، واستقام قلبه، وعف بطنه و فرجه، فذلك من الراسخين في العلم»[1]

''جن کی قسم سچی ہو، زبان راست باز ہو، دل سلامت ہو، پیٹ پارسا اور شرم گاہ عفیف ہو تو اسی کا شمار راسخین فی العلم میں ہوگا۔''

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو عالم ہو کر جھوٹی قسم کھاتا ہے یا دروغ گوئی کرتا ہے یا

[1] المعجم الكبير للطبراني (۱۵۲/۸) اس کی سند میں ''عبداللہ بن یزید بن آدم'' ضعیف ہے۔

قلب سلیم نہیں رکھتا یا شکم وستر کو گناہ سے نہیں بچاتا ہے، وہ راسخین فی العلم میں داخل نہیں ہے، چاہے وہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو۔

فلاسفہ اور معتزلہ کا خیال ہے کہ مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ سے بڑا مشکل اور نا قابل فہم کوئی مسئلہ نہیں ہے، اس لیے انھوں نے سرے سے صفات کا انکار کر دیا۔ کرامیہ کہتے ہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ ازلی نہیں ہیں، یہ زائل ہو جائیں گی۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ صفات الٰہیہ عین ذات ہیں نہ کہ غیر ذات۔

قرآن و حدیث میں ایسی کسی بحث کا قطعاً ذکر نہیں۔ یہ سب بے کار کی بحثیں ہیں، جو خواہ مخواہ عقیدے کی عملی قوت کو تباہ کرتی ہیں۔ اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صفات ذات الٰہی سے زائد امور ہیں، ان کا بھی یہ تصور لایعنی عجمی تصور ہے جو کتاب وسنت کے بیان کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بڑا درست فرمایا ہے کہ ان تمام مباحث میں حق بات یہ ہے کہ نبیِ رحمت ﷺ نے ان مباحث میں کچھ نہیں فرمایا ہے، بلکہ ایسے تعمق اور بحث سے روکا اور ڈانٹا ہے، اس لیے کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ جس بات سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اسے چھیڑے۔

جہمیہ کا یہ کہنا کہ اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، جس کی دلیل آیاتِ معیت، قرب اور نجویٰ وغیرہ ہیں اور یہ آیتیں استوا کی محکم آیتوں کے خلاف نظر آتی ہیں۔ اس کے جواب میں اگر ہم دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم نبوت ﷺ تک جتنے نبی اور رسول آئے، سب نے یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ اس جہاں سے الگ تھلگ اپنی مخلوق سے جدا عرش پر رونق افروز ہے۔ ہمیں معیت اور تباین کی آیتوں کے درمیان اختلاف سے کیا غرض؟ آخر جس ذات برتر وبالا نے یہ فرمایا کہ وہ احسان وصبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اسی نے تو یہ فرمایا ہے کہ وہ بالائے عرش ہے۔ اب ہمیں یہ کیسے حق پہنچتا ہے کہ ہم کہیں: معیت اور علو میں تضاد ہے؟ ہمیں اپنے فہم ونظر کو قصور وار ٹھہرانا چاہیے کہ اس ذات عظیم سے متعلق فیصلہ کرنے بیٹھیں اور معیت اور استوا والی آیتوں میں تعارض دکھلائیں۔ اربابِ دانش وبینش کے نزدیک ہر آیت کا اپنا موقع ومحل ہے۔

صفتِ نزول الٰہی:

اصحابِ حدیث نے جس طرح استوا کو ثابت مانا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ نزول کو بھی تسلیم کیا ہے۔ یعنی وہ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ یہ نزول مخلوق کے نزول کے مشابہ

نہیں ہے۔ اس نزول کی کیفیت و تمثیل ان کے نزدیک مسلم ہے۔ نزول کے سلسلے میں جو صحیح حدیثیں نبیِ رحمت ﷺ سے مذکور ہیں، انھیں ان کے ظاہری معنی کے ساتھ اصحابِ حدیث مانتے ہیں اور اس کا علمِ کیف اللہ کو سونپتے ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ سے امیر عبداللہ بن طاہر نے کہا:

اے ابو یعقوب! حدیث میں آیا ہے: «يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا» [ہمارا رب ہر رات آسمانِ دنیا پر آتا ہے] بتاؤ! یہ نزول کیسا ہے؟ انھوں نے کہا:

"أعز الله الأمير! لا يقال لأمر الرب كيف؟ إنما ينزل بلا كيف"[1]

[اللہ امیر کو عزت بخشے! اللہ کے معاملے میں چوں و چرا نہیں کیا جاتا۔ وہ کیف کے بغیر نازل ہوتا ہے]

امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے کسی نے نزول کی کیفیت پوچھی تو انھوں نے فرمایا:

"ينزل كيف يشاء" [اللہ جیسے چاہتا ہے اترتا ہے]

پھر کہا: "إذا جاءك الحديث عن رسول الله ﷺ فاخضع له"[2]

[جب نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث تم تک پہنچے تو اس کے آگے جھک جاؤ]

حدیثِ نزول صحیحین میں آئی ہے۔ اس مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک مستقل کتاب ہے۔[3] نزولِ رب کے مسئلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

«إِذَا مَضَى نِصْفُ اللَّيْلِ أَوْ ثُلُثَاهُ يَنْزِلُ اللّٰهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا»[4]

[جب آدھی رات یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے]

امام صابونی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی سند سے ذکر کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ اخبارِ نزول کو علماے حجاز و عراق نے اپنی سند سے ثابت کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"نزولِ رب کے سلسلے میں وارد احادیث کے مشتملات پر یقینِ قلب، اقرارِ لسان اور کامل یقین کے ساتھ ہم گواہ ہیں۔ ہم کیفیت بیان نہیں کرتے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ہم کو

---

[1] العلو للعلي الغفار (ص: ١٧٩)

[2] ترتيب المدارك (٧/ ٧٠) اجتماع الجيوش الإسلامية (ص: ١٩٣)

[3] اس کا نام "شرح حديث النزول" ہے۔

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٠٩٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٥٨)

صرف نزولِ رب کی خبر دی ہے، کیفیتِ نزول کی خبر نہیں دی۔"[1]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرفہ کے روز فرمایا: "آج وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول کرے گا۔"[2] اسی طرح نصف شعبان کی رات آسمانِ دنیا پر نزولِ رب کا ذکر آتا ہے۔[3]

پھر امام صابونی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جب احادیثِ نزول ثابت ہو گئیں تو اہلِ سنت اصحابِ حدیث نے تشبیہ کے بغیر ان حدیثوں کو قبول کیا ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ کی کوئی صفت بھی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہے۔ صفت کا مسئلہ ذات سے متعلق ہے، جس طرح ذاتِ رب یکتا اور بے مثال ہے، یہی حال اس کی صفت کا ہے۔ رب پاک خواہ عرش سے آسمانِ دنیا پر آئے، بہر حال وہ اللہ ہی ہے اور بندہ اگرچہ فرش سے بالائے آسمان چلا جائے، بہر حال وہ بندہ رہے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی تو ان کی عبدیت مزید کامل ہو گئی۔"[4]

کلامِ الٰہی:

اصحابِ حدیث کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام، کتاب، وحی مستطاب اور تنزیل جلیل ہے، مخلوق نہیں ہے۔ جو اس کلام کو مخلوق کہتا ہے، وہ کافر ہے۔ مخلوق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کتاب کا معنی اللہ کی طرف سے ہے اور لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ عقیدہ معتزلہ کا تھا۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ وہی کلام ہے جس کو جبریل علیہ السلام اللہ کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ یہ کلامِ قرآن عربی زبان میں ہے، جو لاعلموں کی تعلیم کے لیے آیا ہے۔ یہ جاہلوں کو ڈراتا اور خوشخبری سناتا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴾ [الشعرآء: ۱۹۲۔۱۹۵]

---

[1] كتاب التوحيد لابن خزيمة (ص: ١٨٥) عقيدة السلف أصحاب الحديث (ص: ١٦)

[2] عقيدة السلف للصابوني (ص: ١٦)

[3] امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات میں نزول سے متعلق احادیث میں ضعف ہے۔ (الضعفاء: ٢٩/٣) امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رات سے متعلق وارد احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ المنار المنيف (ص: ٩٩) تفصیل کے لیے دیکھیں: مقالات اثریہ (۵۱۱۔۵۷۱)

[4] عقيدة السلف أصحاب الحديث (ص: ١٨)

[یقیناً وہ قرآن، سارے جہان کے رب کا اتارا ہے، اس کو روح امین جبریل لے کر تمھارے دل پر اترے ہیں، تاکہ تم واضح عربی زبان میں ڈرانے والے ہو جاؤ]

یہ وہی کلام الٰہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے امت تک پہنچایا ہے۔ فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [المائدة: ٦٧]

[اے رسول! جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف اتارا گیا ہے، اسے پہنچا دو]

حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں آیا ہے:

«أَتَمْنَعُوْنَنِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي»[1]

[کیا تم مجھے اپنے رب کے کلام کی تبلیغ سے روکتے ہو؟]

یہ کلام سینوں میں محفوظ ہے۔ فرمایا:

﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنكبوت:٤٩]

[بلکہ وہ قرآن، ایسی واضح آیتیں ہیں جو علما کے سینوں میں ہیں]

یہ کلام زبانوں پر جاری ہے۔ فرمایا:

﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ [القيامة: ١٨]

[جب ہم اسے پڑھیں تو اس کے پڑھنے کے بعد پڑھو]

یہ کلام مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ﴾ [الطور: ٢۔٣]

[قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی بکھری ہوئی جھلیوں میں]

﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ﴾ [الواقعة: ٧٨۔٧٧]

[یہ قرآن کریم ہے محفوظ کتاب میں]

رسول اکرم ﷺ کے فرمان میں ہے:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلٰى أَرْضِ الْعَدُوِّ»[2]

عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

---

[1] سنن أبي داود (٤٧٤٣) میں یہ حدیث ان الفاظ «قَدْ مَنَعُوْنِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي» سے مروی ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٢٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٦٩)

"حتی أنظر في كلام الله"[1] [یہاں تک کہ میں کلام اللہ میں دیکھ لوں]

عکرمہ رضی اللہ عنہ مصحف کو ہاتھ میں لے کر کہتے تھے:

"هٰذا كلام ربي"[2] [یہ میرے رب کا کلام ہے]

یہ قرآن کانوں سے سنا گیا ہے، یعنی انھیں الفاظ، حروف اور اصوات کے ساتھ، فرمایا: ﴿حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ﴾ ''یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔'' اشعریہ اسی کے قائل ہیں۔ ماتریدی کا یہ قول کہ اس آیت کے معنی ہیں: ''یہاں تک کہ وہ ایسی بات سن لیں جو رب پاک کو بتلائے۔'' ظاہرِ قرآن کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام نے نفسِ کلام نہیں سنا بلکہ ایک آواز سنی جو کلام پر دلالت کرتی تھی۔ بہر حال قاری یا تلاوت کرنے والا قرآن کسی بھی طرح پڑھے، تلاوت کرنے والا خواہ زبانی پڑھے یا لکھا ہوا پڑھے، وہ کلام اللہ ہے، ہرگز مخلوق نہیں ہے۔ خلقِ قرآن کا اعتقاد رکھنا صریح کفر ہے۔ اکابر اہلِ حدیث جیسے ابن خزیمہ، ابوبکر اسماعیلی، ابن مہدی اور طبری وغیرہ کا یہی عقیدہ ہے۔ امام احمد بن حنبل امام اہل حدیث کی اسی مسئلے پر پکڑ دھکڑ ہوئی تھی۔ اگر امام احمد ثابت قدم نہ رہتے تو اہل حدیث کا مذہب دنیا سے جا چکا تھا، مگر اللہ نے یہ مرتبہ گویا انھیں کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ اسی مقبولیت کا اثر تھا کہ ان کے جنازہ مبارک میں آٹھ لاکھ آدمی شریک ہوئے۔ یہ عزت دنیا میں کسی بادشاہِ وقت کو بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بغداد میں ایک شخص بھی نہ بچا جس نے یہ سعادت حاصل نہ کی ہو۔ ان کے بعد یہ ہجوم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے جنازے میں ہوا، ایسا ہجوم پھر کسی دوسرے کے جنازے میں نہ ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جو شخص یہ کہتا ہے: "لفظي بالقرآن مخلوق" [قرآن کو میرا پڑھنا مخلوق ہے] وہ جہمی ہے اور جو غیر مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے۔'' امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی بات حق ہے اور اسی میں کفایت وقناعت ہے۔[3]

یعنی قرآن کے یہ الفاظ جو ہماری زبان سے ادا ہوتے ہیں، مخلوق نہیں ہیں، بلکہ بعینہٖ وہی کلمات و عبارات ہیں جو اللہ نے نازل کیے ہیں۔ اب اس سلسلے میں یہ بحث کرنا کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ طریقۂ سنت

---

1. حلية الأولياء (٧/٢٣٢)
2. فيض القدير (٤/٥١٥)
3. اعتقاد أهل السنة للالكائي (٢/٣٥٥)

کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں غور کرنا ہی بے جا ہے۔ لفظ اور معنی سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ کلامِ الٰہی ایک صفت ہے، اس کلام میں اللہ نے امر و نہی کی ہے، احوالِ گذشتہ اور حال و استقبال کی اطلاع دی ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اس صفتِ کلام کی تفصیل ہیں۔ اس کلام کا ثبوت خود کلام الٰہی سے ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ [النساء: ١٦٤] [اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا]

حدیث میں ہے:

«مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَ سَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[1]

[تم میں ہر فرد سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام کرے گا]

اہلِ کلام نے اگرچہ بڑی شد و مد سے اس بات کا انکار کیا ہے کہ اللہ کا کلام من جملہ حروف و اصوات ہو، لیکن علمائے اہلِ حدیث نے کلام الٰہی کے لیے حرف و صوت تسلیم کیا ہے۔ ان کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا، اس کے لیے دس نیکیاں ہیں۔''[2]

دوسری روایت میں ہے:

''میں نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔''[3]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت حرف بہ حرف واضح ہوتی تھی۔''[4]

اس طرح کی اور حدیثیں ہیں جن میں حروف کا ذکر آیا ہے۔ صوت کا ذکر عبداللہ بن انیس کی طویل حدیث میں حشر کے ذکر میں آیا ہے:

''اللہ اہل محشر کو ایسی آواز سے پکارے گا جس کو دور والا ویسا ہی سنے گا جیسے نزدیک والا سنتا ہے۔''[5]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٧٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠١٦)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩١٠)

[3] مصدر سابق

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٦٦) اس کی سند میں ''يعلى بن مملك'' راوی ضعیف ہے۔

[5] صحيح البخاري (١٤٠/٩) الأدب المفرد للبخاري (٩٧٠)

امام بخاری اس حدیث کو بہ طور تابع لائے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:

''جب اللہ وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے تو اس کی آواز آسمان والے اس طرح سنتے ہیں جیسے چکنے پتھر پر کوئی زنجیر گرتی ہو، اس وقت وہ سب سجدے میں گر پڑتے ہیں۔''[1]

ان احادیث کے سوا خود قرآن کریم میں اس کے لیے ''قول'' اور ''کلمات'' کا لفظ آیا ہے اور ظاہر ہے کہ کلمہ اور کلام حروف سے مرکب ہوتا ہے اور تلفظ کے وقت اس میں آواز موجود ہوتی ہے۔ حنابلہ کے اس عقیدے پر تفتازانی کا یہ کہنا کہ حرف وصوت کا عقیدہ بالکل لغو ہے، بالکل ناانصافی ہے۔ علمائے اہل حدیث اور حنابلہ کا یہ عقیدہ تفتازانی اور ان جیسے یونانی فلسفے کے اسیروں کے عقیدے کی طرح بے دلیل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا قرآن وحدیث کی دلیلیں ایسی قوی اور صحیح ہیں کہ تفتازانی وغیرہ کی باتیں لائق توجہ نہیں۔ مذکورہ دلیلیں اس طرح صحیح اور قوی ہیں جس طرح نفسِ کلام اللہ کے ثبوت کی دلیلیں قوی وصحیح ہیں۔ جب دونوں باتوں کی دلیلیں یکساں ہیں تو پھر ایک دلیل کو ماننا اور دوسری کا انکار کرنا، انصاف کا خون کرنا ہے۔

ہمارے نزدیک جو حرف وصوت کا منکر ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفسِ کلام کا بھی انکار کر دے اور صاف صاف کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے نہ کلام اس کی صفت ہے۔ یہ عقل کے ہیرو دراصل اس خلجان میں پڑ گئے کہ معروف طریقہ تکلم ہی رب پاک کا بھی طریقہ تکلم ہے۔ گویا انسانی صفتِ کلام کو ان کی عقل زبردستی اللہ کے لیے ثابت مان کر استحالہ پیدا کرتی ہے اور پھر اس طریقہ کلام کو اللہ کے لیے ثابت نہیں مانتی ہے۔ یہ ہے عقل کی کرشمہ سازی اور رسائی، یہ بیچارے یہ نہ سمجھے کہ تکلم کے لیے مخارجِ حروف اور ادواتِ صوت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ آخر سنگریزوں نے تسبیح کی تھی، زہر آلود بکری بول اٹھی تھی، درخت اور پتھر نے سلام کیا تھا، جہنم ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ [ق: ۳۰] کہے گی۔ یہ بھی تو معہود طریقِ تکلم کے خلاف ہے، پھر اگر قادر وقدیر بھی عام طریقہ تکلم کے برخلاف گفتگو کرے تو اس میں مشکل کیا ہے اور لوگوں کو پریشانی کیوں ہو؟ اشعریہ اور ماتریدیہ کا وہ کلام منفی جس کا وہ عقیدہ رکھتے ہیں، قرآن وحدیث میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الأسماء و الصفات'' میں صفتِ کلام کے اثبات پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور صفتِ قول، تکلم، اسماع، عدم خلقِ قرآن، تلاوت ومتلو کا فرق اور کلام کے حروف واصوات

---

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٧٣٨)

ہونے کو کتاب وسنت سے بہت اچھے انداز میں ثابت کیا ہے، لیکن کہیں طرزِ تاویل بھی اپنایا ہے۔

حسن العقیدہ میں ہے:

''قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اللہ نے اس کلام کو رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ﴾ [الشورىٰ: ٥١]

[کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو سوائے وحی کے ذریعے یا پردے کے اوٹ سے یا رسول بھیجے اور اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے] یہ ہے حقیقتِ وحی۔[1]

وحی یوں ہوتی ہے کہ کوئی بات دل میں ڈال دی جائے یا خواب دکھلا دیا جائے یا غیب کی طرف توجہ کرنے کے وقت ضروری علم کا دل میں القا ہو جائے۔ ورائے حجاب یہ ہے کہ ایک کلام سنا دیا جائے اور خارج میں اس کا قائل نظر نہ آئے۔ ارسالِ رسل خود بہ خود ظاہر ہے۔

صفتِ عزت:

رب کریم کی ایک صفت عزت ہے۔ فرمایا:

1. ﴿ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [الروم: ٢٧] [وہ باعزت و باحکمت ہے]
2. ﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴾ [الأحزاب: ٢٥] [اور اللہ قوی و باعزت ہے]
3. ﴿ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ [النساء: ١٣٩] [یقیناً تمام عزت اللہ کے لیے ہے]
4. ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ [الصافات: ١٨٠] [پاک ہے تیرا رب عزت والا رب ان کی وصف بیانی سے]
5. «وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ»[2] [تیری عزت کی قسم! اس کے سوا تجھ سے نہ مانگوں گا]
6. «أَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ»[3] [تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں]

---

[1] الاعتقاد الصحیح للشاہ ولي اللہ الدھلوي مع شرحہ الانتقاد الرجیح للنواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (ص: ١٢٣) اسی کتاب کا نام ''حسن العقیدة'' ہے اور مولف رحمہ اللہ نے اپنی مختلف کتابوں میں جو اقتباسات ''حسن العقیدة'' نامی کتاب سے نقل کیے ہیں، اس سے محولہ بالا کتاب ہی مراد ہے۔

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٢٠٤) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٨٢)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٩٤٨) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٧١٧)

⑦ «اَلْعِزُّ إِزَارِيْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ»[1]

[عزت میرا لباس اور کبریائی میری چادر ہے]

صفتِ جلال، مجد، جبروت، کبریا اور عظمت یہ ہم معنی الفاظ ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں ان کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ فرمایا:

① ﴿ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [الرحمٰن: ۲۷] [جلال وعزت والا]

② ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الجاثية: ۳۷]

[اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمین میں سب بڑائی ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے]

③ «وَ عِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَعَظَمَتِيْ»[2]

[میری عزت، جلال اور عظمت کی قسم]

④ «سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَ الْمَلَكُوْتِ»[3]

[جبروت اور بادشاہت والے کی پاکی بیان کرتے ہیں]

⑤ «أَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ»[4] [تعریف اور مجد والا]

حیات:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صفات الٰہیہ کا ثبوت قرآن و حدیث دونوں سے ہے۔ اللہ کی ایک صفت حیات ہے۔ فرمایا:

① ﴿ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ [البقرة: ۲۵۵] [وہ حی اور قیوم ہے]

② ﴿ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ [المؤمن: ٦٥] [وہ حی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں]

③ ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ [الفرقان: ۵۸]

[اسی حی (زندہ) پر توکل کرو جس پر موت نہیں آتی]

---

[1] مسند أحمد (۲/۲٤۸) الأدب المفرد للبخاري (٥٥۲)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۷۰۷۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹۳)

[3] سنن أبي داود، رقم الحدیث (۸۷۳)

[4] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٤۷۱)

رسولِ رحمت ﷺ نے فرمایا:

④ «اَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ»[1]

[تو وہ زندہ ہے جو مرتا نہیں ہے]

⑤ «وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ»[2]

[وہ زندہ ہے مرتا نہیں، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے]

⑥ «يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ»[3]

[اے حی و قیوم! میں تیری رحمت کے ساتھ مدد چاہتا ہوں]

متفرق صفات اور قرآن و حدیث کی تعلیمات:

ان صفات کے علاوہ بعض آیات اور متعدد احادیث میں دیگر بہت سی صفات کا ذکر ملتا ہے، مثلاً: ذات، نفس، شخص، صورت، وجہ، عین، یدین، یمین، کف، حثیات، اصابع، ساعد، ذراع، صدر، ساق، قدم، رجل، اور جنب وغیرہ۔ اسی طرح رحم، ظل اللہ، استوا، فوق، من فی السماء، رفع، عروج، صعود، معیت، مرصاد، دنو، قرب، اتیان، نزول، ہرولہ، وطا، دبح، نفس، تقدیر، نفس کا بھی ذکر قرآن و سنت میں موجود ہے۔ اللہ کے سامنے نمازی کا ہونا، ضحک، عجب، فرح، تبشبش، نظر، غیرت، ملال، استحیا، استہزا، خدیعت، مکر، فراغ، تردد، فضل، رحمت محبت، رضا، سخط، غضب، عداوت، ولایت، اختیار، صبر، اعادۂ خلق، مصافحہ، اطلاع، اشراف، عندیت، تقلیبِ قلوب، سبقِ کلمہ، شفاعت بالاذن کا بیان بھی کتاب و سنت کے اندر پایا جاتا ہے۔

قرآن و حدیث میں ان صفات کی دلیلیں موجود ہیں۔ کتاب "الجوائز و الصلات" میں ان کے تمام ادلہ مذکور ہیں۔[4]

نسفی کا یہ فرمانا کہ اللہ محدِثِ عالم ہے اور وہ واحد، قدیم، حی، قادر، علیم، سمیع بصیر، شائی اور مرید ہے، بجا ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ ثابت ہے، لیکن اس کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ اللہ نہ عرض

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۱۷)

[2] سنن الترمذي، رقم الحدیث (۳٤۲۸)

[3] سنن الترمذي، رقم الحدیث (۳٥۲٤)

[4] یہ کتاب "الجوائز والصلات من جمع الأسامي والصفات" مولف ﷫ کی عربی تصنیف ہے۔

ہے نہ جسم، نہ جوہر نہ مصور، نہ محدود نہ معدود، نہ متبعض نہ متجزی، نہ متناہی نہ موصوف بماہیت، نہ موصوف بہ کیفیت، نہ وہ کسی جگہ متمکن ہے نہ اس پر کوئی زمانہ جاری ہوسکتا ہے، یہ بالکل غلط اور فلاسفہ حمقا کی عبارات و الفاظ سے ماخوذ ہے۔ اگر ان الفاظ کے معانی صحیح تسلیم کر لیے جائیں تو پھر بھی انھیں استعمال کرنا درست نہیں۔ قرآن و حدیث کے الفاظ و معانی کافی شافی ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں کہ مسلمان ان وحشیانہ الفاظ کو استعمال کریں۔ کتاب و سنت میں صفات الٰہیہ کے متعلق آمدہ تفصیلات اور الفاظ اس کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔ اللہ و رسول کا معجز نما کلام اور حکماے یونان، فلاسفہ نافرجام کا کلامِ ضلالت دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ملتِ اسلام کے وہ ائمہ کلام اور متکلمین، جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی، وہ کہہ گئے ہیں:

"عليك بدين الأعراب و العجائز و الصبيان"[1]

[تم دیہاتیوں، بوڑھیوں اور بچوں کے دین پر جم جاؤ]

امام الحرمین جوینی، امام رازی اور امام غزالی رحمہم اللہ وغیرہم نے آخر عمر میں اس بات پر ندامت و خجالت ظاہر کی کہ ہم نے علم کلام میں بے فائدہ عمر برباد کر دی۔ اس علم سے معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی، اس سے حیرت اور شکوک و شبہات کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ حق و سچائی صرف قرآن و حدیث کی واضح اور سیدھی سادھی باتوں میں ہے۔ صفاتِ الٰہیہ کی معرفت صرف قرآن و حدیث سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جس نے ان کی بات چھوڑ کر دوسرے کی سنی، وہ گمراہ ہوا اور معطل عابدِ عدم اور ممثل عابدِ صنم ہوگیا۔ معطل اندھا ہے اور ممثل بے نور۔ اللہ کا دین غلو و اباحیت اور افراط و تفریط کے درمیان ہے۔

سچ صرف اتنی بات ہے کہ صفات کا انکار نہ کیا جائے، البتہ ان کی کیفیت کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ سلف کا مسلک اثبات بلا تشبیہ اور تنزیہ بلا تعطیل ہے۔ اسی اعتقاد پر سارے ائمہ اسلام اور مجتہدین کرام گزرے ہیں، جیسے مالک، ابوحنیفہ، شافعی، ثوری، اوزاعی، ابن مبارک، امام احمد اور ابن راہویہ وغیرہم۔ یہی اعتقاد مشائخ امجاد کا بھی تھا، جیسے فضیل بن عیاض، ابوسلیمان الدارانی اور سہل التستری وغیرہم۔ ان ائمہ کا اصولِ دین میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔ یہی عقیدہ سارے محدثین و محسنین کا

---

[1] سنن الدارمي (٣٠٦)

ہے۔ تمام آسمانی کتابیں، ادیانِ رسل اور روے زمین کے جملہ دانشور اسی کے قائل ہیں۔ مٹھی بھر معتزلہ اور جہمیہ فرعونیہ نے مسئلہ صفات کا انکار کیا ہے، لیکن علماے عظام نے ان کے لتے لے ڈالے ہیں اور ان کے کھوٹے اور جھوٹے مسلک کا بخیہ ادھیڑ ڈالا ہے۔ اثباتِ کمال کے لیے ہمارے لیے یہ آیت کافی ہے:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طٰہٰ: ٥] [رحمن عرش پر مستوی ہے]

نقص وزوال کی نفی کے لیے یہ آیت شافی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ [الشورىٰ: ١١] [اس جیسی کوئی شے نہیں ہے]

اگر اعتقادِ اجمالی درکار ہے تو سورت اخلاص کفایت کرتی ہے اور اگر اعتقادِ تفصیلی مطلوب ہے تو قرآن کریم اور حدیثِ رسول رحیم ہے۔ اگر ہم اللہ کو اسی طرح پہچانیں، جس طرح اسے افلاطون، ارسطو، بوعلی سینا اور ابن سبعین وغیرہم نے پہچانا ہے تو ہمیں پھر ایسی معرفت کی ضرورت کیا ہے؟ اس سے تو بلا معرفت رہنا بھلا ہے۔ ہم ان کے بندے اور ان کی امت نہیں ہیں۔ ہمارے لیے ارشادِ ربانی اور ہدایت نبوی کافی وشافی ہے۔

﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ [الأنعام: ٩١]

[انھیں چھوڑ دو وہ اپنی غور وخوض میں جھک ماریں]

یہ بیچارے حکما کیا اور ان کی عقل کیا؟ مٹی کہاں اور رب الارباب کہاں؟!

اسما وصفاتِ الٰہیہ کی بے مثالی:

شرح حسن العقیدہ میں لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں کسی چیز کا محتاج ہے نہ اس پر کوئی حاکم ہے۔ وہی سب کا حاکم ہے۔ غیر کے واجب کرنے سے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ جب وہ کوئی وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے اور یہ ایفاے عہد خود اس کے اپنے اوپر عائد کردہ ذمے داری سے ہوتا ہے۔ اس کے تمام کام حکمت سے پُر ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کا نام ہی حکیم ہے، جو اس کی حکمت کا عکاس ہے۔ فرمایا:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ [المؤمنون: ١١٥]

[کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا ہے؟]

''اس کی مصلحت کا قاعدہ کلیہ ہے۔ اس کی ذات پاک پر کسی کا کوئی حق واجب ہے نہ وہ کسی مصلحت خاص کا پابند ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی کافر فقیر معذب فی الدارین کو پیدا نہ کرتا، کیوں کہ اس کے لیے عدم، وجود سے صالح تر ہے۔ اللہ کے لیے کوئی امر قبیح نہیں ہوتا، بلکہ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے وہ سب حسن ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

«اَلْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ»[1]

[تمام بھلائی تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے اور برائی کی تیری طرف نسبت نہیں ہو سکتی]

''اس کے فعل و حکم میں جور و ظلم نہیں ہو سکتا۔ اس نے ہر خلق و امر میں حکمت کی رعایت کی ہے۔ وہ حکمت کی رعایت محض اس لیے نہیں کرتا کہ وہ اپنی ذات و صفات کو کامل کرنا چاہتا ہے یا اس سے کوئی حاجت و غرض وابستہ ہے اور حکمت کی رعایت نہ کرنے میں اس کے ساتھ ضعف و قبح وابستہ ہو جائے گا، بلکہ حکمت کی رعایت اس بنا پر ہوتی ہے کہ اس میں انسانوں، ملکوں اور مخلوقات کی بھلائی اور خیر پایا جاتا ہے اور مشیت ایزدی سے سب ہی کو وہ خیر ملتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔ عقل کی بساط کیا کہ کسی چیز کے حسن و قبح کو معلوم کر سکے یا ثواب و عقاب کا حکم لگا سکے۔ تمام امور میں حسن و قبح اللہ کے حکم وقضا سے ہوتا ہے۔ لوگوں کو جو ذمے داریاں سونپی گئی ہیں، اتفاقاً اس کی مصلحت کبھی عقل میں آ جاتی ہے اور ثواب و عقاب کی مناسبت معلوم ہو جاتی ہے۔ کبھی وہ مصلحت فرمانِ رسالت سے معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی بالکل نہیں معلوم ہوتی۔ ذاتِ واحد میں تمام صفات ایک ہی ہیں، ان میں تکرار و تعدد کا دخل نہیں ہے اور تجدد و تعلق کے مطابق وہ لا متناہی ہیں، بلکہ خود یہ تعلق و تاثیر بھی متعدد نہیں ہے۔ تعدد ہے تو موثرات و متعلقات میں ہے۔ تعلق اور تاثیر کے احکام اپنے نتائج کے اعتبار سے متفاوت ہوتے ہیں۔ یہ تفاوت موثرات اور متعلقات کے مطابق ہوتے ہیں۔ اللہ کی ذات حدوث، تغیر اور تجدد سے پاک ہے۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٧١)

[2] الانتقاد الرجيح في شرح الاعتقاد الصحيح (ص:١١٦)

دوسرا باب

اسمائے الٰہیہ اور رویتِ ربانی

اسمائے الٰہیہ:

اسمائے الٰہیہ کا ثبوت قرآن و حدیث اور سلفِ امت کے اجماع سے ہے۔ رب پاک نے فرمایا:

1. ﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ [الأعراف: ۱۸۰]

[اچھے نام اللہ کے لیے ہیں، اللہ کو انھیں ناموں سے پکارو]

2. ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [بني إسرائيل: ۱۱۰]

[تم اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، تم جس کسی کو پکارو، اچھے نام اسی کے لیے ہیں]

3. ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ [الحشر: ۲٤]

[وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا بنانے والا صورت گری کرنے والا اچھے نام اسی کے لیے ہیں]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیتیں اجمالی طور پر اسمائے الٰہیہ پر مشتمل ہیں، تفصیلاً نہیں۔ امام صاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نام سے مراد وہ الفاظ ہیں جو صرف ذات و صفات دونوں پر دلالت کرتے ہیں۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسما سے مراد الفاظ ہیں یا صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نام تمام ناموں پر اس لیے برتر اور اشرف ہیں کہ یہ نام اچھے معانی بتلاتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر جاتے تو فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَحْيا وَ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ»[1]

[اے اللہ! تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں اور تیرے ہی نام سے مرتا ہوں]

حدیثِ بطاقہ میں ہے:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۱۱)

﴿فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ﴾[1]

[اللہ کے نام کے برابر کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی]

اس طرح کی اور بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اسماے الٰہیہ کے ثبوت پر علماے قرآن و حدیث کا اجماع ہے اور اثباتِ اسما پر ان کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

جب اسماے الٰہیہ کا ثبوت تینوں ذرائع سے ہو چکا تو جو کوئی غیر اللہ کو پکارتا ہے، وہ مشرک ہے۔ کوئی فرشتوں اور شیطانوں کا نام جپتا ہے، کوئی اولیاء اللہ کا وظیفہ خواں ہے، کوئی یا رسول اللہ کا نعرہ لگا رہا ہے۔ کسی کو اصحابِ بدر کے ناموں کے ورد میں تقوے کا تصور ہے، کچھ لوگ تمام انبیا کے ناموں کی تسبیح پھیرتے ہیں، حالانکہ یہ تمام اعمال خلافِ شرع ہیں، اللہ کے سوا کسی کو پکارنا چاہیے نہ کسی کا نام جپنا چاہیے۔

اللہ کے نام توقیفی ہیں:

مشہور یہ ہے کہ اللہ کے نام توقیفی ہیں، یہی بات ٹھیک ہے، مگر بعض علما کا خیال ہے کہ یہ توقیف نہ اسما میں ہے نہ صفات میں۔ معتزلہ اور کرامیہ کا کہنا ہے کہ جب کسی لفظ کا معنی اللہ کے حق میں ثابت ہو، پھر عقل بھی اس کو تسلیم کرے تو اسے اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ امام طیبی نے کہا ہے کہ عجم نے اللہ کے ایسے نام رکھے ہیں جو شرع شریف میں نہیں آئے ہیں، لیکن ان ناموں کی صحت پر اتفاق ہے، جیسے لفظ ایزد یا یزدان، یا خدا فارسی میں یا گاڈ انگریزی میں، یا نرنکار ہندی میں، مگر غزالی وغیرہ محققین کا مختار مذہب یہ ہے کہ جب یہ سارے نام توقیفی ٹھہرے تو انھیں پر توقف کرنا چاہیے۔ دوسروں کے تراشیدہ ناموں سے احتراز کرنا چاہیے۔ غزالی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا جو نام آپ کے والدین نے نہیں رکھا ہے نہ خود آپ نے مقرر فرمایا ہے۔ ہم کو وہ نام رکھنا بھی درست نہیں ہے، یہی حال بڑوں کے نام کا ہے۔

جب یہ بات مخلوق کے حق میں درست نہیں ہے تو اللہ کے حق میں بالاولیٰ ممتنع ہے، بلکہ اس پر اتفاق ہے کہ جس نام یا صفت سے نقص کا وہم ہو، گو نص میں وارد ہو، اس کو بھی نہ بولنا چاہیے، جیسے ماہد، زارع، خالق، حالانکہ ﴿فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ [ہم بہترین بچھانے والے ہیں] ﴿أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ﴾ [یا ہم اگانے والے ہیں] ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى﴾ [الأنعام: ٩٥] [دانا اور بیج کا

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٣٩)

پھاڑنے والا] قرآن میں مذکور ہے، اسی طرح ''ماکر'' اور ''بناء'' سے بھی احتراز لازم ہے، اگرچہ ﴿مَكْرَ اللّٰهُ﴾ [آل عمران: ٥٤] [اللہ نے تدبیر کی] ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا﴾ [الذاریات: ٤٧] [اور آسمان کو ہم نے بنایا] بھی رب پاک نے فرمایا ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کے حق میں انھیں اسما و صفات کا اطلاق درست ہے جو شریعت میں آچکے ہیں، جیسے اسماے حسنیٰ۔ اپنی طرف سے اللہ اور رسول کے لیے کوئی نام اور صفت نہیں تراشنا چاہیے، جیسا کہ ''دلائل الخیرات''[1] میں لفظ قندیل، عرش اللہ وغیرہ آیا ہے، کیونکہ دونوں کے نام توقیفی ہیں، قیاسی نہیں، البتہ بعض اہلِ علم کے نزدیک ایسے اسما و صفات کا اطلاق جائز ہے جن پر علماے امت نے اجماع کر لیا ہے، جیسے لفظ ''ایزد'' اور ''خدا'' وغیرہ۔

اسماے حسنیٰ کی تقسیم:

حلیمی کا خیال ہے کہ اسماے حسنیٰ کی تقسیم پانچ طرح ہو سکتی ہے اور ان سے پانچ عقیدے ثابت ہوتے ہیں:

1. اثباتِ باری تعالیٰ، ان اسما میں معطلہ کی تردید ہے، جیسے: حی، باقی، وارث وغیرہ۔
2. توحیدِ حق تعالیٰ، ان میں مشرکین کی تردید ہے، جیسے: کافی، علی، قادر وغیرہ۔
3. اللہ کی تنزیہ، ان میں مشبہہ کی تردید ہے، جیسے: قدوس، مجید، محیط وغیرہ۔
4. یہ اعتقاد کہ ہر موجود اللہ ہی کا ایجاد و اختراع کیا ہوا ہے، اس میں علت و معلول کے قائلین کی تردید ہے، جیسے: خالق، باری مصور، قوی وغیرہ۔
5. اس بات کا اعتقاد کہ سارے موجودات و مخترعات کا مدبر و مصرف وہی ایک اللہ ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف کرتا ہے، جیسے: قیوم، علیم، حکیم وغیرہ۔ ان میں طبائع، تدبیرِ کواکب اور تدبیرِ ملائکہ کے قائلین کی تردید ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسماے الٰہیہ میں ایسے نام ہیں جو دو معنی بتلاتے ہیں اور دو یا دو سے زیادہ اقسام میں داخل ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] اس کتاب کا نام ''دلائل الخیرات وشوارق الأنوار في ذکر الصلاۃ علی النبي المختار'' ہے۔ یہ کتاب شرعی مخالفات، شرکیہ عبارات اور موضوع و ضعیف روایات سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے مولف کا نام محمد بن سلیمان جزولی (٨٧٠ھ) ہے۔

[2] الأسماء والصفات للبیہقي (١/ ٣٥)

سید محمد بن اسماعیل امیر صنعانی رحمہ اللہ نے اسماے الٰہیہ کے اطلاق کا ضابطہ یہ بیان کیا ہے:

1. وہ نام جو دعا، ندا اور حاجت برآری اور مشکل کشائی کے لیے پکارے جاتے ہیں، جیسے: یا غفور، یا رحیم، یا رزاق، یا حی، یا قیوم برحمتك أستغیث.

2. وہ نام جو بابِ اخبار میں آتے ہیں، جیسے: "اللہ مومن" "اللہ متکلم" اس طرح سے ان کا بولنا درست ہے۔ دعا میں یہ اسما نہیں بولے جاتے، مثلاً یوں نہیں کہا جاتا: "یا متکلم اغفر لي" یہی حال لفظ ماہد و زارع کا بھی ہے۔ یہ اسما اگرچہ نصاً وارد ہیں، لیکن انھیں اخبار سے نکال کر دعا میں استعمال نہیں کر سکتے۔

امام رازی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اسما و صفات تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو قطعاً ثابت ہیں، دوسرے وہ جو قطعاً ممنوع ہیں، تیسرے وہ جو کسی کیفیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پہلی قسم میں وہ نام آتے ہیں جو مفرداً و مضافاً دونوں طرح بولے جاتے ہیں، جیسے قادر، قاہر، دوسرے یہ کہ کسی صفتِ رب یا اسمِ الٰہی کے ساتھ قبیح شے کا ذکر کیا جائے، جیسے یہ کہا جائے: "خَالِقُ الْقِرَدَةِ" [بندر کو پیدا کرنے والا]

تیسرے وہ نام ہیں جن کا اطلاق مفرداً درست نہیں، مگر مضافاً درست ہے، جیسے منشی ہے کہ منشي الخلق درست ہے، مگر صرف منشی کہنا درست نہیں۔ دوسری قسم کی توجیہ کی صورت یہ ہے کہ بہت سے اسما سمعاً وارد ہیں، ان کا اطلاق جائز ہے اور اس کو مناسب مقام پر محمول کریں گے۔ تیسری قسم وہ ہے کہ اسما سمعاً آئے ہیں، ان کا اطلاق درست ہے، مگر اس پر قیاس کرنا یا اشتقاق کے ذریعے سے ان میں تصرف کرنا جائز نہیں، جیسے ﴿وَ مَكَرَ اللّٰهُ﴾ ﴿وَيَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ ان دونوں فعلوں سے اشتقاق کر کے "ماکر" و "مستہزی" کہنا جائز نہیں ہے۔

اہلِ علم کی ایک جماعت نے اسماے حسنٰی کی شرح عربی، فارسی بلکہ اردو میں بھی لکھی ہے۔ اس سلسلے میں بہترین بات وہ ہے جو بیہقی رحمہ اللہ نے حلیمی رحمہ اللہ کے حوالے سے کتاب "الأسماء و الصفات"[1] میں اور شوکانی رحمہ اللہ نے شرح عدة[2] میں یا مفسرین و محدثین نے متعلقہ آیات کی تفسیر اور احادیث کی تشریح میں لکھا ہے۔ انھوں نے اس آیت:

﴿وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٨٠]

---

1. الأسماء والصفات (١/ ٣٥)
2. تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين (ص: ٨١)

[جو لوگ اسماے الٰہیہ میں الحاد کرتے ہیں انھیں چھوڑ دو، عنقریب انھیں اپنے کیے کا بدلہ مل جائے گا]

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں، حق وصواب کو چھوڑ دیتے ہیں اور اسماے حسنیٰ کے سوا دیگر نام تراشتے ہیں، ان کو چھوڑ دو، وہ اپنے کیے کی سزا پالیں گے۔ یہ خود تراشیدہ نام وہ ہیں جنھیں اللہ نے اپنے لیے نہیں بتلایا، جیسے: یا سخی، یا رفیق وغیرہ۔ اسی طرح یہ بھی الحاد میں داخل ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے جوہر، جسم، عقل، علت، واجب الوجود، علۃ العلل اور اول الاوائل وغیرہ خود تراشیدہ الفاظ استعمال کیے جائیں۔ تھوڑی دیر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان کے معانی صحیح ہیں، پھر بھی توقیف الٰہی ایسی خود تراشیدگی سے روکتی ہے۔

بعض علما کا خیال ہے کہ اسماے الٰہیہ میں الحاد کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے ناموں کو غیر اللہ کے لیے بولا جائے، جیسا کفار نے کہا تھا کہ انھوں نے اپنے بتوں کے نام لات، عزیٰ اور منات؛ اللہ، عزیز، اور منان سے نکال کر ٹھہرائے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے اپنا نام ''رحمٰن'' رکھا تھا۔ اسی قسم میں یہ بھی داخل ہے کہ بعینہٖ اسماے الٰہیہ کو کسی مخلوق کے لیے استعمال کیا جائے، جیسا کہ ہندو راجاؤں کو اَن داتا یعنی رازق کہتے ہیں، حالانکہ یہ وصف اللہ کے لیے ہے۔ اس وصف میں اللہ کے ساتھ کسی امیر اور رئیس کو غریب پرور اور خداوندِ نعمت کہنا درست نہیں، اس لیے کہ یہ الفاظ رب اور ولیِ نعمت کا ترجمہ ہیں۔ دوسرے اللہ کا وہ نام رکھنا جو جائز نہیں، جیسے: ابو المسیح، ابو العزیر وغیرہ۔ نصاریٰ اسے اب، ابن اور روح القدس کہتے ہیں۔ کرّامیہ اللہ کی تعبیر لفظ جسم سے کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ معتزلہ اثناے کلام میں لکھ جاتے ہیں کہ اگر اللہ ایسا کرتا تو سفیہ اور مستحق الذم ہوتا۔ نعوذ باللہ۔ ان الفاظ میں نہایت درجے کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ ایسی بول چال، گفتگو اور باہمی تکلم سے رب پاک کی تنزیہ ضروری ہے۔

تیسرے یہ کہ بندہ اپنے رب کا ذکر ایسے لفظ سے کرے جس کے وہ معنی جانتا ہے نہ اس کے مسمی کو پہچانتا ہے، شاید وہ مسمی ایسا ہو جو اللہ ذوالجلال کے وصف کے شایانِ شان نہ ہو۔ یہ تینوں قسمیں الحاد کی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس لغت اور زبان کا کوئی شخص عالم و عارف نہ ہو، اس لغت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ بولے، خواہ وہ لفظ برا ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ یہ بات خلافِ توقیف ہے۔ پس جو اسم وصفت شریعت میں وارد نہیں ہے، اس کے اطلاق سے احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ کے اسماے حسنیٰ کیا کم ہیں کہ ان کو چھوڑ کر تیرے میرے نام رکھے ہوئے پکارے جائیں؟

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جس نے ان کو گن لیا یا سیکھ لیا یا یاد کر لیا، وہ بہشت میں جائے گا۔ اللہ ایک ہے اور یکتائی کو پسند کرتا ہے۔[1] (بخاری و مسلم)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان ناموں کو نام بہ نام ذکر کیا ہے۔ لفظِ اللہ سے شروع کر کے لفظ صبور پر گنتی ختم کی ہے۔[2] یہ حدیث حسن ہے۔ حفاظ کی ایک جماعت نے ان اسما کو اس روایت میں مدرج کہا ہے، یعنی غیر مرفوع، مگر بعض طرق سے یہ نام مرفوعاً بھی آئے ہیں، گو ان کی سند ضعیف ہے۔ بعض علما نے ان اسما کا تتبع خود قرآن کریم سے کیا ہے۔ کسی نے صرف ننانوے نام گنائے ہیں، کسی نے ان سے کم و بیش نام گنائے ہیں۔

بخاری و مسلم کی مذکورہ حدیث میں لفظ « أَحْصَاهَا » آیا ہے۔ دوسری روایت میں لفظ « مَنْ حَفِظَهَا » آیا ہے۔[3] بخاری نے اس لفظ کی تفسیر لفظ « أَحْصَاهَا » ٹھہرایا ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ اِحصا کے معنی ہیں ان اسما کے معانی پر عمل کرنا۔ مثلاً جب رازق کہے تو اسی پر رزق کا اعتماد رہے، کسی غیر سے آس نہ لگائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِحصا یہ ہے کہ اللہ کو تمام ناموں سے پکارا جائے، صرف بعض ناموں ہی سے نہ پکارا جائے۔ کسی کا کہنا ہے کہ اِحصا کا مطلب ہے کہ اسماے الٰہیہ کو ازبر کرنا۔ مذکورہ لفظ کا مطلب خواہ کچھ بھی ہو، جو ان اسما کا محصی یا حافظ ہے یا ان پر عامل ہے، وہ موعود بہ جنت ہے۔

اگر یہ نام کسی کے نوکِ زبان پر نہ رہیں یا اسے یاد نہ ہوں، مگر وہ ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا ہے تو وہ بھی مستحق جنت ہے، اس لیے کہ یہ سارے نام قرآن پاک میں زائد اسما کے ساتھ موجود ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث سے حصرِ اسما ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ سو حدیث مذکور میں کوئی لفظ حصر نہیں بتلاتا ہے، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اتنے ہی ناموں کے یاد کرنے اور ان کی دلالات پر عمل کرنے سے جنت مل جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جنت حصرِ اسما کی وجہ سے نہیں ملے گی، بلکہ صرف مذکورہ تعداد والے اسما کو یاد کرنے اور ان پر عمل کرنے سے جنت مل جاتی ہے۔ عدمِ حصر کی تقویت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ »[4]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٨٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٧٧)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٠٧)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٧٧)

[4] مسند أبي يعلىٰ (١٩٨/٩) مسند البزار (٣٦٢/٥) نیز دیکھیں: السلسلة الصحيحة (١٩٨)

[میں تجھ سے ہر اس نام سے مانگتا ہوں جس سے تو نے اپنی ذات کو موسوم کر رکھا ہے]

بعض علما کا خیال ہے کہ اللہ کے ہزار نام ہیں، مگر یہ کم ہیں۔ حقیقت میں اسمائے الٰہیہ خواہ کتنے ہوں، ہم کو اسی قدر معلوم ہیں، جتنے قرآن و حدیث میں آئے ہیں۔ حدیث مذکور سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اسم عین مسمی ہوتا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس جگہ تسمیہ مراد ہے۔ اس مسئلے میں کسی غور و خوض کی ضرورت نہیں ہے۔ سلف نے اس میں غور و خوض سے احتراز کیا ہے۔ یہ بلا خلف میں علم کلام کے راستے سے آئی ہے۔ مسلمان کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول کلام سے بچے اور گمراہوں کے ساتھ ﴿وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ﴾ [المدثر: ٤٥] [ہم خوض کرنے والوں کے ساتھ خوض کرتے ہیں] پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر کو اس آفت سے عافیت میں رکھا تھا۔ جب متکلم فقہا اور صوفیہ آئے تو یہ خرافات لائے اور اس کو علم سمجھا اور یہ نہ سمجھے کہ حدیث میں آیا ہے: «إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا»[1] [بعض علوم جہالت کے آئینہ دار ہوتے ہیں]

اسمائے الٰہیہ کی قسم:

رہی یہ بات کہ ان ناموں کی قسم کھانی چاہیے یا نہیں؟ فتح الباری میں لکھا ہے کہ اللہ کے جو نام قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، ان کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بڑے اختصار سے فرمایا ہے: "الحلف إنما يكون باسم الله، أو صفته له، و يحرم بغير ذلك"

"قسم اللہ کے نام اور اس کی صفت کی کھائی جا سکتی ہے اس کے سوا قسم کھانا حرام ہے۔"

اسم سے مراد ننانوے نام ہیں اور صفت سے مراد مثلاً یہ کہا جائے: "ورب الكعبة، والذي نفسي بيده، ومقلب القلوب، وعزتك" وغیرہ۔ غیر اللہ کی قسم کھانا، خواہ وہ پیغمبر ہو یا پیر، بادشاہ ہو یا امیر، قبر ہو یا اور کچھ، اس لیے حرام ٹھہرا ہے کہ حدیث میں آیا ہے:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ»[2]

[جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی یقیناً اس نے کفر کیا]

اس کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے:

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٥٠١٢) اس کی سند میں "عبداللہ بن ثابت النحوی" مجہول ہے، اس کا شیخ صخر بن عبداللہ بن بریدہ مستور ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

[2] المستدرك للحاكم (٦٥/١)

«فَقَدْ أَشْرَكَ»[1] [بلا شبہہ اس نے شرک کیا]

تیسری روایت میں ہے:

«فَقَدْ كَفَرَ وَأَشْرَكَ»[2] [بے شک اس نے کفر اور شرک کیا]

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ بعض محدثین نے اس حدیث کو تہدید وتغلیظ پر محمول کیا ہے، لیکن میں (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) اس کا قائل نہیں۔ میرے نزدیک اس سے مراد یمین منعقدہ و یمین غموس باسم غیر اللہ ہے۔[3] یعنی ایسی قسم کھانے والا یقیناً کافر ومشرک ہو جاتا ہے۔ جاہلوں میں کوئی شاہ مدار کی قسم کھاتا ہے، تو کوئی مسعود سالار کی، کوئی کسی دوسرے پیر فقیر ملا اور شیخ کی تو کوئی اعضائے جسمِ یار کی۔ یہ تمام قسمیں خالص کفر وشرک ہیں۔ اگر ایسی قسمیں کھانے والا توبہ نہ کرے تو اس نے ایمان کو خیر باد کہہ دیا۔ ایمان کا شائبہ بھی اس نے نہ چھوڑا۔ البتہ موزوں کلام میں شعرا کی قسم اگر قابل عفو ہو تو کچھ بعید نہیں، اس لیے کہ ان کی قسمیں کسی مطلب کی خاطر نہیں ہوتی ہیں۔ وہ محض انبساطِ خاطر کے لیے گپ شپ کرتے ہیں۔ وہ گل وریحان، نعل و دستار تک کی قسم کھاتے ہیں۔ یہ قسم اگر اللہ چاہے گا تو یمین لغو میں شمار ہوگی، جس سے متعلق فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ [المائدة: ٨٩]

[اللہ تمھاری لغو قسموں پر مواخذہ نہ کرے گا]

اسمائے الٰہیہ کی معنوی تقسیم:

وہ اسمائے مبارکہ جو اثباتِ باری تعالیٰ اور اللہ کے ہونے کا اعتراف و اقرار کراتے ہیں، یہ ہیں:

1. اول، قدیم، باقی، حق، مبین، ظاہر، وارث، واحد۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسمِ مبارک قدیم کی سند کو متصل اور حدیث کو مرفوع بتلایا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ نام گو اسمائے حسنیٰ میں نہیں ہے، مگر جائز الاطلاق ٹھہرے گا، ورنہ نہیں، ان آٹھ ناموں کے معنی کتاب "الجوائز و الصلات" میں لکھے ہوئے ہیں۔

2. وہ نام جن سے رب پاک کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے، یہ ہیں: واحد، وتر، کافی، علی، رفیع۔

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٢٥١)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٣٥)

[3] حجة الله البالغة للشاه ولى الله الدهلوي (ص: ١٣٠)

۳ وہ نام جن سے ابداع واختراع ثابت ہوتی ہے، یہ ہیں: اللہ، حی، قیوم۔

۴ وہ نام جن کو اسم اعظم کہا گیا ہے، یہ ہیں: عالم، قادر، حکیم، سید، جلیل، بدیع، باری، ذاری، خالق، خلاق، صانع، فاطر، ہادی، مصور، مقتدر، ملک، ملیک، جبار۔

۵ وہ نام جن سے تشبیہ کی نفی ہوتی ہے، یہ ہیں: احد، عظیم، عزیز، متعال، باطن، کبیر، سلام، غنی، سبوح، قدوس، مجید، قریب، محیط، فعال، قدیر، غالب، واسع، جمیل، واجد، محصی، قوی، متین، ذوالطول، سمیع، بصیر، علیم، علام، خبیر، شہید، حسیب۔

٦ وہ نام جو تدبیرِ الٰہی بتلاتے ہیں، یہ ہیں: مدبر، قیوم، رحمٰن، رحیم، حلیم، کریم، اکرم، صبور، عفو، غافر، غفار، غفور، رؤوف، حمد، حمید، قاضی، قاہر، قہار، فتاح، کاشف، لطیف، مومن، مہیمن، باسط، قابض، جواد، منان، مقیت، رزاق، رازق، جبار، کفیل، غیاث، مجیب، ولی، والی، مولی، حافظ، حفیظ، ناصر، نصیر، شاکر، شکور، بر، فالق، متکبر، رب، مبدی، معید، محیی، ممیت، ضار، نافع، وہاب، معطی، مانع، خافض، رافع، رقیب، تواب، دیان، وفی، ودود، عدل، حکیم، مقسط، صادق، نور، رشید، ہادی، حنان، جامع، باعث، مذل، مقدم، معز، مذل، وکیل، سریع الحساب، ذوالفضل، ذوانتقام، مغنی، طبیب، شافی، حی، کریم۔

یہ سب چھیاسی نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تصرف و تدبر پر دال ہیں اور انھیں اسما کی کثرت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سارے عالم میں اللہ کے سوا کسی کی کوئی تدبیر اور تصرف نہیں ہے۔ بے یاروں کا زندہ یا مردہ، قبر یا شجر، حجر، حیوان یا انسان سے استغاثہ کرنا اور غیر اللہ سے استعانت صریح شرک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی کسی مفلس کو آسودہ نہیں کر سکتا، نہ کسی بیمار کو شفا دے سکتا ہے، نہ کسی حاجت مند کی مراد پوری کر سکتا ہے۔ اللہ ہی مصیبت زدہ کی بلا ٹالتا ہے، لاولد کو اولاد بخشتا اور مخلوق کو کھلاتا پلاتا، سلاتا، جگاتا، بٹھاتا، چلاتا، مارتا اور جلاتا ہے۔

وہ نام جو مختلف ابواب میں داخل ہو سکتے ہیں، یہ ہیں: ذوالعرش، ذوالجلال والاکرام، فرد اور ذوالمعارج۔

رویتِ باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھنا عقلاً جائز اور نقلاً واجب ہے۔ مسلمان اللہ کو قیامت کے دن اپنی آنکھ سے دیکھیں گے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ [القیامۃ: ۲۲-۲۳]

[اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ فرمایا: تم کو سورج کے دیکھنے میں، جب کہ وہ صاف ستھرا ہو، کچھ زحمت ہوتی ہے؟ ہم نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے رب کے دیکھنے میں شک نہ کرو گے، جس طرح تم سورج چاند کے دیکھنے میں شک نہیں کرتے۔[1]

دوسری روایت میں یوں آیا ہے:

''بے شک قریب ہے کہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح تم سورج کو دیکھتے ہو اور تم کو اس کے دیکھنے میں کچھ دھوکا نہیں ہوتا۔''[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ''قصیدہ نونیہ'' میں رویتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

ویرونه سبحانه من فوقهم
نظر العیان کما یری القمران
هذا تواتر عن رسول الله لم
ینکره إلا فاسد الإیمان[3]

[لوگ رب کو اپنے اوپر بلا حجاب دیکھیں گے، جس طرح سورج اور چاند کو آنکھ والا دیکھتا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے ثابت ہے، اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کا ایمان خراب ہو چکا ہو]

شیخ الاسلام نے بھی اس مسئلے میں ایک مستقل تالیف رقم کی ہے۔ احادیث میں رویتِ باری تعالیٰ کی بہت سی دلیلیں ہیں، سب کا احصا ممکن نہیں۔ ''حادي الأرواح'' میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر تفصیل سے لکھا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ معتزلہ اور شیعہ رویت کے منکر ہیں۔ خوارج اور بعض مرجیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان فرقوں کی دلیل لفظ ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ [تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے]

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۷۰۰۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۸۳)

[2] دیکھیں: مسند الحارث (۲/۶٤۸)

[3] القصیدة النونیة (ص: ۳٤۱)

ہے۔ یہ حضرات ﴿لَنْ﴾ کو نفیِ تابید کے لیے مانتے ہیں، لیکن ان کا یہ دعویٰ باطل ہے۔ عربی زبان میں اس دعوے کا ثبوت موجود نہیں، بلکہ ان کا یہ دعوی محض لن ترانی ہے۔ رویتِ باری پر تمام صحابہ، تابعین اور ائمہ اسلام کا اتفاق ہے۔ رویتِ الٰہی کے منکر فقط جہمیہ، معطلہ، باطنیہ اور رافضیہ ہیں۔

ان کی دوسری دلیل ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ [آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں] ہے۔ یہ ان کی بصیرت و بصارت کا قصور ہے کہ اس آیت سے نفیِ رویت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہی آیت ثبوتِ رویت کی دلیل ہے، کیونکہ اس میں ادراک کی نفی فرمائی گئی ہے، رویت کی نہیں۔ ادراک اور چیز ہے اور رویت اور چیز۔ بہت سی چیزیں دیکھی جاتی ہیں، لیکن ان کی حقیقت کا ادراک نہیں ہو پاتا۔ امام صابونی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ اہلِ سنت اس بات کے گواہ ہیں کہ اہلِ ایمان اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اللہ کی طرف نظر کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث میں آیا ہے:

«فَإِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ»[1]

[تم لوگ اپنے رب کو ایسے ہی دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو]

یہ رویت کی رویت سے تشبیہ ہے نہ کہ مرئی کی تشبیہ مرئی سے۔ امام زہری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں بڑی مناسب بات کہی ہے:

"علی الله البیان، وعلی الرسول البلاغ، و علینا التسلیم"[2]

[اللہ نے بیان کر دیا، رسول نے پہنچایا دیا اور ہمیں ماننا چاہیے]

رویتِ باری دو طرح ہو سکتی ہے۔ ایک انکشاف تام بلیغ، یہ عقلی تصدیق سے زائد چیز ہے اور نظری علم سے برتر۔ اس کو یوں سمجھیں جیسے ایک شخص چاند کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اس حالت میں چاند اس پر منکشف رہتا ہے اور چاند کی صورت اس کی نگاہِ دل میں پھرتی رہتی ہے۔ یہ انکشاف بلاشبہہ نظر کے انکشاف سے ایک زائد انکشاف ہوتا ہے۔ اس دیکھنے کو آنکھ کا دیکھنا کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ رویت مقابلہ، جہت، لون اور شکل کی تعیین کے بغیر ہوتی ہے۔ اس رویت کی مثال ایسے ہے، جیسے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي»[3] [میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥٥٤)

[2] عقيدة السلف أصحاب الحديث (ص: ٢١)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٢٤)

معتزلہ اس طرح دیکھنے کے قائل ہیں۔ بعض اہلِ سنت بھی اس طرف مائل ہیں، لیکن ان کی یہ بات غلط ہے۔ ان کی غلطی فقط اتنی ہے کہ طریقِ رویت کی اس ایک صورت کو مانتے ہیں اور رویت کے صرف اسی ایک معنی کو تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ ان کی اس بات پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

رویت کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ یکتا کے مناسب مختلف صورتوں میں جلوہ گر نظر آئے گا، جیسا کہ بعض احادیث سے اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہونے اور ان سے دو بدو گفتگو کرنے کا ذکر موجود ہے۔ نیز ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَأَرىٰ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَلىٰ كُرْسِيِّهِ»[1]

[میں اپنے رب عزوجل کو اس وقت دیکھوں گا جب وہ اپنی کرسی پر ہو گا]

محدثین اس رویت کے قائل ہیں۔ اس بنیاد پر اللہ کو سب مسلمان سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ یہ رویت شکل، لون، جہت اور مواجہہ کے ساتھ ہو گی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ»[2]

[میں نے اپنے رب کو حسین تر صورت میں دیکھا]

دوسری روایت میں آیا ہے:

«فِي صُورَةِ شَابٍّ»[3] [نوجوان کی صورت میں]

غرض کہ دنیا میں جو خواب میں نظر آتا ہے، وہاں بیداری میں دکھائی دے گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

ہم دونوں صورتوں کے معتقد ہیں اور اگر اللہ اور رسول کی کوئی دوسری صورت مراد ہے تو اس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اگرچہ وہ صورت بعینہٖ ہم کو معلوم نہ ہو۔

---

[1] مسند أحمد (۱/۲۹۵)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۲۳٤)

[3] ضعفه ابن الجوزي في العلل المتناهية (۱/ ۲۹) انظر: مجمع الزوائد (۷/ ۳۷۰)

امام رازی ؒ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اللہ کو خواب میں مخصوص صورت میں دیکھنا جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی اللہ کو بہ چشم سر، حالت بیداری میں نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں خواب میں اگر کوئی دیکھے تو دیکھ سکتا ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ نے بار ہا خواب میں اللہ کو دیکھا، بات چیت کی، یہ پوچھا کہ اے رب! تیرا قرب کس عمل سے مل سکتا ہے؟ فرمایا: تلاوتِ قرآن سے۔ کہا: سمجھے یا بے سمجھے؟ فرمایا: جس طرح ہو۔ ابو منصور ماتریدی نے خواب میں رویت باری کا انکار کیا ہے، لیکن ان کا یہ انکار حدیثِ خیر الانام ﷺ کے منافی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے دلیل سمعی رویت باری کو دارِ آخرت میں واجب بتاتی ہے۔

رب پاک نے فرمایا:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ [یونس: ٢٦]

[جنھوں نے اچھائی کی ان کے لیے حسنیٰ ہے اور مزید]

﴿ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ [قٓ: ٣٥]

[ان کو جنت میں حسبِ خواہش ملے گا اور ہمارے پاس مزید ہے]

﴿زیادۃ﴾ اور ﴿مزید﴾ سے مراد یہی رویتِ باری ہے۔ اس باب میں سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ کی جو روایت شیخین کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، اسے اکیس صحابہ نے روایت کیا ہے۔ اس رویت پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔

نسفی کا یہ لکھنا کہ یہ رویت کسی مکان میں ہوگی نہ جہت میں، بلکہ دیکھنے والے بندے اور اللہ کے درمیان مقابلہ اتصالِ شعاع اور ثبوتِ مسافت کے بغیر ہوگی، اس قول کا شق اول گو درست ہو، مگر چونکہ یہ قیود کسی مرفوع حدیث میں نہیں آئی ہیں تو ان کا ذکر کرنا ہی کیا ضروری ہے۔ ظاہر حدیث پر ایمان لانا اور کیفیت کو اللہ کے سپرد کرنا ہمارے لیے کافی ہے۔ ان کا یہ سارا بکھیڑا اس لیے ہے کہ تشبیہ نہ لازم آئے۔ لیکن ہمیں تشبیہ سے کیا غرض؟ جیسا اللہ ویسی اس کی رویت۔ وہ کسی طرح دکھلائی دے، مخلوق کی تمثیل نہیں ہو سکتی۔

یہ رویت جنت میں جانے سے پہلے اور جنت میں جا کر دونوں جگہ ہوگی۔ کتاب وسنت اور

اجماعِ صحابہ، ائمہ اسلام اور اہلِ حدیث کا اس پر اتفاق ہے۔ یہ رویت جہتِ فوق وعلو میں ہوگی نہ کہ جہتِ اسفل، خلف، یمین، شمال اور رو در رو میں۔

حدیث میں آیا ہے:

«فَإِذَا الرَّبُّ قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ»[1]

[اچانک ان کے اوپر سے اللہ ان کو جھانکے گا]

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ رویت کی یہ احادیث معنوی طور پر تواتر سے ثابت ہیں۔ ان کا قبول کرنا واجب ہے۔ اہلِ بدعت کی ملمع سازی لائقِ التفات نہیں۔

صنفِ نازک کی رویتِ باری تعالیٰ:

عورتوں کے رویتِ باری میں اختلاف ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ بھی گاہ بہ گاہ اللہ کو دیکھیں گی، جس طرح دنیا میں روزِ عید دربار عام ہوتا ہے۔ عورتیں گو خاص مومنوں کی طرح اللہ کو ہر صبح و شام نہ دیکھیں، عام مسلمانوں کی طرح جمعہ کے روز دیکھیں گی، جیسا کہ امام سیوطی نے کہا ہے، لیکن صحیح تو یہ ہے کہ اس بات پر کوئی واضح دلیل موجود نہیں جس سے پتا چلے کہ عورتیں اللہ تعالیٰ کو مردوں کے وقتِ رویت کے سوا دوسرے اوقات میں دیکھیں گی۔ رویت کی دلیلوں کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رویت میں سب یکساں ہوں گے، گو درجات میں متفاوت ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ مرد بہشت میں زیادہ ہوں گے، عورتیں کم ہوں گی، مگر عورتیں جنت میں جائیں گی تو ان کے رفعتِ مقام میں کوئی چیز مانع نہ ہو گی۔ مغفرت بھی ہو اور دخولِ بہشت بھی ہو، اب محرومیِ دیدار کیوں؟ فاطمہ، خدیجہ، عائشہ، آسیہ، مریم رضی اللہ عنہن تو ہزاروں لاکھوں، کروڑوں مردوں سے بہتر ہیں۔ انھیں دیدار گاہ بہ گاہ نصیب ہو، خاص بندوں کی طرح صبح و شام نہ ہو، یہ انوکھی بات معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۸٤) اس کی سند میں "الفضل الرقاشی" راوی منکر ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

تیسرا باب

بندوں کے اعمال اللہ کے پیدا کردہ ہیں

بندوں کے جتنے کام ہیں، سب اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ممکن کے اندر اتنی قدرت نہیں کہ وہ ممکن کی تخلیق کر سکے۔ سارے ممکنات عرض، جوہر اور افعالِ عباد؛ سبھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ اللہ نے اسباب و وسائط کو اپنے فعل کے درمیان پردہ بنا دیا ہے، البتہ انسانوں کے اختیاری فعل اور جمادات کی حرکت میں فرق ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو قدرت اور ارادے سے نوازا ہے۔ اس کی یہ سنتِ جاریہ ہے کہ جب بندہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ اس کام کو وجود بخش دیتا ہے۔ اسی ارادے اور قدرت کی بنیاد پر بندے کو ''کاسب'' کہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر مدح و ذم اور ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے۔ حیوان و جماد کی حرکت اور فعل کے درمیان فرق نہ کرنا کفر اور بداہتِ عقل اور شریعت کے خلاف ہے۔ مضروب پر ضرب کے بعد جو درد اور شیشے میں شکستگی کے بعد جو کسر پائی جاتی ہے، یہ مخلوقِ رب ہے۔ بندے کو اللہ کے کام میں کچھ بھی دخل نہیں ہے، بہ طریق تخلیق نہ بہ طریق اکتساب۔ اسی طرح غیر اللہ کو کسی چیز کا خالق جاننا کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدریہ کو حدیث شریف میں امت اسلامیہ کا مجوسی قرار دیا گیا ہے،[1] اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے، مگر اس جگہ قدریہ سے مراد معتزلہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے کاروبار میں مستقل قدرت رکھتا ہے، اس کے افعال خود اس کی مخلوق ہیں۔ اور حیوان کے افعال میں اللہ تعالیٰ کا کچھ دخل نہیں ہے۔ چونکہ یہ لوگ قدر کے منکر ہیں، اس لیے قدریہ کہلاتے ہیں۔ آج کل کے نصاریٰ اور نیچریوں کا بھی یہی خیال ہے۔ یہ اعتقاد قرآن شریف کے بالکل خلاف ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الصافات: ۹۶]

[اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے اعمال کو بھی]

مجوس کہتے ہیں کہ پارسیوں کے دو خدا ہیں۔ ایک خیر کا خدا جس کو وہ ''یزدان'' کہتے ہیں۔ دوسرا شر

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٦٩١)

کا جس کو وہ ''اہرمن'' کہتے ہیں۔ قدریہ ان سے بھی زیادہ بدتر ہیں، کیونکہ مجوس تو دو ہی خدا مانتے ہیں اور قدریہ غیر متناہی خالق ٹھہراتے ہیں، کیونکہ بندوں کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ یہ ہر بندے کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں۔ بندے کا کوئی بھی فعل ہو، کفر یا ایمان، طاعت یا عصیان، خواہ اعضا سے ہو یا دل سے، سب کام اللہ ہی کی مشیت، ارادے، حکم، قضا اور تقدیر سے انجام پاتے ہیں۔ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے کافر و فاسق کے کفر وفسق کا ان کے اختیار کرنے کے مطابق ارادہ کیا ہے، اس لیے کہ ان پر کوئی جبر نہیں ہے۔ ایمان و اطاعت کے ساتھ ان کا ذمے دار ہونا درست ہے، البتہ بندوں کے افعال اختیاری وہ ہیں جن پر انھیں اطاعت و معصیت کی بنا پر ثواب یا عقاب ملتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے تمام فعل میں مجبور ہیں اور ان کے حرکات وسکنات جمادات کی طرح ہوں اور ان کو کوئی قدرت و ارادہ اور اختیار حاصل نہ ہو۔ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔ حرکتِ بطش اور حرکتِ رعشہ کے درمیان فرق ایک ضروری اور بدیہی امر ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حرکت اول اختیار سے ہوتی ہے، حرکت ثانیہ نہیں۔ اگر اصلاً بندے کا کوئی فعل نہ ہوتا تو وہ مکلف ہوتا نہ اس ثواب وعقاب کی توقع ہوتی۔ خود قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [السجدة: ١٧] [اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے]

پھر ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الكهف: ٢٩]

[جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر کرے]

بندے کا فعل اگرچہ اس کے اختیار میں ہے، لیکن اس اختیار میں اسے کوئی اختیار نہیں ہے۔ غرض کہ فعل میں مختار اور اختیار میں مجبور ہے یا صورت میں مختار ہے اور معنی میں مجبور ہے۔ جزائے اعمال کے لیے وجود، اختیار اور کسب کا شرط ہونا بالعرض ہے، بالذات نہیں۔ یہی بات تمام صحابہ اور تابعین سے معلوم ومفہوم ہے۔ قضا وقدر اور جبر واختیار کا مسئلہ نہایت باریک اور حیرت انگیز ہے، اس میں زیادہ گہرائی میں اترنے کی کوشش آدمی کو گمراہ کر دیتی ہے، یہاں عجز وسکوت ہی کافی ہے۔ فرمایا:

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٢٣]

[اس سے اس کے کیے کی باز پرس نہیں ہوسکتی، البتہ لوگوں سے باز پرس کی جائے گی]

درحقیقت یہ ساری حیرانیاں اہلِ بحث وجدل کو ہوتی ہیں اور گمراہی انھیں کا دامن پکڑتی ہے،

کیونکہ یہ عقائد کا اثبات کارخانۂ عقل سے چاہتے ہیں اور ہم کو مسئلہ عقائد رسولِ رحمت ﷺ سے معلوم ہو چکا ہے۔ ہمارے لیے رسول کے بتائے ہوئے امور پر ایمان لانا کافی ہے۔ کوئی عمل اس مسئلے کی حقیقت دریافت کرنے پر موقوف نہیں۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے:

«اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ»[1]

[عمل کرو، توفیق ازل سے باندازۂ ہمت ہے]

خبر شارع کے بعد بھی اگر قلبِ انسانی میں کچھ خلجان باقی ہے تو اسے پھر کسی اور ایمان کا بندوبست کرنا چاہیے۔

فعل حسن سے اللہ راضی ہوتا ہے اور فعل قبیح سے ناراض۔ جس کو چاہتا ہے، سیدھا راستہ دکھلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ فعل استطاعت کے بعد ہوتا ہے۔ قدرت سے فعل صادر ہونے کی یہی حقیقت ہے۔ استطاعت کا لفظ سلامتیِ آلات و اسباب اور جوارح پر بولا جاتا ہے اور تکلیف کا صحیح ہونا اسی استطاعت پر موقوف ہے۔ جو بات بندے کی طاقت و وسعت میں نہیں ہے، اس کام کا ذمے دار بھی اس کو نہیں بنایا جاتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ [البقرۃ: ٢٨٦]

[اللہ وسعت سے زیادہ کسی کو ذمے دار نہیں بناتا]

معلوم ہوا کہ انسان پر جو کچھ گزرتا ہے، وہ سب اس کی وسعت میں داخل ہے۔ اگر وہ اس کی وسعت میں داخل نہ ہوتا تو وہ بلا اس کے سر پر نہ آتی۔ یہ اس ذمے داری کو اگر اپنی طاقت سے باہر خیال کرتا ہے تو یہ اس کی سمجھ کا پھیر ہے۔

امام صابونی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ اعمالِ عباد خیر ہوں یا شر، سب کا ارادہ اللہ ہی کرتا ہے۔ اگر کسی کو اس کی مشیت پر ایمان نہیں ہے تو وہ کفر کرتا ہے۔ اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی طرح کا کر سکتا تھا۔ اگر وہ چاہتا کہ کوئی اس کی نافرمانی نہ کرے تو ابلیس پیدا نہ کرتا۔ کافر کا کفر اور مومن کا ایمان سب اسی کی قضا و قدرت اور مشیت و ارادے سے ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ وَاِنْ

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٦٦٦) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٦٤٧)

تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ [الزمر: ۷]

[اگر کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ اسے اپنے بندوں کا کفر پسند نہیں اور اگر شکر گزار بنو تو وہ تم سے خوش ہو جائے گا]

بندے کا اکتساب اللہ کی مخلوق ہے، اس میں کچھ شک نہیں۔ جو اس بات کا منکر ہے، اس کا شمار اہلِ ہدایت و دین میں نہیں کیا جاتا ہے۔ جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے، اس کے یہاں کوئی عذر و حجت سود مند نہ ہوگی، بلکہ پوری حجت اللہ کے لیے ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کو صحیح راہ پر لگا دے، لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جہنم جن وانس سے بھر دی جائے گی۔ اب اس قرار داد کے خلاف کیوں کر ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک فریق کو اپنے فضل سے جنت نعیم کے لیے پیدا کیا ہے اور دوسرے فریق کو اپنے عدل سے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ کوئی گمراہ ہے اور کوئی ہدایت یاب، کوئی شقی ہے اور کوئی سعید، کوئی رحمت سے قریب ہے اور کوئی اس سے دور۔ کس کا مقدور ہے کہ پوچھ سکے یہ کیا ہوا اور کیوں ہوتا ہے؟ البتہ انسان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا؟ کس لیے کیا؟ کس کے لیے کیا؟ اس وقت آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ فرشتہ ماں کے پیٹ ہی میں لکھ جاتا ہے کہ رزق، عمل اور اجل کیا ہے، شقی ہے یا سعید، یہاں تک کہ کوئی آدمی جنت کے لیے کام کرتا ہے، جنت اس سے ایک ہاتھ رہ جاتی ہے۔ اتنے میں قسمت کا لکھا آگے آجاتا ہے اور پھر وہ اہلِ نار کا کام کرنے لگتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کے برعکس ہوتا ہے۔[1] غرض کہ خیر و شر اور نفع و ضرر سب اللہ کی قضا و قدر سے ہوتا ہے۔ کوئی اس کو پھیر سکتا ہے نہ کوئی اس سے بچ سکتا ہے۔ آدمی کو وہی پہنچتا ہے، جو اللہ نے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [یونس: ۱۰۷]

[اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس کے سوا کوئی اسے دور نہیں کر سکتا اور اگر تم کو کوئی نفع دے دے تو اس کے فضل کو کوئی لوٹا نہیں سکتا]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۰۳٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲٦٤۳)

اصحابِ حدیث کی یہ رائے ہے کہ انسان کا انجام کار مبہم ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب خاتمہ ہوگا، بھلا یا برا؟ کسی کے جہنمی ہونے کا یقینی حکم لگایا جا سکتا ہے نہ جنتی ہونے کا، کیونکہ یہ غیب کی بات ہے اور غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہمیں نہیں معلوم کون انسان کس حالت میں مرے گا، اسی لیے وہ "أنا مومن إن شاء الله" کہنا صحیح سمجھتے ہیں۔ جنھوں نے گناہ کمائے ہیں اور توبہ نہیں کی ہے، انھیں عذاب ہوگا، پھر توحید پر ایمان اور اس میں اخلاص کی بنیاد پر جنت میں جائے گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی موحد مومن اور مخلص مسلم جہنم میں باقی نہ رہے گا۔ جو شخص کفر پر مرا ہے، وہ جہنم میں جائے گا اور عذاب سے ہرگز چھٹکارا نہ پائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے جن کے لیے جنت کی گواہی دی ہے، وہ بلاشبہہ جنتی ہیں، جیسے عشرہ مبشرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

یہ بات کہ کسی متعین شخص پر جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، درست ہے، لیکن قرائن و حالات سے اتنا معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص کے اعمال اہلِ جنت کے ہیں اور فلاں شخص کے اعمال اہلِ نار کے، پھر جو کوئی جن اعمال میں گرفتار ہے، اس کا وہی حکم ہے، کیونکہ جو جنت میں جانے والا ہوتا ہے، اس سے کام اچھے ہوتے ہیں اور جو جہنم میں جانے والا ہوتا ہے، وہ برے کام کرتا ہے۔ کل میسر لما خلق له.

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴾ [الشمس: ٨]

[نفس انسانی کو اس کے فجور اور تقوے کا الہام کیا ہے]

اس آیت سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ فاجر زیادہ اور متقی کم ہوتے ہیں۔ فاجر اہلِ جہنم ہیں اور متقی اہلِ جنت۔ مزید فرمایا:

﴿ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴾ [الانفطار ١٤-١٣]

[نیک لوگ جنت میں ہوں گے اور برے لوگ جہنم میں]

اس پیمانے پر ہر آدمی اپنے اعمال و افعال کو جانچ سکتا ہے کہ اس سے کس طرح کے کام ہوتے ہیں۔ اگر اعمالِ صالحہ ہوتے ہیں تو سمجھے کہ ان شاء اللہ جنت ملے گی اور اگر فسق و فجور ہوتا ہے یا کفر و شرک اور جھوٹ کا مرتکب ہے تو سمجھ لے کہ وہ ان شاء اللہ جہنم میں جائے گا۔ واللّٰہ اعلم.

چوتھا باب

نبوت، ملائکہ، کتب، یومِ آخرت اور رسول کے بھیجنے میں عظیم حکمت اور مصلحت ہے

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ١٦٥]

[تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر حجت نہ رہ جائے]

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے پاس انسانوں ہی میں سے رسول بھیجے۔ اللہ کے رسول اہلِ ایمان و اطاعت کو بشارت دیتے ہیں اور اہلِ کفر و عصیان کو ڈراتے ہیں۔ لوگ دینی و دنیاوی امور میں علم و عمل میں جس امر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، انبیا اسے بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے بہشت کو نیکوں کے لیے بنایا اور دوزخ کو بدکاروں کا گھر ٹھہرایا ہے۔ جن کاموں سے بہشت ملے اور دوزخ سے چھٹکارا نصیب ہو، عقل انھیں دریافت نہیں کر سکتی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے انبیا مبعوث ہوئے۔ انھوں نے بتایا کہ فلاں کام کرنے سے بہشت ملے گی اور فلاں کام کا انجام دوزخ ہے۔ اب جس کا جی چاہے، اچھے کام کرے اور جنت لے، جس کا جی چاہے، برے کام کرے اور دوزخ خرید لے۔ اللہ کی حجت اس کے بندوں پر تمام ہو چکی ہے۔ کسی شخص کے لیے کسی طرح کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧]

[ہم نے تمھیں رحمتِ عالم کی حیثیت سے بھیجا ہے]

اللہ نے پیغمبروں کو معجزات دیے ہیں۔ معجزے کا مطلب ہوتا ہے، عادت کے برخلاف کام کرنا۔ یہ معجزہ اللہ کا کام ہوتا ہے نہ کہ فعلِ رسول۔ انسان کے بس میں نہیں کہ وہ سنتِ الٰہی توڑ سکے۔ معجزہ

رسول اور نبی کی صداقت پر قطعی و یقینی دلیل ہوتا ہے۔ جب معجزے کا مشاہدہ ہوتا ہے تو بے اختیار نبی کی سچائی کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف عقلی دلائل کچے دھاگے کی ایک گرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عقلی دلائل سے مخالف کو قائل کیا جا سکتا ہے نہ ان سے نزاع و جدال کا دروازہ بند کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی عقل کے مطابق گفتگو کر سکتا ہے۔ علمِ کلام اور فلسفہ کی پوری تاریخ اس بات کی صداقت کی گواہی دے گی۔ معجزے کا مشاہدہ کرنے کے باوجود کافر رہنا ازلی عناد و شقاوت کی دلیل ہے۔

سلسلۂ نبوت:

سب سے پہلے جو نبی آئے، وہ آدم علیہ السلام ابو البشر تھے اور سب سے آخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ آدم کے بعد شیث بن آدم نبی ہوئے، ان کے بعد ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، لوط، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، الیسع علیہم السلام آئے۔ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ آدم علیہ السلام کی نبوت قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دعوائے رسالت اور اظہارِ معجزہ سے ثابت ہے۔ یہ دعویٰ متواتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے:

﴿ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ﴾ [الأحزاب: ٤٠]

[لیکن رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں]

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے:

«أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَ خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ»[1]

[میں پوری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ ہی پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے]

"خلق" کا لفظ عموم پر دال ہے۔ خلق سے مراد جملہ اجزائے عالم اور تمام قائم موجودات اور کائنات ہیں، اس لیے آپ کو سارے عالم کے لیے مبعوث سمجھا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ:

﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾ [الأنبياء: ١٠٧]

[ہم نے تمھیں رحمتِ عالم کی حیثیت سے بھیجا ہے]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٥٢٣)

بھی اس پر دال ہے۔ عالم تمام ماسوی اللہ کا نام ہے، تو جس طرح اللہ رب العالمین ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ وللہ الحمد.

پیغمبروں کی تعداد کا پتا بعض احادیث سے ملتا ہے، مگر وہ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی ہیں۔[1] اس لیے بہتر یہ ہے کہ انبیا کی تعداد میں حصر تعین نہ کیا جائے، کیونکہ ذکر عدد میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ شاید ان میں کوئی ایسا شخص داخل ہو جائے، جو نبی نہیں ہے یا ہوسکتا ہے کہ کوئی نبی اس گنتی سے باہر رہ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ﴾ [الغافر: ۷۸]

[ان میں سے بعض کا بیان ہم نے کیا اور کچھ کا بیان ہم نے نہیں کیا]

جب اللہ ہی نے ہمیں انبیا کی تعداد نہیں بتائی تو اب ہم کس طرح گنتی کر سکتے ہیں؟ تمام انبیا اللہ کی طرف سے پیغام لائے، وہ سچے تھے اور اپنی امت کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ گناہوں سے معصوم تھے اور اپنے عہدۂ نبوت سے کبھی کوئی برطرف نہیں ہوا۔ نسخ شریعت کا مطلب برطرفی نہیں ہوتا۔ عصمت کا مفہوم یہ ہے کہ وحی سے پہلے اور وحی کے بعد وہ باتفاق امم صدورِ کفر سے معصوم ہیں۔ ان سے اتفاقاً اگر کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو وہ فی الفور اس پر متنبہ کر دیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں انبیا کے جو بعض زلات ثابت ہیں ان کی تاویل نہیں ہوسکتی۔ اس سلسلے میں ﴿وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ [الأحزاب: ۳۸] سامنے رکھنا بہتر ہوگا۔ اولیاء اللہ سے ولایتِ الٰہی چھن سکتی ہے۔ اگر ان کی وفات ایمان پر ہوئی تو مومن اور ولی ہیں، ورنہ نہیں۔ موت کے بعد ان سے استمداد و استعانت، ان کی قبروں سے مدد مانگنا، ان کو سجدہ کرنا اور ان کی نذر و منت کرنا، قرآن و حدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

انبیاے کرام:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پاس رسول بھیجے۔ یہ لوگ اللہ اور مخلوق کے درمیان سفیر ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ قول کہ ان کے بھیجنے کی کیا حاجت ہے؟ ہدایت کے لیے عقل ہی کافی ہے، عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ انبیا کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لائیں۔ وہ تمام لوگوں سے کئی باتوں میں

[1] بعض معتبر روایات میں رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ (۳۱۵) اور انبیا کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مرقوم ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الصحيحة (۲۸۶۸)

ممتاز ہوتے ہیں۔ یہ باتیں یکجا صرف انھیں میں پائی جاتی ہیں، جو ان کے نبی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔
ایک بات خرقِ عادت ہے، یعنی وہ معجزات جو عادات کے خلاف ہوتے ہیں اور معروف معیاروں کو توڑ دیتے ہیں۔ دوسری بات فطرت کی سلامتی اور اخلاق کا کمال ہے۔ ان سے کبھی گناہ سرزد نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں گناہ سے تین طرح بچاتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی خصلت کمالِ اعتدال، اخلاق اور فطرت کی سلامتی پر ہوتی ہے، اس لیے ان کی طبیعت کسی طرح گناہ پر آمادہ ہی نہیں ہوتی۔ وہ معاصی سے سخت متنفر رہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان کو یہ وحی آتی ہے کہ معاصی پر عقاب ہوگا اور طاعات پر ثواب ملے گا۔ یہ وحی ان کو ارتکابِ معاصی سے روکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اللہ ان کے اور معاصی کے درمیان میں حائل ہو جاتا ہے اور کوئی غیبی سبب پیدا کر دیتا ہے، جیسا کے یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ انھوں نے اللہ کی برہان کو دیکھا اور گناہ سے باز رہے۔

رسلِ بشر:

رسلِ بشر رسلِ ملائکہ سے افضل ہیں اور رسلِ ملائکہ عام انسانوں سے افضل ہیں۔ اس پر لوگوں کا اجماع ہے اور یہ بات حتمی طور پر صحیح ہے، البتہ عام بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں۔ فلاسفہ، معتزلہ اور بعض اشاعرہ اس بات کو نہیں مانتے ، بلکہ ملائکہ کو بشر سے بہتر جانتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس مسئلے کا تعلق علم کلام سے ہے۔ کتاب وسنت سے اس پر کوئی دلیل ہے نہ صحابہ نے کبھی اس میں کچھ کلام کیا ہے۔ اس کو اہلِ کلام نے عقلی دلائل سے استنباط کیا ہے، اس لیے سلف کی راہ پر چلنا نجات کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ کوئی افضل ہو یا نہ ہو، اس سے ہمارا کوئی فائدہ ہے نہ نقصان۔ بعض لوگ علم وفضل اور دینداری کے باوجود ایسے مسائل میں الجھتے ہیں، حالانکہ یہ لاحاصل چیز ہے۔ ان مسائل میں وقت گزارنے کے بجائے ذکر واذکار اور درسِ قرآن وحدیث میں وقت گزارنا زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ پھر قبرِ نبوی افضل ہے یا عرشِ مجید؟ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بہتر ہیں یا امام اعظم رحمہ اللہ کوفی؟ یہ وہی مثل ہے کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی ہے یا سلیم شاہ کی؟ کسی کی ڈاڑھی بڑی ہو یا چھوٹی، اس سے کسی کو کیا غرض؟ حساب اپنے اپنے اعمال اور افعال کا ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی فکر کرنی چاہیے۔ تیرے میرے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کوئی فضیلت والا بزرگ ہوا تو کسی کو کیا مل جائے گا؟ کوئی مفضول ہوا تو کسی کا کیا چھن جائے گا؟ اکثر لوگوں کے اوقات ایسے ہی لا یعنی مباحث اور اشغال میں

برباد ہو جاتے ہیں۔ کبھی انھیں اللہ و رسول کی یاد آتی ہے نہ عاقبت و آخرت ہی کی انھیں فکر ہوتی ہے۔

افضل الرسل:

سب سے افضل نبی خاتم الانبیا علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ١١٠]

[تم بہترین امت ہو، تمھیں لوگوں کے لیے وجود بخشا گیا ہے]

امت کی خیریت نبیِ امت کے کمال کے تابع ہے۔ جب نبی اکمل ہوگا تو امت بھی کامل ہوگی۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ [البقرة: ٢٥٣]

[یہ رسول ہیں، بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی]

مزید فرمایا

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ [الإسراء: ٥٥]

[ہم نے بعض انبیا کو بعض پر فضیلت بخشی ہے]

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ»[1] [میں اولادِ آدم کا سردار ہوں]

ولدِ آدم اور بنی آدم کا اطلاق عرفِ عام میں نوعِ بشر پر ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں یوں آیا ہے:

«آدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِوَائِي»[2]

[آدم اور ان کے سوا دوسرے بھی میرے جھنڈے کے نیچے ہیں]

ان احادیث سے محمد رسول اللہ ﷺ کی تمام انبیا پر افضلیت اور برتری ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہے، پھر موسیٰ، عیسیٰ اور نوح علیہم السلام کو۔ انھیں پنج تن کو اولوا العزم کہتے ہیں۔ گو بعض لوگوں نے اوروں کو بھی بتلایا ہے، مگر مشہور قول یہی ہے۔ قرآن پاک میں اولوا العزم رسولوں کا ذکر اجمال کے ساتھ آیا ہے:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٧٨)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣١٤٨) مسند أحمد، رقم الحديث (٢٥٤٦)

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف: ٣٥]

[ایسے صبر کرو جس طرح اولوا العزم رسولوں نے کیا]

محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ جس نے بھی آپ ﷺ کے عہد میں یا آپ ﷺ کے بعد آج تک ساری دنیا میں کسی جگہ نبوت کا دعوی کیا، وہ جھوٹا نکلا اور تباہ و برباد ہوا۔ آپ ﷺ کی دعوت تمام جن وانس کے لیے ہے۔

معراجِ نبوی:

رسول اکرم ﷺ کی معراج جسمانی ہوئی۔ آپ ﷺ بے داری کی حالت میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ آسمانِ دنیا تک گئے۔ پھر وہاں سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں تک جانے کی اجازت ملی، گئے۔ یہ باتیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں۔ جس کا ان حدیثوں پر ایمان نہیں، وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک جانا تو قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے، اس کا انکار صریح کفر ہے۔ رہا زمین سے آسمان کے اوپر جانا تو یہ بات خبر مشہور و مستفیض سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا مبتدع اور ضال ہے۔ آسمان سے جنت و عرش تک جانا اخبارِ آحاد سے ثابت ہے۔ معراج کہاں تک ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ نے وہاں رب پاک کو دیکھا تھا یا نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ایک جماعت کا خیال ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا، البتہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہے۔[1] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔[2] پھر کسی کا کہنا ہے کہ یہ رویت آنکھ سے ہوئی اور کسی نے کہا ہے کہ دل سے ہوئی۔ اشاعرہ سر کی آنکھوں سے دیکھنے کے قائل ہیں۔ تفتازانی دل سے دیکھنے کو مانتے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے توقف اختیار کیا ہے، یہی آخری بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ رویتِ بصر یا رویتِ قلب کی تصریح نہیں آئی، جس پر اطمینان ہو۔ ہمیں اس پر زیادہ غور و فکر کرنے اور اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

معجزۂ قرآن:

نبی امی ﷺ کا سب سے عظیم معجزہ قرآن کلام اللہ ہے، جو قیامت تک باقی رہے گا۔ دیگر انبیا

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٠٦٢) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٧٧)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٧٦) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھنے کے نہیں، بلکہ رویت قلبی کے قائل تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ان کی روایت میں ان الفاظ « رآہ بقلبہ » کی صراحت ہے۔

کے معجزات رونما ہوئے، لیکن ختم ہو گئے۔ ہر پیغمبر کو ایک دو قسم کا معجزہ دیا گیا تھا، لیکن خاتم النبیین، شفیع المذنبین سید المرسلین ﷺ کو ہر قسم کا معجزہ عنایت ہوا۔ سارے انبیا میں جتنے کمالات جدا جدا تھے، آپ ﷺ کی ذات واحد میں سبھی اکٹھے کر دیے گئے اور مزید دوسرے کمالات بھی ملے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

[جو خوبیاں ان سب میں تھیں، وہ آپ اکیلے میں اکٹھی ہو گئیں]

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

انبیا و رسل، ملائکہ اور اولیا اگرچہ اشرف مخلوقات ہیں، لیکن ساری مخلوقات کی طرح انھیں کوئی قدرت حاصل نہیں۔ وہ صرف اتنا ہی جانتے اور اس کی قدرت رکھتے ہیں، جو انھیں اللہ کی طرف سے مل جائے۔ جس طرح تمام مسلمان اللہ کی ذات و صفات پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح ان کا بھی ایمان تھا۔ انھیں ذات و صفات الٰہیہ کے ادراکِ حقیقت میں اپنے عجز و قصور کا اعتراف تھا۔ عبدیت کے تقاضے اور حقوق وہ شکر الٰہی سے ادا کرتے تھے۔ اس لیے صفاتِ الٰہیہ میں اللہ کے خاص بندوں کو شریک کرنا یا اس کی عبادت میں انھیں شریک کرنا کفر ہے۔ غیر انبیا کو صفاتِ انبیا میں شریک کرنا بھی ممنوع ہے۔ یہود نے انبیا کا انکار کیا تو کافر ٹھہرے۔ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانا، عرب نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں ٹھہرایا اور فرشتوں کے لیے علم غیب تسلیم کیا تو کفر میں مبتلا ہو گئے۔ نیچریہ نے ملائکہ و شیاطین کے وجود کا انکار کیا تو کافر ہو گئے۔ مقصود یہ ہے کہ انبیا کی متابعت ہر بات میں ہونی چاہیے۔ وہ جس کی خبر دیں، اس پر ایمان لانا چاہیے اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیں، انھیں کرنا چاہیے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، ان سے بچنا لازم ہے۔

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مالا بدمنہ" میں فرمایا ہے:

"کسی بھی شخص کا قول و فعل اگر پیغمبر کے قول و فعل سے بال برابر بھی انحراف کرے تو اسے ٹھکرا دینا چاہیے۔"[1]

قاضی صاحب کے اس عظیم جملے سے تقلید کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ قاضی صاحب حنفی فقیہ تھے۔ ان کے قاعدے کے مطابق ان کی یہ بات حنفیہ کے خلاف حجت ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مشکات کے ترجمے میں بدعت حسنہ کی جڑ کاٹ دی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ایک ادنا سنت بھی

[1] ما لا بد منہ (ص: ۱۰) اردو مترجم، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

بدعت حسنہ سے بہتر ہے، مثلاً سنت کے مطابق استنجا کرنا، مدرسہ اور خانقاہ بنانے سے بہتر ہے، اس لیے کہ سنت سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور بدعت سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، یہاں تک کہ نوبت ''ختم''، ''طبع'' اور ''رین'' کو پہنچ جاتی ہے۔ یہ دونوں عالم بڑے فاضل، عابد، زاہد، عامل اور حنفی مذہب کے امام تھے۔ امید ہے کہ حنفیہ ان کے فتوے کا انکار نہ کریں گے۔ اگر کریں تو کیسے کر سکتے ہیں؟ آخر رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«وَ مَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبیٰ»[1]

[جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کر دیا]

پھر فرمایا کہ ایسا شخص جہنم میں جائے گا:

«كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِيْ النَّارِ»[2]

[ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں (لے جانے کا سبب) ہے]

یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے جو ہر بدعت کو شامل ہے، خواہ اس کو کوئی حسنہ کہے یا مستحبہ یا واجبہ۔ افسوس تو یہ ہے کہ کسی بھی بدعت کو حدیث میں حسنہ نہیں کہا گیا۔ پھر اس تقسیم کو نہ ماننے والوں پر نکیر کیوں کیا جائے؟

ولایت:

ولایت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ ولی معصوم ہو اور اس سے خطا اور غلطی نہ ہو۔ ولی بعض علومِ شریعت سے بے خبر رہ سکتا ہے اور اس پر بعض امور دین مشتبہ ہو سکتے ہیں۔ وہ کبھی خوارقِ عادت کو کرامات سمجھ لیتا ہے اور شیطان کے دھوکے میں آجاتا ہے۔ اسے خبر نہیں رہتی کہ یہ کام شیطان کا ہے۔ اس خطا کے سبب وہ ولایت سے خارج نہیں ہوتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خطا و نسیان کو معاف فرمایا ہے۔ ولی کی بات ماننا کسی کے لیے ضروری ہے نہ اس کے ہر الہام، واقعہ اور کشف پر اعتماد کرنا لازم ہے۔ ہر ولی کے ہر قول و فعل کو کتاب و سنت پر پرکھنا چاہیے، اگر وہ صحیح نکلے تو ماننا چاہیے اور اگر کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو، بلکہ ان کے مخالف ہو تو مفت میں ان کی پیروی کر کے معصیت میں پڑنا جائز نہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٥١)

[2] سنن النسائي، رقم الحديث (١٥٧٨)

کراماتِ اولیا:

کراماتِ اولیا برحق ہیں۔ ولی وہ ہوتا ہے جو متقی ہو، اللہ کی ذات و صفات کو خوب پہچانتا ہو اور ایمان و اسلام میں مخلص و محسن ہو۔ اس کی کرامت خرقِ عادت ہوتی ہے۔ جس سے یہ خرقِ عادت صادر ہو اور وہ مومن صالح العمل نہ ہو تو سمجھو کہ وہ کرامت نہیں ہے، بلکہ استدراج ہے۔ جس طرح ابلیس آن کی آن میں زمین طے کر کے مشرق و مغرب میں پہنچ کر وسوسہ ڈالتا ہے، یا خون کی طرح آدمی کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے، یا فرعون کے حکم سے دریائے نیل بہتا تھا یا جس طرح دجال سے متعلق صحیح اخبار میں آیا ہے۔ اس طرح کے کاموں کو کرامات نہیں کہتے ہیں، بلکہ قضاے حاجات کہتے ہیں۔ اللہ اپنے دشمنوں کے کام استدراج کے لیے کر دیتا ہے۔ دنیا میں یہ مکر ہوتا ہے اور عقبیٰ میں عقوبت ہوتی ہے۔ فرمایا:

﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ [القلم: ٤٥]

[ہم انھیں اس طرح ڈھیل دیں گے کہ انھیں علم بھی نہ ہو گا، میں انھیں بتاتا ہوں کہ میری تدبیر مستحکم ہے]

حدیث میں آیا ہے جب تم دیکھو کہ اللہ نے کسی بندے کو نعمت اس کے حسب مراد دی اور وہ گناہ پر قائم ہے تو یہ اللہ کا استدراج ہے۔[1] یعنی وہ اس نعمت پر دھوکا کھا کر زیادہ تر عصیان و کفران کرتا ہے۔ ایسا استدراج اللہ کی طرف سے ہوسکتا ہے، یہ نقلاً ثابت ہے اور عقلاً جائز ہے۔ قصہ ابلیس میں آیا ہے:

﴿ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ [ص: ٧٩]

[قیامت کے دن اٹھائے جانے تک مجھے مہلت دیجیے]

فرمایا:

﴿ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴾ [ص: ٨٠۔٨١]

[پس بے شک تو ان لوگوں سے ہے جنھیں مہلت دی گئی۔ مقرر وقت کے دن تک]

رہی کراماتِ اولیاء اللہ تو قرآن شریف میں مریم علیہا السلام اور سلیمان علیہ السلام کی کرامت کا ذکر ہے۔ "شواهد النبوة"[2] میں صحابہ کرام اور اہلِ بیت کی کرامات کا ذکر ہے۔

---

[1] مسند أحمد (٤/١٤٥)

[2] یہ عبدالرحمن بن احمد بن محمد جامی کی فارسی تصنیف ہے، جس کا مکمل نام "شواهد النبوة لتقوية يقين أهل الفتوة" ہے۔

سحر و طلسمات اور شعبدہ بازی سے خرقِ عادت نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ کام آلات و اسباب کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔

اولیاے کرام طعام، لباس، سواری اور مکان میں کسی سے ممتاز ہوتے ہیں نہ ان کی پیشانی پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ اولیا اللہ ہیں، بلکہ مباحات میں یہ تمام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اولیا ہر طبقے میں ہوتے ہیں۔ تجار، اہلِ حرفہ، کسان، اصحابِ سیف و سنان، علما؛ سبھی میں اولیا ہوتے ہیں، شرط یہ ہے کہ وہ مبتدع، فاسق اور فاجر نہ ہوں۔ پھر ان میں جو زیادہ متقی ہو، وہی بڑا ولی ہے۔ اولیا کی پہچان یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر جمے رہتے ہیں، ان سے ہٹتے نہیں۔ وہ معصوم ہوتے ہیں اور نہ قرآن و حدیث پر پرکھنے سے پہلے ان کی کسی بات کو ماننا جائز ہے۔ اس باب میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الفرقان بين أولياء الرحمٰن و أولياء الشيطان" نہایت عمدہ ہے۔

اولیا سے کرامت کا ظہور نقضِ عادت کے طور پر ہوتا ہے، مثلاً لمبی مسافت وہ تھوڑی دیر میں طے کر لیتے ہیں۔ ضرورت کے وقت ان کے پاس کھانا پانی موجود ہو جاتا ہے۔ مریم علیہا السلام کی یہی کرامت تھی، یا وہ پانی پر چلے جاتے ہیں، یا ہوا میں جاتے ہیں، یا جانوران سے بات کرتا ہے، یا کسی بلا کا آنا روک دیتے ہیں، یا دشمنوں کی مہم درہم برہم کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں ان کے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں۔ یہ حکمِ الٰہی سے صادر ہوتی ہیں۔ یہ کرامتیں کبھی کبھی کسی وقت صادر ہوتی ہیں اور یہ بھی لازم نہیں کہ صادر ہی ہوں یا جس سے صادر نہ ہوں، وہ علم و تقویٰ کے باوجود ولی نہ ہو۔ ولی کو کبھی اپنا ولی ہونا بھی نہیں معلوم رہتا۔ خواجہ نقشبند سے کسی نے کہا: کوئی کرامت دکھلاؤ، انھوں نے فرمایا: یہ کیا کم کرامت ہے کہ معاصی اور گناہوں کے بارگراں کے باوجود ہم زمین کے اوپر چلتے ہیں، زمین کے اندر دھنس نہیں جاتے۔ اس سے زیادہ اور کیا کرامت دیکھنا چاہتے ہو؟ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کے ولی یہی علماے دین ہیں، جو کتاب و سنت کا علم رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ یا اور کسی ولی اللہ نے فرمایا ہے کہ حنفیہ میں کبھی کوئی ولی نہیں ہوتا۔ یہ بات شاید اس لیے کہی ہوگی کہ اس طائفہ کا دارو مدار رائے اور قیاس پر ہے اور ولایت کتاب و سنت کے اتباع کے بغیر مل نہیں سکتی، اس لیے یہ لوگ ولی نہیں ہوتے ہیں۔ واللہ أعلم.

یہ کرامت درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے۔ کرامت کے صدور سے ولی کی ولایت ظاہر ہوتی ہے۔ نسفی نے کہا ہے:

"لن يكون وليا إلا أن يكون محقا في ديانته، وديانته الإقرار.. برسالة رسوله"[1]

[انسان ولی صرف اس وقت ہوگا جب اس کی دیانت اور تدین ٹھیک ہو۔ دیانت اقرارِ رسالت سے ملتی ہے]

"حسن العقيدة" کے الفاظ یہ ہیں:

"وهم أي الأولياء المؤمنون، العارفون بالله و صفاته، المحسنون في إيمانهم"[2]

[اولیا تو مومنین ہیں جنھیں اللہ کی معرفت حاصل ہے۔ وہ صفاتِ الٰہیہ کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اپنے ایمان میں بہتر ہیں]

کشف والہام:

الہام، کشف اور خواب اسلام میں حجت ہیں نہ ان سے کوئی دینی حکم ثابت ہوسکتا ہے۔ ان کی حیثیت بس اتنی ہے کہ احکامِ ثابتہ کی تائید کریں۔ قاضی ثناء اللہ مرحوم نے کہا ہے کہ کشف والہام اگر آحاد احادیث اور قیاس (شروطِ قیاس متوفر ہونے کی صورت میں) کے خلاف ہوں تو حدیث اور قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔ کشف والہام اور خواب پر غلطی کا حکم لگے گا۔ اس مسئلے پر سارے سلف وخلف کا اجماع ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول قطعی حجت ہوتا ہے، اس کی روایت میں کذب ونسیان کا بڑا کم احتمال ہے اور اولیا کے کشف میں غلطی بہت ہوتی ہے۔[3]

سنت اور نصوصِ کتاب وسنت:

اہلِ سنت حقیقت میں کسی خاص مذہب کا نام نہیں ہے۔ جب اہلِ قبلہ مختلف ہو کر کئی فرقے بن گئے تو وہ ضروریاتِ دین پر متفق رہے اور بہت سے مسائل میں ہر ایک نے اپنی رائے وقیاس پر عمل کیا۔ اس وقت ایک گروہ ظاہر کتاب وسنت کو خوب مضبوطی سے پکڑے رہا۔ وہ سلف کے عقائد پر جم گئے اور انھوں نے اصول عقلیہ کی موافقت یا مخالفت کی کچھ پروا نہ کی۔ اگر انھوں نے اتفاقاً معقولی کلام کیا تو مخالف کی تردید اور حصولِ طمانیت کے لیے کیا نہ کہ عقائد میں عام فائدے کے لیے، انھیں کو اہلِ سنت یا اہلِ حدیث یا سلفی کہتے ہیں۔

---

[1] شرح العقائد النسفية (ص: ١٤٨) مکتبہ حقانیہ، ملتان۔

[2] الاعتقاد الصحيح للشا ولى الله الدهلوى مع شرحه الانتقاد الرجيح (ص: ١٥٨)

دوسروں نے ظاہر نص کی تاویل کی، پھر جس بات کو اپنے خیال میں اصول عقلیہ کے مخالف پایا، وہاں علم کلام کا سہارا لیا، تاکہ مسئلے کی توضیح کر سکیں۔ قبر میں سوال، اعمال کا وزن، مرورِ صراط، رویتِ باری تعالیٰ اور کراماتِ اولیا وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ سلف کا ان پر یقین تھا، لیکن ایک قوم کے خیال میں عقل انھیں قبول نہیں کر سکتی، اس لیے ان لوگوں نے ان امور کی تاویل کی۔

ایک گروہ اور ہے جس نے کہا کہ ہم ان باتوں پر ایمان لاتے ہیں، گو ہم کو ان کی حقیقت معلوم نہیں، ہماری عقل ان پر گواہی دیتی ہے۔ ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ ہم ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارے رب کی طرف سے ان کے سلسلے میں بیان آ گیا ہے۔ ہماری عقل بھی اس کی گواہی دیتی ہے۔

رہے وہ مسائل جن پر قرآن ناطق ہے نہ سنت میں ان کے متعلق بیان ہے اور نہ صحابہ نے ان کے سلسلے میں گفتگو کی ہے تو ان مسائل میں بعد میں آنے والے کچھ لوگوں نے کلام کیا ہے۔ انھوں نے ان مسائل میں کئی طرح کلام کیا۔ ایک عقلی دلائل سے استنباط کرنا، جیسے انبیا کی فضیلت ملائکہ پر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر۔ دوسرے ان کے اصول سنت کے مطابق ہوں اور ان مسائل سے وابستہ ہوں، جیسے امور عامہ یا جواہر و اعراض کے کچھ مباحث، کیونکہ حدوثِ عالم اس پر موقوف ہے کہ ابطال ہیولی اور اثبات جزو لایتجزی تسلیم کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا۔ یہ اس قضیے کے ابطال پر موقوف ہے کہ اسباب اور مسببات کے درمیان جو عقلی تلازم ہے، درست نہیں ہے۔ اسی طرح معاد کے عقیدے کی صحت اس پر موقوف ہے کہ اعادۂ معدوم ممکن ہے۔ اسی طرح اور مسائل کو بھی پرکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے مسائل حجۃ اللہ البالغہ میں کثرت سے موجود ہیں۔

نصوص کتاب و سنت اپنے ظاہر پر محمول ہوں گے، انھیں اپنے ظاہر سے کوئی پھیر نہیں سکتا، مثلاً وہ آیتیں جن سے بہ ظاہر جہت اور جسمیت معلوم ہوتی ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ آیتیں نصوص نہیں ہیں، بلکہ متشابہ ہیں، اس لیے کہ یہاں نصوص میں ان کا مقابل کوئی مفسر و محکم لفظ مراد نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک ان نصوص سے وہی مفہوم مطلوب ہے جو عام و متعارف ہے۔ ان کے ظاہری معنی کو بدل کر اہلِ باطن کے معنی مراد لینا الحاد ہے۔ فاسد آرا پر عقائد کی بنا رکھنی اور ان کے مخالفین پر کفر کا حکم لگانا، خواہ ظواہرِ قرآن و حدیث کے ادلہ انھیں مخالفین کی تائید میں ہوں، درحقیقت قرآن و حدیث کو غلط ٹھہرانا ہے۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کو بیان کے لیے بھیجے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

افصح الناس ہونے کے باوجود ظاہر میں ایسے الفاظ کہیں جن پر اعتقاد رکھنا کفر ٹھہرے۔ یہ جرات اسی قوم میں ہو سکتی ہے جن میں صغیر السن جوان ہو گیا ہو اور جوان کبیر السن ہو گیا ہو۔

امتِ محمدیہ:

امتِ اسلام بہترین امت ہے۔ قرآن نے اس پر تنصیص کی ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

«أَنْتُمْ تُتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ»[1]

[تم سترویں امت پورے کر دو گے۔ تم بہترین امت ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے باعزت]

معلوم ہوا اس امت سے پہلے ۶۹ امتیں تھیں۔ ان سب امتوں کا وقت صبح سے عصر تک تھا۔ اس امت کا وقت عصر کے بعد ہے، لیکن گذشتہ امتوں کا اجر اس امت سے کم ہے۔ جتنی اگلی امتیں تھیں وہ گزر چکیں، صرف اہلِ کتاب کسی قدر باقی ہیں، لیکن اپنی کتاب پر قائم نہیں ہیں، اس لیے انھیں اہل نہ کہنا درست ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی کتابوں پر قائم بھی رہتے، پھر بھی یہ ناجی نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ ناسخ کے بعد منسوخ پر عمل کرنا شرعاً وعقلاً درست نہیں ہے۔ اس امت کے فضائل اور ان کے لیے کثرتِ ثواب کے وعدے سے متعلق متعدد حدیثیں آئی ہیں اور اس کے بہت سے خصائص بھی ہیں جو "المواهب اللدنية" میں تفصیلاً مذکور ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ»[2] (متفق عليه)

[ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ امرِ الٰہی سے ثابت قدم رہے گا، ان کے مخالفین اور ان کو رسوا کرنے والے انھیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہ قیامت تک رہے گا، امرِ الٰہی آنے تک وہ اپنی روش پر قائم رہیں گے]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کا وجود قیامت تک برقرار رہے گا۔ کوئی یہ چاہے کہ اسلام دنیا سے مٹ جائے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کی سلطنت وحکومت باقی نہ رہے اور مسلمان غریب ہو جائیں، مگر اس غربت کے باوجود بالکل فانی نہ ہوں گے۔ فنا کو چھوڑیے،

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٠١) مستدرك الحاكم (٩٤/٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤٤٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٢٠)

ان کا کوئی نہ کوئی گروہ ہمیشہ کسی نہ کسی خطۂ زمین میں غالب و منصور رہے گا۔ مخالف کے ہاتھ سے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے کہ ہر ابتدائے صدی میں ایک مجدد پیدا ہوتا رہا ہے جس نے سنت کو قائم کیا اور بدعت کو دور کیا۔ یہ تجدید کبھی زبان و بیان کے ذریعے ہوتی ہے اور کبھی سیف و سنان کے ذریعے۔ کبھی ایک عصر میں متعدد اشخاص مجدد ہوئے۔ کوئی کسی خطے میں اور کوئی کسی علاقے میں۔ کوئی مغرب میں ظاہر ہوا، کوئی مشرق میں۔ کوئی زمرۂ اہلِ علم سے اٹھا، کوئی طائفہ ملوک سے اور کوئی لشکر سے۔ اس لیے یہ بات اہلِ سنت کے عقیدے میں داخل ہے کہ شریعت محمدیہ ۔علی صاحبها السلام والتحیة۔ اکمل شریعت ہے اور یہ دین جملہ ادیان کا ناسخ ہے۔ یہ کمال صرف اس امت کو حاصل ہے، جس کے لیے کتاب و سنت کے منطوقات و منصوصات قیاسات و مجتہدات کے بغیر کافی ہیں، کیونکہ قرآن و حدیث کے دلائل جملہ حوادثِ ظاہرہ و باطنہ کے لیے کافی ہیں۔ فاسد آرا اور نارسا عقلوں کی انھیں ضرورت نہیں۔ جب رسول اکرم ﷺ خاتم الانبیا ٹھہرے تو ضروری ٹھہرا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی دوسری شریعت کی ضرورت نہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة: ٣]

[آج میں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تمھارے اوپر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمھارے لیے دینِ اسلام کو پسند کر لیا]

جس کا خیال یہ ہو کہ دین کا کام فقہی تفریعات و فتاوی کے بغیر نہیں چل سکتا، اس نے گویا اس آیت کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران: ٨٥]

[جس نے اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کی تلاش کی تو ہرگز اس کی تلاش مقبول نہ ہوگی]

یعنی اس کے سوا اللہ کے یہاں کوئی دین مقبول نہیں ہے، خواہ مجوس کا دین ہو یا ہنود کا، یہود کا ہو، یا نصاریٰ کا۔ موسوی شریعت کی بنیاد قہر و جلال پر تھی، اس میں قتلِ نفس، تحریم طیبات اور تعجیلِ عقوبات کا حکم تھا اور غنائم ان کے لیے ممنوع تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی عظمت و ہیبت، شدتِ غضب اور بطشِ اعدائے دین میں ایسے کامل تھے کہ کوئی ان کے طلعت مبارک پر نظر نہیں کر سکتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مظہر لطف و جمال

تھے۔ نہایت درجہ ملائم رفیق اور شفیق تھے۔ ان کی شریعت سراپا فضل واحسان تھی، جس میں وبال وقتال کا نام بھی نہ تھا، بلکہ ان پر مقاتلہ کرنا حرام تھا۔ انجیل مقدس میں ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک رخسار پر طمانچہ مارے تو تو منہ پھیر دے کہ وہ تیرے دوسرے رخسار پر بھی طمانچہ مار لے اور جو کوئی تیرا دامن پکڑے تو اس کو اپنی چادر دے دے، جو تجھ کو ایک میل تک بیگار میں لے جائے تو اس کے ہمراہ دو میل تک چلا جائے۔[1] رسول اکرم ﷺ دونوں نبیوں کی صفات کے جامع تھے اور آپ کی شریعت دونوں شریعتوں کی خصوصیات کی حامل ہے۔

اصحابِ رسول:

اصحابِ رسول ﷺ خیارِ امت اور ابرارِ ملت تھے۔ ان کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ یہ اجر و ثواب میں ساری امت سے افضل ہیں۔ اگر کوئی شخص پہاڑ برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو پھر بھی وہ ان کے نصف سیر جو کو نہیں پہنچتا ہے۔[2]

حدیثِ مصطفی ہے:

«خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ»[3]

[میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے، پھر ان کا جو میرے بعد ہوں گے، پھر ان کا جو ان کے بعد ہوں گے]

اس سے تابعین پر صحابہ کی فضیلت اور تابعین کی فضیلت تبع تابعین پر ثابت ہوتی ہے۔ انھوں نے قرآن وسنت کو زبانِ نبوی سے بلا واسطہ سنا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ سفر و حضر، شدت و آرام اور غزوات میں رہے ہیں۔ اپنے جان و مال اور اولاد کو راہِ الٰہی میں بے دریغ فدا کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ شیعہ، خارجی، ناصبی اور رافضی ان کے دشمن ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ تمام امت پر ان کی یہ فضیلت من حیث المجموع ہے، فردی حیثیت سے نہیں۔ اس کی دلیل سنن ترمذی کی یہ روایت ہے:

---

[1] انجيل متى (باب: فقره: ٣٩، ٤١)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤٧٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٤٠)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٠٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٣٣) ان مصادر میں یہ حدیث بایں الفاظ «خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم» مروی ہے۔

«مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرىٰ أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ»[1]

[میری امت کی مثال اس بارش کی سی ہے جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ اس کا اول بہتر ہے کہ آخر؟]

لیکن اگر اس آخر امت سے وہ لوگ مراد لیے جائیں جو مہدی علیہ السلام کے زمانۂ ظہور میں ہوں گے تو ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کی بات صحیح ہو، اس لیے کہ تیرہ سو برس ہجرت کو گزر گئے، اب چودھویں صدی کا دوسرا سال ہے۔ اس وقت اسلام سے زیادہ کوئی دین غریب و مضمحل نہیں ہے۔ نام کی مسلمانی باقی رہ گئی ہے۔ ہر طرف کفر و فسق کا زور ہے، دنیا طلبی اور دین فروشی کا شور ہے، ان لوگوں میں خیر باقی نہیں رہ گیا ہے، پھر اس دور کے لوگ آخر امت کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ کبائر کا رواج ان میں فرائض کی طرح ہے۔ زنا کاری، شراب خوری، گانا بجانا، ان کا مذہب ٹھہرا ہے۔ فسق و فجور اور کذب و زور ان کا دین ہو گیا ہے۔ مکر و فریب اور ظلم و جور ان کا ایمان قرار پایا ہے۔ اگر مہدی علیہ السلام کا آنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا آنا متعین نہ ہوتا تو اس دور کے لوگ ایسے ہیں کہ نفخِ صور شاید انھیں پر ہو جاتا۔

خلفائے راشدین:

امام صابونی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اصحابِ حدیث شہادت دیتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم، یہی خلفائے راشدین بھی تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: «اَلْخَلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً»[2] [میری امت میں تیس سال خلافت ہو گی] سے یہی مراد ہیں۔ جب ان کا زمانہ بیت گیا تو خلافتِ راشدہ جاتی رہی۔ ملک گزندہ کا دور آ گیا۔''

نسفی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل بشر خلفائے اربعہ ہیں۔ یعنی ترتیبِ خلافت کے مطابق، پھر ان کے بعد ملک و امارت ہے۔ حسن العقیدہ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر امام برحق ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم پھر خلافت تمام ہو گئی۔ پھر اس کے بعد بادشاہی آ گئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ دو سال چھے ماہ خلیفہ رہے، عمر رضی اللہ عنہ ساڑھے دس برس، عثمان رضی اللہ عنہ بارہ برس اور علی رضی اللہ عنہ چار سال نو ماہ،

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٦٩)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٢٢٦)

حسن رضی اللہ عنہ چھے ماہ۔ علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہجرت کے تیسویں سال ہوئی۔ اس سے یہ بات نکلی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور جو لوگ ان کے بعد امیر ہوئے، وہ خلیفہ نہ تھے، ملوک و امرا تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت تمام وجوہ سے نہ تھی کہ حسب ونسب، شجاعت وقوت اور علم وغیرہ کو بھی شامل ہو، آپ کی افضلیت اس بنا پر تھی کہ آپ سے اسلام کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا۔ علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر مقدم سمجھنا جمہور علما کے مسلک کے خلاف ہے۔ ابو الطفیل صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی ہی میں نماز میں اپنا نائب بنایا تھا اور یہ بات دین سے ثابت ہے کہ امامت کا مستحق افضل ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی امامت مدینہ میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوئی۔ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

﴿ يَأْبَى اللّٰهُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ ﴾ [1] [اللہ اور مومنین کو صرف ابو بکر منظور ہیں]

غرض کہ اشاعتِ حق میں یہی دو بزرگ سب سے برتر سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں دیکھا ہی یہی جاتا ہے کہ انسان میں اسلام کی اشاعت کس نے زیادہ کی ہے۔ اللہ کے دینِ حق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کو کس نے سب سے زیادہ پھیلایا ہے۔ کفر وفسق کس نے زیادہ مٹایا۔ جس سے یہ کام ہوا، بلاشبہہ وہ ان لوگوں سے بہتر ہے جن سے یہ کام نہیں ہوا یا کم ہوا۔ یہی بات امرا، روسا اور ملوک میں قابلِ التفات ہوتی ہے کہ جو ان میں زیادہ دین دار، حق پرست، متبع سنت، بدعت ختم کرنے والا، فسق و فجور اور ظلم و جور دور کرنے والا ہو، وہ ان سے افضل ہے جو ان امور میں ان کے برابر نہ ہوں یا ان سے کم ہوں۔ وہ لوگ جو زندگی میں شتر بے مہار ہیں، ان کی بات جدا ہے، یہ امت کے بدترین لوگ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو رخ ہیں، ایک میں وہ اللہ سے لیتے ہیں اور دوسرے میں وہ مخلوق کو دیتے ہیں۔ جو خصوصیت اور کمال شیخین کو حاصل تھا، وہ دوسروں کو حاصل نہیں تھا۔ شیخین کو اعطاے خلق، تالیفِ قلب، لوگوں کو متحد رکھنے اور تدابیرِ جنگ میں امتیاز حاصل تھا۔ یہ امتیاز ان دونوں کے سوا دوسروں کے پاس نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر کہا جاتا ہے۔ باقی صحابہ کا ذکرِ خیر ہمارے لیے لازم ہے، کیونکہ سارے صحابہ دین میں ہمارے امام اور پیشوا

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۸۷)

ہیں۔ ان کو برا بھلا کہنا اور گالی دینا حرام ہے اور ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔ اللہ ان روافض، خوارج اور نواصب سے سمجھے جنھوں نے صحابہ خصوصاً شیخین اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے آبروئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے، حالانکہ مسلمان کی جان و مال اور آبرو کا حکم یکساں ہے۔ آبرو ریزی خونریزی کے برابر ہوتی ہے۔ جو حکم ان کفار کا ہے، جنھوں نے صحابہ کو شہید کیا تھا، وہی حکم ان تبرا کرنے والوں کا ہے۔ درحقیقت یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے قاتل ہیں، کیونکہ زبان کا زخم سنان کے زخم سے کاری ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا کفر اس قرآنی آیت سے نکلتا ہے:

﴿ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ [الفتح: ٢٩] [تاکہ کفار کو ان سے جلائے]

اگر کسی شخص کو کسی صحابی، خواہ کبیر ہو یا صغیر، امیر ہو یا فقیر، پر غصہ آتا ہے تو وہ کفار کا بھائی ہے۔ اس صدی میں ایسے جاہل بھی پیدا ہوئے ہیں جو دعوی تو سنی مذہب پر کار بند ہونے کا کرتے ہیں، مگر زبیر، طلحہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم پر علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کا الزام لگاتے ہیں۔ اب ایسوں کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ لعنة الله على الكاذبين و الظالمين!!

عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ:

اصحابِ حدیث اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ قطعی جنتی ہیں۔ اسی طرح فاطمہ، خدیجہ، عائشہ، حسن، حسین، صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی تعظیم کرنا اور ان سے محبت کرنا، اسلام میں ان کے عظیم مرتبے کا اقرار کرنا، اہلِ بدر اور اہلِ بیعت الرضوان کو جنتی جاننا حق اور لازم ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ اہل بدر تین سو سے زائد تھے۔[1] سابقین اولین انصار ہوں یا مہاجرین، باقی صحابہ سے افضل ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل بالترتیب خلفا ہیں، پھر بقیہ عشرہ مبشرہ، پھر اہلِ بدر، پھر اہلِ احد، پھر باقی اہلِ بیعت الرضوان، پھر بقیہ صحابہ۔ حجۃ الوداع میں صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کچھ زائد تھی۔ صحابہ کرام کی اولاد کی فضیلت علم و تقویٰ پر موقوف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صحابہ کی اولاد کی فضیلت صحابہ کی فضیلت کے تابع ہے۔ جن کے آبا صحابہ کرام میں زیادہ افضل ہیں، وہی سب سے افضل اولادِ صحابہ میں بھی ہوں گے، اسی طرح ترتیب وار ان کی فضیلت مانی جائے گی، البتہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٧٤١)

خلفاے ثلاثہ کی اولاد میں فضیلت حاصل ہے، کیونکہ انھیں رسول اکرم ﷺ کی قرابت داری کا شرف حاصل ہے، اس لیے یہ مقدس اور پاک اہلِ بیت میں شمار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں:

اللہ تعالیٰ کی کتابیں وہ ہیں جن کو پیغمبروں پر آسمان سے زمین پر اتارا گیا ہے۔ ان کتابوں میں امر و نہی اور وعد و وعید سب کچھ ہے۔ تمام کتابوں میں افضل قرآن عظیم ہے۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیم ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں اتریں، یہ کتاب ان سب کا خلاصہ اور فصل الخطاب ہے۔ یہ افضل رسل پر نازل ہوئی۔ اعجاز نظم اسی کا خاصا ہے۔ دوسری کتابوں میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ عقیدہ وعمل میں اس کتاب کو حرز جاں بنانا فرض عین ہے۔ اسکی مخالفت صریح کفر اور واضح گمراہی ہے۔ اس کے ہوتے کسی آسمانی کتاب کا پڑھنا دیکھنا (بہ نظر استحسان وتعبد) درست نہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رسول اکرم ﷺ نے تورات دیکھی تو چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ فرمایا:

«لَوْ كَانَ مُوْسىٰ حَيًّا مَا وَ سِعَهٗ إِلَّا اتِّبَاعِي»[1]

[اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کے سوا کچھ نہ بنتا]

جب تورات اور انجیل کا یہ حکم ٹھہرا تو پھر اور کسی کتاب کا کیا ذکر ہے۔ خصوصاً اس کتاب کا جو آسمان سے آئی ہو نہ کسی پیغمبر پر اتری ہو، اسے اسی زمین پر کسی مولوی ملا، مشائخ، فقیہ، درویش یا شاعر نے گھڑا ہو۔ اس میں اپنی عقل کی کارروائی کی ہو، اس بنا پر اس میں سب یا اکثر یا بعض مطالب کتاب وسنت کے خلاف ہوں۔ ظاہر ہے اس کو پڑھنا، اس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا ہے۔ آخر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ معلوم نہیں یہ کیسا ایمان، کس طرح کا احسان اور کس طرز کا اسلام ہے؟ إنا للّٰہ..!!

یہ سیکڑوں عقلی فتاوے اور فقہ جن میں لاکھوں مسئلے بے دلیل لکھے گئے ہیں، کیا ان پر چلنا اللہ کے دین پر چلنا ہے یا ابلیس لعین کے آئین پر؟ ہر امتی کا قول وعمل اسی وقت لائق سماعت اور مستحقِ التفات ہو سکتا ہے، جب اس کے پیچھے کتاب وسنت کے نصوص ہوں، جو اس کی تائید کرتے ہوں۔

تورات موسیٰ علیہ السلام پر اتری تھی، اللہ نے اس کو اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اتنی بڑی کتاب تھی کہ

[1] مسند أحمد (۳/ ۳۸۷) شعب الإیمان للبیهقي (۱۷۵) اس کی سند میں ''مجالد بن سعید'' راوی ضعیف ہے۔

پیغمبر کے سوا اس کو کوئی حفظ نہ کر سکا۔ انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر اتری اور زبور داود علیہ السلام پر۔ ان سب کتابوں میں رب تعالیٰ، اس کے احکام و شریعت، خطب و موعظت، احوال و صفات اور خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے۔ اس میں آپ کے اصحاب و امت کا تذکرہ بھی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص کفر و عناد میں ان نصوص کا انکار کر دے، یا ان بشارتوں کو بدل ڈالے، یا ان کا مطلب بگاڑ دے، یا وقتاً فوقتاً ان میں اصلاح کرتا رہے۔ ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے اترے تھے، قرآن شریف نے سب کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب کسی کتاب کی تلاوت درست ہے نہ دراست۔

سب آسمانی کتابوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ کتابوں کی گنتی معلوم کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ کسی قطعی دلیل سے سماوی کتب کی تعداد معلوم نہیں۔ ساری کتابیں اس حیثیت سے کہ اللہ کا کلام پاک ہیں رتبے میں برابر ہیں، گو بعض دیگر وجوہ سے کسی کتاب کو کسی کتاب پر افضلیت حاصل ہو۔ قرآن کریم کو تمام کتابوں پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ اس کتاب کو اللہ نے ہر قسم کی تحریف، تبدیل، نقصان اور تاویل سے بچا رکھا ہے اور اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ اس کا ایک حرف بدل دے یا ایک حرف کم و بیش کر دے۔ فرمایا:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

[حم السجدة: ٤٢]

[قرآن کے پاس باطل آگے پیچھے سے پھٹک نہیں سکتا، یہ حکمت والی لائق حمد و ثنا ذات کی طرف سے اتری ہے]

ملائکہ:

فرشتے اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کا جو حکم ہوتا ہے، وہ اس کو بجا لاتے ہیں۔ ان میں کسی کے تین کسی کے چار چار پر ہوتے ہیں۔ ہر ایک فرشتے کی ایک خاص جگہ مقرر ہے۔ یہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں۔ ہم ان کو نر کہہ سکتے ہیں نہ مادہ۔ ان کے ہاں اولاد ہوتی ہے نہ یہ کھانے پینے کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ وحی پہنچاتے ہیں اور عرشِ الٰہی اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کے لائق جو فضل و کمال ہو سکتا ہے، وہ انھیں بالفعل حاصل ہے۔ یہ زن و شوئی سے بھی مبرا ہیں۔ بت پرستوں کا یہ کہنا کہ یہ اللہ کی لڑکیاں ہیں، محال اور باطل ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾ [الجن: ٣] [اللہ نے بیوی یا بیٹا نہیں بنایا]

② ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ [الإخلاص: ٣] [نہ اس نے جنا ہے نہ وہ جنا گیا ہے]

شیاطین:

شیاطین کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ یہ انسانوں کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں اور انھیں راہِ راست سے بہکاتے ہیں۔ ان کے اندر فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں اور میاں بیوی کو آپس میں لڑاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلَىٰ أَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَ إِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ [الأنعام: ١٢٢]

[اور بلاشبہہ یہ یقیناً سراسر نافرمانی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ضرور باتیں ڈالتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا تو بلاشبہہ تم یقیناً مشرک ہو]

﴿وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَ الْأَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا﴾ [بني إسرائيل: ٦٤]

[اور تو جن کو بھی اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے پھسلا اور ان پر اپنے سواروں سے چڑھائی کر اور ان کے اولاد اور جایداد سے حصہ بٹا اور ان سے وعدے کر، ان سے شیطان کا وعدہ محض دھوکا ہے]

شیطان کا یہ تسلط اہلِ دنیا، مرتکبینِ کبائر اور اہلِ شرک و کفر پر زیادہ ہوتا ہے۔ ان پر پیدل اور سوار شیطان مسلط رہتے ہیں۔ وہ ان کے مال و اولاد میں شریک ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ روسا و امرا کا اکثر مال اللہ کی مرضی کے خلاف صرف ہوتا اور عشق و مستی میں برباد ہوتا ہے، ان کی اولاد شریر، فاسق، فاجر، نالائق، جاہل اور مشرک و سرکش پیدا ہوتی ہے۔ یہی شیطان کا سارا وعدہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، جہاں کہیں سے ہم مال کماتے ہیں، سب کا نتیجہ اچھا ہوگا، آرام وسکون ملے گا اور ناموری ہوگی۔ یہ سب غلط ہے۔ یہ کام ان کو جہنم کی سیر کرائے گا۔ نیک نامی چالاکی اور عیش کوشی ان کو دوزخ کا کتا اور سور بنا دے گی، بہر حال وہ شیطان کے

دوست ہیں، انھیں پر اس کا تسلط رہے گا۔

وہ غربائے اسلام جن کا اللہ پر ایمان ہے اور وہ اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ دنیا کے عاشق، مال کے بندے اور نام کے طالب نہیں ہیں، ان پر شیاطین کا داؤ نہیں چلے گا۔ فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ [النحل: ٩٩]

[جو ایمان لائے اور جن کو اللہ پر توکل ہے، ان پر شیطان کا داؤ نہیں چل سکتا]

مزید فرمایا:

﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا﴾ [بني إسرائيل: ٦٥]

[میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہو سکتا۔ تیرا رب کارسازی کے لیے کافی ہے]

ان سے اگر بھول چوک ہو جائے تو متنبہ ہونے پر فوراً نادم ہو کر تائب ہو جاتے ہیں، جب کہ مال دار نصیحت کرنے پر ضد کرنے لگتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾
[البقرة: ٢٠٦]

[اگر اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو گناہ سے سرفرازی اسے باز رکھتی ہے، اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے]

قیامت کی نشانیاں:

قیامت کی نشانیاں حق ہیں۔ غربتِ اسلام، قلتِ علم، کثرتِ جہل، قتلِ عام، ظہورِ مہدی، نزولِ عیسیٰ، خروجِ دجال، ظہورِ دابۃ الارض، خروجِ یاجوج ماجوج، مغرب سے سورج کا نکلنا اور رفعِ قرآن وغیرہ چھوٹی بڑی بہت سی نشانیاں اور چھوٹے بڑے فتنے قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ رسول اکرم صادق و مصدوق ﷺ نے ان کی خبر دی ہے۔

اسی طرح نفخِ صور، بعث بعد الموت، انشقاقِ سماوات، وقوعِ نجوم، طیرانِ جبال، خرابِ ارض، مخلوق کا جمع ہونا، مردوں کا قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا، دوزخ کی مختلف عذاب کی قسمیں جیسے سانپ، بچھو، زنجیر، طوق، آبِ گرم، زقوم اور غسلین وغیرہ، اور جنت کی مختلف نعمتیں جیسے حور و قصور، اکل و شرب اور دیگر لذات بھی حق ہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے احوالِ برزخ پر ایک کتاب تالیف کی ہے۔ میں نے جنت و جہنم پر ایک رسالہ لکھا ہے اور قبر کے حالات پر علاحدہ ایک کتاب "ثمار التنكيت في شرح إثبات التثبيت" تالیف کی ہے۔ صاحبِ "اشاعہ" اور "اقتراب الساعہ"[1] نے قیامت کی نشانیوں کو اکٹھا جمع کر دیا ہے۔ جو کچھ ان کتابوں میں آیات و احادیث سے ثابت کیا گیا ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کا انکار کفر و الحاد اور زندقہ و ارتداد ہے۔ جتنے مخالفینِ اسلام ہیں، ان کا بڑا کفر یہی معاد، احوالِ قبر، حشر و نشر اور دوزخ و جنت کا انکار ہے۔ تورات و انجیل میں بھی معادِ جسمانی اور دخولِ جنت و جہنم کا ثبوت موجود ہے۔ دہریہ نیچریہ معاد کا انکار کرتے ہیں یا صرف معادِ روحانی تسلیم کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد انھیں اچھی طرح معاد کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

قبر میں نکیرین کا سوال:

قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے۔ یہ دو فرشتے عظیم و مہیب اور سیاہ کبودی آنکھوں والے ہوتے ہیں۔ یہ قبر میں آ کر بندے سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ رسول کون ہے؟ دین کیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ بندے نے شافی جواب دے دیا تو وہ نعمت و ناز میں رہے گا۔ نوعروسی کے خوابِ راحت میں لطف اندوز ہوگا۔ قبر اس کے حق میں ایک باغِ بہشت ہوگی۔ اللھم اجعلنا منھم۔ خدانخواستہ اگر کسی نے صحیح جواب نہ دیا تو مشقت اور عذاب میں پڑ جائے گا۔ قبر دوزخ کا ایک گڑھا بن جائے گی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ عذاب و راحت روح پر ہوگی، جو دوبارہ لوٹائی جائے گی یا کسی اور طرح پر۔ قادرِ مطلق ہی کو معلوم ہے کہ یہ کیونکر ہوتا ہے۔ البتہ اس کے ہونے میں کسی شک کی گنجایش نہیں۔ عذابِ قبر کا منکر اللہ کا منکر ہے۔

سنن نسائی میں اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

﴿وَإِنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ قَرِيْباً مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ﴾[2]

[اور تمھیں قبروں میں فتنہ دجال کے قریب آزمایش ہوگی]

یہ سوال دفن کے بعد ہوتا ہے۔ جب لوگ میت کو دفن کر کے واپس آ جاتے ہیں۔ اگر کسی تابوت میں رکھ کر میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا ہے، یا کوئی درندہ اس کو کھا جاتا ہے، یا

[1] یہ دونوں کتابیں مولف رحمہ اللہ کی تالیف کردہ ہیں۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٥٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٠٥)

دریا میں وہ ڈوب کر مر جاتا ہے، یا آگ میں جل کر فنا ہو جاتا ہے تو بھی اس سے سوال ہوتا ہے۔ ہاں گروہِ انبیا سے سوال نہیں ہوتا۔ توحید و احوالِ امت کا حال ان سے بھی پوچھا جاتا ہے، لیکن یہ پرسش تشریف و تعظیم کے طور پر ہوتی ہے، خطاب و عتاب کے طور پر نہیں۔

شاید کچھ مردوں سے سنت و بدعت اور عقیدہ و عمل کا حال بھی پوچھا جاتا ہے۔ اکثر اہلِ علم کے نزدیک اطفالِ مومنین بھی جواب دہ ہوتے ہیں، لیکن وہ فرشتوں کے سوال کا جواب آسانی سے دے دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اطفالِ مشرکین سے حق میں توقف فرمایا ہے۔ عام دلائل سے مذکورہ لوگوں سے سوال کے متعلق معلوم ہوا۔ البتہ کافر مجاہر سے سوال کی کوئی حاجت نہیں۔ وہ بے سوال ہی معذب ہوتا ہے، البتہ منافق سے پوچھ گچھ ضرور ہوگی۔ شہید اور مرابط کو اور اس آدمی کو جو یوم جمعہ یا شب جمعہ مر گیا ہے اور اس شخص کو جو ہر رات سورت "تبارك الذی" پڑھتا ہے[1] یا استسقا و اسہال میں مر گیا ہے، انھیں سوال سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، البتہ جمعہ والی حدیث ضعیف ہے۔[2]

قبر کا عذاب و راحت:

قبر میں عذاب و راحت کا ہونا حق ہے۔ عذاب کافر و فاسق کو ہوگا اور راحت مومن کو ہوگی۔ اللہ تعالیٰ میت میں ایک طرح کی روح پیدا کرتا ہے، جس سے میت کو عذاب یا راحت کا احساس ہوتا ہے اور الم و لذت پاتا ہے، لیکن یہ عذاب شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ کو منقطع ہو جاتا ہے۔ نیز جو کوئی جمعہ کے روز انتقال کر جاتا ہے، وہ بھی عذاب سے بچ جاتا ہے، لیکن صحیح یہ ہے اس دعوے کے دلائل قطعی نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور سارے سلف صالحین کا عذابِ قبر سے پناہ چاہنا ثابت ہے، اس لیے عذابِ قبر کی تصدیق کرنا واجب ہے۔

ضغطہِ قبر:

ضغطۂ قبر حق ہے۔ مومن کامل بھی اس ضغطے سے بچ نہیں سکتا، گو اس پر ضغطہ قبر آسانی سے ہو۔

[1] سنن أبي داود (۱٤۰۰) سنن الترمذي (۲۸۹۱) سنن ابن ماجه (۳۷۸٦) ان تمام روایات میں سورت الملک کی تلاوت کے نتیجے میں صرف عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے۔

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (۱۰۷٤) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هذا حديث غريب، وليس إسناده بمتصل"

فاسق و فاجر کی بات ہی کیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے اگر کوئی اس ضغطہ سے بچتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بچتے[1] جن کے انتقال پر عرش ہل گیا، پھر دوسروں کا کیا حال ہو گا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ضغطہ کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زمین مردے کو دبوچتی ہے اور میت پر تنگ ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ اس جگہ کو مردے پر کشادہ کر دیتا ہے اور یہ کشادگی مومن کے حدِ نظر تک ہو جاتی ہے۔

بعض علما کا خیال ہے کہ یہ مومن کے لیے ایسا ہوتا ہے، جیسے بچہ کسی دور دراز سفر سے آئے تو اس کی ماں شفقت سے اسے گلے لگا لے۔

قبر سے دوبارہ زندہ ہونا:

مرنے کے بعد دوبارہ قبر سے زندہ ہو کر اٹھنا حق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾ [المؤمنون: ١٦]

[پھر بلاشبہہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے]

حشرِ اجساد کے سلسلے میں کثرت سے آیات و احادیث وارد ہیں۔ مسلمان کے اعتقاد کا دارومدار اسی ایمانی مسئلے پر ہے۔ آدمی کے اندر ایک ہڈی ہے جس کو "عجب الذنب" کہتے ہیں۔ یہ ہڈی باقی رہتی ہے جو ذرہ برابر ہوتی ہے، اسی سے پھر انسان کو تن بدن کے ساتھ اٹھا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔[2] آسمان سے بارش ہو گی، پھر سارے انسان، حیوان، چرند پرند، کیڑے مکوڑے جمع ہو جائیں گے۔ ہر ایک کو اس کا بدلہ ملے گا۔ بچے کا بچے سے، جانور کا جانور سے، پھر حیوان ماکول خاک بہشت بن جائیں گے، دوسرا نفخہ اٹھانے کے لیے ہوگا، اس سے تمام مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ فرمایا:

﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ [الزمر: ٦٨]

[پھر صور میں دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا، پھر لوگ اٹھ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے]

اہلِ حدیث کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ مقربین، حور و قصور، جہنم پر مقرر فرشتے، حاملینِ عرش، جنت و دوزخ اور کرسی فنا نہیں ہوں گے۔ مرنے سے لے کر دخولِ جنت تک کے زمانے کا نام قیامت ہے، لیکن اگر عبرت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ہر روز یہی قیامت انسان پر گزرتی ہے، مگر اسے قیامت کے دن کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ کانوں میں تیل ڈالے ہوئے بیٹھے ہیں، ان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

---

[1] مسند أحمد (٦/ ٥٥) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (١٦٩٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٥١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٥٥)

کلام پاک اور کلامِ نبوت میں گویا شک و شبہہ ہے۔ رات کا سونا مرنے سے کچھ کم نہیں۔ صبح کا جاگنا بعث کی مانند ہے۔ وہ نفخہ اولیٰ کا نمونہ ہے اور یہ نفخۂ ثانیہ کی نشانی۔ غرض کہ سارے مردے اپنے مکمل تن بدن اور روح کے ساتھ قبروں سے اٹھیں گے۔

فلاسفہ کے نزدیک یہ اعادہ ممتنع ہے۔ ان سے زیادہ شاید کوئی مخلوق جاہل نہ ہوگی۔ بھلا جس نے پہلی بار بنایا تھا، کیا اب وہ دوبارہ بنا نہیں سکتا؟ عجب عقل ہے ان کی!!

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

بہرحال روح کے اعادے کے ساتھ معاد جسمانی اور حشرِ اجساد حق ہے۔ اس دن اس ناسوتی بدن میں انسان ہوگا تو طول و قصر میں تفاوت ہوگا، کیونکہ وہاں کافر کا دانت کوہِ احد کے برابر ہوگا[1] یا یہاں کے دانت سے بھی لطیف تر، وہاں لوگ جرد مرد ہوں گے۔

میزان حق ہے:

اعمال کا ترازو میں وزن کرنا حق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ﴾ [الأعراف: ۸] [اس دن وزن بالکل حق ہوگا]

اس وزن اور میزان کی کیفیت صرف اللہ کو معلوم ہے، ہمیں اس پر ایمان رکھنا چاہیے۔ معتزلہ کا وزن سے انکار کرنا، آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے، لائق التفات نہیں۔ اس ترازو کے دو پلے ہوں گے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ میزان سب کے لیے نہ ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ستر ہزار آدمی بے حساب داخلِ بہشت ہوں گے۔[2] اس میزان میں طاعت و معصیت دونوں کا وزن ہوگا۔ اس کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں ہے۔ خواہ صحائفِ اعمال وزن کیے جائیں، خواہ اعمال کو مجسم کر دیا جائے۔

سیدنا ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں حدیثِ بطاقہ مروی ہے، یہ حدیث مرفوع ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْئٌ»[3] [اللہ کے نام کے برابر کوئی شے وزنی نہ ہوگی]

اس حدیث میں مخلصین اور متبعینِ سنت کے لیے بڑی بشارت ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۸۵۱)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٨)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٣٩)

حساب حق ہے:

حساب کا ہونا حق ہے۔ یہ حساب بدلہ دینے کے لیے ہوگا۔ اس پر کتاب وسنت شاہد ہیں۔ گو اس محاسبے میں لوگ متفاوت ہوں گے۔ کسی کے ساتھ مناقشہ ہوگا، کسی کے ساتھ مسامحت ہوگی۔ ایک پر اگر عتاب ہوگا تو دوسرے سے درگزر کیا جائے گا۔ جس کی تفتیش و تحقیق ہوئی، وہ تباہ ہوگا اور جس کا حساب سنا دیا جائے گا، وہ عافیت میں رہے گا۔ ایسے بھی لوگ ہوں گے جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ یہ لوگ مقربین بارگاہِ الہ ہیں۔ انبیا سے تبلیغ کا سوال ہوگا اور کفار سے تکذیب سے متعلق سوال ہوگا۔ انبیا کا سوال اہلِ بدعت سے ان کی سنت پر ترکِ عمل سے متعلق ہوگا۔ عامۂ مسلمین سے ان کے اعمال کا حساب ہوگا۔

صراط حق ہے:

صراط ایک پل ہے جو جہنم پر رکھا جائے گا۔ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔[1] کافروں کے پاؤں یہاں لڑکھڑائیں گے اور جہنم میں گر جائیں گے۔ اہلِ ایمان رحمٰن کے فضل سے ثابت قدم رہیں گے اور پل سے پار ہو کر جنت میں جا پہنچیں گے۔ اس پل کی دلیل یہ ہے:

﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ [مریم: ۷۱]

[ہر ایک کو اس پر آنا ہے، یہ اللہ کا حتمی فیصلہ ہے]

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔[2] یہی قول جمہور مفسرین کا ہے۔ فرمانِ رب تعالیٰ ہے:

﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ﴾

[الصافات: ۲۳۔۲۴]

[انھیں جہنم کا پل بتلا دو اور انھیں ٹھہرا لو ان سے سوال ہوگا]

یہ صراط ناممکن نہیں، خواہ یہ معتزلہ کی عقل میں آئے یا نہ آئے، کیونکہ جس نے پرندے کو ہوا میں پرواز کی قدرت دی ہے، وہ آدمی کو ایسے پل کے اوپر سے گزار سکتا ہے۔ معتزلہ کے انکار کی تردید اس حدیث سے ہوتی ہے:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۸۳) یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

[2] شرح النووي علی صحیح مسلم (۱۶/ ۵۸)

«يُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ»[1]

[یہ (پل) صراط جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا]

حدیث میں ہے کہ اس پل پر کوئی بجلی کی طرح گزرے گا، کوئی پرندے کی طرح۔[2] غرض کہ گزرنے کے انداز مختلف ہوں گے۔ جیسے اعمال ہوں گے، ویسے ہی مرور ہوگا۔ صراط کے دونوں طرف آنکڑے ہوں گے، جو کفار اور نافرمانوں کو جکڑیں گے اور جہنم میں گرا دیں گے۔ سارے اہلِ حدیث کا یہی عقیدہ ہے۔

حوض:

رسول اکرم ﷺ کا حوض برحق ہے۔ یہ دو حوض ہوں گے۔ ایک میزان اور صراط سے قبل جو لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے، وہ پہلے اس حوض پر آئیں گے۔ دوسرا حوض جنت کے اندر ہوگا۔ دونوں کا نام کوثر ہے۔ جب اس حوض پر امت محمدیہ آئے گی تو کچھ لوگ وہاں پہنچنے سے روک دیے جائیں گے۔ رسول اکرم ﷺ فرمائیں گے:

«يَا رَبِّ! إِنَّهُ مِنْ أُمَّتِي فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثَ بَعْدَكَ»[3]

[اے رب! یہ میری امت کے لوگ ہیں۔ جواب ملے گا: تم کو معلوم نہیں ہے کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا چیزیں ایجاد کی ہیں؟]

اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کو غیب کا علم نہیں ملا ہے۔ جو لوگ حوض پر آنے سے روک دیے جائیں گے، وہ بدعتی ہوں گے، کیونکہ احداث ابتداع ہی کے معنی میں آتا ہے۔ اس حوض کی لمبائی اتنی ہوگی کہ ایک ماہ چل کر اسے طے کیا جا سکتا ہے۔ یہ حوض چاندی سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگا۔ وہاں تاروں سے زیادہ پیالے ہوں گے۔ جو ایک بار اس حوض کا پانی پی لے گا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

اعمال نامہ:

کتاب یعنی اعمال نامے کا ملنا حق ہے۔ یہ اعمال نامہ مومنوں کو داہنے ہاتھ میں اور کافروں کو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۰۰۰) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۸۲)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷۰۰۱) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۸۳)

[3] السنن الكبرىٰ للبيهقي (۲/۴۳) الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث صحیح مسلم (۴۰۰) میں بھی موجود ہے۔

بائیں ہاتھ میں ملے گا یا پسِ پشت۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ﴾ [بني إسرائيل: ١٣]

[ہم ان کے لیے قیامت کے دن ایک کتاب نکالیں گے، وہ اسے پھیلایا ہوا پائے گا]

اس آیت کے علاوہ اعمال نامہ ملنے کی دلیل حدیثِ سجلات بھی ہے۔[1]

معتزلہ اس کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ ایک عبث بات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا خیال قطعاً غلط ہے۔ حدیث اور قرآن سے اعمال نامے کا تلنا، اعمال نامے کا تقسیم ہونا، حساب ہونا اور پل سے گزرنا ثابت ہے۔ ان کا انکار کرنا کفر ہے۔ ان کی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ تاویل کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب ظاہری معنی اختیار کرنا درست نہ ہو، لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ قادر و قدیر ان تمام امور پر قدرت رکھتا ہے۔

شفاعت:

شفاعت حق ہے۔ یہ شفاعت اس کے لیے ہوگی جس کے لیے اجازت مل جائے گی۔ اس کے مستحق اہلِ کبائر ہوں گے۔ رسول اکرم ﷺ پہلے شافع اور مشفع ہوں گے۔ جس جگہ شفاعت کی نفی آئی ہے، اس سے مراد بے اذن شفاعت ہے۔ یعنی بغیر اذنِ الٰہی کے کوئی نبی ولی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکتا۔

رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴾ [النبأ: ٣٨]

[مگر جس کے لیے رحمٰن اجازت دیدے اور وہ صحیح کہے گا]

معتزلہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جب عفو و مغفرت جائز نہیں ہے تو شفاعت بھی جائز نہ ہوگی۔ لیکن یہ حدیث:

«شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي»[2]

[میری شفاعت میری امت کے اہلِ کبائر کے لیے ہوگی]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٣٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٣٠٠)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٤٧٣٩) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٣٥)

اور یہ آیت:

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [محمد: ١٩]

[اپنی اور مومنوں کے گناہ کی مغفرت چاہو]

ان کی تردید کے لیے کافی ہے۔ شفاعت کی ابتدا رسول اکرم ﷺ سے ہوگی۔ جب لوگ آدم پھر نوح پھر ابراہیم پھر موسیٰ پھر عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جا کر شفاعت کرنے کی التجا کریں گے تو یہ اولوا العزم رسول شفاعت کرنے سے معذرت کر دیں گے، پھر لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں گے، آپ ﷺ شفاعت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور مقام محمود پر آ کر خالقِ عباد سے احوالِ عباد عرض کریں گے۔ آپ ﷺ کو شفاعت کی اجازت مل جائے گی، پھر آپ شفاعت کریں گے۔ یہ وہ دن ہوگا، جس میں قدر و عزت اور جاہ نبوی عیاں ہوگی۔

جنت و جہنم:

جنت و جہنم حق ہیں۔ یہ دونوں مکان اس وقت موجود ہیں۔ جزا کے دن سے پہلے ان کا وجود ہے، جیسا کہ کتاب و سنت کے نصوص اس پر دال ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ [آلِ عمران: ١٣٣]

[جنت پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: ٢٤، آلِ عمران: ١٣١]

[جہنم کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے]

شبِ معراج میں رسول اکرم ﷺ کا گزر دونوں کے پاس سے ہوا۔ آدم و حوا کی سکونتِ جنت سے بھی اس کا پتا چلتا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ”حادی الارواح“ میں لکھا ہے کہ سارے صحابہ و تابعین، تبع تابعین، تمام اہلِ سنت و حدیث اور سارے فقہائے اہلِ اسلام اور اہلِ تصوف و زہد کا یہی اعتقاد ہے کہ جنت اور دوزخ اس وقت موجود ہیں، البتہ قدریہ اور معتزلہ اسے نہیں مانتے۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں قیامت کے دن پیدا کرے گا۔ ظاہر ہے یہ لوگ اگر انکار نہ کریں تو بدعتی کا اطلاق کس پر ہوگا؟؟ بہر حال یہ جنت اور جہنم ہمیشہ کے لیے باقی ہیں۔ ان کو یا ان کے باسیوں کو کبھی فنا

نہیں ہے، کیونکہ دونوں فریق کے حق میں لفظ ﴿خالدین فیھا ابدا﴾ آیا ہوا ہے۔

جہمیہ کا خیال ہے کہ یہ دونوں فنا پذیر ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ کتابِ الٰہی اور سنتِ رسالت پناہی کے خلاف ہے۔

رہی یہ بات کہ جنت اور جہنم کس جگہ ہیں؟ تو اس سلسلے میں کتاب وسنت میں کوئی نص صریح موجود نہیں ہے۔ اگرچہ اجمالاً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنت آسمان پر ہے اور جہنم زمین تلے۔ جنت کا بالاے آسمان زیرِ عرشِ الٰہی ہونا کہیں زیادہ پایدار طور پر ثابت ہے، بہ نسبت اس کہ جہنم زمین تلے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں اس چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہیے کہ جنت کس جگہ ہے اور جہنم کہاں ہے؟ بس ہمارا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ دونوں کا وجود ہے۔

کافر گناہ گار اور اہلِ کبائر جنوں اور انسانوں کا حال:

کافر جن وانس کو جہنم کا عذاب ہوگا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ رب پاک نے فرمایا:

﴿ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ [السجدة: ١٣]

[جن وانس تمام لوگوں سے میں جہنم کو ضرور بھروں گا]

جو جن مسلمان ہیں، وہ جنت میں جائیں گے۔ سارے اہلِ سنت کا یہی عقیدہ ہے، کیونکہ رب پاک نے فرمایا:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

[الرحمٰن: ٤٦۔٤٧]

[جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں، پھر تم اپنے رب کی کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟]

مسلمان صاحبِ کبیرہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا، گو بے توبہ ہی کیوں نہ مر گیا ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: ١١٦]

[شرک کے علاوہ جس کی چاہے اللہ مغفرت کرے گا]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ [النساء: ٣١]

[اگر تم ان کبائر سے بچو جن سے تم روکے گئے ہو تو ہم تمھارے گناہ ختم کر دیں گے]

یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے تو ہم تمھارے چھوٹے گناہوں سے درگزر کر دیں گے، کیونکہ حسنات سیئات کو دور کر دیتے ہیں۔ کبائر کو بخشا جا سکتا ہے، لیکن اگر بہ طور بغاوت ہو کہ گناہ کبیرہ کو حلال سمجھ لیا جائے تو پھر یہ کفر ہو گا۔

کبیرہ گناہ کی تعداد محدود نہیں ہے۔ وہ امور جن پر کتاب وسنت میں جہنم کا وعدہ ہے، یا جن پر حد مقرر کی گئی ہے، یا جن کے ارتکاب کو خروجِ دین قرار دیا گیا ہے، یا جس کا فساد بہت عظیم ہو یا جن پر رسول اکرم ﷺ نے گناہ کبیرہ کا حکم لگایا ہے، وہ سب کبائر میں داخل ہیں۔ ''زواجر'' میں ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اور ''دلیل الطالب'' میں ہم نے چار سو سے زائد کبائر گنوائے ہیں۔ اللهم احفظنا.

دنیا اور آخرت میں اللہ کے دو کام دو طرح پر انجام پاتے ہیں۔ ایک سنتِ الٰہیہ کے مطابق جو معمول کے مطابق بندوں میں جاری وساری رہتے ہیں۔ دوسرے خرقِ عادت کے طور پر، اس بنیاد پر کسی شخص کا گناہ کبیرہ معاف ہو سکتا ہے۔ جو توبہ کیے بغیر مر جائے، اس کے کبائر معاف نہیں ہو سکتے، لیکن اہلِ سنت کا خیال ہے کہ اللہ کی رحمت بڑی ہے، اس کا عفو عام ہے، اس کے دائرہ عفو کو تنگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح حقوق عباد کو رب پاک بہ طریق خرق عادت معاف کر سکتا ہے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ حسبِ عادت مستمرہ زہر کھانے والا مر جاتا ہے، لیکن کبھی کوئی دوسرا زہر کھاتا ہے تو نہیں مرتا، یہ خرقِ عادت ہوا۔ اس طرح بعض کبائر کا معاف کیا جانا بطور خرقِ عادت کے ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جو نصوصِ شریعت وارد ہیں اور باہم متعارض معلوم ہوتے ہیں، ان میں توفیق وتطبیق کی یہی صورت ہے جو ذکر کی گئی ہے، واللہ أعلم.

بہر حال ہر مومن با کمال کے لیے لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے، سارے کبائر، صغائر اور حقوقِ عباد سے تائب ہو کر مرے، ورنہ خدا کو اختیار ہے کہ اس کے گناہ معاف فرمائے یا معاف نہ فرمائے، اگرچہ بندے کو اس میں کچھ اختیار نہیں ہے، لیکن ناامیدی بھی ٹھیک نہیں، بلکہ ناامیدی کفر ہے۔

پانچواں باب

ایمانیات

ایمان کی حقیقت:

اہلِ حدیث کہتے ہیں کہ ایمان قول، عمل اور معرفت کا نام ہے۔ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ عمیر بن حبیب رحمہ اللہ نے فرمایا:

”جب ہم اللہ کو یاد کر کے حمد و تسبیح کرتے ہیں تو ایمان زیادہ ہوتا ہے اور جب ہم غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ کو بھولنے لگتے ہیں تو ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔“

سارے سلف کا یہی قول ہے کہ ایمان عمل، قول اور معرفت کا نام ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایمان محض اقرار کا نام ہے اور عمل اس میں داخل نہیں ہے، اس پر امام مالک اور امام اوزاعی رحمہ اللہ نے نکیر کی ہے اور فرمایا ہے کہ بے عمل کا ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ جن کے طاعات اور حسنات زیادہ ہیں، ان کا ایمان بھی کامل ہے اور جو طاعت کم کرتا ہے، معصیت زیادہ کرتا ہے، اس کا ایمان ناقص ہے۔ ایمان یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں، دل سے اس کی تصدیق ہو، زبان سے اس کا اقرار اور اعضاو جوارح سے اس کے موافق عمل ہو۔ بعض اہلِ علم کا یہ قول کہ ایمان میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی، کمی و زیادتی عمل میں ہوتی ہے، صحیح نہیں، بلکہ ظاہر کتاب اللہ کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ [الأنفال: ٢] [وہ ان کا ایمان بڑھاتی ہیں]

اس طرح کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن کی تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔ تاویل کی ضرورت وہاں ہوتی ہے، جہاں ظاہری معنی مراد لینا مشکل ہو، جبکہ ظاہری مراد کے لیے یہاں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اجمالی ایمان کا رتبہ تفصیلی ایمان کے رتبے سے کم نہیں ہوتا ہے۔ دونوں طرح کے مومن ناجی

ہیں۔ اہلِ کلام کی تفصیل طلبی فساد اور بگاڑ کا پیش خیمہ ہے۔

سمرقندی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایمان مخلوق ہے۔ اہل بخارا کہتے ہیں: مخلوق نہیں ہے۔ یہی قول محدثین کی ایک جماعت کا ہے۔ اشاعرہ کا میلان بھی اسی طرف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ صحابہ و تابعین نے اس میں کچھ کلام نہیں کیا تو ہمیں بھی اس پر سکوت اختیار کرنا چاہیے۔

ایمان نیند، غفلت، بے ہوشی اور موت کے ساتھ بھی باقی رہتا ہے، باوجودیکہ ان میں ہر ایک تصدیق کی ضد ہے، مگر چونکہ شارع نے ان حالات میں بقاے ایمان کا حکم لگایا ہے تو کس کو مجال ہے کہ ان حالات کے ایمان کا انکار کرے؟ اس سلسلے میں معتزلہ کا انکار بھی لائق اعتبار نہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے۔ یہی قول حنفیہ کا ہے۔ شافعیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اگر یہ رائے درست تسلیم کر لی جائے تو اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ایمان عمل میں داخل ہے، کیونکہ حدیثِ جبریل میں، جو متفق علیہ ہے، ایمان کا اطلاق تصدیق پر، اسلام کا اطلاق اعمال پر، احسان کا اطلاق اخلاص اور حضورِ قلب پر ہوا ہے۔ نتیجے سے قطع نظر بہ ظاہر ایمان اور اسلام کے درمیان فرق مذکور ثابت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مومن ہے مگر مسلم نہیں یا مسلم ہے مگر مومن نہیں، کیونکہ ایمان اسلام کے بغیر اور اسلام ایمان کے بغیر پایا نہیں جا سکتا۔ جس نے دونوں کو ایک کہا، اس کا یہی مطلب ہے۔ دین کا لفظ ایمان، اسلام، سارے شرائع اور احکام پر بولا جاتا ہے۔ جب کسی مومن سے اقرار کے ساتھ تصدیق پائی گئی تو اب وہ یہ بات کہہ سکتا ہے کہ میں سچ مچ مومن ہوں، لیکن اکثر سلف کہا کرتے تھے: ان شاء اللہ ہم مومن ہیں۔ ان کا اس طرح کہنا اللہ کے نام سے تبرک کے طور پر تھا، شک کی بنیاد پر نہیں تھا۔ اس صورت میں دونوں باتیں ایک ہوئیں۔ نسفی کا یہ لکھنا کہ ان شاء اللہ نہیں کہنا چاہیے، درست نہیں ہے۔ اس جملہ مبارکہ کو تو ہر بات کے ساتھ کہنا چاہیے۔

ایمانِ باس:

ایمان باس مقبول نہیں ہے۔ باس سے مراد سکراتِ موت اور احوالِ آخرت کے وقوع کا وقت ہے۔ مرتے وقت مومن بہشت کو اور کافر دوزخ کو دیکھنے لگتا ہے۔ ایسے وقت میں کافر کا ایمان لانا کچھ مفید نہ ہوگا، کیونکہ اللہ کو مطلوب ایمان بالغیب ہے۔ سارے متقدمین و متاخرین اہلِ حق کا اس ایمان

کے مقبول نہ ہونے پر اتفاق ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ غرغرہ کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی ہے۔[1]

قرآن مجید میں ہے:

① ﴿ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ﴾ [المؤمن: ٨٥]

[جب انھوں نے ہمارے باس کو دیکھا تو ان کا ایمان ان کو نفع نہ دے گا]

② ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ﴾ [النساء: ١٨]

[وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں پھر جب ان کی موت قریب ہوتی ہے تو کہتے ہیں اب میں توبہ کرتا ہوں، ایسوں کی توبہ کا اعتبار نہیں]

معلوم ہوا کہ جو عمر بھر گناہ کبیرہ کرتے ہیں، جب ان کو موت آنے لگتی ہے اور زندگی سے ناامیدی ہو جاتی ہے تو توبہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

انسان کی متغیر ایمانی حالت:

سعادت یاب شقی اور شقی سعادت یاب ہو جاتے ہیں، وہ اس طرح کہ ایمان کے بعد ارتداد اور عمل صالح کے بعد کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں یا کفر کے بعد ایمان نصیب ہو، کبائر کے بعد توبہ حاصل ہو اور عمل صالح کی توفیق نصیب ہو۔ یہ تغیر سعادت اور شقاوت پر ہوتا ہے، اسعاد اور اشقا پر نہیں۔ اِسعاد اور اِشقا اللہ کی صفتیں ہیں۔ اسعاد تکوینِ سعادت اور اشقا تکوینِ شقاوت کا نام ہے۔ تغیر اللہ کی صفت میں رونما نہیں ہوتا، تغیر انسانی صفات میں رونما ہوتا ہے۔

کبیرہ گناہ سے ایمان زائل نہیں ہوتا:

کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان زائل نہیں ہوتا، ناقص ضرور ہو جاتا ہے، کیونکہ ارتکابِ کبیرہ کے باوجود تصدیق باقی رہتی ہے۔ اس طرح مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوتا۔ معتزلہ کا ایسے شخص کو ایمان سے بالکل خارج کر دینا یا خوارج کا ایسے شخص کو داخلِ کفر کہہ دینا، قرآن و حدیث کے خلاف ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ایسے گناہ ہوں اور اسے ان پر اصرار ہو تو اس کا انجام بہتر نہ ہو اور اس کے اصرار اور تکرار کے سبب اس کی بخشش نہ ہو۔ رہی توبہ تو یہ سارے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٣٧)

گناہ گاروں کو بے گناہ اور پاک بنا دیتی ہے۔ وہ لوگ جن کو توبہ نصیب نہ ہو، بڑے بد بخت ہیں۔ ان سے زیادہ کم بخت اور بدنصیب وہ لوگ ہیں جو توبہ کر کے مدتوں اچھے اور صالح رہتے ہیں اور یک بارگی توبہ توڑ کر اپنے پہلے برے کردار پر آ جاتے ہیں۔

گناہ گار مومن:

اہلِ سنت کا یہ قول ہے کہ مومن سے چھوٹے بڑے کتنے ہی گناہ کیوں نہ سرزد ہوں، وہ کافر نہیں ہوتا، گو دنیا سے وہ بے توبہ ہی کیوں نہ گیا ہو۔ اگر اس کی وفات توحید اور اخلاص پر ہوئی تو اللہ کو اختیار ہے وہ اسے معاف کر سکتا ہے اور قیامت کے دن صحیح سالم بہشت میں داخل کر سکتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ کر کے جہنم میں بھی ڈال سکتا ہے، البتہ اسے خلود فی النار سے نجات ملی رہے گی۔ ایک دن جہنم سے نکل کر بہشت میں جائے گا۔

سہل بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ گناہ گار مومن جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا، لیکن وہ کافروں کی طرح آگ میں ڈالا جائے گا نہ ان کی طرح اس میں رہے گا نہ ان کی طرح شقی ہوگا، کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ اللہ شرک کو نہیں بخشتا، باقی سارے گناہوں کو بخشتا ہے۔ وہ صغیرہ پر سزا دے سکتا ہے اور کبیرہ سے درگزر کر سکتا ہے، بشرطیکہ گناہ گار کبیرہ کے استحلال کا قائل نہ ہو، کیونکہ کسی گناہ کو حلال کر لینا کفر ہے۔ مرتکبِ صغائر کو اطمینان اور مرتکبِ کبائر کو نا امیدی زیبا نہیں ہے۔ کسی کو خبر نہیں کہ اس کے صغائر بخش دیے گئے ہیں، کبائر کی تو بات ہی جدا ہے۔ خاص طور پر وہ کبائر جن سے توبہ نصیب نہیں ہوئی یا توبہ کے بعد پھر ان کا ارتکاب ہونے لگے۔ ایسے لوگ کافر قرار نہیں دیے جا سکتے، لیکن ان کے سوے خاتمہ کا ڈر ضرور ہے۔

تارکِ صلات کا حکم:

عمداً فرض نماز کے تارک کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کافر ہے یا نہیں؟ امام احمد اور علمائے سلف اس کو کافر کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں کافر اور مسلم کے درمیان فرق نماز ہی کو بتلایا گیا ہے، اس لیے جس نے نماز ترک کی وہ کافر ہوا۔ ترکِ نماز یوں ہو کہ بالکل نماز پڑھی ہی نہ جائے یا ایک دو وقت کی پڑھی جائے اور باقی کو چھوڑ دیا جائے یا نماز کا وقت گزار کر دو چار ٹکریں لگالی جائیں یا دیدہ ودانستہ نماز کا وقت گزر جانے دیا جائے۔ امام شافعی اور علمائے سلف رحمہم اللہ کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جب تک ایک مسلمان نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہے، اس وقت

تک وہ کافر نہیں ہوتا، البتہ قتل کے لائق ہوتا ہے، اسے مرتد کی طرح قتل کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ترکِ صلات سے مراد وجوبِ صلات کا انکار ہے نہ کہ ترکِ نماز۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جو حدیثیں اس باب میں آئی ہیں، ان کے الفاظ ترکِ صلات کے کفر ہونے پر دلیل ہیں۔ ان سے فرضیتِ صلات کا انکار سمجھنا درست نہیں۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الصلاۃ میں تارکِ صلات کے کفر کو راجح قرار دیا ہے۔ یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اکثر علما جو تارکِ صلات کو کافر کہتے ہیں، تارکِ صیام، حج اور زکات کو فاسق بتلاتے ہیں، اسے کافر نہیں کہتے، حالانکہ اس تفریق کی کوئی آیت یا حدیث موجود نہیں، بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب عبادات کا حکم ایک ہے، کیونکہ یہی چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں۔ جس گھر کی ایک دیوار بھی گر جاتی ہے، وہ گھر محفوظ نہیں رہتا، اسی طرح جب ان ارکانِ اربعہ میں سے ایک رکن کو بھی عمداً ترک کیا جائے تو خانہ اسلام ویران ہو جائے گا اور صاحب خانہ کافر بن جائے گا۔ اس کا حال وہی ہوگا، جو کفار کا حال نارِ جہنم میں ہوگا، اس کی مغفرت کی بھی امید نہیں ہے۔

جنت کسی کے لیے واجب نہیں:

اہلِ حدیث کہتے ہیں کہ جنت کسی کے لیے واجب نہیں، خواہ اس کے اعمال کتنے ہی اچھے ہوں۔ فضلِ الٰہی ہی سے کسی کے لیے جنت واجب ہو سکتی ہے، کیونکہ اس نے جو نیک کام کیے ہیں، وہ اللہ کے آسان کرنے سے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ ان کو آسان نہ کرتا تو کبھی وہ کام اس شخص سے نہ بنتا۔ اگر اسے اللہ کی طرف سے توفیقِ ہدایت نہ ملتی تو کبھی وہ راہِ راست پر نہ آتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [النور: ۲۱]

[اگر تم پر فضلِ الٰہی و رحمتِ ربانی نہ ہوتی تو تم سے کوئی ہرگز پاکیزہ نہ رہ پاتا، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اس کا تزکیہ کر دیتا ہے]

شفاعتِ محمدی:

اہلِ سنت اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گناہ گارانِ اہلِ توحید کی شفاعت کریں گے اور مرتکبینِ کبائر کو بخشوائیں گے۔ حدیث میں آیا ہے:

«شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي»[1]

[میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہوگی]

ایک حدیث میں ہے:

«لٰكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِينَ الْمُتَلَوِّثِينَ الْخَطَّائِينَ»[2]

[لیکن وہ شفاعت خطا کاروں اور گناہ گاروں کے لیے ہوگی]

نیز فرمایا:

«إِنَّ أَسْعَدَ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصاً مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ»[3] (رواه الصابوني بسنده)

[میری شفاعت سے سب سے زیادہ سعادت یاب وہ شخص ہوگا جس نے خلوصِ دل سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا ہے]

رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کا اعتقاد رکھنا ایمان میں داخل ہے۔ احادیث کے الفاظ مطلق ہیں، اس لیے کسی شخصی تعین کا سوال ہے نہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہماری شفاعت ضرور ہوگی۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت اللہ کی اجازت سے ہوگی۔ جب شفاعت اذنِ الٰہی پر موقوف ہے تو کسی کو کیا معلوم کہ اللہ اس کے لیے شفاعت کی اجازت دیں گے یا نہیں؟ شفاعت کا انکار ممکن نہیں، اس کا انکار قرآن و حدیث کا انکار ہے۔

شفاعت کی آس میں معصیت کرنا حماقت اور جہالت ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے: «فَيُحَدُّ لِي حَدّاً»[4] یعنی شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی کہ فلاں فلاں قسم کے لوگوں کی شفاعت کرو۔ یہ شفاعت انھیں اہلِ کبائر کی ہوگی جنھوں نے شرک و بدعت نہیں کیا ہے۔ جو گور پرست اور پیر پرست ہیں، رات دن سیئات اور بدعات میں ڈوبے رہتے ہیں، ان کی شفاعت نہ ہوگی، کیونکہ مشرک شفاعت یا بے شفاعت کسی طرح بخشا نہ جائے گا۔ اکثر لوگ اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں، لیکن کام شرک والا کرتے ہیں، کیونکہ شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ باریک ہے۔[5]

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٧٣٩)
[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٣١١)
[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٠١)
[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٠٠٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٣)
[5] الأدب المفرد (٧١٢)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [يوسف: ١٠٦]

[اکثر لوگ ایمان کے دعویدار ہیں لیکن ساتھ ہی مشرک بھی ہیں]

خبرِ الٰہی میں شک کرنا کفر ہے۔ جب اللہ ہی نے کہہ دیا کہ بہت سے ایمان لانے والے مشرک ہیں تو اگر وہ مشرک یہی قبر پرست نہیں ہیں تو پھر کون ہیں؟ شرک دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اللہ کے ساتھ جس کی تفصیل تقویۃ الایمان، درّ نضید اور تطہیر الاعتقاد وغیرہ کتب میں موجود ہے۔[1] دوسرا شرک رسول ﷺ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا بیان ''الدین الخالص'' میں مذکور ہے۔ جب کسی امام، عالم، فقیہ اور مجتہد کی ایسی تقلید اختیار کی جائے کہ اس کے مقابلے میں اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ شرک بخشا نہیں جاتا، ایسے مشرکوں کو شفاعتِ رسول کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ شفاعت گناہ کی ہوتی ہے، شرک و کفر کی نہیں۔ اہلِ بدعت کی یہ تہمت کہ اہلِ حدیث شفاعت کے منکر ہیں، محض افترا ہے اور اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وَ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾ [جس نے افترا کیا وہ ناکام ہوا] گناہوں پر نادم ہو کر انبیا، صلحا، شہدا، علما اور اولیا کی شفاعت کا امیدوار ہونا اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔

موت کا ایک دن مقرر ہے:

اللہ نے ہر مخلوق کے لیے ایک مدت و اجل مقرر کر رکھی ہے۔ کوئی جاندار بے اجل نہیں مر سکتا۔ جب اجل پوری ہو جاتی ہے تو موت آ جاتی ہے۔ کوئی ذی روح موت سے بچ نہیں سکتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ [الأعراف: ٣٤]

[ہر امت کی ایک مدت ہے، جب اس کی اجل آ جائے گی تو وہ ایک ساعت تاخیر یا پیش روی نہیں کر سکتی]

---

[1] ''تقوية الإيمان'' شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا رسالہ ہے اور ''در نضید'' امام شوکانی رحمہ اللہ کا کتابچہ ہے جس کا مولف رحمہ اللہ نے ''إخلاص التوحيد للحميد المجيد'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ رسالہ زیر نظر مجموعے میں شامل ہے۔ ''تطهير الاعتقاد عن أدران الشرك و الإلحاد'' علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾

[آل عمران: ١٤٥]

[کسی کے بس میں نہیں کہ مر جائے، ہاں اذنِ الٰہی سے مر سکتا ہے، اس کی موت کا معین وقت لکھا ہے]

کسی کو لڑائی میں سیکڑوں زخم لگتے ہیں، کسی کو کوئی زہر پلا دیتا ہے، کوئی ہیرا کھا لیتا ہے، لیکن نہیں مرتا ہے، کیونکہ ابھی اس کی اجل نہیں آئی ہوتی ہے۔ کوئی فرش پر بیٹھے بیٹھے ناگہاں مر جاتا ہے، کسی کو چلتے پھرتے راستے میں موت آ جاتی ہے، حالانکہ وہ مریض ہوتا ہے نہ اس کو کسی طرح کی شکایت ہوتی ہے نہ کسی دکھ درد کا شکار ہوتا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اجل پوری ہو چکی ہوتی ہے۔ اہلِ حدیث کا عقیدہ ہے کہ جو شخص مر گیا یا قتل ہوا، اس کی اجل پوری ہو گئی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ﴾

[آل عمران: ١٥٤]

[کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں رہو، تب بھی وہ لوگ جن کی موت لکھی ہے، وہ اپنی موت گاہ پر پہنچیں گے]

اہلِ علم نے کہا ہے کہ مقتول اپنی اجل مقدر سے مرتا ہے۔ یہ بات نہیں تھی کہ اس کی اجل آئی ہی نہیں تھی، اجل سے پہلے کسی کے قتل کرنے سے مر گیا۔ اس مدعا کی دلیل مذکورہ آیات ہیں۔ موت میت کے ساتھ لگی ہے اور وہ اللہ کی مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ ﴾ [الملك: ٢] [اللہ نے موت اور حیات کو پیدا کیا]

موت اور اجل یعنی مرگ اور مدتِ مرگ اہلِ سنت کے نزدیک ایک ہی چیز ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ مقتول کے لیے دو اجل ہیں: ایک قتل اور ایک موت۔ اگر مارا نہ جاتا تو اپنی اجل یعنی موت تک جیتا رہتا، درست نہیں۔ فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ جاندار کی ایک طبعی اجل ہے۔ اپنی اجل تک

پہنچتے پہنچتے حرارت غریزی کے ختم ہونے کے سبب اس کی رطوبات تحلیل ہو جاتی ہیں اور وہ مر جاتا ہے۔ دوسری اجل اختزامی ہے، یہ اجل آفات و امراض کے سبب لاحق ہوتی ہے۔ یہ قول بالکل باطل ہے، کسی آیت یا حدیث سے دو اجل ثابت نہیں ہوتیں۔ یہ لوگ اس جہل کے باوجود بھی حکما اور عقلا کہلاتے ہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہ. صحیح وجدان سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روح سے بدن میں پیدا ہونے والی استعداد جب ختم ہو جاتی ہے، پھر جان نکل جاتی ہے، اسی کا نام موت ہے۔ یہ بات صحیح نہیں کہ روحِ قدسی روحِ حیوانی سے جدا ہو جاتی ہے۔ جب روح امراض کے سبب تحلیل ہو جاتی ہے تو حکمتِ الٰہی اس بات کی مستوجب ٹھہرتی ہے کہ جان اتنی باقی رہ جائے کہ اس کے ساتھ روحِ الٰہی کا ارتباط باقی رہے۔

چھٹا باب

متفرق عقائد کا بیان

عہد و میثاق کتاب وسنت دونوں سے ثابت ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ﴾ [الأعراف: ١٧٢]

[وہ وقت یاد کرو جب تمھارے رب نے بنی آدم کو ان کی پیٹھوں سے نکال کر ان کی ذریت سے عہد لیا]

اس سے متعلق احادیث مشکات وغیرہ میں موجود ہیں۔[1] معتزلہ کا آیت و حدیث کو مجازی معنی پر محمول کرنا بے جا ہے۔ جو ایمان لایا ہے، وہ اس عہد پر قائم ودائم ہے۔ جس نے کفر کیا ہے، اس نے میثاق کو بدل ڈالا ہے اور ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ کے بعد سخت بلا میں پڑ گیا ہے۔ یہ عہدِ ربوبیت لیا گیا تھا، تاکہ کوئی بندہ شرک نہ کرے۔ ربوبیت کو لوگوں نے تسلیم کیا الا ماشاء اللہ، مگر الوہیت میں اکثر لوگ مشرک ہو گئے اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے بندے بنے۔ کوئی صنم و وثن کی پوجا کرتا ہے اور کوئی ملائکہ و نجوم کا پجاری ہے۔ کسی نے اولیا کو بندگی کے لیے چن لیا ہے، کوئی معشوق کا بندہ بن گیا ہے۔ پارسیوں کے دو خدا ہیں، نصاریٰ کے تین خدا اور ہنود کے چھتیس کروڑ معبود!!

ہدایت وضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ رسول یا اصنام کی طرف اس کی نسبت مجازاً ہوتی ہے، جیسے:

﴿ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ﴾ [طٰہٰ: ٨٥] [سامری نے انھیں گمراہ کر دیا]

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ﴾ [إبراهيم: ٣٦]

[انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا]

---

[1] مشكاة المصابيح (١/ ٢١)

روح:

روح محدث ہے، اسے ابدیت حاصل نہیں ہے۔ تمام صحابہ و تابعین کا یہی اعتقاد تھا۔ ان کے بعد ایک ایسا فرقہ نمودار ہوا، جس نے خیال ظاہر کیا کہ روح کو ابدیت حاصل ہے۔ تمام اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ روح مخلوق ہے۔ بعض محدثین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ کسی کا خیال ہے روح مر جاتی ہے، کسی نے کہا ہے نہ مرنا ٹھیک ہے۔ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر مر جاتی تو بدن سے مفارقت کے بعد حشر تک کیسے عذاب یا نعمت پاتی؟ صحیح بات یہ ہے کہ روح کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ فرمایا:

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بني إسرائيل: ٨٥]

[کہہ دو! روح میرے رب کے حکم سے ہے، تمھیں تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے]

تکلیف مالا یطاق (طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا):

حنفیہ اور معتزلہ کے نزدیک تکلیف مالا یطاق جائز نہیں ہے۔ اندھے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دیکھ اور لنگڑے کو چلنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ شافعیہ اور اشاعرہ کے نزدیک یہ تکلیف جائز ہے۔ اگر جائز نہ ہوتی تو یہ سوال کیوں اٹھتا، جو اس فرمانِ باری تعالیٰ میں مذکور ہے:

﴿رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ [البقرة: ٢٨٦]

[اے ہمارے رب! تو ہمیں ہماری طاقت سے زیادہ بوجھل نہ بنا]

حق بات یہ ہے کہ تکلیف مالا یطاق (طاقت سے زیادہ ذمے دار بنانا) جائز نہیں ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ٢٨٦]

[اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ ذمے دار نہیں بناتا]

پہلی آیت میں آفات سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اس سے تکلیف مالا یطاق مراد نہیں لے سکتے۔ دعا مانگنا تکلیف کے منافی نہیں ہے۔ یہ ویسی ہی بات ہے، جیسے حدیث میں بہت سی چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے، حالانکہ ان میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن پر صبر کرنے سے جنت کا وعدہ ہے۔

تکفیرِ اہلِ قبلہ:

اہلِ سنت کسی اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ضروریاتِ دین پر اتفاق ہے، مثلاً عالم کو حادث جانتے ہیں، اجساد کا حشر مانتے ہیں، اللہ کے لیے سبھی کلیات وجزئیات کا علم جانتے ہیں، اسی طرح باقی مسائلِ مہماتِ اسلامیہ کے معتقد ہیں، کیونکہ جو شخص تمام عمر اطاعت و عبادت کرتا ہے، مگر قدمِ عالم اور نفیِ حشر کا قائل ہے، اللہ کے لیے علم تسلیم نہیں کرتا تو اس کا شمار اہلِ قبلہ میں نہیں ہوگا۔ عدمِ تکفیر سے یہ مراد ہے کہ جب تک کفر یا ارتداد کی علامت نہ پائی جائے یا موجباتِ کفر میں سے کوئی شے صادر نہ ہو، تب تک اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، مثلاً صانع، عالم، قدیر، علیم، مختار وغیرہ کا انکار اس طرح کرنا جس طرح دہریہ کرتے ہیں یا بت پرستوں کی طرح غیر اللہ کی عبادت کرنا یا فلاسفہ کی طرح معاد کا منکر ہونا؛ یہ سب موجباتِ تکفیر میں داخل ہیں، اسی طرح نبی کا انکار اور تمام مرویاتِ وسائلِ شریعت کا انکار بھی موجباتِ تکفیر میں داخل ہے، ان کے سوا جو کچھ ہے، ان کا قائل مبتدع اور گمراہ ہے، اسے کافر نہیں کہہ سکتے۔ حدیث میں کسی کو کافر کہنے سے منع فرمایا گیا ہے۔[1]

محدثین محققین کا یہی عقیدہ ہے کہ صاحبِ تاویل کی تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ کسی آیت یا حدیث سے استدلال کرتا ہے، وہ صرف رائے اور قیاس استعمال نہیں کرتا۔ اس کی غلطی صرف اتنی ہے کہ اس نے آیت یا حدیث کے وہ معنی نہیں سمجھے جو حقیقت میں ہیں، مگر اپنے خیال میں مطلب صحیح نکالتا ہے، گو نفس الامر میں وہ معنی غلط ہیں۔ بہر حال اس کا ارادہ یہی ہوتا ہے کہ جو اس آیت یا سنت کا مطلب ہے، میں وہی کہتا ہوں، اس لیے اسے صرف مبتدع کہا جا سکتا ہے، کافر نہیں، جیسے زیدیہ حنفیہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ وہ لوگ جن کے صریح خیالات ہیں جیسے روافض اور خوارج وغیرہ تو ان کے کفر میں کوئی شک وشبہہ نہیں، خوارج کو کلابِ نار فرمایا گیا ہے[2] اور روافض کو بھی جہنمی ٹھہرایا گیا ہے۔ جو بدعت حدِ کفر تک نہیں پہنچی، اس کے فاعل کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے۔ جس کا قدم دائرہ احداث سے باہر ہو گیا ہے اور کفر کی سرحد تک اس کی رسائی ہو گئی ہے، وہ کافر ہے۔ کافر مشرک اور مبتدع فاسق

[1] المعجم الكبير للطبراني (١٢/٢٧٢) اس کی سند میں "عثمان بن عبداللہ بن عثمان الشامی" متہم بالوضع ہے، ضحاک بن حمزہ اور علی بن زید کمزور ہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة (٤٠٩٧)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٧٣)

میں امتیاز کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ فرائض اسلامیہ کا منکر یا تارکِ عمد کافر ہوتا ہے، اور سنن ثابتہ کا مخالف بدعتی کہلاتا ہے۔ کبائر کا مرتکب فاسق ہوتا ہے، فاسق کا رشتہ کفر سے نزدیک اور ایمان سے دور ہوتا ہے۔

رحمتِ الٰہی سے نا امیدی:

اللہ تعالیٰ سے مایوس ہونا کفر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [يوسف: ۸۷]

[اللہ کی رحمت سے صرف کافر قوم مایوس ہوتی ہے]

اللہ تعالیٰ سے بے فکر رہنا بھی کفر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [الأعراف: ۹۹]

[صرف خسارہ یاب قوم ہی ربانی تدبیر سے بے فکر رہتی ہے]

بالکل نا امید ہونا بہتر ہے نہ بالکل بے خوف ہو جانا اچھا ہے۔ بعض لوگ کثرتِ گناہ سے نا امید ہو جاتے ہیں کہ اتنے گناہ ہو گئے ہیں، معافی نہیں ہو سکتی، حالانکہ اگر مشرق و مغرب گناہ سے بھر جائیں تو بھی خالص توبہ سب کو مٹا دیتی ہے، پھر نا امیدی کس لیے؟

ایک حکایت:

ایک بوڑھا آدمی ایک بزرگ کے پاس آیا اور کہا: مجھ کو توبہ کرا دو اور نصیحت کرو۔ بزرگ نے کہا: تم بہت دیر سے آئے ہو۔ اس نے کہا: جو کوئی مرنے سے پہلے آیا ہے، وہ دیر سے نہیں آیا ہے، اس نے جلدی کی ہے۔ بزرگ حق پسند اور منصف مزاج تھے۔ کہا: تم سچے ہو، توبہ کرو۔

جب شرک توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو پھر دوسرے گناہ بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے، البتہ انابت کی توفیق اور ندامت درکار ہے، سو یہ اللہ کے ارادے ہی پر موقوف ہے، ورنہ سیکڑوں بد نصیب توبہ کر کے توڑ دیتے ہیں۔

بعض لوگ جو عبادت و اطاعت گزار ہوتے ہیں، اور کبائر سے بچتے ہیں، انھیں یہ وہم ہوتا ہے کہ ہماری مغفرت ضرور ہو جائے گی، کیوں کہ ہم اطاعت گزار ہیں، نافرمان نہیں ہیں۔ اسی طرح کے تصور و یقین کا نام بے فکری ہے، لیکن ان کو کیا معلوم کہ مرنے سے پہلے کیا ہوگا؟ ہو سکتا ہے کہ وہ گناہوں میں پھنس کر وفات پا جائیں تو ساری عبادت و طاعت دھری کی دھری رہ جائے گی۔ یہ بھی

دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے توبہ کی، سالہا سال تک صالح رہے، پھر یک بارگی آخری عمر میں جوانی کا جوش آیا، شیطان نے بہلایا اور لگے زنا کرنے، شراب پینے، گانے بجانے۔ کچھ ایسے بھی دیکھنے میں آئے کہ شراب کے نشے میں جوانی ہی میں مر گئے۔ بعض کو دیکھا گیا کہ حج کے بعد زنا کرتے کرتے قبر میں جا کر سڑ گئے اور ایسے بھی ملے کہ ان کے منہ سے کلمۂ کفر نکلنے لگا۔ اللھم احفظنا. اسی لیے یہ عقیدہ ٹھہرا کہ ایمان خوف و امید کے درمیان ہے۔ اس قدر اطمینان ہو کہ ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب کرتا رہے نہ ایسا خائف ہو کہ عبادت سے باز رہ جائے، بلکہ عمل صالح کے باوجود حسنِ خاتمہ کی دعا کرنی چاہیے اور معاصی سے توبہ کرتے رہنا چاہیے۔

معصیت کو جائز سمجھ لینا کفر ہے:

معصیت خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی، اسے جائز سمجھ لینا کفر ہے۔ اسے معمولی سمجھنا اور شریعت سے استہزا کرنا بھی کفر ہے۔ صغیرہ پر اصرار کرنا اور کبیرہ کا ارتکاب کرنا کبیرہ ہی ہوگا، لیکن معاصی کفر کا پیام بر ہوتے ہیں۔ ہر گناہ کے بعد دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے۔ پھر پیہم گناہ سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اوندھے برتن کی طرح بن جاتا ہے۔ اس وقت خود ہوش آتا ہے نہ کسی کے کہنے سننے سے اثر ہوتا ہے۔ آخر یہ گناہ اسے جہنم کے دروازے پر پہنچا دیتے ہیں اور دوزخ میں داخل کر دیتے ہیں۔ ہنسی، دل لگی اور مذاق میں بھی کفر کا کلمہ بکنا کفر ہے، کیونکہ اگرچہ اس کلمہ کا اعتقاد نہیں ہوتا، لیکن اس دل لگی سے دین کی توہین ہوتی ہے اور گناہ کا ہلکا سمجھنا متصور ہوتا ہے، اس لیے شریعت کی توہین کرنے والا کافر ہوگا، البتہ نقلِ کفر کفر نہ ہوگا۔ کوئی اگر یہ کہے کہ مذاق میں ہم نے کفریہ کلمہ جہالت کے سبب کہا تھا تو یہ جہل عذر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اکثر کفار جہل ہی کے سبب کفر کرتے ہیں۔ اب اگر مذاق کرنے والا معذور سمجھا جائے تو کفار کو بھی معذور سمجھنا چاہیے۔ صغیرہ یا کبیرہ میں جہل کا عذر کبھی مقبول ہو بھی سکتا ہے، مگر کفر و شرک میں جہل کا عذر مقبول نہیں، البتہ سہو و نسیان اور سبقت لسانی عذر ہے، لیکن اس صورت میں ضروری ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھ کر توبہ کرنا چاہیے، ورنہ وہ جانے اس کا کام جانے اور اپنی عاقبت کا ذمے دار وہ خود ہوگا۔

کاہن کی غیب دانی:

کاہن جو غیب کی خبر دیتا ہے، اس کو سچا جاننا کفر ہے۔ یہ مسئلہ قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ غیب کا علم صرف اللہ سبحانہٗ جل جلالہ کے پاس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل: ٦٥]

[زمین اور آسمان میں جو بھی ہیں غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے]

حدیث میں آیا ہے:

«مَنْ أَتَىٰ كَاهِناً فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ ﷺ» [1]

[جو شخص کاہن کے پاس آئے، پھر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو وہ محمد ﷺ پر نازل کردہ فرامین الٰہیہ کا منکر ہے]

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اولیا کو غیب کا علم نہیں ہوتا ہے۔ انھیں جو کچھ علم ہوتا ہے، وہ بہ طریق خرقِ عادت یا کشف یا الہام کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اگر کسی کا عقیدہ ہو کہ ولی کو غیب کی بات معلوم ہوتی ہے تو وہ شخص کافر ہے۔ جب غیب کا علم کسی نبی پیغمبر کو نہیں رہا تو کسی ولی، پیر، فقیر کی کیا ہستی ہے؟ رب تعالیٰ نے خود رسول اکرم ﷺ سے فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ [الأنعام: ٥٠]

[کہہ دو! میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب ہی جانتا ہوں]

پھر جب زندہ پیر کو غیب معلوم نہیں ہے تو مردہ پیر کو قبر میں غیب کی خبر کیسے ہو سکتی ہے؟ یاروں کو عقل کا ہیضہ ہو گیا ہے کہ اپنے ایمان کو ہر قبر ہر برہمن کے ہاتھ مفت بیچتے پھرتے ہیں۔ إنا للہ. کوئی رسول اللہ ﷺ کے لیے علمِ غیب ثابت کرتا ہے۔ روافض کے نزدیک ائمہ اہلِ بیت ما کان وما یکون کا علم رکھتے تھے، جبکہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے۔

مدہوش کے تصرفات:

نسفی نے کہا ہے کہ بدمست جس کی عقل جاتی رہتی ہے، یعنی اختیار کی باگ اس کے ہاتھ میں باقی نہیں ہے، اگر ہذیان بکتا ہے۔ کوئی کلمہ کفر اس کی زبان سے نکل جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لیکن مدہوش کے باقی تصرفات جیسے طلاق، عتاق، بیع اور شرا وغیرہ میں اختلاف ہے۔ مدہوش کا اسلام حالتِ مدہوشی میں اس لیے جائز ہے کہ کفر و ردت ایک مذموم چیز ہے۔ عقل کا زائل ہو جانا اس کے لیے عذر ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام مرغوب و مطلوب ہے، ہر طرح اس کا ثبوت

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٣٩٠٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٥) سنن ابن ماجه (٦٣٩)

واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے کہ مدہوش کا کفر، کفر مانا جائے گا، لیکن حدیث میں تین آدمیوں کو کسی بھی حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، ایک بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے گا۔ دوسرا دیوانہ جب تک وہ ہوش میں نہ آئے۔ تیسرا سونے والا جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے۔[1] اسی طرح مدہوش دیوانہ عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس کا شمار پاگل دیوانوں اور مفقود العقل لوگوں ہی میں ہوگا۔

دعا:

اللہ قاضي الحاجات مجیب الدعوات ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ﴾ [المؤمن: ٦٠]

[مجھے پکارو میں تمھاری (دعا) قبول کروں گا]

دعا کو اس آیت میں عبادت فرمایا گیا ہے، اس لیے غیر اللہ کو پکارنا شرک ٹھہرا ہے۔ جب تک دعا کسی گناہ اور قطع رحم کے لیے نہ ہو، تب تک مقبول ہوتی ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں آیا ہے۔[2] کافر کی دعا امورِ دنیا میں مقبول ہو سکتی ہے۔ مظلوم خواہ کافر ہو، اس کی دعا مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوتی ہے۔

ایصالِ ثواب:

مُردوں کے لیے زندوں کا دعا کرنا اور ان کے لیے صدقہ کرنا مُردوں کے لیے مفید ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ نمازِ جنازہ اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کی نمازِ جنازہ میں چالیس موحد نمازی شریک ہوں اور وہ مردے کے لیے دعاے مغفرت کرتے رہیں تو اللہ ان کی سفارش مرنے والے کے حق میں قبول فرماتا ہے۔ پھر جس کے جنازے میں ایسے سو آدمی ہوں تو اس کا کیا پوچھنا؟ سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: افضل صدقہ کیا ہے؟ فرمایا: پیاسوں کو پانی دینا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کی طرف سے ایک کنواں کھدوا کر وقف کر دیا۔[3] دوسری حدیث میں آیا ہے کہ دعا آئی بلا کو لوٹا دیتی ہے۔[4] صدقہ اللہ کے غضب کو ختم

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٤٠١)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٣٥)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٦٨١)

[4] یہ روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة (٣٦١٠، ١٤٢٩)

کر دیتا ہے،[1] بلکہ دعا قضا کو بھی پھیر دیتی ہے۔ "ثمار التنکیت في شرح أبیات التبثیت" میں ہے کہ دس چیزیں ہیں جن کا ثواب میت کو ملتا ہے۔ تین کا ذکر بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔[2]

1. صدقہ جاریہ۔
2. علم جس سے لوگ مستفید ہوں۔
3. نیک لڑکا جو میت کے لیے دعا کرے۔
4. رباط فی سبیل اللہ۔
5. اچھے کام کی بنیاد ڈال جانا۔
6. دین کی تعلیم دے جانا۔
7. قرآن شریف ترکے میں چھوڑنا۔
8. مسجد بنانا۔
9. نہر کھود جانا۔
10. مسافر خانہ بنوانا۔

ان کے سوا کنواں کھودنے، درخت لگانے کا بھی ذکر ہے۔ صدقہ والی حدیث بخاری میں ہے۔[3] روزے کے ثواب کا ذکر صحیحین کی روایت میں ہے۔[4] قریبی رشتے دار کی طرف سے حج کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ ہدیہ، دعا، استغفار، تلاوت اور نماز کا اجر بھی پہنچتا ہے، جب کہ یہ سارے کام میت کی طرف سے کیے جائیں۔ ان کا انکار کرنا شریعت کے مقصد کے خلاف ہے۔ ہاں سوم، چہلم، ششماہی، برسی کرنا بدعت و ضلالت ہے۔ سنتِ مطہرہ میں جس قدر آ چکا ہے اور جس طرح وارد ہوا ہے، اسی پر اقتصار کرنا اتباعِ سنت کی دلیل اور سعادت دارین کی علامت ہے۔

اجتہاد:

ہر مجتہد غلطی کر سکتا ہے اور اس کا اجتہاد صحیح بھی ہو سکتا ہے، خواہ اس کا اجتہاد شرعیات میں ہو،

---

[1] کنز العمال (٣٤٤/٦)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٦٣١)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٦٠٥)

[4] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١١٤٩)

خواہ عقلیات میں۔ بعض اشاعرہ اور معتزلہ کا یہ قول کہ ہر مجتہد مسائل شرعیہ فرعیہ میں جہاں کوئی برہان قاطع موجود نہیں ہے، مصیب ہی ہوتا ہے، درست نہیں ہے، بلکہ اللہ کا حکم معین ہے، اس پر ظنی دلیل موجود ہے۔ جس مجتہد نے اس کو پالیا، وہ تو مصیب ہے اور جس نے نہ پایا تو وہ مخطی ہے۔ مجتہد اس بات کا مکلّف نہیں ہے کہ وہ مصیب ہی ہو، کیوں کہ امر مجتہد فیہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہوتا ہے، جو کبھی مجہول ہوتا ہے اور کبھی ذرا واضح ہوتا ہے، اس لیے مخطی معذور ہوتا ہے اور ایک اجر کا مستحق اور مصیب دوہرے اجر کا مستحق۔ مخطی اپنی خطا میں بے گناہ ہے، اسی وجہ سے کسی مجتہد کو اس کی غلطی کی بنا پر عاصی، جبکہ برا بھلا کہنا درست نہیں ہے۔ جو لوگ مجتہدین اور ائمہ اربعہ کی بدگوئی کرتے ہیں، وہ بہت برے ہیں۔ کسی مسئلے میں مجتہد اگر خطا کر جائے اور اس کا اجتہاد قرآن و سنت کے مطابق نہ ہو تو مطلوب یہ ہے کہ اس غلطی پر عمل پیرائی سے احتراز کیا جائے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجتہد کو اس کی غلطی کی بنا پر برا کہا جائے۔ لیکن اس کو محنت کا اجر مل گیا، اسے برا کہنے والا مفت میں اپنی عاقبت خراب کرے گا۔ مجتہد غلطی کر سکتا ہے، قرآن خود اس پر دال ہے:

﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ﴾ [الأنبياء: ٧٩] [ہم نے سلیمان کو فہم عطا کر دیا]

اگر داود اور سلیمان علیہما السلام دونوں کا اجتہاد صحیح ہوتا تو فہمِ سلیمان کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ»[1]

[حاکم اگر اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح نکلے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد کرے لیکن اس کا اجتہاد غلط ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے]

بعض صحابہ نے بعض صحابہ کے اجتہاد کو غلط قرار دیا ہے، یہ بات حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے۔ حنابلہ کے نزدیک کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ یہی بات ابن دقیق العید نے بھی کہی ہے۔ زبیری کا بھی یہی خیال ہے۔ اس قول کی دلیل یہ حدیث ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ»[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩١٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧١٦)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٢٠)

[میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا]

اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ ہر عصر میں زمین کے کسی نہ کسی گوشے میں کوئی نہ کوئی مجتہد ضرور گزرا ہے۔ خصوصاً زمرۂ علمائے حنابلہ اور شافعیہ میں اور علی الخصوص عارفانِ کتاب وسنت میں۔ اجتہاد کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ سوائے ائمہ اربعہ کے کسی کے ہاتھ نہ لگی ہو۔ حنفیہ کو چھوڑ کر ائمہ ثلاثہ کے مقلدین میں ہمیشہ مجتہد مستقل اور مجتہد فی المذہب ہوتے رہے ہیں۔ ملک یمن ہمیشہ اہلِ اجتہاد کا گڑھ رہا ہے، اس ملک میں مقلد کمتر پیدا ہوئے اور مجتہد اکثر ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ لوگوں کو دعوت دیتے تھے کہ کتاب وسنت کا اتباع کریں۔ وہ اجتہاد کرتے یا روایات کے اندر ترجیح وتطبیق کر کے جمع کی صورت نکالتے۔ وہ رائے، قیاس اور غیر کے اجتہاد پر قانع نہیں ہوتے اور تقلید کو طریقۂ اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔

متاخرین اہلِ علم کو اجتہاد کے جو اسباب و ذرائع میسر ہیں، وہ اگلوں کو میسر نہیں تھے۔ پھر اجتہاد متقدمین پر ختم کر دینا انصاف کے خلاف نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اجتہاد کے شرائط اور ان سے بڑھ کر اجتہاد کی جو سہولتیں اصحابِ صحاح ستہ اور ائمہ کو حاصل تھیں، وہ ائمہ اربعہ میں کسی کو بھی حاصل نہیں تھیں۔ امام احمد کو علم حدیث دیگر ائمہ کی بہ نسبت زیادہ حاصل تھا۔ بخاری، مسلم اور ترمذی اس علم میں ان سے بھی بڑھ کر تھے۔ فرق صرف شرفِ تقدم زمانہ اور شرفِ کمالِ علم کا ہے۔ بے شک اولین سابقین کو متاخرین پر فضیلت حاصل ہے، مگر اس فضل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان ان کی غلطی میں بھی ان کی پیروی کرے۔

الٰہی دیدۂ تحقیق دہ ہر یک مقلد را
چو عینک تا بکے ہر سو بچشم دیگراں بیند

[یا الٰہی! ہر مقلد کو چشمِ تحقیق عطا فرما، وہ مقلد جو عینک کی طرح دوسروں کی آنکھ سے ہر طرف نگاہ کرتا ہے]

تقلید:

تقلید کے سلسلے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ بالکل جائز نہیں، بلکہ امام مالک اور جمہور علما کے نزدیک غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کرنا واجب ہے۔ یہ لوگ تقلید کو باطل کہتے ہیں۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عدمِ تقلید پر اجماع ہے۔ شوکانی نے "القول المفید" میں

تقلید کی ممانعت کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کیے اور "أدب الطلب" اور "إرشاد الفحول" میں اچھی طرح تقلید کا رد کیا ہے۔ ہمارے فرزند عزیز کا رسالہ ''اقلید'' بھی ردِ تقلید پر مشتمل ہے۔

تقلید کی ممانعت پر اگر اجماع نہ بھی ہو، پھر بھی یہ جمہور کا مذہب تو ضرور ہی ہے۔ مُردوں کی تقلید کے عدمِ جواز پر اجماع ہے۔ یہ اجماع جمہور کے مذہب کا موید ہے۔ اگر دلیل میسر نہ ہو تو مجتہد اپنی رائے پر چل سکتا ہے، لیکن دوسروں کو اس رائے پر چلنا درست نہیں۔ اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے، اس اجماع سے تقلید کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جو لوگ اجماع کو حجت سمجھتے ہیں، یہ ان کے لیے حجت قاطعہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ ہٹ دھرمی اور ضد میں آ کر یہ بات نہ مانیں اور تقلید کو واجب اور مستحب کہتے جائیں۔

تقلید عرف عام میں نام ہے کسی شخص کی بات کو بلا دلیل مان لینے کا، خواہ وہ بات کسی عالم کی ہو یا امام فقیہ اور بادشاہ کی یا کسی جاہل پیر فقیر کی ہو، مثلاً کتبِ فقہ و فتاویٰ اور رائے میں لاکھوں مسئلے ایسے ہیں، جن کے پیچھے کتاب و سنت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیے بغیر ان کا ماننا، ان کے مطابق فتویٰ دینا اور ان کے مطابق مسئلہ بتانا بد بختانہ تقلید ہے۔ دنیا میں فقہ الحدیث کی کتابیں کثرت سے موجود ہیں، جو عربی و فارسی اور اردو ہر زبان میں دستیاب ہیں۔ ان میں ہر مسئلہ دلیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے، رائے اور قیاس کا ان میں بالکل دخل نہیں ہے۔ ان سے مستفید ہونا اور ان کے مطابق عمل کرنا کافی ہے۔ منتقی الاخبار، بلوغ المرام، نہج مقبول، بنیان مرصوص، عرف الجادی، فتح المغیث اور بدور الاہلہ وغیرہ احکام، عبادات اور معاملات کے بیان کے لیے کافی ہیں۔

قرآن و سنت کے عالم سے جاہل کا یہ پوچھنا کہ فلاں مسئلے کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا کیا حکم ہے اور اس کا یہ بتلا دینا کہ قرآن و حدیث میں یوں آیا ہے، تقلید میں داخل نہیں ہے۔ اس کو روایت کہتے ہیں، اس کا نام رائے نہیں ہے۔ ممانعت رائے پر عمل کرنے کی آئی ہے، عمل بالروایہ کی ممانعت نہیں ہے۔ قرون ثلاثہ کے بعد مذاہب کی کتابوں میں ایک آفت یہ لگ گئی ہے کہ علما مذاہب ائمہ کے قواعد پر ہزاروں لاکھوں مسئلے اپنی رائے و قیاس سے لکھ گئے ہیں۔ جب کتاب و سنت سے ان کا موازنہ کیا جاتا ہے تو ہزار میں دس بیس مسئلوں میں بھی دلیل نہیں ملتی۔ یہ مسائل تو ایسے ہیں کہ اگر آج امامِ اعظم زندہ ہوتے اور ان سے فتویٰ لیا جاتا تو وہ ہرگز اس طرح کا فتویٰ نہ بتاتے۔ اگر ان کی طرف ان مسائل کو منسوب کیا جاتا تو ان پر سخت نکیر کرتے اور ان سے اپنی لاعلمی اور بے زاری کا

اظہار کرتے۔ اس طرح کے مسائل کا ائمہ اربعہ کی طرف انتساب کرنا محض ظن و وہم ہے۔ بہر حال علما اور درویشوں کی تقلید ایک ایسی چیز ہے جس کو خدا نے قرآن میں کفار و مشرکین سے متعلق بیان کیا ہے، مسلمانوں اور مومنوں کی طرف اس کا انتساب نہیں کیا ہے، مگر جس طرح آخر امت کے بعد والے لوگوں نے علم کلام و فلسفہ کو علومِ شریعت کا حصہ تسلیم کر لیا ہے اور دین کی صورت کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، اسی طرح اکثر عوام اور علما نے اتباع کے عوض تقلید اختیار کر لی ہے اور قرآن و حدیث کی جگہ کتب رائے و قیاس کو اصل فتویٰ سمجھ رکھا ہے، اس سمجھ کا انجام موت کے بعد سامنے آئے گا اور اس وقت منکر نکیر کے جواب میں "لا أدري" (میں نہیں جانتا) کے سوا کچھ نہ بن پڑے گا۔

مسئلہ تقلید میں ایک جماعت کا خیال ہے کہ عامی پر تقلید واجب ہے اور مجتہد پر حرام ہے۔ ائمہ اربعہ کے متبعین کا یہی قول ہے، لیکن ائمہ اربعہ کا یہ قول نہیں ہے۔ وہ سب کو اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کر گئے ہیں اور اپنی ذمے داری پوری کر گئے ہیں۔ یہ بات کہ عامی کے لیے تقلید واجب ہے، اس کی دلیل کتاب و سنت سے مل سکتی ہے نہ اجماع سے نہ قیاس ہی اس کے وجوب کا مقتضی ہے۔ یہ قول محض ایک نامعقول بات ہے اور غلط ذمے داری ڈالنا ہے۔ مزید یہ کہ اجماع میں مجتہدین کے اقوال کا اعتبار ہوتا ہے، عام مسلمانوں کا نہیں۔ مذاہب اربعہ کے مقلدین نے ائمہ اربعہ کی تقلید پر جو اجماع کر لیا ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں، اگر بہ فرض محال اسے اجماع مان بھی لیا جائے تو یہ اجماع کتاب و سنت کے منشا کے خلاف ہو گا، ایسی صورت میں وہ ہرگز لائقِ حجت نہ ہو گا۔ اجماع کے لیے خود مستند دلیل اور نص درکار ہے اور یہاں اکثر اجماعات محکیہ بے اصل ہوتے ہیں۔ جس مسئلے میں اہلِ شہر یا محلّہ یا اقلیم کا اختلاف نہ پایا جائے، خواہ کسی نے اس پر مجبوراً سکوت کیا ہو یا کھلم کھلا اس مسئلے کے خلاف کلام نہ کیا ہو، اس کو یاروں نے اجماع سمجھ رکھا ہے۔ اجماع تو جب ہوتا ہے کہ ساری امت کا اتفاق ہو یا مجتہدینِ ملت کا وفاق ہو، ورنہ کسی کے معمولی اختلاف کے اظہار سے اجماع کا ثبوت بے پایہ ہو جائے گا۔

جو شخص تقلید کا قائل ہے، اس کے جواز کی اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ تقلید واجب ماننے والوں کا تو مسئلہ ہی الگ ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی مولوی ملا یا فقیہ دس بیس فقہ کی کتابوں سے یہ روایت لے آئے کہ فلاں فلاں اہلِ علم نے اپنی فلاں فلاں کتاب میں تقلید کو واجب مستحب یا جائز لکھا ہے، لیکن ان اہلِ علم کا یہ حکم کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے، یہ بھی رائے اور

قیاس ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انھیں کتابوں میں بہت سے اہلِ علم کا عدمِ تقلید کا قول بھی مل جائے گا۔ جب ہم مذہب علما سے ان کی کتابوں میں دو طرح کی رائیں مل سکتی ہیں تو پھر ایسی صورت میں مسئلہ اللہ و رسول پر چھوڑ دینا چاہیے۔ دربارِ الٰہی سے جو حکم صادر ہو اور سنت میں جو راہنمائی ملے، وہی واجب مانیں۔ ہم نے مسئلہ تقلید کو کتاب و سنت پر پیش کیا تو فرضیت، وجوب اور استحباب کی بات تو الگ رہی، وہاں سے جواز کی بات تک نہ ملی۔

بعض علمائے مقلدین نے تقلید کے سلسلے میں بعض آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے، لیکن اس کی بنیاد نافہمی پر ہے۔ ''اعلام الموقعین'' اور ''الدین الخالص'' میں اس پر مفصل بحث موجود ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اس پر بڑی اچھی بحث فرمائی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تقلید کو واجب کہنے والوں کو چھوڑیے، جن لوگوں نے تقلید کو جائز قرار دیا ہے، وہ کوئی دلیل نہ پیش کر سکے جس کا جواب دینے میں دلچسپی لی جائے۔ ہمیں شرائع کو لوگوں کی آرا کی طرف لوٹانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، ہمیں تو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹنے کا حکم ملا ہے۔ قرونِ ثلاثہ جو بلاشبہہ اس امت کے بہترین قرون ہیں، جو چیز ان سے ہو سکی، اگر وہ کسی سے نہ ہو پائی تو اللہ ایسے لوگوں کو کسی لائق نہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز کی بے شمار آیتوں میں مقلدین کی مذمت کی ہے۔

قرآن پاک کے علاوہ جابجا حدیث میں اختلافِ امت کا ذکر ہے اور بدعت سے احتراز کرنے کی ترغیب ہے۔ یہ تقلید بدعت ہے، اس کا سنت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر سنت ہے تو ہمارے سر آنکھوں پر ہے، لیکن ذرا کاشانۂ نبوت سے اس کی سند تو ملے۔ یہ سارا اختلاف جس کی مذمت آئی ہے، اسی نیک بخت تقلید کی بدولت امت میں پھیلا ہے۔ اسلام میں عظیم تفرقہ اسی بدعتِ تقلید سے رونما ہوا ہے، جس کا انجام یہ ہوا کہ مسلمان اور اسلام دونوں غریب ہو گئے، اب فقط اسلام کا نام باقی رہ گیا ہے۔ مسلماناں درگور و مسلمانی در کتاب۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون.

مقلد کا ایمان:

اس مقلد کا ایمان جس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، صحیح ہے۔ اس کی شفاعت ہو سکتی ہے، گو استدلال کے ترک کر دینے سے وہ فاسق ٹھہرتا ہے۔ یہ ابو منصور کا قول ہے۔ ائمہ حدیث نے بھی اسی

طرح کہا ہے، مگر ترکِ استدلال پر فاسق نہیں ٹھہرایا۔ یہی مذہب ابو حنیفہ، مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، شافعی، احمد اور عام فقہا کا ہے۔ بعض علما کا خیال یہ ہے کہ علما کا اس پر اجماع ہے۔ اشعری اور عام معتزلہ اس کو مومن نہیں کہتے۔ ان کے نزدیک وہ تقلید کے دائرے سے باہر نکل کر ہی مومن ہو سکتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کا تبصرہ ہے کہ اشعری کا یہ قول ایسا ہے جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپنے لگتا ہے۔ یہ قول صرف غلط ہی نہیں بلکہ پوری امت پر ظلم ہے اور اس کی طاقت سے باہر ذمے داری ڈالتا ہے۔ وہ صحابہ جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے تھے، ان کو تو اجمالی ایمان کفایت کر گیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کے اندر موجود تھے، مگر ان پر یہ ذمے داری نہ ڈالی کہ تفصیلی استدلالی ایمان لے آؤ۔

ان کی کم علمی کے سبب ان سے یہ نہیں کہا کہ تم مومن نہیں ہو۔ سارے سابقین اولین نے اسی اجمالی ایمان پر اکتفا کیا تھا۔ اسی ایمان پر خیر القرون گزر گئے ہیں، بلکہ اکثر نے غور کرنے کو حرام کہا ہے اور اسے جہل و ضلال ٹھہرایا ہے۔ جوینی اور قشیری کا خیال ہے کہ یہ قول امام اشعری سے ثابت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بات صحیح ہو۔ ابن سمعانی کہتے ہیں کہ اصول کی معرفت کو واجب بتلانا متکلمین کے قول کی طرح درستی اور حجت سے بعید تر ہے۔

اجماع:

اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ ملتِ اسلام کا ایک گروہ، جن کے بارے میں عام لوگوں کا اکثر یا ہمیشہ خیال ہوتا ہے کہ یہ لوگ اچھے ہیں، کسی ایک بات پر اتفاق کر لیں۔ ایسے اتفاق کی بہ نسبت یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کسی حکم کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل ہوتا ہے۔ یہ اجماع اس امر پر ہوتا ہے جس کی اصل کتاب و سنت سے معلوم نہ ہو۔ وہ مسئلہ جس کی سند کتاب و سنت یا استنباط قرآنی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس کے قائل ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ یہ اجماع مذکورہ اجماع سے الگ چیز ہے۔ اسی طرح جس کا ثبوت قرآن و سنت سے نہ ہو، اس کے عدمِ جواز پر لوگوں کا اجماع ہے۔ یہ دونوں اجماع کسی حکم کے ثبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔

فرقہ ناجیہ:

فرقہ ناجیہ میں اختلاف ہے کہ یہ حال و قال کس فرقہ کا ہے؟ ہر طائفہ کا خیال ہے کہ ناجی وہی ہے۔ حنفیہ تو خود کو صحت پر اور دوسروں کو خطا پر سمجھتے ہیں۔ فرقہ ناجیہ کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو خود

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمائی ہے۔ معلم شرائع علیہ السلام نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ فرقہ ناجیہ وہ گروہ ہے جو میرے اور میرے اصحاب کی راہ پر ہے۔ دین سے جس شخص کو ادنا لگاؤ ہو، وہ معلوم کر سکتا ہے کہ رسول مصطفیٰ ﷺ اور اصحابِ مجتبیٰ کا کیا رنگ ڈھنگ تھا؟ ان کے اقوال، احوال اور افعال ہم تک پہنچ چکے ہیں۔ ان کے کھانے، پینے، جاگنے، سونے، چلنے، پھرنے، عبادت کرنے اور معاملہ کرنے کا حال ہم کو معلوم ہے۔ گویا ہم آج ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جس کسی کو اللہ نے انصاف پسند بنایا ہے، رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کی جو راہ ہے اور جس کی تفصیل سنت میں موجود ہے، اگر سنت کے آئینے میں وہ لوگوں کے اعمال و افعال کا جائزہ لے تو فیصلہ کر سکتا ہے کہ مبتدع کون ہے اور متبع کون ہے؟

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

> ''فرقہ ناجیہ وہ گروہ ہے جس نے اپنے عقیدہ و عمل کو ظاہر کتاب و سنت سے اخذ کیا ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین اسی طریق پر گزرے ہیں۔ غیر منصوص مسائل میں ان کا باہمی اختلاف جو بعض ادلہ سے استدلال یا مجمل کی تفسیر میں تھا، اس میں کچھ حارج نہیں۔ فرقہ غیر ناجیہ وہ گروہ ہے جس نے اپنا عقیدہ سلف کے خلاف یا کوئی عمل ان کے اعمال کے خلاف کیا ہے۔''[1]

امیر صنعانی رحمہ اللہ کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ جماعت اہلِ سنت یعنی اصحابِ حدیث ہیں، کیونکہ ان کا عقیدہ و عمل «مَا أَنَا عَلَیْهِ وَ أَصْحَابِيْ»[2] [جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں] کے مطابق ہے۔ باقی جتنے فرقے ہیں، گو وہ کفر سے علاحدہ ہوں، مگر بدعت سے خالی نہیں ہیں۔ مانا کہ جن کی بدعت سرحد کفر تک نہیں پہنچی ہے، کبھی وہ نارِ جہنم سے آزاد ہو جائیں گے، لیکن ان لوگوں کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتے جو خالص متبع قرآن و سنت ہیں۔

ان کی مثال ایسی ہی ہے کہ دو آدمی عبادت کرتے ہیں۔ ایک کو لذت ملتی ہے اور دوسرے کو کچھ حلاوت نہیں ملتی۔ یہ دونوں اگرچہ عبادت میں اخلاص کے سبب جنت میں جائیں گے، مگر جنت کا جو لطف صاحبِ لذت پائے گا، وہ اس بے حلاوت کو نہ ملے گا۔

---

[1] حجة الله البالغة (١/٣٥٩، ٣٦٠)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٤١)

فرقۂ ناجیہ اشعریہ، ماتریدیہ اور معتزلہ کی طرح کوئی متعین جماعت نہیں ہے۔ اس کی تشکیل مختلف آبادیوں، بستیوں اور قبائل سے ہوتی ہے۔ حدیث میں ان کی پہچان بتائی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب سب لوگ بگڑ جائیں گے تو یہ سنبھلے رہیں گے۔ اپنا دین لے کر فتنوں سے بھاگیں گے۔ جو سنت لوگوں نے بگاڑ دی ہے اس کو ٹھیک کریں گے۔ یہ ایک صالح قوم ہوتی ہے، ایسے بہت سے لوگوں میں تھوڑے ہوتے ہیں، عاصی بہت ہیں، مطیع کم ہوتے ہیں۔[1] یہی اس حدیث سے مراد ہیں:

«لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ»[2]

[میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر جمارہے گا]

حکومتِ اسلام کے زوال کے بعد سے اصحابِ حدیث کا حال اب تک یہی رہا ہے کہ یہ ہمیشہ قلیل اور ان کے اعدا کثیر رہے ہیں۔ ان کے دوست کم اور دشمن زیادہ رہے ہیں۔ زمانۂ نبوت سے آخر سلطنت اسلامیہ تک ہمیشہ ان کا ڈنکا بجتا رہا۔ اگرچہ ان کے وقت میں بھی مقلد رہے، لیکن وہ کمزور، مغلوب، مقہور اور پست تھے۔ جب سے اسلام اجنبی ہو گیا، اصلی مسلمان گور میں جاسو رہے۔ دنیا ظلم وفسق حبِ جاہ ومال سے بھر گئی، حق مضمحل ہو گیا، باطل غالب آیا، مقلدوں نے سر اٹھایا، حکومت نے ان کی ہمنوائی کی، پھر بھی ہر زمانے میں ایک نہ ایک گروہ اپنی اسی پرانی چال پر قائم رہا، حامیِ سنت اور ماحیِ بدعت رہا، قیامت تک یہ کارخانہ برابر اسی طرح چلتا رہے گا، صادق ومصدوق کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا میں یہی مقلد بھائی رہ جائیں اور عامل بالحدیث، متبع سنت اور موحد خالص مٹ جائیں، یہ نہیں ہو سکتا۔

فاسق مسلم حکمرانوں کا دور جانے دیجیے، اب جو موجودہ سلطنتِ کفر قائم ہے، مقلدین ان سلطنتوں کے دوست بن کر متبعینِ سنت کو مٹانا چاہتے ہیں، لیکن تب بھی انکی مراد پوری نہیں ہوتی ہے۔ یہ حکام کے پاس اہلِ اتباع کی جس قدر شکایت کرتے اور چغلی کھاتے ہیں، جتنی کتابیں اتباع سنت کے رد میں لکھتے ہیں، مناظرے کی جگہ مجادلہ، مخاصمہ، مکابرہ اور مشاتمہ کرتے ہیں، اتنا ہی اتباع کا نور پھیلتا جاتا ہے اور بدعت کی ظلمت مٹتی جاتی ہے۔ حکام وقت بھی ان کو پہچان گئے ہیں اور اہلِ حق کے خلاف ان کے داؤ پیچ

[1] مسند أحمد (۲/۱۷۷) المعجم الكبير (۹/۱٤)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۹۲۰)

جان گئے ہیں۔ اب وہ بھی ان خرافات کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ سیکڑوں مقلد اس زمانے میں ہدایت یاب ہو گئے ہیں، لیکن کسی نے یہ نہ دیکھا سنا ہو گا کہ دس بیس متبعین نے توبہ کر کے تقلید اختیار کی ہو۔ یہ معجزۂ رسول کا ظہور ہے۔ آپ کا وعدہ ہے کہ اس امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا اور قیامت تک کوئی مخالف اسے بھٹکا نہ سکے گا۔ وللّٰہ الحمد.

تین چیزیں علم ہیں:

اصحابِ حدیث کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ علم تین چیزوں کا نام ہے: قرآن، حدیث اور فرائض۔ اس کے سوا جو چیزیں ہیں، وہ زائد ہیں۔ اسے علم، صنعت، فن جو بھی نام دیا جائے، گو وہ لغتاً علم میں داخل ہو، مگر اسلام کی نگاہ میں علم انھیں چیزوں کا نام ہے۔

ارشادِ مصطفی ہے:

«اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ، وَمَا كَانَ سِوىٰ ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ»[1]

[علم تین ہیں: محکم آیت، مضبوط سنت اور عدل پرور فریضہ، ان کے سوا جو ہیں وہ زائد ہیں]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے وجوب کفائی کی تحدید ہوتی ہے۔ قرآن کی لفظی معرفت اور محکم کی تحقیقی معرفت واجب ہے۔ غریب کی شرح، اسبابِ نزول کی معرفت، مشکل کی توجیہ، ناسخ و منسوخ کی دریافت، متشابہ میں توقف یا اسے محکم سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔

سنتِ قائمہ وہ شرائع اور سنن ہیں جو عبادات اور ارتفاقات میں ثابت ہیں، انھیں پر فقہ حدیث موقوف ہے۔ قائمہ سے مراد وہ ہے جو منسوخ و مہجور نہیں ہے، جس میں شاذ راوی نہیں پایا جاتا اور جمہور صحابہ و تابعین کا اس پر تعامل رہا ہے۔ اس کی اعلیٰ قسم وہ ہے جس پر فقہاے مدینہ و کوفہ کا اتفاق ہو۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ مذاہبِ اربعہ کا اس پر اتفاق ہوتا ہے۔ پھر اس سے کمتر وہ قسم ہوتی ہے جس میں جمہور صحابہ کے دو تین قول ہیں، ہر قول پر اہلِ علم کے ایک گروہ نے عمل کیا ہے، اس قسم کی روایات موطا اور جامع عبدالرزاق وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان کے سوا جو کچھ ہے وہ بعض فقہا کا استنباط ہے،

[1] سنن أبي داود (۲۸۸۵) سنن ابن ماجه (٥٤) اس کی سند میں "عبد الرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی" اور اس کا استاد "عبدالرحمن بن رافع" دونوں ضعیف ہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

اس کا شمار سنتِ قائمہ میں نہیں ہو گا۔

فریضۂ عادلہ ورثا کے سہام ہیں۔ قضا کے ابواب کو بھی اس میں شمار کیا جاتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے تنازعات عدل سے طے کرنا۔ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے شہر کا خالی ہونا حرام ہے، کیونکہ دین انھیں تین چیزوں پر موقوف ہے، ان کے سوا بقیہ کا شمار زائد میں ہوتا ہے۔

اس تفصیل کا مطلب یہ ہوا کہ ہر شہر میں ایک ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو محدث، مفسر اور فرائض داں ہو۔ جو شہر عالمِ کتاب وسنت یا عارفِ احکامِ سہام سے خالی ہو، وہ شہر علم و برکت سے محروم ہے۔ اہلِ رائے اور فقہا چاہے جتنے ہوں، وہ قابل اعتنا نہیں۔ ان کا شمار اہلِ علم میں نہیں ہوتا۔ عالمِ قرآن و حدیث سے کسی شہر کا خالی ہونا حرام تھا، لیکن اب حلال ہو گیا ہے۔ إنا للّٰہ . . ! !

ہر بدعت گمراہی ہے:

ہر بدعت علی الاطلاق گمراہی ہے، یہ احادیث مستفیضہ سے ثابت ہے۔ بدعت کی رائج تقسیم کسی حدیث سے ثابت نہیں، اسی لیے علماے کاملین نے اس تقسیم کا انکار کیا ہے۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی بھی اس تقسیم کے منکر ہیں۔ اسی طرح علامہ شوکانی رحمہ اللہ اور جمہور محدثین کا یہی خیال ہے۔ جن علما کے یہاں تقسیم بدعت کا خیال پایا جاتا ہے، ان کے نزدیک سنت قلیلہ بدعتِ حسنہ سے بہتر ہے۔ سنتیں اس قدر ہیں کہ اگر کوئی سب پر عمل کرنا چاہے تو مشکل ہے، پھر بدعت پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس بدعت کے عوض اگر ادنا سنت بجا لائی جائے خصوصاً اس دور میں تو شہید کا اجر ملتا ہے۔ بدعت کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہو، اس پر مواخذہ ہونے والا ہے۔ جس کو عمل کی طاقت ہے اور فرصت بھی ہے، اسے اپنے اوقات کو سنت پر عمل کرنے میں لگانا چاہیے۔ اسی سے بازی جیتی جا سکتی ہے۔ غفلت کی صورت میں سنت زندہ کرنے کے اجر سے محرومی ہے۔ ہر بدعت ایک سنت ختم کر دیتی ہے، گو کسی کو معلوم نہ ہو۔ اصحابِ حدیث کا مذہب ہے کہ ہر بدعت، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، گمراہی ہے۔

افضل التابعین:

اہلِ مدینہ کہتے ہیں کہ افضل تابعی سعید بن المسیب رحمہ اللہ تھے۔ اہلِ بصرہ کے نزدیک حسن بصری رحمہ اللہ اور اہلِ کوفہ کے نزدیک اویس قرنی رحمہ اللہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ صحیح قول آخری ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت آئی ہے:

«إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِينَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ»[1]

[بہترین تابعی ایسا شخص ہے جسے اویس کہا جاتا ہے]

حنفیہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو تابعی مانتے ہیں۔ وہ انھیں بقیہ ائمہ مجتہدین سے افضل جانتے ہیں اور ان کی تقلید کرنا افضل سمجھتے ہیں۔ اول تو امام صاحب کی تابعیت میں کلام ہے اور اگر بہ فرض محال وہ تابعی تھے تو نص نبوی کی رو سے اویس قرنی ان سے افضل ہیں، پھر ان کی تقلید کرنا زیادہ افضل ہونا چاہیے۔ پھر جب کسی تابعی کی تقلید جائز ٹھہری تو صحابہ یقیناً ہر تابعی سے افضل ہیں۔ امت کا اس پر اجماع ہے۔ ایسی صورت میں تابعین کو چھوڑ کر صحابہ کی تقلید کرنا زیادہ بہتر ہے۔ پھر افضل صحابی کی تقلید مفضول صحابی سے بہتر ہونی چاہیے، اس سے بڑھ کر صحابہ کو چھوڑیے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید سب سے بہتر ہو گی، لیکن آپ کی تقلید کو تقلید نہیں اتباع کہیں گے، اسی اتباع کو اصحابِ حدیث نے پہلے ہی اختیار کر رکھا ہے، جو مقلدین کی انتہا تھی، وہ متبعین کی ابتدا ہے۔ وللہ الحمد.

بہر حال صحابہ کے بعد افضل امت تابعین ہیں، جس کی دلیل حدیث خیر القرون ہے۔ مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اَتباع تبع تابعین بھی خیر القرون میں داخل ہیں۔[2] اس بنیاد پر اصحابِ کتب ستہ بھی خیر القرون میں داخل ہوں گے۔ خیریت کی خصوصیت کچھ ائمہ مجتہدین تک محدود نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، لیکن ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک ان کا شمار تبع تابعین میں ہے، جس طرح امام مالک تبع تابعین میں شمار کیے گئے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد اور امام احمد رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح چاروں امام اور چھے ائمہ حدیث اہلِ قرون مشہود لہا بالخیر میں شمار ہوتے ہیں۔ وللہ الحمد.

ان قرون کے بعد باہمی تفاضل علم و عمل کے تفاضل پر موقوف ہے۔ پس جو کوئی عالم باعمل قرونِ خیر سے زیادہ قریب ہے، وہی زیادہ افضل ہے، جیسے اصحابِ سنن و معاجم اور مسانید وغیرہ کہ ان کو علم و ہدایت، راہنمائی و راہ بری، صدق و عدل، حفظ و دیانت، ثقاہت و انصاف، سلامت صدر و قلب، احسان و امانت، قیام بالدین، تبلیغ، شریعت، اقتداے آثارِ سلف صالحین، اخذ طریقۂ صحابہ و تابعین؛ ہر باب میں ان کو نمایاں فضیلت و برتری حاصل تھی۔ وہ ہر نقیر و قطمیر، قلیل و کثیر، جلیل و حقیر اور عسیر و یسیر

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵٤۲)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۳۳)

میں افعال نبویہ کے پابند اور طریقہ سلف پر کار بند تھے۔ ان کی روایت کا سلسلہ آج تک صحیح متصل سند تلقی بالقبول کے ساتھ رسول مقبول ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ان کا اور اہلِ رائے کے قیاس اور اجتہاد کا صرف اتصال سند ہی میں فرق نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک حیثیت سے یہ صحابہ کا حکم رکھتے ہیں۔ بارگاہِ نبوت میں باریابی اور صحبتِ نبوی میں فیض یابی سے اگرچہ یہ محروم ہیں، لیکن یہ اصحابِ انفاس مصطفوی ہیں۔ یہ امتیاز ایسا ہے کہ عوام کو تو چھوڑیے، علما بھی ان کے شریک وسہیم نہیں ہیں۔ فعلیك باتباعهم، اللهم ارزقنا.

فریب رائے عزیزاں کجا خورم کہ مرا
حدیثِ سید کونین بر زبان باقی ست

[میں عزیزوں کی رائے کے فریب میں کب آ سکتا ہوں، جبکہ میری زبان پر سید کونین کی حدیث باقی ہے]

کافروں پر انعام الٰہی:

دنیا میں کافر پر اللہ انعام کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنیا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْکَافِرِ»[1]

[دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے]

یہ نعمتِ ظاہری درحقیقت کافر کے حق میں ایک عذابِ الٰہی ہے، کیونکہ وہ اللہ کی اخروی رحمت سے محروم ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٥٥-٥٦]

[کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مال واولاد سے ان کی مدد کر رہے ہیں؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہم ان کے لیے اچھائیوں کے سلسلے میں جلدی کر رہے ہیں، لیکن انھیں معلوم نہیں]

معلوم ہوا کہ ان کی یہ نعمت یہیں دنیا تک ہے، آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔

مزید ارشاد ہے:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٩٥٦)

﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ﴾ [آل عمران: ۱۹۶-۱۹۷]

[تجھے ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے جنھوں نے کفر کیا۔ تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا بچھونا ہے]

ان آیتوں پر اہلِ ایمان اگر غور کریں تو دنیا کی ساری مصیبتیں ان کی نظر میں حقیر ہو جائیں گی، لیکن یہ اپنی کم فہمی کے سبب امرا و روسا کو خوش نصیب سمجھتے ہیں، فقرا اور غربا کو حقیر جانتے ہیں۔ وہ ظاہر فریقین میں اسی طرح کا تفاوت ہے، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کی یہ نعمت، دولت اور امارت و سلطنت آنی جانی ہے۔ آنکھ بند ہوئی تو ساری نعمت جاتی رہی، بلکہ اکثر زندگی ہی میں چھن جاتی ہے۔ البتہ اہلِ ایمان جب فوت ہوتے ہیں تو سیدھے روضہ جناں میں پہنچ جاتے ہیں۔ حدیثِ نبوی ہے:

« إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ »[1]

[قبر یا تو جنت کی ایک کیاری ہے یا جہنم کا ایک گڑھا ہے]

پہلے جملے میں صلحا کی آرام گاہ کا ذکر ہے، دوسرے میں کافروں اور نافرمانوں کی اذیت گاہ کا تذکرہ ہے۔ اے اللہ! ہمیں جنتی بنا جہنمی نہ بنا۔ آمین ثم آمین.

جادو اور نظرِ بد کی تاثیر:

جادو کی تاثیر اور نظر لگنا حق ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث ہے:

« اَلْعَيْنُ حَقٌّ »[2] [نظر لگنا حق ہے]

رب پاک نے فرمایا:

﴿ وَ مَآ أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ﴾ [البقرة: ۱۰۲]

[اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اتارا گیا]

دوسری جگہ پر ارشار فرمایا:

---

(1) سنن الترمذي (۲٤٦۰) اس کی سند میں عبید اللہ بن الولید الوصافی اور عطیہ العوفی ضعیف ہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ نیز دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة (٤٩٩۰)

(2) صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٤۰٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۱٨٧)

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ [الفلق: ٤]

[عقدوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے (پناہ مانگتا ہوں)]

موزوں پر مسح:

سفر اور حضر میں مقیم کے لیے ایک رات دن اور مسافر کے لیے تین رات دن موزوں پر مسح کرنا سنتِ صحیحہ سے ثابت ہے۔[1] جو اس کا انکار کرے گا، ڈر ہے وہ کفر کا ارتکاب کر بیٹھے۔ ایک جماعت نے موزوں پر مسح کا انکار کیا تھا، اس لیے اہلِ علم نے اس مسئلے کو فقہ سے نکال کر عقائد میں داخل کر دیا۔

نمازِ تراویح:

شبِ رمضان میں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنا سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔[2] یہ نماز عبادتِ نافلہ ہے۔ جتنی بھی زیادہ ہو، کوئی ممانعت نہیں ہے، مگر بیس یا اس سے زیادہ رکعات کا ثبوت کسی مرفوع حدیث سے نہیں ہے، نیز وجوب کا بھی ثبوت نہیں ہے، اس لیے اکثر اہلِ علم گیارہ رکعت مع وتر کو صحیح قرار دیتے ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے، لیکن تیس چالیس رکعت پڑھنے سے منع بھی نہیں کرتے۔ تراویح گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ نمازِ شب میں عدد مسنون یہی گیارہ یا تیرہ رکعتیں آئی ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے تراویح کی آٹھ رکعتیں پڑھیں، پھر وتر پڑھا۔[3] (رواه ابن خزيمة و ابن حبان)

عرفِ سنت میں اس نماز کو قیام رمضان کہتے ہیں نہ کہ صلاۃ التراویح۔ اس کا جماعت سے پڑھنا فعل نبوی سے ثابت ہے۔ اس لیے نافلہ میں جماعت کرنا کوئی منکر امر نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تین وتر پڑھی ہے،[4] لیکن یہ حجت نہیں ہے، غرض کہ یہ جماعت اس کمیت اور کیفیت کے ساتھ جو آج کل مروج ہے، دلیل مرفوع سے ثابت نہیں ہے، خواہ اسے جائز ہی کیوں نہ مانا جائے۔

نماز ہر نیک و بد کے پیچھے جائز ہے:

نماز ہر نیک و بد کے پیچھے جائز ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

---

(1) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٦)

(2) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٣٧٥)

(3) صحيح ابن خزيمة (١٠٧٠) صحيح ابن حبان (١٦٩/٦)

(4) سنن البيهقي (٤٩٦/٢)

«صَلُّوا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ»[1] [ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو]

ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ اور جماعات فاجر امام کے پیچھے نہیں پڑھتا، وہ اکثر علما کے نزدیک بدعتی ہے، البتہ اس کی نماز ہو جائے گی، اسے اعادے کی ضرورت نہیں۔ ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ وہ شراب خور تھا۔ اہلِ علم نے ہمیشہ فساق اہلِ اہوا اور اہلِ بدعت کے پیچھے نماز پڑھی ہے، کسی نے انکار نہیں کیا۔ جس نے انکار کیا ہے، اس کا مطلب کراہت لیا گیا ہے، عدمِ جواز نہیں، کیونکہ ایسی نماز کی کراہت میں کوئی کلام نہیں۔

معتزلہ باوجود یکہ فاسق کو مومن نہیں کہتے، مگر ہر فاسق کے پیچھے نماز پڑھنی جائز سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک شرطِ امامت عدمِ کفر ہے نہ کہ وجودِ ایمان۔

امام صابونی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اصحابِ حدیث کا اعتقاد ہے کہ جمعہ و عیدین وغیرہ نمازیں ہر امام مسلم کے پیچھے نیک ہو یا بد پڑھنا چاہیے۔ ان کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کرنا چاہیے، گو یہ ظالم و فاسق ہوں۔ ان کے لیے اصلاح و صلاح کی توفیق کی دعا مانگنا چاہیے، ان کے خلاف خروج نہیں کرنا چاہیے، گو وہ ظلم و جور کرتے ہوں۔ فرقہ باغیہ سے اس وقت تک لڑنا چاہیے، جب تک وہ امام کی اطاعت نہ قبول کر لیں۔[2]

اسی طرح نمازِ جنازہ ہر نیک و بد پر پڑھنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ میت کا انتقال حالتِ ایمان میں ہوا ہو، اس سلسلے میں مختلف روایتیں آئی ہیں، جو اگرچہ سنداً ضعیف ہیں، لیکن اہلِ سنت کا اس پر اتفاق اور عمل چلا آیا ہے، اس لیے اہلِ سنت یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

فاجر سے اس جگہ وہ شخص مراد ہے جو باوجود فاسق ہونے کے نماز روزہ وقت پر ادا کرتا ہے۔ فاسق سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو عمداً فرائض ترک کر دیتا ہے، کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا ہے، لیکن پھر بھی نماز نہیں پڑھتا، یا منافقوں کی طرح بے وقت پڑھتا ہے، یا کبھی پڑھتا ہے کبھی اڑا جاتا ہے، یا نماز پڑھتا ہے، مگر روزہ نہیں رکھتا ہے یا زکات نہیں دیتا ہے، یا استطاعت کے باوجود حج بیت اللہ نہیں کرتا، ایسے تمام لوگوں پر اصحابِ حدیث کے نزدیک نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں، خواہ فقہا کے نزدیک جائز ہی کیوں نہ ہو۔ نمازی فساق و فجار پر نمازِ جنازہ پڑھنی فقہا کے نزدیک بھی درست ہے، البتہ یہ الگ

---

[1] سنن الدار قطني (۲/۵۷) اس کی سند میں انقطاع ہے۔ نیز دیکھیں: سنن أبي داوٗد، رقم الحدیث (۵۹۴، ۲۵۳۳)

[2] عقیدۃ السلف أصحاب الحدیث للصابوني (ص: ۳۲)

ایک مسئلہ ہے کہ ایسے فاسقوں کی نماز مقبول ہوگی یا نہیں؟ جس کی نماز اسے فحش اور منکرات سے باز نہ رکھے، اس کی نماز کا کیوں کر اعتبار ہوسکتا ہے؟ معتبر نماز کی دلیل یہ ہے کہ ایسی نماز نمازی کو منکرات سے باز رکھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ﴾ [العنکبوت: ٤٥]

[نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے]

ایسی فقہی فروعات کا ذکر اصولِ عقائد میں اس لیے ہوتا ہے، تاکہ اہلِ سنت معتزلہ اور شیعہ سے ممتاز رہیں اور ایک خط فاصل دونوں کے درمیان قائم رہے۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے:

اصحابِ حدیث کا یہ اعتقاد ہے کہ ہر نشے والی چیز حرام ہے، خواہ انگور سے بنی ہو یا کھجور سے یا شہد سے یا کسی اور چیز سے، تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ نشے پر حد کو واجب سمجھتے ہیں۔

چند دیگر عقائد:

اصحابِ حدیث نماز کا اول وقت پر ادا کرنا تاخیر سے افضل مانتے ہیں۔ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا واجب جانتے ہیں اور رکوع وسجود کو مکمل کرنا واجب سمجھتے ہیں۔ رکوع اور سجود کا اتمام یہ ہے کہ ان کی بجا آوری اطمینان سے ہو۔ اطمینان یہ ہے کہ رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو، سجدے سے سر اٹھا کر اچھی طرح بیٹھے، سارے ارکانِ نماز اعتدال اور طمانینت کے ساتھ ادا کرے۔

رزقِ حرام:

ہر شخص اپنے رزق کو پورا کرتا ہے، حلال ہو یا حرام، کیونکہ دونوں سے تغذیہ حاصل ہوتا ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اکلِ حرام پر عقاب وعذاب ہے۔ معتزلہ کا یہ کہنا کہ حرام رزق نہیں ہے، درست نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ آدمی اپنا رزق نہ کھائے یا دوسرا شخص اس کے حصے کا رزق کھا جائے۔ حدیث نبوی ہے:

«لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا»[1]

[ہر شخص مرنے سے قبل اپنی روزی پوری کر لے گا]

[1] شرح السنة للبغوي (٤١١١) شعب الإيمان (١٠٣٧٦) السلسلة الصحيحة (٢٨٦٦)

اس کی تفصیل "بغیة الرائد"[1] میں موجود ہے۔

اللہ ظلم نہیں کرتا:

اللہ پاک کو قادر علی الظلم نہیں کہیں گے، اس لیے کہ محال قدرت کے تحت داخل نہیں ہے۔ معتزلہ کا خیال ہے کہ اللہ ظلم پر قدرت تو رکھتا ہے مگر ظلم کرتا نہیں۔

کتبِ اصولِ دین میں ہے کہ سچ تو یہ ہے کہ ایسے مسائل میں غور وخوص کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ اجمالی اعتقاد کہ باری تعالیٰ کی ذات پاک تمام نقص و زوال کی صفات سے پاک و مبرا ہے، تمام اوصافِ کمال اور عظمت و جلال اسی کے لیے ہیں، اتنا جان لینا کہ اللہ سے کذب وظلم صادر نہیں ہوتا، درستیِ ایمان کے لیے کافی ہے۔ ہمیں اس سے کیا مطلب کہ آیا وہ ان امور پر قدرت رکھتا ہے یا نہیں؟ ہم اجمالی طور پر اسے ہر شے پر قادر جانتے ہیں۔ یہ تفصیل جو یاروں نے ظلم وکذب میں نکالی ہے، شکوک واوہام سے خالی نہیں ہے۔ نسفی نے خوب کہا ہے:

"لَا يَخْرُجُ عَنْ عِلْمِهٖ وَ قُدْرَتِهٖ شَيْئٌ"[2]

[اس کے علم وقدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے]

[1] یہ مولف رحمہ اللہ کی رقم کردہ عقائدِ نسفیہ کی شرح ہے، جو "بغیة الرائد في شرح العقائد" کے نام سے مطبوع ہے۔

[2] شرح العقائد النسفية (ص: ٤٤) مکتبہ حقانیہ، ملتان

ساتواں باب

امامت و خلافت

مسلمانوں کے لیے ایک امام کا ہونا ضروری ہے۔ یہ امام حدود کو قائم کرے گا، سرحد کی نگرانی کرے گا، اسلامی لشکر فراہم کرے گا، امنِ عامہ برقرار رکھے گا، جمعہ و اعیاد قائم کرے گا، مسلم رعایا کے جھگڑے چکائے گا، حقوق پر فراہم شہادات کو قبول کرے گا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرے گا اور غنائم کو تقسیم کرے گا۔

یہ امام مخفی و منتظر نہ ہوگا، جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے، بلکہ اسے علی الاعلان اپنی امامت پر کار بند ہونا پڑے گا۔ امام کا قریشی ہونا شرط ہے، غیر قریشی کو امام نہیں بنایا جا سکتا۔ قریشیت کے ساتھ ہاشمیت کی شرط ہے نہ یہ ضروری ہے کہ امام اولادِ علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما میں سے ہو۔ امام کے لیے عصمت کی شرط ہے نہ اسے سارے اہلِ زمانہ سے افضل و اکمل ہونا ضروری ہے۔ افضل کے ہوتے مفضول کی امامت بھی جائز ہے۔ امام کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اہلِ ولایت مطلقہ کاملہ سے ہو، احکام کا نفاذ کر سکتا ہو اور حدود کی حفاظت اور دارالاسلام کی حمایت کر سکتا ہو، مظلوم کو ظالم سے حق دلا سکتا ہو اور سیاست شرعیہ چلا سکتا ہو۔ اگر یہ تمام ذمے داریاں وہ نبھا سکتا ہو تو اس کو کسی فسق یا ظلم کے ارتکاب کے سبب معزول نہیں کیا جا سکتا، بلکہ وہ بدستور امام بنا رہے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فسق سے امام کو امامت سے برطرف کیا جا سکتا ہے، لیکن صحیح قول وہی ہے جو پہلے بیان کیا گیا۔

امام کا تعین مخلوق پر واجب ہے، اللہ پر نہیں۔ اہلِ سنت اور عام معتزلہ کا یہی خیال ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ نبوت ہے:

«مَنْ مَاتَ بِغَيْرِ إِمَامٍ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»[1]

[جو امام کے بغیر مر گیا اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی]

[1] مسند أحمد (٩٦/٤)

صحابہ نے اس کام کو اتنا اہم اور ضروری سمجھا تھا کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی تدفین پر اسے مقدم سمجھا۔ حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ جس نے امام وقت سے بیعت نہ کی اور اس کی اطاعت اسے منظور نہ ہوئی تو اس کی موت کافروں جیسی ہو گی۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی وقت امام موجود نہ ہو، جس کی اطاعت کی جائے تو اس وقت کے سارے مسلمان جاہلیت کی موت مریں گے۔ اگر یہ مطلب نہ ٹھہرایا جائے تو پھر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جس جگہ مسلمان ہوں، ان کو چاہیے کہ وہ کسی قریشی کو اپنا امام بنا لیں، گو وہ ملک کسی غیر مسلم ہی کے ہاتھ میں کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے معاملاتِ دین میں اس کی طرف رجوع کریں اور امورِ دنیا میں حاکم وقت کے مطیع رہیں۔ طوائف الملوکی کا جواز بھی شریعت سے نکلتا ہے۔ ایک مستقل رئیس کی رعیت پر دوسرے رئیس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ ہر رئیس اپنی ریاست کا مستقل حاکم ہے۔ رعیت اگر اسی مسلمان حاکم کو اپنا امام بنا لے گی تو کچھ مشکل بات نہیں ہے، البتہ یہ شرط ملحوظ رہے کہ امام قریشی النسب ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر جس کا تسلط ہو، اس کی محکومیت میں رہنا پڑے۔ وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی بھی اطاعت سے منہ نہیں موڑنا چاہیے، گو وہ فاسق یا ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ أعلم بالصواب.

انعقادِ خلافت و امامت:

خلافت و امامت کا انعقاد کئی طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اربابِ بست و کشاد جیسے اہلِ علم، افسرانِ لشکر اور اہل کار دانشور، جو اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہوں، جمع ہو کر کسی کی بیعت کر لیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح قائم ہوئی تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کے لیے وصیت کر جائے، جس طرح ابو بکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے لیے کہہ گئے تھے کہ میرے بعد ان کو خلیفہ بنانا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مشورے پر چھوڑ دیا جائے، جس طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے کیا تھا۔ انھوں نے چھے افراد کو متعین کیا تھا کہ ان میں سے جس کو سب لوگ پسند کریں وہی خلیفہ ہو۔ اسی طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ خود کوئی شخص جامع شروطِ امامت لوگوں پر مسلط ہو جائے، جس طرح

سارے خلفاے اسلام خلافتِ نبوت کے بعد خلیفہ بن گئے تھے۔

پھر اگر کوئی ایسا آدمی ملک پر قابض ہو گیا جس میں امامت کے شروط جمع نہیں ہیں تو ایسی حالت میں بھی اس کی مخالفت درست نہیں، کیونکہ اس کو خونریزی، فتنہ اور فساد کے بغیر ہٹایا نہیں جا سکتا اور اس کو معزول کرنے کے جو مصالح ہو سکتے ہیں، وہ تو حاصل ہونے سے رہے، اس کے بجائے ایک عظیم فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے ایسے حاکموں سے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا ہم ان کو چھوڑ نہ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں اور تم ان کا کوئی صریح کفر نہ دیکھو جس کی تمھارے پاس برہان ہو، تب تک انھیں نہیں چھوڑ سکتے۔[1]

جتنے امرا یا بادشاہ جو حاکم بن بیٹھے یا اس وقت ہیں اور ان کے اندر شرائطِ امامت نہیں تھے یا نہیں ہیں، ان سے اس بنیاد پر بغاوت نہیں کی جاتی کہ ان کو معزول کرنے میں فساد عظیم برپا ہو جائے گا۔ ان کی معزولی سے جو مقصد پیش نظر ہوتا ہے، وہ حاصل نہیں ہوتا، پھر مفت میں بکھیڑا کھڑا کرنے سے کیا فائدہ؟ وہ کیسے بھی ہوں، آخر اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں، نماز تو قائم کرتے ہیں، گو کیسی ہی ٹوٹی پھوٹی عبادت کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر وہ بالکل نماز ترک کر دیں، صریح کفر اختیار کر لیں اور ضروریاتِ دین کا انکار کر بیٹھیں تو پھر ان کا قتل کرنا ان سے لڑنا بھڑنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہ قتال جہاد کا حکم رکھتا ہے، اس پر فساد کا حکم نہیں لگ سکتا، اس لیے کہ اب وہ مصلحت فوت ہو گئی جس کی خاطر ان کی امامت کو تسلیم کیا گیا اور ان کی ریاست و حکومت پر صبر کیا گیا، اس کے بجائے اب فساد عام پیدا ہو گیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان مرد پر اس وقت تک امام کی سمع و طاعت ہر پسند و ناپسند میں واجب ہے، جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہیں دیتا ہے، اگر وہ کسی معصیت کا حکم دے تو اس کی سمع و طاعت ضروری نہیں۔[2] اس وقت اس کی بات سننا اور اس کے کہنے پر چلنا ممنوع ہے۔

خلافت و امامت صحیح حدیث «اَلْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ» [امام قریش سے ہوں گے] پر مبنی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے لیے یہ قطعاً درست نہیں کہ غیر قریشی کو اپنا امام بنائے، گو وہ کیسا ہی لائق فائق کیوں نہ ہو۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ سخت گنہگار، اور حکم الٰہی اور رسول احمد مختار کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن جس جگہ عامہ مسلمین کا زور نہ چلے اور کوئی ترک، مغل، پٹھان یا پارسی غلام بہ زور شمشیر

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٦٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٠٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٩٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٣٩)

جنگ و حرب سے حاکم بن بیٹھے تو اب چاروناچار جب تک وہ عمداً نماز نہ ترک کرے اور کفر صریح کا مرتکب نہ ہو، لائقِ اطاعت ہے۔ پھر اگر وہ یہ کام کرتا ہے تو شرعاً اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی اور اگر کوئی اس پر خروج کرے تو عاصی نہیں ہو گا۔

شریعت کی رو سے عورت کو امام بنانا بالکل درست نہیں ہے، بلکہ حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جس قوم نے اپنا کاروبارِ حکمرانی کسی عورت کو سونپ دیا، وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔[1] (بخاری) اس لیے جس ملک میں عورت حاکم ہوتی ہے، وہاں کبھی صلاح و فلاح نہیں دیکھی جاتی۔ فلاح کا کیا ذکر عورت اپنی ہی فلاح و صلاح کو نہیں سمجھ سکتی، اس سے ملک کی فلاح و صلاح کیا خاک ہو سکے گی؟ وہ خود بھی تباہ ہو گی اور دوسروں کو بھی تباہ کرے گی۔ آخر نقصانِ عقل اور نقصانِ دین کا کچھ تو ظاہر نتیجہ ہونا ہی چاہیے۔ إنا للّٰہ ...!

بیعت ایک ہی ہو سکتی ہے:

جب ایک امام سے بیعت کر لی گئی، پھر کوئی دوسرا شخص اٹھ کھڑا ہو اور امامت چھیننا چاہے تو اس سے قتال کرنا حلال ہے اور مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی مدد کریں۔ پھر اگر باغی کی بغاوت ایسی ہے کہ جس کی تاویل ہو سکتی ہے، مثلاً وہ اپنے یا اپنی قوم یا خود اس امام کی منقصت دور کرنا چاہتا ہو اور اس کی خاطر وہ شرعی دلیل بھی پیش کرتا ہو، گو وہ جمہور مسلمین کے نزدیک مسلم نہ ہو، نیز اس میں کوئی ایسا برہانِ الٰہی بھی نہ ہو جس کا انکار نہ ہو سکتا ہو تو اس صورت میں ایسے باغی کی بغاوت اتنی اہم نہ ہو گی، جتنا ایسے باغی کی بغاوت اہم ہو گی، جو محض فتنہ و فساد اور خونریزی کی خاطر شمشیر بہ کف ہو اور شریعت کو نہ مانتا ہو۔ جب ان دونوں کی بغاوت یکساں نہیں ہے تو ان پر حکم بھی یکساں نہ لگے گا۔

پہلے قسم کے باغیوں کا حکم یہ ہے کہ امام کسی عالم ناصح کے پاس ایسے لوگوں کو بھیج دے گا جو ان کے شبہات دور کرے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہی کیا تھا کہ حروریہ خوارج کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا، تاکہ انھیں سمجھا بجھا کر جماعت مسلمین میں لوٹا لائیں،[2] ورنہ پھر ان سے جنگ ہو۔ ایسے باغیوں کے ساتھی اگر پیٹھ پھیر کر جنگ سے بھاگ جائیں تو انھیں قتل کیا جائے گا نہ زخمی کو مارا جائے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٦٨٦)

[2] سنن أبي داوٗد، رقم الحدیث (٤٠٣٧)

گا، کیونکہ اس قتال کا مقصد ہی یہ ہے کہ فتنہ وفساد دور کیا جائے اور مفسدوں کا قلع قمع کیا جائے۔ جب یہ مقصد خود ہی حاصل ہو تو اور بہتر ہو گا، مزید قتل وخونریزی کی ضرورت ہی کیا ہے؟

رہی دوسری شکل تو ایسے باغی کو محارب قرار دیا جائے گا اور اسے ڈاکوؤں اور فسادیوں میں شمار کیا جائے گا۔ ان کی سزا کا بیان قرآن پاک میں موجود ہے۔[1] وہی کافی، وافی اور شافی ہے۔

قضاے فاسق:

فاسق شخص کو قاضی یعنی حاکم مقرر کرنا مذاہب ثلاثہ کے علما کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قاضی نے رشوت لی ہے تو اس کا حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ اگر رشوت دے کر عہدۂ قضا حاصل کیا گیا ہے تو قاضی ہونے کے بعد بھی اس کی قضا صحیح ہو گی نہ اس کا نفاذ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ تفتازانی شافعی اور ملا علی قاری حنفی کا بیان ہے۔

اب حرمین شریفین میں غالباً اسی قسم کے قضات آتے ہیں، جنھوں نے یہ شرعی خدمت بڑی خطیر رقم دے کر حاصل کی ہوتی ہے، لیکن قضا پانے کے باوجود دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ جب ایسی قضا شافعی اور حنفی مذہب میں درست نہیں ٹھہری تو پھر اصحابِ حدیث کے یہاں ایسی قضا کیا مقام پا سکتی ہے؟

قرآن میں رب کریم نے فرمایا:

﴿ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [المائدة: ٤٧]

[اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں]

ایک دوسری آیت میں ﴿ظالمون﴾ اور تیسری آیت میں ﴿کافرون﴾ ارشاد ہوا ہے۔

"ما أنزل اللّٰه" سے فقط قرآن ہی مراد نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ اپنے عموم کے مطابق خود حدیثِ نبوی کو بھی شامل ہے، اس لیے رسول اکرم ﷺ کے سارے منطوق و ملفوظ کو قرآن میں وحی رب الارباب قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ٢-٣]

[وہ خواہش نفسانی سے بات نہیں کرتا۔ اس کا نطق وحی ہوتی ہے جو اسے کی جاتی ہے]

---

[1] دیکھیں: سورۃ المائدۃ [آیت: ٣٣]

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص امام ہو یا عالم، مفتی ہو یا قاضی، مگر وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ اپنی مخالفت کے برابر عاصی ٹھہرے گا۔ تھوڑی سی مخالفت سے فاسق ہو گا، اوسط درجے کی مخالفت میں ظالم قرار پائے گا اور اعلیٰ درجے کی مخالفت میں کافر ہو جائے گا۔ اللهم احفظنا.

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

[تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکر سے روکتے ہو]

لیکن شرط یہ ہے کہ اس کام سے کوئی فتنہ نہ برپا ہو، کیونکہ یہ کام اس لیے واجب ہے کہ منکر کے انکار سے معروف حاصل ہو، لیکن جب اس کے انکار سے دوسرا زیادہ بڑا منکر رونما ہو جانے کا خدشہ ہو تو پھر نہی عن المنکر کے بجائے سکوت بہتر ہے۔ مثلاً ملوک و روسا پر انکار کرنے سے اگر بغاوت لازم آئے تو یہ شر و فساد کا منبع ہو جائے گا۔ صحابہ نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا تھا کہ جو امرا نماز تاخیر سے پڑھتے ہیں تو کیا ہم ان سے جنگ کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں، ان سے نہ لڑو۔[1] آپ نے یہ بھی فرمایا: جو شخص اپنے امیر کے منکر کو دیکھے تو اس پر صبر کرے، اس کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔[2] اسلام میں فتن اکثر اسی طرح رونما ہوئے کہ منکر پر بالکل صبر نہ کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ مکے میں بڑے بڑے منکرات ملاحظہ کرتے تھے، قدرت نہ تھی کہ انھیں بدل دیں، ناچار صبر کرتے تھے۔ جب اللہ نے مکہ فتح کر دیا، دار الکفر دار الاسلام ہو گیا تو آپ ﷺ نے چاہا کہ کعبے کو اس کے اصلی حال پر لوٹا دیں، مگر فتنے کے خوف سے ایسا نہ کیا۔

اگر انکار کا فائدہ نظر آئے تو زبان سے نصیحت کی جائے، دل سے برا سمجھا جائے، مگر ہاتھ سے لڑنا نہیں چاہیے اور اگر فائدے کی توقع نہیں ہے تو خاموشی بہتر ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ انکار منکر کے چار مراتب ہیں۔ ایک مرتبہ یہ ہے کہ منکر بالکل دور ہو جائے اور اس کی جگہ معروف قائم ہو جائے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ منکر کم ہو جائے، گو بالکل

[1] صحیح مسلم، رقم الحديث (٦٤٨)

[2] صحیح البخاري، رقم الحديث (٦٦٤٦) صحیح مسلم، رقم الحديث (١٨٤٩)

زائل نہ ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ایک منکر تو ختم ہو جائے لیکن اس کی جگہ اسی طرح کا منکر آ جائے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ ایک منکر زائل ہو اور اس کی جگہ اس سے بدتر منکر آ جائے۔ چاروں مرتبوں میں دو تو مشروع ہیں، تیسرا اجتہاد کا مقام ہے، چوتھا مرتبہ حرام ہے، مثلاً کسی کو دیکھا گیا کہ وہ شطرنج کھیلتا ہے، اگر اس کو منع کیا جائے تو شطرنج چھوڑ کر شراب پینے لگے گا، ایسی صورت میں انکار کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ شطرنج چھوڑ کر تیر اندازی یا گھوڑ سواری اختیار کر لے تو پھر انکار میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح جب فساق لہو ولعب میں مبتلا یا گانے بجانے میں پھنسے ہوں اور یہ امید ہو کہ وہ اس کام کو چھوڑ کر شریعت کی اطاعت اختیار کر لیں گے تو ان پر انکار کرنا چاہیے، ورنہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر ایک آدمی قصے کہانی کی کتاب دیکھتا سنتا ہے، خدشہ یہ ہے کہ اگر اسے منع کیا جائے تو وہ اہلِ بدعت وضلالت کی کتابیں دیکھنے لگے گا تو اس پر نکیر کرنا ضروری نہیں ہے، ہاں اگر کتبِ توحید وسنت سے اشتغال کرنے کی امید ہو تو اسے روکنا چاہیے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ۔رحمه الله وأدخله في فسيح جنانه۔ نے فرمایا کہ ایک بار میں اپنے رفقا کے ساتھ تاتاریوں کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ وہ لوگ شراب پی رہے ہیں۔ میرے رفقا نے ان پر نکیر کی تو میں نے کہا: تم یہ کیا کرتے ہو؟ شراب اس لیے حرام ہوئی ہے کہ وہ نماز اور ذکرِ الٰہی سے روکتی ہے، ان لوگوں کو شراب قتل وخونریزی، نسل انسانی کو تباہ کرنے اور مال لوٹنے سے باز رکھتی ہے۔ انھیں کچھ نہ کہو۔ اگر یہ اس وقت شراب سے باز رہیں گے تو مذکورہ کام کریں گے۔ غرض یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مسئلہ بڑا وسیع ہے۔ عالم ہوش مند اور مومن عقل مند وقت کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسنِ تدبیر سے یہ فریضہ انجام دے گا اور اگر وقت کا تقاضا خاموشی ہے تو خاموشی بہتر ہے۔

آٹھواں باب

سیرتِ سلف

اصحابِ حدیث ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کیا کرتے تھے کہ سونے کے بعد رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھیں، صلہ رحمی کریں، سلام پھیلائیں، کھانا کھلائیں، فقرا، مساکین اور یتیموں پر شفقت کریں، مسائلِ ملت سے دلچسپی رکھیں، کھانے، پینے، پہننے اور نکاح کرنے میں عفت اختیار کریں، صدقہ خیرات زیادہ کریں، نیکی کے کام میں سبقت کریں، دشمنی اور دوستی دین کی خاطر کریں، دینِ الٰہی میں جدال سے احتراز کریں، مذہبی نزاعات سے بچیں، اہلِ بدعت وضلالت سے الگ رہیں، اصحابِ اہوا و جہالات سے عداوت رکھیں، سلف صالحین کے مقتدی بنیں، ائمہ دین اور علمائے مسلمین کی عزت و ادب کریں اور اکابرِ اسلام کے طریقۂ دین پر چلیں۔ انھوں نے جس دین مبین اور حق مبین کے ساتھ تمسک کیا تھا، اسی کو پکڑے رہیں اور بدعتیوں کی بدعات ایجاد کرنے کے سبب ان سے بے زار رہیں، ان سے بات چیت ترک رکھیں، ان کی مصاحبت اور مجالست سے احتراز کریں اور ان سے بحث و مباحثہ نہ کریں، تاکہ ان کے اوہام، وساوس اور اباطیل سے محفوظ رہیں۔ رب پاک نے اسی سلسلے میں فرمایا:

﴿ وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ﴾ [الأنعام: ٦٨]

[اور جب ہماری آیتوں میں لوگوں کی عقل خرامی دیکھو تو ان سے الگ رہو تا کہ وہ دوسری بات میں لگ جائیں]

بدعتیوں کی بدعت پسندی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ محدثین اور اہلِ حدیث سے انھیں سخت عداوت ہوتی ہے اور انھیں حقیر جانتے ہیں، ان کو حشویہ، جہلہ، ظاہریہ اور مشبہہ کہتے ہیں۔ ان کا سارا عمل حدیثِ نبوی ﷺ کے خلاف ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک علم وہی ہے جو عقل کی حیرانی، شیطان

کے وسوسے اور نفس پرستی سے حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ شکوک و شبہات کا شکار رہتے ہیں اور حق کو دریافت نہیں کر پاتے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴾ [محمد: ٢٣]

[یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے، اللہ نے انھیں برا بنا دیا ہے اور ان کی نگاہوں کو بے نور کر دیا ہے]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴾ [الحج: ١٨]

[جسے اللہ ذلیل کر دے تو اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے]

احمد بن سنان قطان رحمہ اللہ کا قول ہے:

"لیس في الدنیا مبتدع إلا و ھو یبغض أھل الحدیث، و إذا ابتدع الرجل بدعة نزعت حلاوة الحدیث من قلبه"[1]

[دنیا کا ہر بدعتی اہلِ حدیث کو ناپسند کرتا ہے، جب انسان بدعت کرنے لگتا ہے تو حدیث کی حلاوت اس کے دل سے چھن جاتی ہے]

نصر بن سلام فقیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لیس شیئ أثقل علی أھل الإلحاد ولا أبغض إلیھم من سماع الحدیث وروایته بإسنادہ"[2]

[اہلِ الحاد کے لیے سب سے مشکل اور ناپسند چیز حدیث کا سماع اور اسناد کے ساتھ اس کی روایت ہے]

امام حاکم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ احمد بن اسحق رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے اثنائے مناظرہ کہا: "حدثنا فلان" [ہم سے فلاں نے بیان کیا] اس نے کہا: اسے چھوڑو! کہاں تک حدثنا چلے گا؟ احمد نے کہا: اے کافر! اٹھ بھاگ اور آج کے بعد میرے گھر کا رخ نہ کرنا۔ حاکم کا بیان ہے کہ پھر احمد میری طرف

---

[1] أحادیث في ذم الکلام وأھله لأبي الفضل المقرئ (٢/٧٢)

[2] أحادیث في ذم الکلام وأھله لأبي الفضل المقرئ (٢/٧٣)

متوجہ ہوئے اور کہا: اس شخص کے علاوہ آج تک میں نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ میرے گھر نہ آنا۔[1]

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اہلِ بدعت کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ حدیث کی بدگوئی کرتے ہیں۔ زندیقوں کی نشانی یہ ہے کہ اہلِ حدیث کو حشویہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ اپنے اس طعن سے احادیث کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ قدریہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو جبریہ کہتے ہیں۔ جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو مشبہہ کہتے ہیں اور روافض کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو ناصبی کہتے ہیں۔ یہ سب محض عصبیت کی وجہ سے کہتے ہیں۔ اہلِ سنت کا صرف ایک نام ہو سکتا ہے اور وہ اصحاب الحدیث ہے۔''[2]

امام صابونی رحمہ اللہ نے ان اقوال کو باسند نقل کرنے کے بعد فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں اہلِ بدعت نے اہلِ سنت کو یہ تمام نام دے کر مشرکین کا کردار ادا کیا ہے۔ مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا۔ کسی نے آپ کو کاہن کہا تھا، کسی نے شاعر بتلایا اور کسی نے ساحر کہہ کر پکارا۔ کچھ کا خیال تھا آپ نعوذ باللہ مجنون ہیں۔ چند لوگوں نے آپ کو جھوٹا بھی سمجھا، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام تہمتوں سے بری تھے۔ آپ صرف رسول مصطفیٰ اور نبی مجتبیٰ تھے۔''[3]

رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴾

[بني إسرائيل: ٤٨]

[دیکھو وہ تمھارے لیے کیا مثالیں بیان کرتے ہیں، یوں وہ گمراہ ہو گئے، وہ راہ یاب نہیں ہو سکتے]

یہی حال بدعتیوں کا ہے۔ سنتِ رسول سے ہدایت یاب، سنت کے شیدائی، راویانِ حدیث، حافظینِ آثار نبویہ اور ناقلینِ فرمانِ رسالت کو انھوں نے بے شمار ناموں سے یاد کیا۔ کسی نے ان کا نام حشویہ رکھا، کسی نے انھیں جبریہ کہا، کسی نے مشبہہ سے یاد کیا، کسی نے نائیہ سے یاد کیا اور کچھ نے

---

[1] أحاديث في ذم الكلام وأهله لأبي الفضل المقرئ (٢/ ٧١)

[2] العلو للعلي الغفار للذهبي (١/ ١٩٠)

[3] عقيدة السلف أصحاب الحديث (ص: ٣٦)

انھیں ناصبی کا خطاب دیا، حالانکہ اہلِ حدیث ان تمام معائب سے بری ہیں اور ان خرافات سے پاکیزہ ہیں۔ وہ صرف اہلِ سنت مضیہ اور پسندیدہ سیرت لوگ ہیں۔ ان کی راہ سیدھی ہے اور ان کے پاس قوی دلائل و براہین ہیں۔ رب تعالیٰ نے انھیں اپنی کتاب، وحی اور خطاب کے اتباع کی توفیق دی ہے، اپنے رسول کی اقتدا کی ہدایت کی ہے اور آپ ﷺ کے اخبار و احادیث کو راہِ عمل بنانے کی توفیق بخشی ہے۔ ان میں آپ کی امت کے لیے معروف کے قول و عمل کا حکم ہے اور نہی عن المنکر کی خبر ہے۔ رب تعالیٰ نے انھیں آپ کی سیرت کو حرزِ جاں بنانے اور اس سے ہدایت یاب ہونے کے لیے نصرت عطا کی ہے۔ آپ کی محبت ائمہ دین اور علماے شریعت کی محبت کے لیے ان کو شرح صدر عطا کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو قوم جس سے محبت کرتی ہے، وہ اسی کے ساتھ رہتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ»[1] [آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہو]

اہلِ سنت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ ائمہ سنت، علماے سنت، سنت کے انصار و اعوان سے محبت رکھتے ہیں اور ان ائمہ بدعت کو ناپسند کرتے ہیں، جو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو ہلاکت کے گڑھے جہنم میں گرا دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے اہلِ سنت کے دلوں کو علماے سنت سے محبت کے سبب منور و مزین کر دیا ہے۔

قتیبہ بن سعید نے کتاب الایمان میں لکھا ہے کہ ابو عبد اللہ حاکم نے کہا ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ سفیان ثوری، مالک بن انس، اوزاعی، شعبہ، ابن مبارک، ابو حفص، شریک، وکیع، یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمن بن مہدی سے محبت رکھتا ہے تو اسے صاحبِ سنت سمجھو۔[2]

احمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے اس عبارت کے بعد اپنے قلم سے اتنا اور زیادہ کر دیا کہ یحییٰ بن یحییٰ، احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ سے بھی محبت رکھے۔ امام صابونی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احمد بن سلمہ کے بعد میں نے اتنا اور بڑھا دیا:

''جو ان سے محبت رکھے گا وہ اہلِ حدیث ہوگا، اس کا شمار ائمہ اہلِ سنت میں ہوگا اور ان

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨١٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٤٠)

[2] شعار أصحاب الحديث لأبي أحمد الحاكم (٣٣/١)

کے طریقے پر چلنے والا ان کے اتباع اور ان کی جماعت میں سمجھا جائے گا۔"[1]

پھر امام صابونی رحمہ اللہ نے اس جماعت میں امام شافعی رحمہ اللہ کا شمار کیا ہے اور ان سے پہلے سعید بن جبیر، زہری، شعبی اور تیمی رحمہم اللہ کو بتلایا ہے۔ ان کے بعد لیث بن سعد، اوزاعی، ثوری، ابن عیینہ، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، یونس بن عبید، ایوب، ابن عون رحمہم اللہ اور ان کے بعد ان کے ہم عصروں کا نام لیا ہے۔ ان کے بعد یزید بن ہارون، عبدالرزاق، جریر بن عبدالحمید رحمہم اللہ کا نام لیا ہے۔ ان کے بعد محمد بن یحییٰ ذہلی، بخاری، مسلم، ابو داود، ابو زرعہ رازی، ابو حاتم، ابن ابی حاتم، محمد بن مسلم طوسی، عثمان دارمی، ابن خزیمہ، اسحاق بستی، یحییٰ ہروی، عدی بن حمدویہ رحمہم اللہ کے اسما کی تعیین کی ہے۔

امام صابونی رحمہ اللہ پھر لکھتے ہیں کہ یہ لوگ سنتِ مطہرہ سے متمسک تھے، حدیث کی نصرت کرتے تھے، حدیث کی طرف بلاتے تھے، حدیث کی طرف راہ دکھاتے تھے، ان سب کا وہی عقیدہ تھا، جو اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ کسی کا اس سے اختلاف نہیں تھا۔ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ اہلِ بدعت سے الگ رہنا چاہیے۔ اسی صورت میں اللہ کا قرب مل سکتا ہے، جب مسلمان اہلِ بدعت سے دور رہے اور ان کو چھوڑ دے۔ ان تفصیلات کو لکھنے کے بعد امام صابونی رحمہ اللہ پھر لکھتے ہیں:

"میں بفضلِ الٰہی ان ہی کے نقوش راہ پر چلتا ہوں اور ان ہی کی انوار سے مستنیر ہوں۔ میں اپنے احباب کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان کے منارۂ ہدایت سے نہ بھٹکیں، ان کے آثار و اقوال کو چھوڑ کر دوسرے کی نہ مانیں اور مسلمانوں کے درمیان مشہور بدعت پر ستوں کی ان بدعتوں سے کوئی دلچسپی نہ رکھیں۔ اگر ان ائمہ ہدایت کے زمانے میں آج کی ایک بدعت بھی رائج پذیر ہوتی تو ایسے بدعتی کو وہ لوگ چھوڑ دیتے، اسے بدعتی قرار دیتے، اس کی تکذیب کرتے اور اس کو ہر طرح سے زک پہنچاتے۔ اہلِ بدعت کی کثرت اور ان کی بہتات سے وہ دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ ان کی کثرت قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قربِ قیامت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہالت کی کثرت ہو گی۔[2] علم سے مراد یہاں سنت اور جہالت سے مراد بدعت ہے۔ جس نے سنتِ رسول ﷺ سے تمسک کیا، اس پر عمل کیا اور

---

[1] عقيدة السلف (ص: ٣٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٣٣)

استقامت پذیر رہا اور اس کی تبلیغ کی تو اس کا اجر اس سے زیادہ ہوگا، جتنا اوائل اسلام وملت میں جملہ اسلام پر عمل سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو پچاس کا اجر ملے گا۔ پوچھا گیا: پچاس ان میں سے؟ فرمایا: نہیں تم میں سے۔[1] اس اجر کی وجہ یہ ہے کہ فسادِ امت کے وقت سنت پر عمل کیا گیا۔"[2]

رب کریم سے ہماری دعا ہے کہ ہم کو ان لوگوں میں رکھے جو لوگوں کی بات سن کر اچھی بات پر عمل کرتے ہیں۔ کتاب اور سنت پر عمل پیرا ہیں، بدعات، اہوا اور آرا سے بچتے ہیں۔ سنت کے مقابلے میں کسی کے قول، فعل، اجتہاد، رائے اور قیاس کو سند نہیں مانتے ہیں۔ صلح کل کو بدعت اور ضلالت جانتے ہیں۔ بدعات کی کوئی بھی قسم ہو، اسے ایمان کے لیے تباہی، اسلام کے لیے بربادی اور احسان کے لیے خرابی سمجھتے ہیں۔ دین حق کو قرآن اور حدیث میں محصور جانتے ہیں اور انھیں دونوں اصول کو سعادتِ دارین کے حصول کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں اور سیئات سے جہاں تک ہو سکے بھاگتے ہیں۔ فروگذاشتوں اور غلطیوں سے توبہ کرتے ہیں۔ گناہ پر جمتے نہیں، باہم خیر خواہی اور نصیحت پسند کرتے ہیں۔ فضیحت اور رسوا کرنے کو سخت نا پسند کرتے ہیں۔ ان کو کوئی راہِ سنت سے بھٹکا نہیں سکتا اور کتاب وسنت کی مزاولت اور اصحابِ حدیث کی صحبت سے انھیں کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ پر قناعت کرنے سے دل کو چین، جی کو آرام، ایمان کو قوت، اسلام کو رونق اور احسان کو ترقی ملتی ہے۔ جس بد نصیب نے کتاب وسنت سے منہ پھیرا اور تیرا میرا طریقہ اختیار کیا، وہ نام کا مسلماں ہوسکتا ہے، حقیقت میں اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر اسلام اس کا نام ہے کہ پیغمبر اسلام سے کوئی سروکار رہے نہ سنت سے کوئی غرض اور عمل صالح سے کوئی مطلب، بلکہ رات دن فسق وفجور اور خوض وجدال رہے اور بدعت کی تائید وتقویت کی جائے تو ایسے اسلام کو ہمارا سلام ہے۔ آج نہیں تو کل اس نام کی مسلمانی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

[مجھے وہ بات کس قدر پسند آئی جو ایک عیسائی شراب خانے پر ڈفلی اور بانسری بجا کر کہہ رہا تھا]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٤١)

[2] عقيدة السلف للصابوني (ص: ٤٠)

دنیا دو دن کی کہانی ہے۔ یہ سارے خیالات وخطرات خواب ہو جائیں گے۔ کتاب وسنت کے متضاد سارے قیاسات اور قرآن وحدیث کے مخالف ساری آرا واجتہادات سراب دکھائی دیں گے۔

عقیدے کے عنوان پر اس مختصر رسالے میں امام صابونی رحمہ اللہ کی کتاب سے بھی عقائد لیے گئے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام الحرمین رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "عليك باعتقاد ابن الصابوني" [ابن الصابونی رحمہ اللہ کے بیان کردہ اعتقاد کو لازم پکڑو]۔ امام صابونی رحمہ اللہ کا پورا نام ہے: ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن صابونی رحمہ اللہ۔ ''عقیدہ مفیدہ'' ان کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں انھوں نے اہل حدیث کے عقائد کو جمع کیا ہے۔ میں نے اس رسالے (فتح الباب لعقائد اولي الألباب) میں "الانتقاد الرجيح بشرح الاعتقاد الصحيح" اور "بغية الرائد في شرح العقائد" وغیرہ سے بھی زیادہ بعض عقائد کا اضافہ کر دیا ہے۔ کتاب "الجوائز والصلات من جمع الأسامي والصفات" سے بھی کچھ عقائد کو لیا گیا ہے۔ ہر عقیدے کے تحت جو بات حق معلوم ہوئی، وہ تحریر کر دی گئی۔ اگر کسی جگہ قلم زود رقم کے ہاتھ سے سہو ونسیان نے دامن تحریر کو پکڑ لیا ہو اور طبع کے اشہب تیز گام نے کسی میدان میں خطا وقصور کی ٹھوکر کھائی ہو تو اس سہو ونسیان کی درستی اور اصلاح یوں ہو سکتی ہے کہ اس عقیدے کو کتابِ عزیز اور سنتِ مطہرہ کے ظاہر پر پیش کیا جائے یا ائمہ حدیث کے عقائد کی کسی مقبول کتاب کے ساتھ ملا لیا جائے، جو عقیدہ قرآن وحدیث کا منطوق ٹھہرے، اسے قبول کیا جائے اور جو کتاب وسنت کے خلاف ہو، اسے رد کر دیا جائے۔

انسان تو محل نسیان ہے، جبکہ گناہوں کو بخشنے والا اللہ اپنے بندوں پر منان ورحمان ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ وہ ہمارے گناہوں کو ضرور معاف فرمائے گا۔ اللهم غفراً وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير.

خاتمہ:

اس رسالے میں جو عقائد درج کیے گئے ہیں، وہ کتاب وسنت کے دلائل کا خلاصہ اور سلفِ امت اور ائمہ کے آثار کا زبدہ ہے۔

جب شاہدِ ایمان کا چہرہ ان عقائد سے منور ہو جائے تو طالبِ نجات کو چاہیے کہ وہ تقوی،

پرہیز گاری اور ترسکاری کو اختیار کرے۔ تمام اعمال اور تمام احوال کی اساس یہی تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ ڈیڑھ سو سے زائد آیات قرانیہ میں تقوے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے چالیس آیات ایسی ہیں جن میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یاد رہے جب تک کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو، امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ خیر وبرکت والی خصلتوں میں سے کوئی خصلت ایسی نہیں ہے جس کا تقوے سے زیادہ ذکر ہو اور اس کی تعریف کی گئی ہو۔ احادیث میں بھی اسی تقوے کا شرف ومقام سب سے زیادہ بیان فرمایا گیا ہے۔ متقی مرد وزن کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ اور عزت والا ٹھہرایا گیا ہے اور اسی تقوے کو لباسِ خیر اور زادِ خیر فرمایا گیا ہے۔

یہ تقویٰ بھی عجیب چیز ہے، جو ثواب کے لیے شرط سبب ہے اور دشمنوں کے لیے موجبِ قہر ہے۔ تقوے سے بھر پور انداز میں بخشش، رحمت اور گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ اسی سے فتح برکات اور رفع درجات کا شور ہوتا ہے، حق وباطل میں جدائی پڑ جاتی ہے، تنگی ترشی سے رہائی مل جاتی ہے، ایسی جگہ سے رزق ملنے لگتا ہے، جہاں کا کچھ دھیان گمان نہیں ہوتا ہے، عمل کا اجر بڑھتا ہے، عمل صالح ہونے لگتا ہے، زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے، نعمت کی ترقی ہوتی ہے، صبر کی ہمت بندھتی ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ تم نیکی اور تقوے میں دوسرے مومنوں کی مدد کیا کرو۔ نیکی وتقوے کا حکم دینے والے کی مدح وآفرین فرمائی گئی ہے۔ اول وآخر سارے جہاں کو اسی تقوے کی وصیت کی گئی ہے۔ لہٰذا جو شخص سچا طالب اور پکا راغب ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقوے کا عاشق اور پرہیز گاری کا دل دادہ بنے، فسق وفجور اور کذب وزور کو ممنوع قرار دے، کسی کے کہنے سننے اور بہکانے پھسلانے میں نہ آئے۔

شیطان انسان کا قوی دشمن ہے۔ کتاب وسنت کے توسل کے بغیر اس کے مکر وفریب سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ نفس امارہ ابلیس کا خادم ہوتا ہے۔ وہ اس نفس کو جس طرف بھی کھینچتا ہے، یہ چپ چاپ اسی طرف دوڑتا چلا جاتا ہے۔ ابلیس لعین کبھی تقوے کی صورت میں بھی دھوکا دے کر تقوے سے باز رکھتا ہے۔

تقوے کے لغوی معنی پرہیز گاری کے ہیں۔ شرع میں اس کے خاص وعام دونوں معنی آئے

ہیں۔اس کے خاص معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں آخرت میں ضرر رساں ہیں، ان سے بچے، قلب واعضا کو ان سے الگ رکھے اور ان کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

تقویٰ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ شرک وبدعت کی جملہ اقسام سے حتی الامکان احتراز کرے، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦]

[سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو]

اس میں کوئی شک نہیں کہ تقوے کا یہ مرتبہ ہر شخص کی استطاعت میں داخل ہوتا ہے۔ اگر بندے سے اتنا بھی نہ بن پڑے تو پھر وہ ابدالآباد تک آگ میں رہے گا۔ جہنم اس سے آباد ہوگی اور وہ برباد ہو جائے گا۔

رہا تقوے کا اعلیٰ درجہ تو وہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ کی طرف رجوع کرنے سے روکے، اس کے ذکر سے باز رکھے، اتباعِ سنت سے محروم کر دے، کمالِ ایمان، حسنِ اسلام اور اخلاصِ احسان کے مراتب سے مانع ہو، تقویٰ تمھیں اس سے بچائے اور اس کے قریب نہ آنے دے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے تقوے کا یہی درجہ مراد ہے:

﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ [آل عمران: ١٠٢]

[اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے]

غرض کہ تقوے کے مقام و مرتبے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کے دیکھنے، سننے، چھونے، کھانے، پینے اور پہننے سے باز آ جائے، جن سے منع کیا گیا ہے، جس راہ پہ چلنے سے روکا گیا ہے، جو سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس سے رک جائے۔ اسی طرح بے ہودہ گوئی نہ کرے، شرم گاہ کو حرام اور زبان کو فضول کلام سے بچائے۔ منکرات کی آماج گاہ انسان کا دل ہے، اس کے درست ہونے سے تمام اعضا درست ہو جاتے ہیں اور اس کے بگڑنے سے سارے جوارح بگڑ جاتے ہیں۔ یہ دل ملک جسم کا بادشاہ ہے۔ جملہ حواس اس کے لشکر اور جملہ اعضائے جسم اس کی رعیت ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کے ذریعے دل صالح ہو جاتا ہے اور اخلاق بد سے بگڑ جاتا ہے، لہٰذا ہر قبیح امر کو اس کے مقابلے میں ثابت شدہ امر حسن سے بدل لینا لازم ہے، مثلاً کفر کو ایمان سے، نفاق کو اخلاص سے، غضب کو

رضا سے، بخل کو جود وسخا سے، تیزیِ طبع کو نرمیِ خاطر سے اور شغل بغیر اللہ کو شغل باللہ وفی اللہ سے بدل لے، علی ہذا القیاس۔ جب یہ انقلاب آ جاتا ہے تو پھر انسان کو اللہ کے سوا کسی کی پروا نہیں رہتی۔ اسے ہی کہتے ہیں: ''اللہ اللہ باقی سب خیر سلا''۔

غالب بریدم از ہمہ خواہم کہ زیں سپس
کنجے گزینم و بپرستم خدائے را

[غالب! میری چاہت یہ ہے کہ میں سب سے کٹ جاؤں اور اس کے بعد گوشہ نشین ہو کر ایک اللہ کی عبادت میں لگ جاؤں]

بہر حال جب کسی شخص کو ہر کام کاج میں تقوی منظور نظر اور پیش نہاد خاطر ہو گا تو رفتہ رفتہ اس کی ساری منکرات معروفات سے بدل جائیں گی، اس کی خصالِ مذمومہ صفاتِ محمودہ بن جائیں گی، اعمالِ قبیحہ اعمالِ حسنہ سے تبدیل ہو جائیں گے، مفاسد مصالح بن کر کچھ اور ہی لطف دکھائیں گے، فضائل کے ساتھ آراستگی رذائل سے پیراستگی ظاہر ہو گی اور شغل بغیر اللہ رفتہ رفتہ کم ہو کر اس کی جگہ شغل بحق تعالیٰ بیٹھ جائے گا۔ پھر اگر اللہ نے چاہا اور نصیب بھی اچھے ہوئے تو دل خیالِ خیر سے بالکل صاف ہو کر اللہ کے سوا کو بھول جائے گا، سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف آ جائے گا اور ''لا الہ الا اللہ'' پر قانع ہو جائے گا۔

چاہیے الفت جاناں سے سروکار فقط
منتخب عالم ہستی میں ہے اک یار فقط
قید الفت میں ہیں فرہاد نہ مجنون باقی
ہم رہے دام محبت میں گرفتار فقط
فکر وصلت سے تو فارغ ہیں خدا خیر کرے
منع الفت کے لیے ہیں مرے غم خوار فقط

جب حالت یہ ہو جائے گی تو دلِ اخلاص منزل پر معرفتِ حقیقی کا دریچہ کھل جائے گا۔ اب تک جو کچھ بہ طریقِ علم معلوم ہوا تھا، وہ سب دیدہ بصیرت میں مشہود وعیاں ہونے لگے گا، جو استدلال تھا، وہ بداہت بن جائے گا، حصول ضرورت بن کر آ جائے گا، عالم اس علم کے ذریعے معلوم تک پہنچ جائے گا،

کتابِ عزیز اور سنتِ مطہرہ میں جو کچھ آ چکا ہے، دل اسی مطلب ومفہوم پر جم جائے گا، قولِ خدا و رسول کی حقیقت کا اعتقاد جی میں سما جائے گا، بدعت اور اہلِ بدعت سے مکمل نفرت ہو جائے گی، فسق وفجور سے وحشت بڑھ جائے گی، ہر آمد ورفت میں یہی جی چاہے گا کہ قرآن وحدیث کے سوا کوئی ذکر، چرچا اور شغل نہ ہو۔ کسی کی بات پر کان نہ لگایا جائے گا، سر سے پاؤں تک اتباعِ سنت کے طفیل سراپا نور ہو جائے گا، مجسم طہارت و تقدس بن جائے گا، جوارِ حظیرۃ القدس [جنت] کے لائق ٹھہرے گا، ریاض المرتاض جنت کی سیر کرنے لگے گا اور دنیا کو ایک قید خانہ سمجھ کر حضرات تجلی کا مشتاق رہے گا۔ اب اس شخص کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہو گئیں اور اس کی دنیا و آخرت دونوں سنبھل گئیں۔ کہو! تو اب اور کیا چاہیے؟

خاتمہ تالیف:

یہ رسالہ ایک ہفتے کی قلیل مدت میں ۱۸ جمادی الاخرہ ۱۳۰۲ھ کو بحمدہ تعالیٰ وعونہ مکمل ہوا۔ اے اللہ!

عمر بگذشت بحرومی اگر روز پسیں
ختم بہ دولت دیدار شود باکی نیست

[زندگی تو محرومی کے ساتھ گزر گئی، اگر آخری دن تیرے دیدار کی دولت سے مالا مال ہو گئی تو میرے لیے آہ وبکا کا کوئی مقام نہیں ہوگا]

رب أنت ولي في الدنيا والآخرة، توفني مسلما و ألحقني بالصالحين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين وشفيع العاصين، وآله وصحبه وعلينا معهم أجمعين.

برصغیر میں علومِ اسلامیہ اور عقیدہ سلف کی نصرت و اشاعت کے سلسلے میں والا جاہ نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ) کی مساعیِ جمیلہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے خود بھی حسبِ ضرورت متعدد کتب رقم فرمائیں، جن کی تعداد دو صد سے متجاوز ہے، اور دوسرے علما کو بھی تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ کیا، ان کے لیے خصوصی وظائف کا بندوبست کیا اور اسلامی علوم و فنون کے اصل مصادر و مآخذ کی از سرِ نو طباعت و اشاعت کا وسیع اہتمام کیا، جو اپنے وقت میں علمائے کرام اور طلبائے دین کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے علومِ اسلامیہ کے تقریباً تمام گوشوں سے متعلق مستقل تالیفات رقم کی ہیں اور شاید ہی کوئی ایسا دینی و علمی موضوع ہو، جس پر نواب صاحب رحمہ اللہ نے کوئی مستقل رسالہ یا کتاب نہ لکھی ہو۔ ان تصانیف کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک ان کی یقینی تعداد اور موضوعات کی تعیین کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکا، جس کی بڑی وجہ ان مولفات کی عدم دستیابی اور فقدان ہے، کیوں کہ مولف رحمہ اللہ کی زندگی میں تو یہ کتب اشاعت پذیر ہوئیں، لیکن بعد میں دوبارہ ان کی از سرِ نو اشاعت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو سکا اور یہ علمی جواہر پارے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

چنانچہ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے ذیلی شعبے لجنۃ القارۃ الہندیہ کے زیر اہتمام فضیلۃ الشیخ ابو خالد فلاح خالد المطیری حفظہ اللہ اور محترم المقام عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کی زیر سرپرستی نواب صاحب رحمہ اللہ کی علمی تراث کے احیا کی خاطر یہ علمی مشروع شروع کیا گیا ہے، جس سے نواب صاحب رحمہ اللہ کی مولفات کو حسبِ ضرورت تحقیق و ترجمہ اور تسہیل کے ساتھ مناسب ترتیب سے مجموعات کی شکل میں شائع کرنا مقصود ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے قارئین کی خدمت میں نواب صاحب رحمہ اللہ کی عقیدہ توحید سے متعلق پندرہ کتب کو تحقیق و تسہیل کے بعد پیش کیا جا رہا ہے اور بقیہ کتب بھی موضوعاتی ترتیب کے ساتھ آنے والے دنوں میں شائع کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز

گل روڈ، حمید کالونی گلی نمبر 5 گوجرانوالہ 055-3823990